انوار ساطعہ

مصنف

حضرت علامہ مولانا عبدالسمیع رامپوری

مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ

لاہور

"براہین قاطعہ" کے رد میں لکھی جانے والی مدلل اور بےمثال کتاب

انوارِ ساطعہ

در بیان

مولود و فاتحہ

مصنفہ

حضرت علامہ مولانا عبدالسمیع انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ

ناشر

مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور

نام کتاب ———— انوارِ ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ
تصنیف ———— حضرت علامہ مولانا عبد السمیع انصاری قدس سرہٗ
کتابت ———— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
تصحیح ———— مولانا نذیر احمد سعیدی
صفحات ———— ۶۰۸
سنِ طباعت ———— جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ / نومبر ۱۹۹۴ء
تعداد ———— ایک ہزار
مطبع ————
ناشر ———— مکتبہ حامدیہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور
قیمت ————

فہرست مضامین

سببِ تالیف

ہزار ہزار شکر تیرا اے منعمِ حقیقی کہ تُو نے ایسا حبیب مقبولِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم بھیجا جس کا وجود باجود مومنین کے لیے موجبِ نورِ ایمان اور باعثِ آرامِ جان ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ پھر لاکھوں کروڑوں درود اس امامِ رُسل ہادیِ سُبل کی رُوح پُرفتوح پر جس کے فیضِ تعلیم وہدایت سے ہر زندہ دل اپنے مُردگانِ غمناک کی ارواح کو فاتحہ ودرود سے راحت رساں ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

اَمّا بعد

عرض کرتا ہے امیدوارِ فضلِ باری احقر العباد عبدالسمیع انصاری کہ اہلِ اسلام کو اپنی اس حالتِ نازک پر رونا چاہیے کہ اسلام ایک گُلِ پژمُردہ کی طرح سمومِ اختلافاتِ بیجا سے آناً فاناً کُملایا جاتا ہے اور عناد وفساد ایک تند بادِ شدید ظلمانی کی طرح ہر طرف سے اُٹھا چلا آتا ہے۔ نہ زبانیں سچی نہ سینہ صاف، سیکڑوں مفسد سے ہزاروں اختلاف۔ کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ جناب باری عزّ اسمہٗ جس کی شانِ عالی یہ ہے

مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثاً، اُس کو امکانِ کذب کا دھبّہ لگاتا ہے۔ اور حضرت فخرِ موجودات سرورِ کائنات جس نے خود اپنی زبانِ مبارک سے فرمایا ہے:
اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یعنی کون ہے تم میں میری مانند۔
لَسْتُ کَاَحَدِکُمْ (ایک بھی تم میں میری طرح نہیں)
اور وہ تو وہی ہے ان کی بیبیوں کی وُہ شانِ عالی ہے کہ خود اللّٰہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (اے نبی کی بیبیو! عورتوں میں سے ایک بھی تمہاری طرح نہیں)

پھر اس زمانہ میں ایک ادنیٰ سا آدمی ہے کہ وُہ کہہ رہا ہے "رسول اللّٰہ میرے بھائی ہیں۔"

واضح ہو کہ بھائی جس قدر ہوتے ہیں سب اپنے باپ کے کُل ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لفظ سے معاذ اللّٰہ ایہام دعویٰ برابری حضرت فخر الانبیاء کے ساتھ ہے۔ اب کس کس اختلاف کو بیان کیجئے، ایک کہتا ہے کہ وتر ایک رکعت پڑھو تین رکعت ضرور نہیں، اور تراویح بیس پڑھنی بدعت اور آٹھ سنّت ہیں۔ اس ملک میں جو قدیم الایام سے تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح پر اجماع و اتفاق تھا اُس میں پھوٹ ڈالتے ہیں۔ اور ایک یہ کیا بہت باتوں میں طرح طرح کی شاخیں نکالتے ہیں۔ وہ محفلِ میلاد جس کو عالمِ عامل محدّث کامل فقیہ فاضل حافظ ابوالخیر سخاوی رحمۃ اللّٰہ علیہ نے لکھا ہے کہ جمیع اطراف و جوانب ارض میں اہلِ اسلام پڑھتے ہیں مولدِ نبی کریم اور پاتے ہیں اس کے سبب برکاتِ عظیم۔

(ب) اِس دور میں کوئی آدمی اُس کو کفر و شرک کہتا ہے، کوئی بدعت کہتا ہے نعوذ باللّٰہ منہا۔ علیٰ ہٰذا القیاس، ڈاموات جو مخزون دردناک ایک غار تنگ و تاریک میں پڑے ہُوئے آس کر رہے ہیں کاش میرا بیٹا یا بیٹی کچھ مجھ کو دیں یا بھائی بہن

فاتحہ درود بھیجیں۔ اب اس وقت میں بعض صاحب ہیں کہ بے دھڑک فتوے دے رہے ہیں کہ یہ سب امور بدعت اور حرام ہیں۔ عوام جو تعیینِ تواریخ کی تقیید میں کچھ کرگزرتے تھے وہ بالکل شتر بے مہار ہو گئے۔ بدعت سُن کر مصارفِ خیر سے سبکدوش اور دست بردار ہو گئے، امدادِ اموات بند ہو گئی۔ تیرھویں صدی میں لوگوں کا حال کیا غضب تھا اب چودھویں صدی شروع ہوئی دیکھیے کیا قیامت ہو۔ دنیا میں کیا خرابی اور دین میں کیا مصیبت ہو۔ تیرہ سو دو ہجری (۱۳۰۲ھ) میں دہلی کے تین علماءِ غیر مقلد اور علماءِ دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کی حُسنِ توجہ سے اور مطبع ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق چھپ کر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا، اُس کی لوحِ سرنوشت یہ تھی: "فتویٰ مولود عرس وغیرہ"۔ اس فتویٰ کا ذکر جہاں اس کتاب میں آوے گا فتویٰ اوّل انکاری لکھا جاوے گا۔ خلاصۂ مضمون اُس کا یہ ہے کہ "محفلِ مولد شریف علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بدعتِ ضلالت اور اسی طرح اموات کی فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہے یہ سب حرام اور رسمِ بد اور معصیت ہے۔" کچھ دن اس پر نہ گزرے تھے کہ فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ کا اُسی مطبع ہاشمی میں چھپ کر مشتہر ہوا اُس کا نام لوح پر یہ لکھا: "فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ"۔ اس فتویٰ کا جس جگہ اس کتاب میں ذکر آوے گا فتویٰ ثانی انکاری لکھا جاوے گا۔ اس فتویٰ میں زیادہ تر مذمت میلاد شریف کی ہے اور وہ چو ورقہ جو پہلے چھپا تھا پھر دوبارہ اس میں چھپا۔ مجھ سے بعض اخوانِ طریقت نے بتاکید تمام یہ فرمائش کی کہ اس فتویٰ کے سبب کچے دل کے آدمی تشکیکات میں پڑے جاتے ہیں اور معاندین اس فتویٰ کو جابجا دکھاتے ہیں اور اِس فتویٰ کو پڑھ پڑھ کر اپنے مسلمان بھائیوں کو بیدردی سے چڑاتے ہیں اور فتنہ کی آگ جو اس قسم کی تحریکاتِ نفسانی سے بھڑکتی ہے بھڑکاتے ہیں۔ اب تم کو چاہیئے کہ تم خبر لو اور ایک قولِ حق

افراط و تفریط سے خالی اس باب میں لکھ دو ورنہ عوام جگر خام گردابِ ضلالت میں ڈوب جائیں گے اور پھر کبھی ساحلِ ہدایت کی طرف خروج نہ پائیں گے۔ تب حضرت ملہم الصدق والصواب نے جس کے قبضۂ قدرت میں بنی آدم کا دل ہے میرے دل میں یہ ہی ڈال دیا کہ بالضرور اس مقدمہ میں ایک حکمِ فیصل لکھنا چاہیے اور عوام کو تشکیکات رد و جدال میں نہ ڈالنا چاہیے تب میں نے یہ رسالہ لکھا اور نام اس کا **انوارِ ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ** رکھا،

مضامین کتاب کا اجمالی خاکہ

اس میں چار انوار ہیں،

○ نورِ اوّل میں پانچ لمعے ہیں،

____ لمعہ اولیٰ میں نقل ہیں کچھ عبارتیں مفتیانِ فتاویٰ انکاری کی۔

____ لمعۂ ثانیہ میں وجہ نظرِ ثانی "انوارِ ساطعہ" کا بیان ہے۔

____ لمعۂ ثالثہ میں حال ہے کتاب "براہینِ قاطعہ" کا۔

____ لمعۂ رابعہ میں ذکر ہے علمائے مشائخ مسلم الثبوت مفتیانِ فتویٰ انکاری کا۔

____ لمعۂ خامسہ تحقیق بدعتِ حسنہ و بیانِ اقوال و شرح حدیث خیر القرون و بیان اموریکہ بران باہم انکار واقع شدہ مثل اذانِ جمعہ و اعرابِ قرآن وغیرہ و ثبوت بدعتِ حسنہ بدلیل عقلی و نقلی و شرح حدیث "مَن احدث فی امرنا" و دیگر احادیثِ بدعت و شرح اثر عبد اللہ ابن مسعود و دیگر صحابہ در احداث و بیان اموریکہ در زمان نبوت نبودند مثل منبر عیدگاہ و اذانِ اولیٰ جمعہ و رجع القہقریٰ اطوافِ

رخصت وعجب ست کسیکہ عامل باعمال مشائخ وتقلید باشد چہ طور منع کند فاتحہ و مولد شریف را وتحقیق "مَن سَنَّ فی الاسلام سنۃ" واقوالِ فقہا ومحدثین در اثباتِ بدعتِ حسنہ۔

○ نور دوم میں چھ لمعے ہیں؛

لمعۂ اُولیٰ میں جواز فاتحہ وجواب دلائلِ مانعین۔

لمعۂ ثانیہ میں جمعرات کی فاتحہ۔

لمعۂ ثالثہ عیدین وشبِ برات وعشرہ محرم میں فاتحہ۔

لمعۂ رابعہ جواز طریق فاتحہ سوم۔

لمعۂ خامسہ ذکر چہلم وبستم ودہم کا اور بھیجنا گھڑوں کا مساجد میں بہ نیّت امداد مصلّیانِ مساجد۔

لمعہ سادسہ نصائح درباب اموات۔

○ نور سوم میں نو لمعے ہیں؛

لمعۂ اُولیٰ اثباتِ محفل میلاد بابرکت بمذہب جمہور امت۔

لمعۂ ثانیہ میں یہ بیان کہ خاندان عزیزیہ کے مشائخ کرام شامل محفل مولد شریف ہوئے اور جناب مرشدی ومولائی حضرت حاجی شاہ امداد اللہ صاحب عم فیوضہ بھی شریک محفل مولد شریف ہوتے ہیں۔

لمعۂ ثالثہ یہ اعتراض کہ محفل میلاد شریف کو کنہیا کے جنم اور نصاریٰ کے بڑے دن سے مشابہت ہے پھر اس کا جواب۔

لمعۂ رابعہ یہ اعتراض کہ یہ محفل بدعت سیئہ ہے پھر اس کا جواب اور اصولِ مقررہ مولوی اسمٰعیل صاحب سے ثابت

کرنا کہ یہ محفل سنت ہے بدعت ہرگز نہیں کیونکہ اس کی اصل بھی ثابت ہے اور نظیر و مثل بھی۔

لمعۂ خامسہ ـــ یہ اعتراض کہ محفل خاص بارھویں ربیع الاول کو کیوں کرتے ہیں اور ہر سال دوام کیوں ہے پھر اس کا جواب اور ثبوت تخصیص یوم عمل دائمی چند دلائل سے۔

لمعۂ سادسہ ـــ یہ اعتراض کہ قیام شرک ہے اور روح کا وہاں حاضر جاننا شرک ہے۔ پھر ان سب کا جواب اور چلنا پھرنا روحوں کا دلائل قویہ سے ثابت کرنا اور یہ بھی کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر پہنچتی ہے محفل مولد شریف کی اور قیام کے شبہات کا جواب اور یہ تحقیق کہ تعیینِ قیام اس واسطے نہیں کہ روح مبارک تشریف لاتی ہے بلکہ قیام چند وجوہ سے شرع میں پایا گیا ہے۔

لمعۂ سابعہ ـــ یہ اعتراض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غائب ہیں الفاظِ حاضر مخاطب اُن کے واسطے بولنے کفر ہیں۔ پھر اس کا جواب دلائل قاطعہ سے اور ثبوت اُس کا عہدِ صحابہ سے اب تک۔

لمعۂ ثامنہ ـــ اعتراضِ متفرقہ پھر اس کا جواب۔

لمعۂ تاسعہ ـــ اسمائے مبارک حضرات عالی درجات فقہاء محدثین مجوزین عمل برکات تضمین مولد ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ و اولیاء اُمتہ اجمعین۔

○ نور چہارم میں تقریظات رشیق و تمیقات انیق جو اس عصر کے علماء

فضلاء ذی تحقیق و تدقیق و نیز لبعض عنایت فرمایانِ شفیق
نے رقم فرمائی ہیں۔

مؤلف کی التجا

مؤلف رسالہ ہذا بصد التجا اہلِ اسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں
ایک مرد مریض و نحیف و کم طاقت حوائج علائق سے عدیم الفرصت ہوں تردّدات سے
دم بھر خالی نہیں۔ جنگ وجدال اور تضییعِ اوقات سے بچتا ہوں کیونکہ میں کوئی
وارستہ مزاج لاابالی نہیں۔ اپنے کاروبار کو اصلاحِ دین کے لیے چھوڑ کر یہ رسالہ لکھتا
ہوں۔ اے اہلِ اسلام! للہ نظرِ انصاف سے اس کو دیکھو نفسانیت کو ہرگز دخل نہ
دیجیو اگر حق سمجھ میں آجائے قبول کیجیو اور قولِ سابق سے رجوع کرنے کو کسرِ شان مت
سمجھیو اور مدتوں کی جمی ہوئی دل سے نہ نکالو تو اتنا ضرور کیجیو کہ طرفِ ثانی کی تشنیع
سے زبان سنبھالیو۔ ع

مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

جو لوگ باقتدائے سلف صالح اِن امورِ حسنہ کے قائل ہیں اُن کے پاس اپنی
تقویت میں بہت سے دلائل ہیں اور ادلّہ شرعیہ سے مدلّل اُن کے مسائل ہیں۔

نورِ اوّل

نورِ اول میں پانچ لمعے ہیں۔

لمعۂ اولیٰ میں نقل ہیں کچھ عبارتیں مفتیانِ انکاری کی۔

مفتیانِ انکاری کی عبارات

قال انعقاد محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرونِ ثلٰثہ سے ثابت نہیں ہوا پس یہ بدعت ہے اور علیٰ ہٰذا القیاس بروز عیدین و غیرہ۔ عیدین و پنجشنبہ وغیرہ میں فاتحہ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا البتہ نیابۃً عن المیت بغیر تخصیص ان امورِ مرقومۂ سوال کے للہ مساکین و فقراء کو دے کر ثواب پہنچانا اور دعائے استغفار کرنے میں امیدِ منفعت ہے اور ایسا ہی حال سوم دہم چہلم وغیرہ اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدمِ ثبوت حدیث اور کتبِ دینیہ سے۔ خلاصہ یہ کہ بدعات محدثات ناپسند شرعیہ ہیں (مولوی حفیظ اللہ صاحب، مولوی شریف حسین صاحب، مولوی الٰہی بخش صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب مدرس اول مدرسۂ دیوبند، مولوی محمد محمود صاحب مدرس مدرسۂ دیوبند) یہ عبارت فتویٰ اول انکاری صفحہ ۳ اور فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۶ میں ہے۔

قال جوابات سب صحیح ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار کتبہ فقیر محمد عبدالخالق دیوبندی

عفی عنہ) فتویٰ اوّل انکاری صفحہ ۳ ' فتویٰ ثانی انکاری ص ۱۷۔

—— قال ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلافِ سنّت ہے اور سوم بھی کہ یہ سنّت ہنود کی رسوم سے ہے البتہ ثواب پہنچانا اموات کو بلاقید روا ہے اس کا مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (رشید احمد عفی عنہ گنگوہی)

یہ عبارت فتویٰ اوّل انکاری صفحہ ۴ و فتویٰ ثانی انکاری کے صفحہ ۱۷ میں ہے۔

—— التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیودات لایعنی کی ضلالت سے خالی نہیں ہے و علیٰ ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرونِ ثلٰثہ میں نہیں پائی گئی۔

فتویٰ اوّل انکاری صفحہ ۴ فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۷۔

—— قال مجلسِ مولود جیسا کہ اس زمانہ میں اس ہیئتِ کذائیہ مشہورہ کے ساتھ مروج ہے یعنی مجتمع ہونا اور خلط ملط ہونا چھوٹوں بڑوں کا بلکہ عورتوں اور امرد لڑکوں کا اور پڑھنا اشعار کا راگ میں اور پڑھنا روایتوں موضوعہ کا جو بالکل بے اصل ہیں اور بے دین اور طالب الدنیا لوگوں نے روپیہ کمانے کے واسطے ان کو گھڑ کر عوام الناس کی تسخیر کے لیے اپنی باتوں کو چکنی چپڑی کرنا چاہا اور ہر کس و ناکس کو اُس میں بلانا خواہ وہ لوگ لباس اور پہناوے بُرے خلاف شرع کے پہنے ہوئے ہوں اور خواہ ڈاڑھی منڈا ئے ہوتے ہوں۔

یہ عبارت صفحہ ۸ فتویٰ ثانی انکاری میں مرقوم ہے۔

—— قال یا یہ وجہ کہ رُوحِ پاک علیہ السلام کی جو عالمِ شہادۃ میں تشریف لائی اُس کی تعظیم کو قیام ہے تو بھی محض حماقت ہے کیونکہ اس وجہ میں قیام کرنا وقت

وقوع ولادت شریف کے ہونا چاہیے اب ہر روز کون سی دلالت مکرر ہوتی ہے۔ پس یہ ہر روز اعادۂ ولادت تو مثل ہنود کے کہ سانگ کنہیا ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں معاذاللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھہرا اور یہ خود حرکتِ قبیحہ قابلِ لوم وحرام وفسق ہے بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے وہ تو تاریخِ معیّنہ پر کرتے ہیں ان کے یہاں کوئی قید نہیں جب چاہیں یہ خرافاتِ فرضی بناتے ہیں۔

یہ عبارت فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۴ میں مرقوم ہے۔

قال نہیں جانتا میں اس مجلس مولود کی کچھ اصل کتاب اور سنّت میں اور نہیں نقل کیا گیا کرنا اس کا کسی سے علمائے اُمّت میں سے جو کہ پیشوائے دین اور چنگل مارنے والے ہیں ساتھ آثار اگلوں کے بلکہ یہ بدعت ہے ایجاد کیا اس کو بیہودہ لوگوں نے اور خواہش نفسانی ہے کہ ارادہ کیا اس کو ٹکڑ گدوں پیٹ کے کُتّوں بہت کھانے والوں نے۔ نَجَانَا اللّٰهُ مِنْهُمْ وَ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔ اٰمین (بچاوے اللہ ہم کو ان لوگوں سے اور پناہ میں رکھے ہم کو ان کی شرارتوں سے۔ آمین)

فتویٰ ثانی انکاری صفحہ ۱۸ میں یہ عبارت درج ہے اور مولوی محمد حسین صاحب فتیر اگرچہ اس فتاویٰ میں شریک نہیں مگر بہت کچھ مذمت مولد شریف کی کرتے ہیں وہ اپنے حربہ فقیر میں جو کہ اس فتویٰ سے بہت پہلے طبع ہو چکا ہے لکھتے ہیں: ؎

ہزاروں فاسق و فاجر ہیں جمع محفل میں
عجیب نفس کی لذّت ہے محفلِ میلاد
جو چشمِ دل بھی ہے بنیا تو دیکھ شیطان کو
کہ اُس کے زیرِ حکومت ہے محفلِ میلاد

حرام فعل ہو یا ہو حلال اُن کے لیے
قضائے حاجت ہے محفلِ میلاد
چڑھی ہے داڑھی تو مونچھیں بڑی ہیں اکثر کی
بھری اُنھیں سے بکثرت ہے محفلِ میلاد
بہت ندائے رسولِ خدا میں شاغل ہیں
یہ مشرکوں کی علامت ہے محفلِ میلاد

اگرچہ یہ عبارتیں اس قابل نہ تھیں کہ درج کتاب کی جاتیں لیکن اس معذرت کے لیے لکھی گئیں کہ میں نے ایسے مقالات پریشان سے تنگ ہو کر قلم اٹھایا ہے اصحابِ عدل وانصاف مجھ کو معذور فرمائیں۔

وجہِ نظرِ ثانی "اَنوارِ ساطعہ"

لمعۂ ثانیہ میں وجہ نظر ثانی اُنوارِ ساطعہ کا بیان ہے واضح ہو کہ جب

حضرات مانعین کی دراز نفسی بڑھی مولد شریف کرنے والوں کو ٹکڑ گدے اور پیٹ کے کُتے لکھا اور ہندوؤں سے بھی بدتر ٹھہرایا اور مولد شریف کو خرافات اور سانگ بنایا۔ چنانچہ یہ کلمات فتویٰ مطبوعہ ہاشمی سے بقید ہندسہ صفحہ لمعہ اولیٰ میں نقل ہو چکی۔ علاوہ اس کے بعض رسائلِ منکرین اور بھی دیکھے گئے ان میں بھی الفاظ ناشائستہ مندرج تھے اس وجہ سے اس نحیف نے بھی کتاب 'انوارِ ساطعہ' میں جو سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھپی تھی کہیں کنایۃً بطور ظرافت اور کہیں صراحۃً بطور ملامت کچھ کلمات لکھے لیکن نہ ان لوگوں کے برابر بلکہ کمتر، سو وہ بھی اس سہارے پر کہ ہم شرعاً انتقام کے مجاز ہیں۔ سورہ شوریٰ میں ہے، وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے مثل اس کی انتہیٰ بخلاف اُن صاحبوں کے کہ سلیقۂ زبان درازی اول اپنی طرف سے بلا سابقہ ظاہر فرما چکے اور ہرگز اپنے پاس کوئی دلیل شرعی اس پیش دستی کی نہیں رکھتے اور

میں نے جو لکھا تھا وہ بہت کم تھا لیکن وہ بھی میرے طرز کے خلاف تھا کیونکہ طعن و تشنیع سے مبرا ہوں ہر ایک سے سلامت روی رکھتا ہوں، یہ ہی وجہ تھی جو میں نے اپنا نام 'انوارِ ساطعہ' مطبوعہ ۱۳۰۲ھ میں ظاہر نہیں کیا تھا آخر کار لوگوں میں خود بخود چرچا ہو گیا تمام شہر میں، یہاں تک کہ ملک عرب میں بھی میرا ہی نام ظاہر ہوا مکہ معظمہ سے زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً جناب مرشدی و مستندی و سیدی و ملتجدی ملاذ یومی و غدی نعیم روحی و جسدی مرشد العلماء والفضلاء شیخ العرفاء والکملاء شریعت آگاہ طریقت پناہ معرفت دستگاہ حقیقت اکتنا المولی الحافظ الحاج المہاجر فی سبیل اللہ شیخنا المدعو بحاجی شاہ امداد اللہ مدظلہ العالی مدی الایام واللیالی کا یہ ارشاد ۱۳۰۴ھ میں پہنچا کہ انوارِ ساطعہ کے مسائل و دلائل مجھ کو پسند آئے لیکن مرضی کے خلاف یہ بات ہے کہ اور علماء ہمعصر و ہم قافلہ کی نسبت بعض الفاظ تشنیع لکھے یہ اربابِ تحقیق سے بعید ہے میں نے اس کا عذر پیش کیا کہ ابتداء اُدھر سے ہوئی لیکن پذیرا نہوا اور کس طرح ہوتا آپ تو اس درجہ کی نصیحت فرمائیں گے کہ آپ جس مقام پر ہیں یعنی خودی کو مٹائے ہوئے اپنے نفس پر جابر اور قاہر لوگوں کی ایذاؤں پر صابر اور شاکر تعمیل اَلْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ آپ کا شیوہ اور دستور زبان پر یہ آیت جاری وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ الحاصل میں نے حضرت (حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ) کا فرمان مان لیا اور مولوی خلیل الرحمٰن صاحب جو ان ایام میں وہاں موجود تھے حضرت سے مثنوی شریف پڑھتے تھے میں نے ان کو ایک خط ان ایام میں لکھا تھا اس میں یہ مضمون لکھ دیا کہ حضرت سے عرض کر دیجیو کہ جو الفاظ تیز و تند کسی کی نسبت لکھے گئے ہیں ان کو نکال دوں گا اور فریق ثانی جو کچھ زبان درازی کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں اُس پر صبر کر کے انتقام نہ لوں گا۔ پھر اس کے جواب میں حضرت مرشدی کا جو کرامت نامہ تقدس شمامہ صادر ہوا نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے:

کرامت نامہ جناب حاجی صاحب

"عزیزی و محبّی مولوی عبدالسمیع صاحب دام محبتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ بعد دعائے ازدیاد علم واخلاص مکشوف باد کہ باطلاع مضمون خط شما کہ بہ خلیل الرحمٰن نوشتہ بودید نہایت محظوظ شدم چونکہ آخر کار معاملہ بخدائے علیم بذات الصدور افتادنیست لازم آنکہ از کتاب انوار ساطعہ خود کلامیکہ دران تیز قلمی وغیظ نفسانی شدہ باشد کہ ایں از طرز تحریر اصحاب تحقیق و ارباب تہذیب بعید است واسمائے برادران طریقت خود وعبارت واسمائے دیگر کہ از فور نفسانی صادر شدہ باشد اخراج نمائند و مضمونیکہ فیما بینکم وبین اللہ تعالے باخلاص وبرائے اظہار امر حق باشد باقی دارند ان شاء اللہ تعالیٰ مقبول خواہد شد واگر کسے بتردید آں چیزے نویسد شما درپے تحریر جواب الجواب نشوند چرا کہ قصد شما اظہار حق بود ظاہر شد وبس و فی الحقیقت نفس مطلب کتاب موافق مذہب و مشرب فقیر و بزرگان فقیر است خوب نوشتید جزاکم اللہ خیر الجزاء اللہ تعالے ما و شما و جمیع مومناں را در ذوق و شوق و محبت خود داشتہ حسن خاتمہ نصیب کند آمین۔

الراقم الآثم فقیر امداد اللہ عفی عنہ

محررہ ۲۲ شوال ۱۳۰۴ھ از مکہ معظمہ محلہ حارۃ الباب" انتہی

اور ایک خط مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کا مکہ معظمہ سے آیا اُس میں لکھا تھا کہ حضرت مرشدی ارشاد فرماتے ہیں کہ جب دوبارہ کتاب "انوار ساطعہ" مطبوع ہووے پانچ چھ نسخے ہمارے پاس ضرور روانہ کریں۔ انتہیٰ

الحاصل بعد ورود صحیفہ شریفہ حضرت مرشدی و مستندی کے مجھ کو فرصت

نظرِ ثانی کے لیے نہ ملی۔ بناءً علیہ یہ بات ملتوی رہی۔ جب خط ہر طرف سے طلب "انوارِ ساطعہ" میں آنے لگے مجبور ہو کر یہ ٹھہرا کہ اب دوبارہ مطبوع ہونا چاہیے۔ ۱۳۰۶ھ میں نظرِ ثانی شروع کی۔ حضرت مرشدی و مولائی کا ارشاد زبانی بعض آئندگان مکہ معظمہ چار پانچ مقام کے لیے تھا میں نے یہ کیا کہ ہر مقام سے جس لفظ کو موجبِ ملال سامع سمجھا نکال دیا حتیٰ کہ مانعین کی طعن آمیز عبارتیں مع جواب کل خارج کر دی گئیں کہ نہ اُن کے الفاظ بعینہٖ انوارِ ساطعہ میں نقل کیے جائیں گے نہ اُن کے جواب میں اسی طرح کے الفاظ جواب ترکی بہ ترکی آئیں گے بلکہ اُس پر اختصار کیا گیا کہ فریقِ ثانی کی بعض عبارتوں کو بلا ذکرِ جواب لمعۂ اولیٰ میں بطور نمونہ لکھ دیا۔ مجھ کو رضا جوئی حضرت مرشدی و مولائی کی بجان و دل منظور ہے تعمیل ارشاد میں قصور کرنا سراسر قصور ہے تعجب کرتا ہوں اُن لوگوں کے حال پر جنہوں نے شہر میرٹھ کے مطبع حدیقۃ العلوم میں اشتہار چھاپ کر شائع کیا کہ فلاں فلاں عالم نے جناب حاجی صاحب یعنی حضرت مرشدی و مستندی سے بیعت تصوّف میں کی ہے نہ شریعت میں۔ الیٰ آخرہ۔

اگر وہ لوگ اس گفتگو کو اپنے ہی تک رکھتے میں بھی سکوت کرتا لیکن جب یہ بات مطبوع ہو کر مشتہر ہوئی اور کسی صاحب نے اس کی تلافی نہ کی تو مجھ کو اس کا دفعیہ کرنا ضرور ہُوا۔

منازلِ تصوّف واضح ہو کہ تصوف کی چار منزلیں ہیں:
(۱) شریعت (۲) طریقت (۳) معرفت
(۴) حقیقت

جب تصوّف کی بیعت مان لی تو چاروں میں بیعت مان لی پھر ایک منزل سے خارج ہونا عجب افسانہ ہے اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ اور حضرت کی بیعت شریعت

سے کیوں انکار کرتے ہیں حضرت کو اتباع شرع شریف میں بڑا اہتمام ہے اور مسائل فروع و اصول قواعد اہلسنت میں تحقیق تام ہے پس آپ عارف بھی ہیں اور عالم بھی،

عالم شریعت ہونے کے لیے علم فلسفہ وغیرہ کی حاجت نہیں

اور عالم شریعت ہونے کے لیے علم فلسفہ وغیرہ کی حاجت نہیں بنا بریں علیہ حضرت کو اگر منطق و معقولات میں مزاولت نہیں تو کیا حرج ہے! منطق ایک آلہ ہے جس سے خطاء فی الفکر سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے خود تصریح کی ہے:

> "جو لوگ من عند اللہ مؤید ہیں بنفوس قدسیہ وہ علم حقایق میں محتاج فکر و نظر کے نہیں ہوتے۔"

یعنی ان کو منطق سے کچھ کام نہیں ان کے ذہن میں حق سبحانہ، ایسا حدس پیدا کر دیتا ہے، کہ جھٹ مبادی سے مقاصد کو پہنچ جاتے ہیں بلا فکر و نظر۔ جس شخص کو یہ بات آزمانی منظور ہووے تو جس وقت حضرت مثنوی شریف کا درس دیتے ہیں اس وقت دیکھے اور معلوم کرے کہ جن مطالب میں بڑے بڑے معقولی متحیر ہیں آپ ایک اشارہ میں حل فرما دیتے ہیں حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی ذات کو جامع علم شریعت و طریقت بنایا ہے اور یہ نحیف شریعۃ اور طریقۃ ہر طرح حضرت سے اعتقاد رکھتا ہے اس لیے تعمیل ارشاد حضور کی بجا آوری واجب سمجھی اور اس کتاب میں نظر ثانی کر کے جو جو عبارت طعن و تشنیع آمیز تھی نکال دی۔ لیکن جب قلم ترمیم پر اس وجہ خاص سے اٹھایا تو پھر بھی علم میں آیا کہ بعض بیان جو کچھ ہمارے مطالب اصلیہ کے موقوف علیہا نہ تھے۔ مثل کیفیت تعمیر مسجد دیو بند و مسئلہ سماع و حقہ وغیرہ گھٹائے گئے اور جو فوائد موید مطالب تھے وہ اور بڑھائے گئے اور بعض مضامین جن کو مانعین

ایک عبارت سے نہ سمجھتے تھے دوسری عبارت سے سمجھائے گئے واللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق۔

"براہینِ قاطعہ" کے حال میں

لمعہ ثالثہ میں حال ہے "براہینِ قاطعہ" کا۔ واضح ہو کہ جب ۱۳۰۲ھ میں "انوارِ ساطعہ" مطبوع ہو کر مطبوع خلائق ہوا۔ اکثر شائقینِ حق طلب نے دُور دُور سے کسی نے قیمۃً کسی نے ہدیۃً منگوا کر مطالعہ کیا اقاصی بلاد و اماکن بعاد سے بہت شکریہ کا مضمون لکھا آیا کہ الحمد للہ ہم نے اس کتاب کے سبب بہت مغالطات و اوہام و تشکیکات سے امان کلی پایا پھر دو برس بعد ۱۳۰۴ھ میں ایک کتاب "براہین قاطعہ" بجواب "انوارِ ساطعہ" مطبع ہاشمی میرٹھ میں چھپی اس پتہ سے کہ یہ کتاب حسب الامر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مطبوع ہوئی۔ دیباچہ مقام اظہار نام مؤلف میں ان کے مرید مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کا نام ہے اور ختم کتاب پر مولوی رشید احمد صاحب موصوف کی تقریظ واسطے تصدیقِ جواب و تائید و تحسین کتاب کی زیب ارقام ہے مجھ کو میرے بعض احباب و نیز بعض علماءِ دہلی و پنجاب وغیرہ نے خطوط لکھے کہ تم "براہینِ قاطعہ" کا جواب کیوں نہیں لکھتے یعنی اس کتاب میں نہ تحقیقِ حق بلکہ غیظِ قلبی کو ظاہر کیا ہے نہ کوئی دلیل معقول نہ موزوں جواب، صرف کلمات غیر مہذب اور ناصواب سے کتاب کو بھر دیا مغلظات میں کوئی لفظ باقی نہیں رکھا جو اس میں نہیں لکھا اگر ساری کتاب کا انتخاب ہو تو غالباً مضمون سب و شتم و غیظ و غضب میں نصف کتاب ہو۔ اس کتاب کا جواب لکھنا بہت ضرور ہے۔ میں نے کہا نہیں مجھ کو اب چند وجوہ سے سکوت منظور ہے،

براہین قاطعہ کا جواب نہ لکھنے کی وجوہ

⊙ وجہ اول یہ ہے کہ حضرت مرشدی جناب حاجی صاحب ادام اللہ ارشادہٗ

تحریر جواب الجواب سے خواہ اسی کتاب کا ہو یا کسی اور رسالہ ناصواب کا عموماً باقتضائے رفع نزاع مانع ہیں چنانچہ رقعہ ہدایت مرقعہ حضرت کا لمعہ ثانیہ میں منقول ہو چکا۔ مزید برآں یہ کہ علامہ ذی جاہ المشتہر بالالسنۃ والافواہ استاذنا الحاج المہاجر مولانا رحمت اللہ الہندی الکرانوی ثم المکی خصہ اللہ بالنعامہ الجلی والخفی نے بھی ایک نامہ رحمت ختامہ اسی مضمون میں روانہ فرمایا ہے۔ چنانچہ بجنسہٖ منقول ہوتا ہے رقعہ مولوی صاحب۔

مرحمت نامہ جناب مولٰینا رحمت اللہ صاحب

"شفیقِ عالم مولوی عبد السمیع صاحب سلامت۔

سلام مسنون کے بعد مرام یہ ہے کہ آپ سے جو قدیم سے محبت اور بے تکلفی ہے اس لیے لکھتا ہوں کہ جو آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد کو پہنچ گئی اور تحریر بھی اب بڑی سختی سے ہوتی ہے اس لیے حافظ عبد اللہ صاحب جو مدرس دوم مدرسہ فقیر کے ہیں اُن کو دہلی سے چھتاری واسطے لینے زر مقررہ دو برس کے جو سرکار چھتاری سے وصول نہیں ہوا تھا بھیجنا ضرور تھا سو ان کو تاکید کی گئی کہ جاتے یا آتے آپ سے بھی میرٹھ میں ملیں سو وہ ملاقات کر کے زبانی بھی آپ سے کہیں گے کہ یہ مقدمہ جتنا دب سکے دبائیو اور ہرگز نہ بڑھائیو۔ فقط والسلام

راقم آثم محمد رحمت اللہ از مکہ معظمہ"

بھلا جبکہ استاد اور پیر دونوں کا ایک ہی ارشاد ملک واجب الادب یعنی عرب سے آئے تو بندہ کس طرح اب اس باب میں قلم اٹھائے۔

○ وجہ ثانی یہ کہ شروع میں جب مانعین نے مولد شریف کرنے والوں کو احمق اور ضال اور کنھیا کے جنم کرنے والوں سے بھی بڑھ کر لکھا اور یہ کلمہ دور دور یعنی روم و شام و مصر و یمن و حرمین شریفین و بیت المقدس وغیرہ کے علماء عظام اور مشائخ کرام

اگلے پچھلے احیاء وامرات غرضیکہ جمیع ذواتِ بابرکات تک پہنچتا تھا تب اُن سب کی برات اور مذہبِ حق کی نصرت کے لیے میں نے رسالہ "انوارِ ساطعہ" لکھا تھا اور اسی اخلاصِ نیت وانتصارِ حق کے باعث یہ رسالہ طالبانِ حق میں مقبول اور مشہور ہُوا اور شُہرہ اس کا دُور دُور رہا۔ اب جو یہ کتاب "براہینِ قاطعہ" چھپی ہے تمام لعن وطعن وغیرہ سے بھری ہُوئی ہے نہ کوئی مضمون سنجیدہ نہ موزوں تقریر جہاں تک نظر کیجئے میری ذاتِ خاص کی توہین وتحقیر بناءً علیہ میں اپنی ذاتِ خاص کا انتقام نہیں لیتا ان کے الفاظِ ثقیلہ کا جواب نہیں دیتا حدیثِ خیر الانام علیہ اکمل الصلوٰۃ والسلام سے ہم معلوم کر چکے ہیں کہ جب تک انسان اپنی برائیوں کو سُن کر چُپ رہتا ہے اس کی طرف سے فرشتہ جواب دیتا ہے اور جب یہ خود جواب دینے لگتا ہے تب وُہ فرشتہ جو انتقام کو آتا ہے چُپ ہو کر اپنی راہ لیتا ہے۔ اس لیے مجھ کو منظور نہیں کہ بذاتِ خود اپنے نفس کا انتقام لُوں، اب یہی اچھا ہے کہ قلم کو جواب سے تھام لوں۔

⊙ وجہِ ثالث یہ ہے کہ جب "براہینِ قاطعہ" چھپ کر ادھر اُدھر شائع ہوئی اور اس کے مقلدین نے "انوارِ ساطعہ" کو بُرا کہنا شروع کیا، تب میں نے اپنا رسالہ "انوارِ ساطعہ" علماءِ عصر کی خدمت میں بھیج دیا تاکہ اس کا ملاحظہ من اوّلہ الیٰ آخرہ حرفاً حرفاً فرمائیں، اگر مضمون درُست اور حجت چُست پائیں تو اپنی تصدیق اور ترقیم تقریظ سے اس کو مزیّن فرمائیں۔ چنانچہ بڑے بڑے شہروں کے نامی اکابر فضلاء اور دُور دُور کے مشاہیر علماء نے اس کتاب کو بالاتفاق پسند کیا اور ترقیم تقریظات سے اس نحیف کو سربلند کیا۔ اُن تقاریظ سے یہ ہویدا ہے کہ "انوارِ ساطعہ" کا دعویٰ اور دلیل سب درست وبجا ہے۔ چنانچہ وہ تقاریظ نور چہارم میں اِن شاء اللہ تعالیٰ ہم مرقوم کریں گے اور ناظرین اُن کے مضامین بلاغت آئین

معلوم کریں گے پس ہم کو جواب دینے "براہین قاطعہ" کی کیا حاجت ہے ہمارے مضامین پر کثرت سے اجماع ہونا سلف وخلف کا اور نیز اتفاق اس وقت کے علماءِ ذی شرف کا کافی حجت ہے۔

۞ وجہ رابعہ یہ ہے کہ مؤلفِ "براہینِ قاطعہ" نے بہت مضامین ایسے لکھ دیئے جس سے اکثر اہلِ اسلام متوحش ونفور ہو گئے۔ مثلاً کہ صفحہ ۲ براہینِ قاطعہ میں یہ ہے:
"جو کوئی یوں کہے کہ خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے اس پر طعن کرنا جہالت ہے"۔
صفحہ ۴ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ بنی آدم کے بھائی ہیں الیٰ آخرہ"۔ قیدِ ایمان کی بھی شرط نہ رکھی جو آیہ کریمہ "انما المؤمنون اخوۃ" سے بعض آدمی ثابت کرتے تھے۔
صفحہ ۴ "وتر کی ایک رکعت کو قوت ہے"۔
صفحہ ۵ "جو کوئی آٹھ رکعت تراویح کو سنت جانے نہ بیس کو وہ قابلِ اعتراض نہیں"۔
صفحہ ۲۶ "دیوبند کے عالموں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلامِ ہندی بولنا آگیا"۔
صفحہ ۱۸ "حرمین شریفین کے علماء کو رشوت دے کر جو چاہو فتویٰ لکھوالو" الیٰ آخرہ
پس گویا آیہ وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ کے مصداق ہیں۔
صفحہ ۹۹ "عوام کا مذہب معین نہیں ہوتا" الیٰ آخرہ
یعنی سب لامذہب ہوتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر عوام ہیں اور جو خواص ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم کو خود بصیرت حاصل ہے۔ چنانچہ فرقہ غیر مقلدین کی زبان پر جاری ہے پس خواص بباعث علمیت اور عوام بباعث ناواقفیت تقلید سے نکل گئے تو تقلیدِ ائمہ جس پر اجماع مدت سے چلا آتا ہے کہ دہر

گئی۔ ایسا مسئلہ ایسے وقت پرشور وشر میں لکھنا خلقت میں آگ لگانی ہے۔

صفحہ ۱۳۲ "مسئلہ اختلافی بلاضرورت بھی جائز ہے" الخ

یعنی تقلید امام واحد کی واجب نہیں جس کا جی چاہا بلاضرورت مسئلہ کسی امام کا لے لیا۔

صفحہ ۲۷۰ "جس کو ایک نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو اس کے ذمہ سے حج ساقط ہو جاتا ہے"

مکار حیلہ طلب آدمیوں کے لیے اچھی دستاویز لکھ دی وہ کہہ دیا کریں گے کہ ہم سے جہاز اور اونٹوں کے سفر میں بے شک نماز ادا نہ ہو گی بناءً علیہ ہم کو جانا حج کے لیے ضرور نہیں اس میں کیا حکمت ہے کہ ایک فرض ادا کرنے کو جائیں دوسرا قضا ہو جائے۔

صفحہ ۱۲۷ "ہندوستان کے آدمی صدقۂ اموات رسماً کرتے ہیں" دوسری جگہ لکھا صفحہ ۱۳۴ "کہ الریاء شرک" الخ

تو صدقہ ان کا رسمی اور ریائی اور ان کو مشرک ٹھہرایا۔

صفحہ ۱۰۹ "اور ہندوستان کے آدمی تعینِ تاریخ میں تشبّہ بالہنود کرتے ہیں"
اور تشبّہ کو دوسرے مقام (ص ۱۱۳) پر لکھا "کفر ہے"

گویا رسوم وچہلم کرنے والے کافر ٹھہرائے۔ یہ کیسی بے انصافی اور زبان زوری ہے کہ سب کی نسبت حکم ریا ورسم وتشبّہ بالہنود کا دے دیا۔

صفحہ ۱۴۱ "محفلِ مولد شریف کرنے والے کنہیا کا جنم کرنے والوں سے بھی بڑھ کر ہیں وہ تو سال بھر میں ایک بار کرتے ہیں یہ جب چاہتے ہیں خرافات فرضی اور سانگ ولادت کا کر لیتے ہیں"

نظرِ ثانی الحاصل بہت مقامات پر ایسی ایسی تقریریں دلآزار رقم کی ہیں جس سے اہلِ اسلام علماء وغیر علماء سب کبیدہ خاطر ہو گئے کوئی قلم سے

کوئی زبان سے، ہر شخص حسبِ استعداد اُن کے مسائل کی تردید کر رہا ہے جب اُس کتاب کی یہ حالت ہے تو مجھ کو جواب لکھنے کی کیا حاجت ہے، ہاں جو کوئی شُبہ صاحبِ "براہینِ قاطعہ" کا واجب الدفع سمجھا جائے گا اب نظرِ ثانی کر رہا ہوں خاص اپنی "انوارِ ساطعہ" میں اس شُبہ کو لکھ کر حل کر دیا جائے گا۔

○ وجہ خامس یہ ہے کہ مؤلفِ براہینِ قاطعہ کو اگرچہ بظاہر میرے مسائل و دلائل پر شدّت سے انکار ہے لیکن اُسی انکار میں خاصی طرح اقرار ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۴ سطر ۱۶ میں آپ لکھتے ہیں روایات مندرجہ انوارساطعہ کی بابت:

"آپ کی سب روایات منقولہ مسلّم ہیں"۔

دیگر صفحہ ۶۱ سطر ۱۸ میں لکھا،

"جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں" الخ

ہم کہتے ہیں فاتحہ و اطعام طعام میں جمع بین العبادتین ہی تو ہے۔

دیگر صفحہ ۸۶ سطر ۵ "ہر روز ثواب پہنچانا اور عیدین کو اور شبِ برات کو بھی درست ہے"۔ الخ

پھر فاتحہ و طعام اِن ایّام میں ایصالِ ثواب ہی کے لیے تو ہوتا ہے۔

دیگر صفحہ ۱۱۹ سطر ۱ میں لکھا کہ "جو فقراء کے واسطے ہو بطور صدقہ تو نفس طعام مباح ہے فقراء کو، اگرچہ تعیین یوم کی بدعت ہے"۔ الخ

صفحہ ۱۲۹ سطر ۴ "اگرچہ طعام صدقہ ہے اور ثواب پہنچے گا مگر اس فعل تعیین کی وجہ سے مکروہ ہوگا" الخ

صفحہ ۰ سطر ۱۲ "مانعین اس عمل کے بدعت ہونے کے قائل ہیں نہ کہ ایسی صورت میں منکر وصول ثواب کے"۔ دیکھیے ایصالِ ثواب تعینات مروّجہ ہند میں بھی ہو جانا تسلیم کیا ا۔ ر تعیین کو بدعت کہا۔ سو ہم بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور دلائل "انوارِ ساطعہ" میں

مذکور ہیں - دیگر صفحہ ۱۴۳ سطر ۱۳ "
طرز اشغال گو متقدمین سے لے کر آج تک بدلتے چلے آتے ہیں
اور نسبت کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے مگر اصل مطلق واحد ہے " الخ
یہی جواب ہمارا فاتحہ اموات و محفل میلاد شریف میں ہے کہ اصل مطلق
واحد ہے گو رنگ اور طریق بدل گیا -
دیگر صفحہ ۱۷۴ سطر ۴ " مانعین نہ فرحت ولادت کو برا کہیں اور نہ ذکر ولادت کو
منع کریں بلکہ ایسے امر مستحسن ہیں " الی آخرہ
دیگر صفحہ ۱۷۸ سطر ۹ " سچ ہے کہ فرحت ولادت فخر عالم میں جس قدر کیا جاوے
بوجہ مشروع وہ تھوڑا ہے " الی آخرہ
دیگر صفحہ ۱۹۶ سطر ۷ " بدعت حسنہ
بدعت حسنہ سنت ہی ہوتی ہے
سنت ہی ہوتی ہے اس کو
بدعت باعتبار ظہور اور شیوع کے کہا جاتا ہے " الی آخرہ
پس ہم کہتے ہیں فاتحہ طعام اور مولد شریف دونوں سنت ہیں کیونکہ ان کی
اصلیں قرون ثلثہ سے ثابت ہیں گو ظہور اور شیوع ان امور کا بہیئت کذائیہ بعد
میں ہوا - بس اس ظہور خارجی اور شیوع کے سبب ان کو بدعت حسنہ کہنا چاہیے
نہ بدعت ضلالت -
دیگر صفحہ ۱۹۱ سطر ۱۵ " کھانے اور شیرینی کی بحث تو چند دفعہ ہو چکی کہ اصل اس کی مباح
اور تخصیص اور تاکد مروج سے کراہت پیدا ہوئی - یہ ذکر ہے کھانے اور شیرینی
محفل مولد شریف کا "
دیگر صفحہ ۲۰۰ سطر ۲ " قیام مباح تو تھا مطلقاً اور تعظیم شان ذکر فخر عالم علیہ السلام
کے واسطے مستحب بھی تھا مگر جہلاء کے تقیید اور تخصیص اور عوام کے سنت اور

وجوب سے بدعت ہُوا تھا۔"

صفحہ ۲۰۰ سطر ۴ " اور مولد کبیر وغیرہ میں جو مستحسن کہا ہے (یعنی قیام مولد شریف کو) تو اصل مطلق کے فرد کی وجہ سے کہا ہے بظن غالب وہاں عروض اس قید اور تاکد کا نہ ہُوا تھا بخلاف ہمارے زمانے کے" الخ

دیگر صفحہ ۲۴۲ سطر ۵ " تاویل حلبی کی یہ ہے کہ وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہٰذا جائز جانتے تھے اب وُہ امر نہیں رہا مکروہ ہو گیا"

دیکھیے قیام کو بھی مان لیا۔ باقی یہ بات کہ اب مکروہ ہو گیا سو یہ ان حضرات کے اجتہاد سے مکروہ ہوا۔ اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔

دیگر ندائے یا رسول اللہ جو بعض اشعار و قصائد میں ہوتی ہے اُس کی بابت "براہین قاطعہ" صفحہ ۲۲ سطر ۱۶ میں لکھا ہے: " اگر ذات فخر عالم کو حاضر ناظر بالذات کوئی عقیدہ کرے تو مشرک ہوتا ہے اور اگر یہ عقیدہ نہیں بلکہ محض محبت میں کہتا ہے یا بوجہ اس کے کہ اگر ضمن صلوٰۃ و سلام میں ہے تو ملائک آپ تک پہنچا دیں گے اور جو بدوں اس کے ہے وقت عرض اعمال کے پیش ہو جاوے گا تو جائز ہے" الخ

دیکھیے یہ مطالب لکھے ہوئے "انوارِ ساطعہ" کے سب تسلیم کر لیے ہیں اور وُہ جو ہر ایک بات میں تسلیم کے ساتھ کچھ کچھ شاخ انکار کی بھی درج کی ہے سو حقیقت اس کی " انوارِ ساطعہ" میں ناظرانِ حق طلب ملاحظہ کریں کہ ہر حجت کی کیفیت اپنے اپنے مقام پر کھول دی گئی ہے علاوہ بر آں عاقلان سخن فہم بخوبی سمجھتے ہیں کہ یہ شاخ ان کا نکالنا اس لیے ہے کہ جب نام تردید "انوارِ ساطعہ" کا لیا کچھ تو شاخ نکال دینی چاہیے۔ ورنہ سب لوگ کہیں گے کہ یہ کیا رد لکھا ہے کہ ہر بات کو مان لیا ہے اور بڑا فائدہ "براہین قاطعہ" سے یہ حاصل ہُوا کہ پیشتر اکثر ناواقف

آدمی ہم سے اُلجھا کرتے تھے کہ میلادِ سرورِ کائنات علیہ افضل التسلیمات و نیز فاتحہ اموات بدعت ہے اور بدعتِ حسنہ کوئی چیز نہیں ، جو بدعت ہے وُہ ضلالت ہے وُہ جزِ ضلالت فی النار ہے ۔ ہر چند ہم ثبوت دیتے کہ بدعت دو قسم ہے :

ایک سیئہ مذمومہ ،

دُوسری حسنہ محمودہ ۔

لیکن وُہ ہرگز نہ مانتے ۔ جب میں نے "انوارِ ساطعہ" میں تقسیم بدعت کا قاعدہ مدلل بدلائل شرعیہ ترقیم کیا مؤلفِ "براہین قاطعہ" نے صفحہ ۳۰ سطر ۱۴ میں اس کو تسلیم کیا ۔ عبارت اُن کی یہ ہے :

" جو امر بعد فخرِ عالم علیہ السلام کے حادث ہُوا مطلقاً خواہ محمود ہو خواہ مذموم اعنی اُس کے جواز کی دلیل شرع میں موجود ہو یا نہ ہو سو اس کی دو قسم کرتے ہیں ، قسمِ اوّل محمود کہ جس کی دلیل جواز کی شرع میں ہے اور دوسری مذموم کی دلیل اُس کے جواز کی نہیں پس قسمِ اوّل کو بدعتِ حسنہ نام رکھتے ہیں اور ملحق بالسنۃ جانتے ہیں ، اور دوسری قسم بدعتِ ضلالت ہے " الخ)

"براہینِ قاطعہ" کے شائع ہونیکا پہلا فائدہ

واضح ہوا اگرچہ مولف "براہین قاطعہ" یعنی مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی کا اس قاعدہ کو تسلیم کرنا فی نفسہٖ و نظراً الیٰ ذاتہٖ و صفاتہٖ کسی بشر کے نزدیک مخالفین یا موافقین میں قابلِ اعتماد و استناد نہ تھا لیکن چونکہ اُن کا یہ سب مسودہ درحقیقت ان کے پیر و مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے انعکاس تنویر افادات و افاضات سے منور رہے اور پھر بہ نظر ظاہر ہر تقریظ بھی اُن کی آخر کتاب میں یہ جلوہ تصدیق جمیع مسائل و دلائل جلوہ گر ہے بناءً علیہ اُس کتاب کا ہر

مضمون بقاعدہ مشہورہ "نور القمر مستفاد من نور الشمس" مولوی رشید احمد صاحب ہی کا مضمون متیقن ہو کہ ہمارے اضلاع و نواح میں جمیع مانعین کے نزدیک مستند و معتبر ہے۔ الحمد للہ کہ مانعین کو اپنے ایسے مسلم الثبوت کی زبانی ہمارے قاعدہ کی تصدیق کامل ہُوئی اور ہم کو اُن کی سمع خراشی لایعنی سے نجات کلی حاصل ہُوئی۔

دُوسرا فائدہ "براہین قاطعہ" سے یہ ہُوا کہ بعض اصحاب علم و نظر اگر تقسیم بدعت کے قائل بھی ہوتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ بدعت حسنہ اگر ہے تو بس قرونِ ثلثہ تک کا ایجاد درست لاکلام ہے اور بعد قرون کا ایجاد بالکل ضلالت اور حرام ہے۔ میں نے اس کا رَد "انوارِ ساطعہ" میں کامل کیا اور بدلائل شرعیہ ثبوت دیا کہ ایجاد کرنا اس امر کا جو کہ خیر اور سعد ہے جائز ہے گو قرونِ ثلثہ کے کتنا ہی بعد ہے۔ چنانچہ اس کو بھی مؤلف "براہینِ قاطعہ" نے صفحہ ۲۹ سطر ۱ میں تسلیم کیا، عبارت یہ ہے:

"جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلثہ میں ہو خواہ وُہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہُوا اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے" الخ

پھر اسی صفحہ ۲۹ میں گیارہ سطر کے بعد لکھتے ہیں: "دیکھو کہ تقلید شخصی کی دلیل قرونِ ثلثہ میں موجود ہے گو وجود خارجی اس کا کبھی ہوا اس سے ہم کو بحث نہیں" الخ

پھر چار سطر کے بعد لکھا: "لہٰذا بالتعیین وجود وجوب لغیرہ تقلید شخصی کا بعد زمانہ قرون ثلثہ کے ہُوا اگرچہ وجود شرعی اس کا قرون ثلثہ میں ثابت تھا" الخ

یہ ضروری نہیں جس امر کا وجود خارجی قرونِ ثلثہ میں نہ ہُوا وہ منع ہے

دیکھیے مؤلفِ "براہین" نے اس مقام پر اقرار کر لیا کہ یہ ضرور نہیں جس امر کا وجود خارجی قرون ثلثہ میں نہوا ہو وہ منع ہو وے بلکہ صرف دلیل جواز کا وجود

قرونِ ثلٰثہ میں پایا جانا کافی ہے جس امر کی دلیل کا وجود اُن قرون میں پایا گیا پھر وہ امر بوجود خارجی خواہ کبھی کسی زمانہ قریب یا بعید میں موجود ہو وہ سب سُنّت ہے۔

اور صفحہ ۱۹۶ میں لکھا: "بدعتِ حسنہ سنّت ہی ہوتی ہے اُس کو بدعت باعتبار شیوع اور ظہور کے کہا جاتا ہے۔"

چنانچہ اُوپر بھی یہ عبارت نقل ہو چکی، پس وُہ جو بعضے ناواقف منکرین جھگڑا کرتے تھے کہ محفلِ مولد شریف نہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے منعقد فرمائی نہ کسی صحابی نے نہ کسی تابعی نے نہ تابعین کے اتباع نے 'بناءً' علیہ۔ یہ محفل بدعت سیئہ ہے سو یہ دعوٰی اور دلیل اور سب قال وقیل ان کی تقریر براہینِ قاطعہ سے بالکل رُد ہو گئی اس لیے کہ اس محفل کا موجود بوجود خارجی ہونا اُن قرون میں کچھ ضرور نہیں دلیل جواز کا پایا جانا اُن قرون میں کافی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کوئی تھوڑی سمجھ کا آدمی دلیل کے معنی یہ نہ سمجھے کہ اگر اس فعل خاص کا نام صراحۃً اور اس کی کل کیفیات کا بیان بعینہٖ تشریحاً قرونِ ثلٰثہ میں ہو گا تب وُہ فعل بعد قرون جائز ہو گا ورنہ ناجائز ہو گا۔ خُوب یاد رکھو کہ یہ ہرگز مراد نہیں اس کا تصفیہ بھی مولفِ "براہینِ قاطعہ" نے کر دیا ہے اس لیے کہ انوارِ ساطعہ میں یہ مضمون لکھا گیا ہے کہ تعمیرِ مدرسہ کو بھی تم بدعتِ حسنہ یعنی ملحق بالسنۃ اور سنّت حکمیہ مانتے ہو پھر ایسے ہی محفل مولد شریف اور فاتحہ اموات بھی ہے اگر یہ امور اس وقت میں بہیئت کذائیہ ثابت نہیں تو تعمیرِ مدرسہ بھی بہیئت وصفت کذائیہ مروّجہ حال قرونِ ثلٰثہ سے ثابت نہیں۔

اس کا جواب براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۸۵ سطر ۳ میں یہ دیا ہے: "مثال تعمیرِ مدرسہ کی محض کم فہمی ہے صُفّہ کہ جس پر اصحابِ صُفّہ طالبِ علم دین وفقراء مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا، نام کا فرق ہے، لہٰذا اصل سنّت وہی ہے ہاں تبدیل

بلیت مکان کی ہوگئی۔" الخ

مقامِ صفّہ اور اصحابِ صفّہ

اب ہم برہان صاحب "براہین قاطعہ" کا حال کھولتے ہیں۔ واضح ہو کہ صُفّہ ایک سایہ دار مکان تھا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں' اور اصل اس کی یہ تھی کہ تحویلِ قبلہ سے پہلے مسجد شریف کی جانب شمالی قبلہ تھا جب تحویلِ قبلہ کا حکم ہُوا تو قبلۂ اولیٰ کی دیوار قائم رکھی تاکہ یہاں فقیر مسکین یعنی جن کا گھر بار کچھ نہیں رہا کریں ذکرہٗ فی جذب القلوب عن الذہبی۔ اور منتخب اللغات میں ہے:

"جمعے از غریبان اہلِ اسلام کہ خانہ نداشتند در موضعے از مسجد کہ بالائش پوشیدہ بودند مے گزرانند۔"

اور صحیح بخاری میں ہے،

"جب صدقات کہیں سے آتے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صُفّہ کو بھیج دیتے۔"

اور مشکوٰۃ کے باب فضل الفقراء میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ستّر اصحابِ صُفّہ دیکھے کسی کے پاس چادر اوپر اوڑھنے کو نہ تھی بس ایک ایک کپڑا تھا کسی کے پاس فقط نیچے باندھنے کو تہ بند تھا اور کسی کے پاس اوپر اوڑھنے کو کملی تھی جس کو گلے میں باندھ لیتے تھے، کسی کی آدھی پنڈلی تک وہ کملی یا تہ بند پہنچتا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک۔ وہ لوگ سجدہ وغیرہ کی حالت میں اپنے کپڑوں کو سمیٹا کرتے تھے کہ مبادا مقام سترِ عورت کھل جائے اور دوسرے کو نظر آئے۔ انتہیٰ اور کام اُن کا یہ تھا جو قرآن شریف میں ہے:

یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ۔

یہ آیہ کریمہ دو جگہ ہے: سورۂ انعام میں اور سورۂ کہف میں۔ کہا قتادہ مفسّر نے یہ

آیہ اصحابِ صُفّہ میں نازل ہُوئی ۔ وُہ ایک نماز پڑھ کے بیٹھے رہتے کہ اب دوسری نماز پڑھیں گے ۔ اس صورت میں "یدعون ربھم" کے معنی یہ ہونے کہ نماز پڑھتے ہیں ۔ اور یہ معنی حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بھی روایت ہیں ۔ اور بعضے مفسرین نے یہ کہا کہ "یدعون ربھم" سے یہ مراد ہے کہ دعا کرتے ہیں خدا سے اور یاد کرتے ہیں اس کو ۔ یہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کذا فی التفسیر الکبیر و المعالم اور شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی یہ معنی اختیار کیے ہیں ۔ سُورہ انعام میں ترجمہ آیہ کریمہ مرقومۃ الصدر فرماتے ہیں :

"مناجات میکنند پروردگار خویش را بامداد و مسامی طلبند روئے اورا" انتھیٰ

اور شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :

"پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام چاہتے ہیں اس کا منہ" انتھیٰ

اور صبح و شام سے مراد دوام ہے یعنی وُہ لوگ سدا مناجات الٰہی میں رہتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں ۔

اب مدرسہ کا مسئلہ معلوم کرنا چاہیے کہ سب علماء فی زماننا تعمیر مدرسہ کو جائز فرماتے ہیں ۔ کسی نے اپنی اصلاح کے موافق سنّت حکمیہ اور ملحق بالسنۃ کہا اور کسی نے بدعتِ حسنہ قرار دیا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی نظیر اور دلیل ٹھہراتے ہیں اب اصحابِ انصاف و عدل خیال فرماویں کہ اصحابِ صُفّہ کی حقیقت اور اشغال اور طلباءِ مدرسہ کی کیفیت اور صدور افعال میں کیا کیا کچھ تباین ہے اور اسی طرح بناءِ صُفّہ اور تعمیر مدرسہ میں حقیقۃً و صفۃً و وضعاً کس قدر تخالف ہے کسی چیز میں اشتراک نہیں ، نہ نام نہ تعمیر مکان میں نہ کیفیتِ اشغال اصحاب مکان میں بجز ایک بات کے کہ صُفّہ بھی ایک مکان تھا جس میں مسلمان طالبِ دین رہتے تھے ، مدرسہ بھی ایک مکان ہے جس میں مسلمان طالب دین رہتے ہیں ۔ یہ ایک

علتِ جامعہ مشترک دونوں میں دیکھ کر تمام علماء موافق و مخالف مدرسہ کو جائز رکھتے ہیں۔ چنانچہ اسی مبنیٰ اور علت پر مؤلفِ براہین اور اُن کے مرشد اور مقرظ نے تعمیر مدرسہ کا جواز مسلّم رکھا۔ پس ثابت ہو گیا کہ امرِ خیر تو ایجاد کے جواز و استحسان کے لیے اتنی دلیل کافی ہے جیسے آج کل کی ہیئت و کیفیتِ مدارس کے جواز کے لیے وجودِ صفہ دلیل کافی سمجھی گئی گو تبدیلِ ہیئت بدرجہ کمال ہے۔ جب یہ قاعدہ اس تشریح و توضیح سے خود صاحبِ "براہینِ قاطعہ" نے تسلیم کرلیا ہے اب ہم کو اُن کی کتاب کے رد و جواب کی حاجت کیا ہے۔ ہماری "انوارِ ساطعہ" میں مقصودِ اصلی و مطلبِ اہم دو امر ہیں: (۱) محفلِ سید الکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ و (۲) فاتحہ اموات یو یہ دونوں مسئلے تقریرِ مؤلفِ "براہین" سے ثابت ہو گئے۔ ہم کہتے ہیں فاتحہ اموات بطور دہم و چہلم وغیرہ ایصالِ ثواب ہی تو ہے اور محفلِ مولد شریف روایت معجزات ہی تو ہے گو ہیئت بدل گئی اور نام بدل گیا۔ جس طرح مدرسہ باقرارِ مؤلفِ "براہینِ قاطعہ" صُفّہ ہی تو ہے گو ہیئت بدل گئی اور نام بدل گیا۔ نادان لوگ ہیئت کذائیہ ہی میں سمع خراشی فضول کیا کرتے تھے۔ مؤلفِ "براہین" نے تبدیلِ ہیئت و نام صُفّہ در بابِ مدرسہ تسلیم کر کے ہم کو نزاع ہذا کے مجادلین سے نجات بخشی کہ تبدیلِ ہیئت سابقہ اور لحوق ہیئت کذائیہ لاحقہ قابلِ نزاع نہیں نبا ۓ علیہ ہم کہتے ہیں کہ فی الحقیقت "براہینِ قاطعہ" بنظرِ غور کچھ ہمارے مخالف نہیں بلکہ عین موافق مدعا ہے اور ہم نے جن اصول و دلائل و نظائر کو اثباتِ دعاوی "انوارِ ساطعہ" میں جا بجا قائم کیا ہے اہلِ نظر بتامل ملاحظہ فرماویں گے کہ ہر دلیل ہماری ساری دلیل صُفّہ سے کہیں بلند و اعلیٰ ہے۔

براہینِ قاطعہ اور براہینِ قاطعہ گنگوہی جس کا جواب انوارِ ساطعہ ہے ۲ دو الگ الگ کتابیں ہیں

معلوم رہے کہ جس مقام پہ نام اس "براہینِ قاطعہ" کا کتاب ہذا میں آئیگا

تمیز اور فصل کے لیے لفظ "براہین قاطعہ گنگوہی" بباعث چھپوانے اور شائع کرانے جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے لکھا جائے گا اس لیے کہ ایک رسالہ اور بھی مسمّی بہ "براہین قاطعہ" ہے جس کا جواب "دلائل ساطعہ قاطعہ براہین قاطعہ" ہے۔

سلسلۂ شاہ ولی اللہ دہلوی

لمعہ رابعہ میں ذکر ہے علماء و مشائخ مسلّم الثبوت مفتیانِ فتاوٰی انکاری کا۔ واضح ہو کہ ان فتاوٰی کے جس قدر مفتی ہیں وہ معتقد ہیں ان دو عالموں کے یعنی مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے۔ پس بعضوں کو ان صاحبوں کے خاندان میں واسطہ در واسطہ رابطہ شاگردی حاصل ہے اور بعضوں کو مریدی و طالبی اور بعضوں کو محض تقلید اور پیروی۔ پس مولوی اسمٰعیل صاحب کا خاندانِ طریقت یہ ہے کہ وہ مرید ہیں سید احمد صاحب کے اور وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اور مولوی اسحٰق صاحب علم حدیث میں شاگرد ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور وہ شاہ ولی اللہ صاحب کے اور شاہ ولی اللہ صاحب کا سلسلہ اوپر کو اسی طرح چلتا ہے خاندانِ مجددیہ میں کہ وہ مرید ہیں اپنے باپ شاہ عبدالرحیم صاحب کے اور وہ سیّد عبداللہ کے اور وہ سید آدم بنوری کے اور وہ امام ربّانی مجدد الف ثانی کے الخ

اور دوسرا سلسلہ اپنا شاہ ولی اللہ صاحب نے کتاب انتباہ میں یہ لکھا ہے کہ اس فقیر نے علمِ حدیث لیا اور خرقۂ تصوّف پہنا اور خلافت پائی شیخ ابو طاہر سے اور انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے اور انہوں نے شیخ احمد شناوی سے اور انھوں نے اپنے باپ علی ابن عبدالقدوس سے اور انہوں نے شیخ عبدالوہاب شعراوی سے اور انہوں نے شیخ جلال الدین سیوطی سے اور انہوں نے شیخ کمال الدین امام کاملیہ سے اور انہوں نے شیخ الاسلام ابوالخیر ابن الجزری شیخ القراء و المحدثین سے الخ الحاصل یہ بزرگواران مندرجہ سلاسل مذکور مقتدا اور پیشوا ہیں مفتیان

فتاوٰی انکاری کے اور نقل کیا ہم نے ان اسماء کو ان کی مسلم الثبوت کتب مشائخ مثل
اشباہ و قول جمیل وغیرہ سے اور یہ اس لئے کہ ہم جو قول یا دلیل پیدا کریں گے تو وہ یا خود
ان بزرگوں کی تصانیف میں ہوگی یا ان بزرگواروں کی مسلّم الثبوت کتابوں میں۔

اثبات بدعتِ حسنہ **لمعہ خامسہ** میں اثبات ہے بدعتِ حسنہ کا۔ واضح ہو کہ
یہ مسئلہ ایک اصل عظیم ہے اصولِ دینِ متین سے۔ جب یہ
ثابت ہوگیا تو جان لو کہ اکثر مسائل متنازعہ فیہا طے ہو گئے بناءً علیہ ہم اوّلاً اسی
میں گفتگو کرتے ہیں بحول اللّٰہ وقوتہ القویۃ اے طالبانِ حق! بیدار دل ہو کر سنو
کہ بدعتِ حسنہ میں چند اقوال ہیں،

○ قولِ اول یہ ہے کہ جو امر قرونِ ثلٰثہ یعنی صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین کے
زمانہ میں ایجاد ہوا وہ سنّت ہے اور جو بعد ان کے ہو وہ بدعت ہے اور ہر بدعت
ضلالت ہے۔ یہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مقلدوں کا قول ہے جو بارہا معارضات
میں پیش کرتے ہیں اور قید نظیر کی جو رسالہ "تذکیر الاخوان" میں مولوی اسمٰعیل صاحب
نے لکھی ہے اُس کو یہ کہتے ہیں کہ اسی رسالہ میں دوسرے مقام پر لکھا ہے "نظیر کا
سمجھنا کام مجتہد کا ہے پس جو کام ازروئے نظیر و مثل ایجاد ہوگا وہ بھی انہیں مجتہدین
مطلق کے وقت میں اگر ایجاد ہوگا تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز ہوگا۔"

چنانچہ اسی بناء پر مفتیانِ فتوٰی انکاری مولود و فاتحہ کو بدعت ٹھہرا چکے عبارتیں
ان کی لمعہ اولٰی میں نقل ہو چکیں کہ انعقادِ محفل میلاد و قیام قرونِ ثلٰثہ سے ثابت
نہیں ہوا پس یہ بدعت ہے فتوٰی انکاری ثانی صفحہ ۱۶ وعلٰی ہذا القیاس سوم و
فاتحہ بر طعام کہ قرونِ ثلٰثہ میں پائی نہیں گئی فتوٰی ثانی انکاری صفحہ ۱۷۔ اور مولوی
اسحٰق صاحب کے مائتہ مسائل سوال پانزدہم میں ہے:

"معہذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرونِ ثلٰثہ کہ مشہود لہم بالخیر

است ایں امر معمول نبود بعد قرونِ ثلٰثہ ایں امر حادث شدہ بنا بریں علماء در جواز و عدم جواز ان مختلف شدہ اند" انتہی[1]

اس عبارت سے بھی ظاہر ہے کہ جو علماء مولد شریف کو منع کرتے ہیں وہ بباعث نہ ہونے عین اس امر کے اُن قرون میں منع کرتے ہیں نہ بباعث نہ پانے جانے نظیر کے۔ اور تحقیق الحق صفحہ ۳۰ میں تفہیم المسائل قرۃ العیون سے نقل کیا ہے:

"جو چیز بعد ان تینوں قرن کے ایجاد ہُوئی وہ بدعت سیئہ سراسر ظلمت اور موجب ضلالت ہے۔"

نصاب الفقہ میں ہے: "ہر آنچہ بدعت حسنہ مجتہدان قرار دادہ اند ہماں صحیح است اگر دریں زمان چیزے را بدعتِ حسنہ قرار دہند خلاف است زیرا کہ در مصفی گوید کل بدعۃ ضلالۃ۔"[2]

یہ مضمون مانعین کے چند رسائل میں موجود ہے۔ الحاصل یہ لوگ تذکیر الاخوان کا مطلب اسی طرف راجع کرتے ہیں کہ مجتہدین اربعہ تک جو کچھ ہو گیا سو ہو گیا آگے سب بدعت ضلالت ہے اور راقم الحروف کے نزدیک معنی عبارت تذکیر الاخوان کے وُہ ہیں جو مباحث مولد شریف کے لمعہ رابعہ میں لکھے جائیں گے لیکن اس مقام پر

---

[1] ترجمہ: مولود شریف میں بھی اختلاف ہے کیونکہ قرونِ ثلٰثہ (جن کے بہتر ہونے کی شہادت موجود ہے) میں میلاد پہ عمل نہیں ہوا بلکہ قرونِ ثلٰثہ کے بعد یہ عمل حادث ہوا ہے اسی وجہ سے علماء نے اس کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا ہے انتہی

[2] ہر وہ چیز جس کو مجتہدین نے بدعتِ حسنہ قرار دیا وہ درست ہے مگر اس زمانہ میں اگر کسی چیز کو بدعتِ حسنہ قرار دیا جائے تو یہ درست نہیں ہے کیونکہ 'مصفی' میں کہا ہے کل بدعۃ ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے) انتہی

اُس میں گفتگو کی جاتی ہے جو ان کے مقلدین کا قرار داد ہے فی زماننا اور بعض صاحب اس فریق کی یہ بات بھی زبان پر لاتے ہیں کہ بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں جو چیز بدعت ہوئی اُس میں حُسن کہاں ۔ یہ بات رسالہ قنوجیہ وغیرہ میں مندرج ہے ۔

○ دوسرا قول یہ ہے جو چیز بعد الصحابہ اور تابعین کے نکالی جاوے وہ بدعت ہے اور نامشروع ۔ یہ مائۃ مسائل کے سوال چہل وہشتم میں لکھا ہے : امریکہ منقول نباشد از آنحضرت وصحابہ وتابعین غیر مشروع است ۔ الخ اور تمامی مسئلہ کتاب ہذا میں لکھا ہے : عدم نقل از حضرت وصحابہ وتابعین دلالت بر بدعت وکراہت فعل دارد الیٰ آخرہ ۔

قول اوّل میں تبع تابعین تک کی بات سنّت معلوم ہوتی تھی اس قول میں فقط تابعین تک قول مستند ہے ۔

○ تیسرا قول یہ ہے کہ صحابہ کا فعل تو سنّت میں داخل ہے لیکن صحابہ کے بعد جو قول فعل حادث ہو وُہ بدعت ہے اور ضلالت ہے ۔ چنانچہ جلد اوّل مکتوبات مجددیہ کے مکتوب ایک سَو چھیاسی (۱۸۶) میں ہے :

"ہرچہ در دین محدث ومبتدع گشتہ کہ در زمان خیر البشر وخلفاء راشدین او نبودہ علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات اگرچہ آں چیز در روشنی مثل فلق صبح بود ایں ضعیف را با جمعے کہ او مستند اند گرفتار عمل آں محدث نگرداناد "[1]

اور اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے : فعلیکم بالاقتصار علی متابعۃ

---

[1] جو کچھ نیا پیدا ہوا ہے اور نیا ایجاد ہوا ہے جو زمانۂ خیر البشر اور آپ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے زمانہ میں نہ تھا اگرچہ وہ چیز روشنی اور چمک دمک میں سفیدۂ صبح کی طرح ہو ۔ اس ضعیف بندے کو (اس گروہ کے ساتھ جس نے اس کو اختیار کر لیا ہے) اس نئے عمل پر گرفتار نہ کرے الخ

سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاکتفاء علی اقتداء اصحابہ الکرام۔
اب دیکھو اس کلام سے اگر استدلال کیا جائے گا تو قول وفعل تابعی کا بھی
نامستند اور واجب الاجتناب رہے گا۔

○ قول چوتھا یہ ہے کہ تابعین تو تابعین ہیں خود صحابہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے
اُن کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں ان علماء کے نزدیک بدعت کے یہ معنی ہیں:
البدعۃ مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (یعنی
بدعت وُہ ہے جو عہدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ ہو) پھر حضرت کے
بعد اگر صحابہ بھی ایجاد کریں اُن علماء کے نزدیک وہ بدعت ضلالت ہے غیر مقلدوں
کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفاء راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں اور
جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ حضرت سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: "لازم
پکڑو سنّت میری اور سنّت خلفاء راشدین کی"۔ تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں
مسک الختام شرح بلوغ المرام میں یہ ہے کہ نہیں مراد سنّت خلفاء راشدین سے
مگر ایسا طریقہ اُن کا کہ موافق طریقہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو اور معلوم ہے
قواعد شریعت سے کہ کسی خلیفۂ راشد کو نہیں پہنچتا کہ کوئی طریقہ سوائے اس
طریقہ کے کہ اُس پر حضرت تھے مشروع کرے"۔ انتہیٰ ملخصاً
اور کتاب "مفاتیح اسرار التراویح" میں ہے کہ مراد سنّت الخلفاء سے وہی
سنّت اُن کی ہے جس میں وُہ موافق اور متبع سنّت نبوی ہیں نہ وہ کہ جس کے وہ
خود موجد ہیں الی آخرہٖ۔

پس ان بزرگواروں کے نزدیک تو صحابہ کرام بھی کہ بعض امور انھوں نے
زائد کیے ہیں بدعتی ٹھہرتے ہیں نعوذ باللہ منہا۔ چنانچہ مصابیح التراویح صفحہ ۱۴ میں
مولوی محمد قاسم صاحب لکھتے ہیں کہ منکرین گیارہ رکعت کو سنّت جانتے ہیں اور

بیس رکعت کو بدعت - اب طالبانِ حق غور سے سنیں یہ چاروں اقوال جو بیان کئے گئے - یہ سب اقوال شاذہ مختلفہ بعض علمائے کے ہیں، چوتھے قول کو تیسرا رد کرتا ہے اور تیسرے کو دوسرا اور دوسرے کو اول، اب قول اول جو ہمارے معاصرین پیش کیا کرتے ہیں اور زیادہ تر اسی کو مستند ٹھہراتے ہیں اس میں جو خلل ہے یہ عاجز بیان کرتا ہے واضح ہو کہ متقدمین و متاخرین میں کسی نے سنت کی یہ تعریف نہیں لکھی کہ سنت وہ شے ہے جو قرونِ ثلٰثہ میں پائی جاوے یا یہ کہ جو کچھ قرونِ ثلٰثہ میں حادث ہو وہ سب سنت ہے اور نہ کسی نے حدیث سے یا قولِ صحابہ یا تابعین و تبع تابعین سے یہ بات صراحۃً ثابت کی - ہم نے بارہا اس مذہب والوں کو مہلت دی کہ مہینہ دو مہینہ برس دو برس میں کسی کتاب سے خود یا اپنے مددگاروں سے تلاش کرا کر ایسی حدیث معتبر ہم کو دو جس میں خاص یہ الفاظ ہوں کہ قرونِ ثلٰثہ کے بعد جو بات نکلے گی وہ بدعت ہو گی اور جو بین قرونِ ثلٰثہ میں ایجاد ہو گی وہ سنت ہو گی اور اگر حدیث نہ ملی تو خاص یہی الفاظ جماعتِ اصحاب یا تبع تابعین کی زبانی ارشاد فرمائے ہوئے ہم کو دکھاؤ معتبر اسناد سے معتمد علیہ کتاب سے اس واسطے کہ جب تمہارے نزدیک اعتماد استناد قرون ثلٰثہ پر ہی حصر ہو گیا - چنانچہ براہین قاطعہ گنگوہی میں اس کی تصریح ہے عبارت یہ ہے صفحہ ۱۴ سطر ۳ : "یہ ضرور اور واجب ہے کہ تمہید قواعد جواز و عدم جواز کی محدود بزمان ہے بعد قرونِ ثلٰثہ کے جو کوئی قاعدہ تجویز ہو وہ بہر حال مردود ہو گا۔" انتہٰی کلامہ - اسی واسطے تو ہم اس قاعدہ کا بھی خاص قرونِ ثلٰثہ سے ہی ثبوت مانگتے ہیں کہ کس طبقہ میں طبقات مذکورہ سے یہ قاعدہ جاری کیا گیا اور اگر بعد میں یہ قاعدہ ایجاد ہوا یا اُسی دور میں ہوا لیکن اس پر نکیر بھی واقع ہوئی تو یہ قاعدہ بموجب قرارداد تمہارے بدعت سیئہ ہوا جاتا ہے

اور تم مصداق مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا مَا لَیْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ[1] کے ٹھہرتے ہو الغرض بارہا مطالبہ دلیل کیا گیا لیکن کوئی نہ لا سکا یہاں تک کہ مؤلف براہین قاطعہ بھی اس مقام پر جوش و خروش ظاہری دکھا کر حرف مدعا میں خموش ہو گئے اور کہیں اپنی نئی پرانی کتاب سے سند حسب شرائط مطلوبہ نہ لا سکے اور لاویں کہاں سے، سب کے سب فقط ایک حدیث پڑھ دیتے ہیں:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ[2]

اور حال اس استدلال کا یہ ہے اولاً خود حضرت عمران ابن حصین صحابی رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی شک بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرن بیان فرمائے ہیں یا تین۔ صحیح مسلم میں ہے:

قَالَ عِمْرَانُ فَلَا اَدْرِیْ اَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ قَرْنِهٖ قَرْنَیْنِ اَوْ ثَلٰثًا۔[3]

اسی طرح بخاری میں بھی ہے اور مسلم میں عبداللہ ابن مسعود سے بھی یہ حدیث روایت ہے اس میں بھی شک ہے: —————— قَالَ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ فَلَا اَدْرِیْ فِی الثَّالِثَةِ اَوْ فِی الرَّابِعَةِ قَالَ ثُمَّ یَتَخَلَّفُ بَعْدَهُمْ[4]

---

[1] جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالے وہ مردود ہے۔

[2] میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر جو ان کے متصل ہیں۔

[3] عمران نے کہا میں نہیں جانتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرن یا تین قرن فرمایا۔ [4] پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے پھر وہ جو ان کے بعد آئیں گے راوی کہتے ہیں تیسری اور چوتھی مرتبہ کے بارے میں میں نہیں جانتا کہا فرمایا اس کے بعد ناخلف (برے لوگ) آئیں گے۔

اور ابوہریرہ سے بھی یہ روایت ہے اس میں بھی شک ہے :

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَلَا اَدْرِيْ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ۔ ؎

اور سوائے بخاری اور مسلم کے دیگر محدثین بھی شک بیان کر رہے ہیں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قرن کے بعد دو قرن بیان فرمائے یا تین۔ جب اپنے بعد تین قرن بیان فرمانے کا شک ہے تو چاروں قرن کا احتمال بہت صحیح روایتوں سے پیدا ہو گیا۔ چاہیے چار قرن تک کی بات اس فریق کے نزدیک سنت ہو، پھر بعد قرون اربعہ جو پیدا ہوئے تو بدعت ضلالہ وسیئہ ہو۔ پس قرونِ ثلٰثہ کا قاعدہ بروایت صحیحہ مشکوک ٹھہرا۔

ثانیاً یہ کہ اس حدیث میں لفظ قرن واقع ہوا ہے اور یہ بہت معانی میں مشترک ہے قرن سید القوم کو بھی کہتے ہیں کذا فی القاموس۔ اور بعضوں نے کہا قرن زمانہ ہے مطلق۔ اور بعضوں نے کہا مقید۔ پھر ان میں بھی اختلاف ہے دس برس یا چالیس یا ستر یا سو یا ایک سو بیس۔ شرح مسلم میں ہے :

قال الحسن وغيره القرن عشر سنين وقتادة سبعون والنخعي اربعون وزرارة بن ابي اوفى مائة وعشرون وعبد الملك بن عمير مائة وقال ابن الاعرابي هو الوقت ۔ انتهى

حسن وغیرہ نے کہا قرن دس سال کا ہوتا ہے۔ قتادہ نے کہا ستر سال کا۔ امام نخعی نے کہا چالیس کا۔ زرارہ بن ابی اوفی نے کہا ایک سو بیس کا اور عبد الملک بن عمیر نے کہا سو سال کا ہوتا ہے۔ اور ابن اعرابی نے کہا قرن وقت کا نام ہے انتہی

اور بعضوں نے کہا کہ زمانہ نہیں بلکہ اہل زمانہ مراد ہیں۔ قرن ایک طبقہ کے آدمیوں

؎ ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ ذکر کیا۔

کو کہتے ہیں القرن کل امة هلکت فلم یبق منها احد۔ اس تقریر پر بعضوں نے کہا کہ حدیث میں قرنی سے مراد اصحاب ہیں الذین یلونهم سے ان کی اولاد' اور دوسرے الذین یلونهم سے اولاد کی اولاد۔ اور کہا بعضوں نے کہ اوّل وہ جنھوں نے آپ کا جمال باکمال دیکھا پھر جس نے ان کو دیکھا۔ اور کہا بعضوں نے اس لفظ سے کہ اول صحابہ ہیں دوسرے تابعی ہیں تیسرے تبع تابعی ہیں۔ یہ سب اقوال شرح مسلم میں ہیں پس لفظ قرن مشترک ٹھہرا معانی کثیرہ میں' اور لفظ مشترک نہیں فائدہ دیتا قطع اور یقین کو' اور حکم اس کا توقف ہے کما تقرر فی علم الاصول۔

ثالثاً یہ کہ لفظ مشترک میں تامل و تفکر کر کے جو معانی متعددہ سے کسی ایک معنی کو بقرائن و دلائل ترجیح دے کر واسطے عمل کے لے لیا کرتے ہیں سو اس کا بھی حال مختلف ہے کوئی کسی کو ترجیح دیتا ہے کوئی کسی کو۔ مولوی عبدالجبار اور امداد علی صاحب اپنے رسائل میں عینی شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں:

هذا انما کان فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم والخلفاء الراشدین الی انقضاء القرون الثلثة وهی تسعون سنة واما بعد فقد تغیرت الاحوال وکثرت البدع۔ الخ

اس سے معلوم ہوا کہ جب سن نود (۹۰) ہجری پر نوبت پہنچی قرون ثلثہ تمام ہو چکی۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۵۷ میں لکھتے ہیں:

"واما ما یستدل به علی خلافتهم من حدیث القرون الثلثة فقد اخرج احمد عن ابراهیم عن عبیدة عن عبد الله قال قال رسول الله صلی

اللہ علیہ وسلم خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم یاتی بعد ذلک قوم تستبق شہادتھم ایمانھم وایمانھم شہادتھم۔
وبنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیحی ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست قرن اوّل از زمان ہجرت است صلی اللہ علیہ وسلم تا زمان وفات وے صلی اللہ علیہ وسلم و قرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق رضی اللہ عنہما و قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و ہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است۔" انتہی

اور مجمع البحار جلد سوم صفحہ ۲۶۵ میں وفاتِ عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھا ہے
وقتل الثانی عشر من ذی الحجۃ بسنۃ خمس وثلثین[1]۔

پس موافق تقریر شاہ ولی اللہ صاحب کے ۳۵ھ (پینتیس ہجری) تک انقضاءِ قرونِ ثلٰثہ ہوگیا اور جناب مولینا احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارن پوری فرماتے تھے کہ یہ معنی خیر القرون کے نہایت موزوں اور چسپاں ہیں اسلام کی شوکت جبھی تک خوب رہی پھر خانہ جنگی شروع ہوگئی اور خیریت قرونِ ثلٰثہ کی جو تھی گم ہوگئی۔
اور تکملہ مجمع البحار صفحہ ۳۴۱ میں ہے:

وقد ظہر ان مدۃ ما بین البعثۃ الی آخر من مات من الصحابۃ مائۃ وعشرون سنۃ بالتقریب وان اعتبرت وفاتہ کان مائۃ واما قرن التابعین فان اعتبر من سنۃ مائۃ کان نحو سبعین واما من بعدھم فان اعتبر من سنۃ مائۃ کان نحو خمسین فظہران مدۃ القرن یختلف باعتبار اعمار اھل کل زمان واتفق ان آخر اتباع

---

[1] ۱۲ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔

التابعين من عاش الیٰ عشرین ومائتین الخ

قرونِ ثلٰثہ کی مدت

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرونِ ثلٰثہ کی مدت ۲۲۰ھ کے بعد تمام ہوئی۔

اب دیکھیے قولِ اول کے موافق تو یہ چاہیے کہ جن چیزوں کو مجتہدین بدعتِ حسنہ قرار دے کر بقیاس و اجتہاد جائز فرما چکے ہیں وہ بھی سب بدعتِ ضلالت اور سیئہ ٹھہریں کیونکہ مجتہدین اربعہ کا افتاء و اجتہاد بعد تو سال کے شائع ہوا ہے نہ پہلے، اور قولِ ثانی کے موافق خود صحابہ رضوان اللہ علیہم کی باتیں بعد عہد عثمان رضی اللہ عنہ کے بدعت ٹھہرتی ہیں۔ اور موافق قولِ ثالث کے اکثر مذاہب مبتدعین کے مثل روافض و خوارج و مرجیہ و قدریہ و معتزلہ سب سنت میں داخل ہوئے جاتے ہیں کیونکہ یہ مذاہب سال دو سو بیس (۲۲۰) سے پہلے پہلے سب ایجاد ہو چکے، اور ان لوگوں کے نزدیک جو چیز قرونِ ثلٰثہ کے اندر ایجاد ہو وہ سنت ہے تو یہ سب مبتدعین مذکورہ کی بدعتیں سنت ہوئیں، اور یہ جو بعض آدمی ان اعتراضات سے بچنے کے لیے قید لگاتے ہیں کہ جو قرونِ ثلٰثہ میں بلا نکیر رائج ہوئی وہ سنت ہے اور جس پر انکار ہوا وہ بدعت ہے۔

سو جواب اس کا یہ ہے کہ اس فقرہ کی سند بھی ہم قرونِ ثلٰثہ سے طلب کرتے ہیں حدیثِ صحیح یا جماعتِ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین سے دلیل گزارو کس نے یہ فقرہ روایت کیا ہے! پس اولاً تمہارا یہ فقرہ ہی ایک فقرہ ہے بالکل غیر مستند و غیر مسلّم۔

ثانیاً اگر تم اس کو مان لو گے تو تمہاری بہت چیزیں جن کو تمہارے پیشوا اور مقتدا، واعظین، مدرسین، محدثین استعمال کر رہے ہیں بدعت ضلالت سیئہ مظلمہ ہو جائیں گی۔

چند محدثات: اب لیجئے دو چار باتیں لکھی جاتی ہیں۔ شرح بخاری میں ہے،

"جو چیزیں جدید اور محدث ہیں اُن میں سے ایک جمع کرنا احادیث کا ہے کتاب

میں، پھر تفسیر کرنا قرآن کا، پھر جمع کرنا مسائل فقہ کا، پھر جمع کرنا اُن چیزوں کا جو اعمالِ قلوب سے متعلق ہیں۔ پس انکار کیا اول بات پر عمر اور ابو موسیٰ اور ایک جماعت نے رضی اللہ عنہم اور اکثر نے اجازت دی اُس کی۔ اور اس دوسری بات پر انکار کیا ایک جماعت تابعین شعبی وغیرہ نے۔ اور اس تیسری بات پر انکار کیا امام احمد نے اور ایک جماعت نے الی آخرہٖ۔"

قرآن مجید کی کتابت میں اختلاف

اب قرآن شریف کی کتابت میں اختلاف دیکھئے۔ احیاء العلوم وغیرہ میں ہے حضرت حسن بصری اور ابن سیرین انکار کرتے تھے کہ قرآن شریف میں خمس وعشر نہ لکھے جائیں اور شعبی اور ابراہیم مکروہ جانتے تھے زبر و زیر لکھنے کو۔ اور ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ ہمارے ائمہ متقدمین سب مکروہ جانتے تھے زیر و زبر لکھنے کو۔ اور شرح بخاری میں بسند صحیح ثابت کیا ہے کہ انکار فرماتے تھے حضرت عبداللہ ابن مسعود کہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس قرآن میں نہ لکھی جائیں اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ جہاں کہیں لکھی دیکھتے تھے چھیل دیتے تھے ان دونوں سُورتوں کو۔ اور کتب فقہ حنفیہ میں ہے کہ جائز نہیں فرماتے تھے حضرت امام اعظم اور امام ابُو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم اجمعین قرآن اور حدیث اور فقہ کی پڑھائی کو اور اُجرتِ امامت اور وعظ اور اذان کو۔ اور جس وقت مدرسہ معین ہوا انکار کیا اس پر علماء نے کشف الظنون میں ہے کہ جب علماءِ ماوراء النہر کو خبر پہنچی کہ بغداد میں مدرسے قائم ہوئے بہت غمگین ہُوئے کہ اب تک ابرار طالبِ آخرت خالصاً للہ پڑھتے پڑھاتے تھے بنائً علیہ ان میں بعض افراد کاملین نکل آئے تھے اب اُجرت قرار پائی تو علماء طالب الدنیا ہونگے۔

اول اذانِ جمعہ بدعت ہے اور مواہب وغیرہ میں ہے کہ ابن ابی شیبہ نے ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا انھوں نے :

الاذان الاوّل یوم الجمعۃ یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں وہی اذان تھی جو خطیب کے آگے کہی جاتی ہے اب جو قبل اُس کے بھی اذان ہوتی ہے اُس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت فرمایا۔

اور تفسیر عزیزی پارہ الم میں ہے کہ قرآن شریف کا بیع کرنا بُرا جانتے تھے اور انکار کرتے تھے اس پر ابراہیم نخعی اور اعمش وابی موسٰی اشعری وحسن بصری و سعید بن مسیب وعبد اللہ ابن عمر اور امیر المومنین عمر اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہم اجمعین ۔

الحاصل کہاں تک شمار کروں صحابہ و تابعین کے اختلافات ونکیر کو۔ اگر یہ قاعدہ گھڑا ہوا یاروں کا صحیح ہووے تو تمام رُوئے زمین پر کوئی آدمی سُنی نہ نکلے ایک نہ ایک بدعت میں ضرور گرفتار ہوگا کیونکہ وُہ باتیں بہت کم ہیں کہ جس پر کسی کا انکار نہ ہُوا ہو اور چند باتیں جو ہم نے اُوپر لکھی ہیں ایک شمہ ہیں ان میں سے اور بہت باتیں ہیں لباس وطعام ونکاح و بنائے مسجد وفروش و معاملات میں کہ جن پر انکار ہُوا ہے اور ان کو اب منکرین بلا انکار استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ قاعدہ یاد رکھو کہ منکرین اس بات کو مان چکے ہیں کہ ایک آدمی کا انکار بھی معتبر ہے اجماع کو توڑ دیتا ہے ۔ پھر منکرینِ میلاد دکھادیں اپنی عبادات ومعاملات میں سوائے فرائض متفق علیہا کے کہ کون کون سی بات ان کی اجماعی ہے کہ جس میں ایک کا بھی انکار نہ ہُوا ہو قرونِ ثلثہ میں ۔ پس واضح ہو کہ اس فقرہ اور اس قاعدہ کے ماننے میں تمام اہلِ اسلام کے عقاید واعمال درہم برہم ہُوئے جاتے ہیں ۔

عبداللہ بن مسعود نے ذکر کرنے والوں کو دھمکایا

رابعاً اگر صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے یہ قاعدہ سمجھ جاتے تو ہرگز تین قرون تک کسی کے احداث پر انکار نہ فرماتے حالانکہ صحابہ نے اپنے زمانہ میں بہت احداثات پر انکار فرمایا ہے۔ اس حدیث خیر القرون کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود بھی ہیں کما فی الصحیحین۔ دیکھو انہوں نے جہر سے ایک جماعت ذکر اللہ کرنے والوں کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا۔ کتبِ فقہ و حدیث میں یہ روایت مذکور ہے حالانکہ وہ لوگ ان کے ہم عصر تھے یا صحابہ تھے یا تابعین۔ اگر فعل ان کا اس حدیث کے موافق سنّت ہوتا تو اس حدیث کے راوی عبداللہ صحابی کیوں اُن کو منع فرماتے۔

خامساً صحابہ اور تابعین اس حدیث کے یہ معنی کس طرح سمجھتے وہ کلام کا مغز سمجھنے والے تھے کوئی قاعدہ استدلال کا اس حدیث شریف سے نہیں بن پڑتا اس لیے مرادِ شارع سمجھنے کے لیے قواعد یہ ٹھہرے ہیں کہ مدعا یا عبارت النص سے ثابت ہوگا یا اشارت یا دلالت یا اقتضا سے، اور عبارت النص میں ضروری ہے یہ بات کہ مدعا کے الفاظ ظاہر ہوں اور کلام اُسی مُدعا کے لیے واقع ہُوا ہو۔ منار میں ہے: واما الاستدلال بعبارۃ النص فھو العمل بظاھر ما سبق الکلام لہ۔ اور یہاں ظاہر ہے کہ دونوں باتیں ندارد۔ حدیث مسلم میں ہے: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس خیر قال قرنی یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا تھا کہ آدمیوں میں کون سے آدمی اچھے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میرا قرن الی آخرہ۔ معلوم ہوا لوگوں نے یہ نہیں پُوچھا تھا کہ کس کا ایجاد بدعت ہوگا اور کس کا سنّت۔ اور نہ حضرت نے اپنی طرف

سے اس قاعدہ کو یہاں بیان فرمایا۔ کم سے کم پڑھا آدمی بھی جان سکتا ہے کہ احکامُ معانی الفاظ سے پیدا ہُوا کرتے ہیں پھر اس حدیث میں بدعت اور سنّت اور احداث کے الفاظ کہاں ہیں لہٰذا یہ استدلال عبارت النص نہ ٹھہرا اور اقتضاء النص بھی نہیں اس لیے کہ اقتضاء کی تعریف یہ ہے دیکھو تلویح صفحہ ۱۲۵ :

دلالۃ اللفظ علیٰ معنی خارج یتوقف علیہ صدقہ او صحتہ الیٰ آخرہٖ۔ (لفظ کی دلالت خارجی معنی پر کہ اس پر اس کا صدق وصحت موقوف ہوں الخ)

پس قرونِ ثلٰثہ کی خیریت کی صدق وصحت کے واسطے کب لازم ہے یہ بات کہ اگر ان کا ایجاد سنّت ہو جائے تب تو اُن کی خیریت ثابت ہووے اور نہیں تو نہیں پس اقتضاء النص بھی نہ ہُوا، اب رہی دلالت اور اشارت اگر لفظ خیر سے جو خیر القرون میں ہے یہ بات ثابت کرنا چاہیں تو یہ قاعدہ شرعی پیش کریں کہ اچھا آدمی جو کچھ ایجاد و احداث کر دیا کرے اصولِ شرعی کے موافق یا غیر موافق وہ سب جائز ہوتا ہے حالانکہ یہ بالاتفاق غیر مسلّم ہے۔ چنانچہ چند وقائع قرونِ ثلٰثہ کے عنقریب قول پنجم بدعت میں ہم بیان کریں گے کہ وہ کسی کے نزدیک معمول بہ نہیں پس واضح ہو گیا کہ وجوہ معرفت مراد شارع کے چاروں طرق یہاں نہیں چلتے اور جہاں استدلال ان طرق سے غیر طرح پر ہو اس کو نور الانوار میں لکھا ہے، فھو من استدلالات الفاسدۃ۔ قطع نظر اس کے ہم کہتے ہیں کہ اگر لفظ خیر سے استدلال ہے کہ جب وُہ لوگ خیر ہیں تو ایجاد بھی ان کا خیر ہو گا۔ اس صورت میں ہم کہتے ہیں کہ بہت احادیث میں لفظ خیر واقع ہُوا ہے۔ مثلاً روایت ہے کہ ابوعبیدۃ بن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں صحابیِ جلیل القدر ہیں اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا :

یا رسول اللہ احد خیر منا اسلمنا وجاھدنا معک۔

یعنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی ہم سے بھی اچھا ہوگا ہم اسلام لائے اور آپ کے ساتھ ہم نے جہاد کیے۔

آپ نے جواب دیا:

نعم قوم یکونون من بعد کم یومنون بی ولم یرونی۔

یعنی آپ نے فرمایا کہ ہاں تم سے اچھے تمہارے بعد وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر ایمان لاویں گے بغیر دیکھے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے روایت کیا اس کو احمد اور دارمی نے۔ دیکھو اس میں لفظ خیر موجود ہے جس طرح خیر القرون میں۔ پس چاہیے کہ بعد کے آدمیوں کا فعل نکالا ہوا بھی سنّت ہو بدعت میں داخل نہ ہو۔

اور ابی امامہ نے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

طوبیٰ لمن رانی وطوبیٰ سبع مرات لمن لم یرنی و امن بی۔

یعنی خوشحالی ہوجیو اس کو جس نے مجھ کو دیکھا اور سات مرتبہ خوشحالی ہوجیو اُس کو جس نے مجھ کو نہیں دیکھا اور ایمان لایا۔

یہ بھی مشکوٰۃ میں موجود ہے۔

اور حدیث میں وارد ہے: مثل اُمتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اٰخرہ۔ یعنی حال میری اُمت کا ایسا ہے جیسا مینہ۔ معلوم نہیں اوّل اُس چیز کا خیر ہے یا آخر۔

محدثین لکھتے ہیں کہ مراد حدیث سے یہ ہے کہ سب اُمت میری خیر ہے جیسے مینہ اوّل سے آخر تک اچھا ہوتا ہے۔ پس ان احادیث کے سبب چاہیے آخر اُمت کا ایجاد بھی سنّت ہو جس طرح خیر القرون کا ایجاد سنّت کہتے ہو اور اگر افضلیت سے خیریت کلی مراد رکھو گے نہ جزئی تو خیریت کلی صحابہ کو سب تابعین

اور تبع تابعین پر ہی چاہیے کہ بس دو قرون ما بعد کا جو کہ مفضول ہیں ایجاد جائز نہو اور اگر عام مراد لیتے ہو کہ خیریت خواہ کلی ہو خواہ جزئی تو خیریت جزئی میں وہ سب افراد شامل ہیں جن کی نسبت احادیث میں لفظ خیر واقع ہوا ہے چاہیئے کہ اُن کا ایجاد بھی درست ہو۔ واضح ہو یہاں تک کلام تھا۔
اُن کے جملہ اُولیٰ میں جو کہ امر قرونِ ثلٰثہ میں ہوگا
وُہ سنّت ہے۔ اب ہم شروع کرتے ہیں دوسرے جملہ میں کہ جو چیز بعد قرون ثلثہ پیدا ہوگی وہ سب بدعت اور ضلالت ہوگی۔ ہم کہتے ہیں یہ بات بھی بالکل بے اصل ہے اوّلاً اس لیے کہ یہ حدیث بخاری رحمۃ اللہ علیہ ابوابِ شہادت میں روایت کرتے ہیں عمران بن حُصین سے:

خَیْرُکُمْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَهُمْ إِنَّ بَعْدَکُمْ قَوماً یَخُوْنُوْنَ وَلَا یُؤْتَمَنُوْنَ وَیَشْهَدُوْنَ وَلَا یُسْتَشْهَدُوْنَ وَیَنْذِرُوْنَ وَلَا یُوفُوْنَ وَیَظْهَرُ فِیْهِمُ السِّمَنُ۔

دوسری روایت عبداللہ بن مسعود سے ہے اس میں ثم الذین یلونھم کے بعد یہ ہے:

ثُمَّ یَجِیْءُ قومٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ یَمِیْنَهٗ وَیَمِیْنُهٗ شَهَادَتَه
یہ دونوں روایتیں بخاری کے باب فضائلِ اصحاب میں بھی ہیں۔

اور صحیح مسلم میں بعد ثم الذین یلونھم کے ہے: ثم یجئ قوم تسبق شھادة احدھم یمینه ویمینه شھادته۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے: ثم یتخلف بعدھم خلف تسبق شھادة احدھم یمینه ویمینه شھادته۔

اور تیسری روایت میں ہے: ثم یخلف قوم یحبون السمانة یشھدون قبل ان یستشھدوا۔ اور چوتھی میں ہے: ثم یکون بعدھم قوم یشھدون ولا

یستشہدون یخونون ولا یؤتمنون و ینذرون ولا یوفون ویظہر فیہم السمن۔

اور نسائی کے باب الوفاء بالنذر میں بھی اس طرح ہے۔

اور ابوداؤد کے باب فضائل میں ہے، ثم یظہر قوم الیٰ آخرہ و یفشو فیہم السمن۔

اور ترمذی کے باب فضائل میں یہ الفاظ ہیں: ثم یاتی قوم بعد ذٰلک تسبق ایمانہم شہاداتہم و شہاداتہم ایمانہم۔

اور ابن ماجہ کے ابواب شہادت میں ہے، ثم یجئ قوم تبدر شہادۃ احدہم یمینہ و یمینہ شہادتہ۔ اور دوسری روایت اس کی یہ ہے، ثم یفشو الکذب حتی یشہد الرجل وما یستشہد یحلف وما یستحلف۔

یہ چھٹوں کتابوں مشہورہ صحاح ستہ کی روایتیں ہیں۔ خلاصہ مضمون ان سب روایات کا یہ ہے کہ "ان قرونِ خیر کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے کہ گواہی دینے پر بڑے حریص ہوں گے کچھ پروا نہ کریں گے کبھی قسم سے پہلے گواہی کبھی گواہی سے پہلے قسم کھائیں گے اور اپنا بدن موٹا تیار کرنا پسند کریں گے اور خیانت کریں گے اور کوئی ان کو امانتدار نہ جانے گا عہد کریں گے اور پورا نہ کریں گے اور ظاہر ہو گا جھوٹ یہاں تک کہ آدمی گواہی دے گا اور کوئی اس سے گواہی طلب نہ کرے گا اور قسم کھائے گا اور کوئی قسم کھانے کو نہ کہے گا"

دیکھیے ان روایتوں میں کسی جگہ بدعت اور احداث کا ذکر نہیں، یہ کس طرح سمجھ میں آئی کہ ان لوگوں کا قاعدہ تو ایسا بڑا کلیہ جامع و مانع کہ جس کے سبب اہلِ اسلام میں پھوٹ اور خانہ جنگی اور تفسیق اور تضلیل و سب و شتم و غیبت و کینہ و فساد باہم ڈال رکھا ہے پھر نہ کسی راوی نے لفظ بدعت و احداث اس حدیث میں روایت کیا اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ دانائے لغت اور مبین حکم شریعت تھے اور جا بجا تحذیر بدعات کے لیے لفظ کل بدعة و کل محدثة و من احدث فی امرنا و من ابتدع بدعة وضلالة وغیرہ الفاظ ہر منصوص فرماتے تھے۔ اس حدیث میں لفظ صریح منصوص نہ فرمایا اگر ایسا زبردست قاعدہ مابہ الامتیاز فاصل بین السنة و البدعة اور ماہیت سنت اور بدعت کا معرف و شارح ہوتا تو بالضرور آپ یا روایت اصحاب کوئی تو صراحةً نام احداث و بدعت کا بیان فرما دیتا تعجب ہے کہ یہاں تو اس کا نام بھی نہیں اور ان حضرات نے دھوم مچا دی۔

ثانیاً اگر لفظ کذب سے استدلال کریں اگرچہ وہ ایک روایت میں واقع ہوا، اور بہت کثرت سے روایتیں ایسی ہیں صحیحین وغیرہ کی کہ ان میں لفظ کذب واقع نہیں ہوا جیسا کہ نقل روایات اوپر ہو چکیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہر محاورہ دان جانتا ہے کہ کذب کے معنی جھوٹ ہیں اور بدعت کے معنی نئی بات۔ پھر کجا جھوٹ بولنا اور کجا نئی بات!

العجب مولوی عبد الجبار صاحب فرماتے ہیں کہ بدعت کو بدعتی موجب ثواب جانتے ہیں پس یہ کذب ہوا الخ

دیکھئے یہ کیسی بڑی جرأت ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے لے کر شاہ عبد العزیز صاحب و مولوی اسحٰق صاحب تک فقہا و محدثین لوگ بدعت حسنہ کو مسلم رکھتے آئے چنانچہ عنقریب نقل کیا جائے گا پھر یہ سب معاذ اللہ اس قول کے موافق کذب کے فاعل ہو کر ان کے نزدیک کذاب ٹھہرے جو بدعت کو حسن اور مستحسن اُنہوں نے قرار دیا کہ کسی نے فرمایا نعمت البدعة اور کسی نے فرمایا بدعة حسنة اور کسی نے فرمایا من البدعة ما یکون واجبا و منھا ما یکون مستحباً و مستحسناً۔

اور براہین قاطعہ گنگوہی کی عبارت اس مقام میں یہ ہے صفحہ ۳۸:

"بدعت بھی جھوٹ میں داخل ہے کذب عام ہے اور بدعت خاص ایک فرد کذب کی ہے"

میں کہتا ہوں کہ اس قول پر وُہ اعتراض سابق بحال رہا کہ صحابہ سے لے کر آج تک کے علماءِ مجوزین بدعتِ حسنہ میں داخل رہے اور ایک تیشہ دوسرا اپنے پاؤں پر بے خبری سے مار لیا یعنی اپنے عام خاص کا لفظ جما کر یہ چاہا کہ حدیث میں "یفشوا الکذب" اور "یظھرا لکذب" کے معنی یہ ہو جاویں کہ "یظھر البدعۃ" حالانکہ اس میں بالکل اپنے ہاتھ قلم کر چکے یعنی جب کذب کو عام مان لیا تو وجود عام مستلزم وجود خاص کو نہیں ہوتا۔ یہ کلیہ ہر عاقل کے نزدیک مسلّم الثبوت ہے۔ پس ظہور کذب کو یہ لازم نہ ہُوا کہ خاص بدعت ہی میں ظاہر ہووے جائز ہے کہ کسی فرد خیانت و دروغ حلفی وغیرہ میں ظاہر ہو جاوے۔ اور مؤلفِ براہین بھی اس قاعدہ کو جانتا ہے عبارت اس کی صفحہ ۵۵ سطر ۱۲ میں یہ ہے:

"وجود عام کا بدوں وجود خاص کے ہوسکتا ہے مثلاً حیوان بدوں انسان کے اس کو ہر عاقل جانتا ہے" الخ

اب دیکھیے حضرت جی کی زبانی خود ثابت ہو گیا یعنی آپ صفحہ ۸ میں فرماتے ہیں:

"وجود عام کا بدوں وجود خاص کے ہوسکتا ہے"

پس یہ مطلب نکل آیا کہ وجود کذب کا بدوں وجود بدعت کے ہوسکتا ہے یعنی ممکن ہے کہ بعد قرون ثلٰثہ کذب شائع ہو اور بدعت نہ ہو انہی کی زبانی ان کا مدعا غلط ہو گیا یہ لوگ اسی وقت اپنے مطلب میں کامیاب ہو سکتے تھے کہ کذب اور بدعۃ میں نسبت مساوات و ترادف ثابت کرتے تو ثبوت کذب مستلزم بدعت ہو جاتا۔ واذ لیس فلیس۔

ثالثاً یہ کہ محدثوں میں یہ ٹھہرا ہوا ہے کہ بعض حدیثیں شرح ہوتی ہیں بعض حدیث کی۔ جس روایت میں لفظ کذب واقع ہوا ہے کہ پھر ظاہر ہوگا جھوٹ "۔ تو اس کی وہ ہی شرح ہے جو صحیحین وغیرہ کی حدیث میں گزری کہ" لوگ خیانت کریں گے، بدعہدی کریں گے، قسم کھانے کو تیار ہوں گے بغیر قسم کھلائے اور گواہی دینے کو تیار ہوں گے بغیر گواہی دلائے"۔ اس میں یہ نہیں آیا کہ وہ نئی باتیں دین میں نکالا کریں گے پس لازم ہوا کہ جھوٹ سے یہی باتیں مراد رکھیں نہ کہ بدعت۔

رابعاً یہ لوگ اپنے اس دعویٰ پر کہ" جو چیز بعد قرون ثلٰثہ پیدا ہوگی وہ بدعت ضلالت ہوگی" حدیث ہذا کو سند لاتے ہیں تو اس صورت میں حسبِ دعویٰ مانعین اس حدیث میں لفظ یظھر کے معنی ظہور وجودی کے ہوں گے یعنی پھر تین قرن کے بعد جھوٹ پیدا ہوگا تو منشا اس کا یہ ہے کہ پہلے اس سے نہ ہوگا حالانکہ بدعتوں کا وجود عین اُنہی قرون میں ہوا ہے یعنی معتزلی اور قدریہ اور مرجیہ جو بدعتی فرقے ہیں قبل گزرنے قرون ثلٰثہ کے پیدا ہو گئے تھے پھر اگر کذب سے بدعت مراد رکھیں اور یظھر اور یفشو سے یُوجد، تو بڑا اعتراض یہ پڑے گا کہ حدیث موافق واقع کے نہیں ہو سکتی۔

خامساً یہ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ بعد قرون ثلٰثہ کے علم فلسفہ یونانیوں کا اہل اسلام میں رائج ہوا اس کے پڑھنے سے اور اس میں فکر کرنے سے مسلمانوں کے عقاید عقلی طور پر بدل گئے عقائد فلسفی لوگوں میں برخلاف اعتقاد سلف کے ٹھہر گئے اور معتزلی وغیرہ بدعتیوں کو علم فلسفی سے طاقت پیدا ہوئی اور مبتدعین اور اہل سنت میں عقائدی مباحثے پھیل گئے۔ بھلا اگر کوئی لفظ حدیث سے کہ ثم یظھر الکذب ہے یہ مراد رکھے تو بھی صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ مسائل فلسفی جھوٹے ہیں لیکن کہاں فلسفی دلائل اور یونانیوں کے مجادلات اور کہاں محفل مولد شریف اور موتی

کی فاتحہ درود کرنا۔ بھلا فلسفیوں کے مسائل کو ان اعمال سے کیا علاقہ اور وجود بدعات کا حصر اگرچہ عقائد فلسفی میں نہیں لیکن صدق حدیث کے لیے ان افراد میں وجود کذب پایا جانا بس کرتا ہے۔ یہ کہاں سے لازم آیا کہ حدیث شریف کی تصدیق پوری جبھی ہو کہ ہر ہر فرد حادث بعد قرون کا بدعت اور ضلالت ہو جائے۔

سادساً جو مطلب یہ لوگ ثابت کرتے ہیں یہ مطلب اس وقت ثابت ہوتا کہ حدیث کے لفظ یہ ہوتے: ثم لا یظھر فیکون کذبا یعنی بعد قرون ثلٰثہ نہیں ظاہر ہوگا سوائے جھوٹ کے۔ یا یہ ہوتے، ثم کل شئی یظھر فیکون کذبا یعنی پھر جو کچھ ظاہر ہوگا وہ سب جھوٹ ہی جھوٹ ہوگا۔ لیکن یہ الفاظ تو حدیث میں نہیں نہ کوئی کلمۂ مفید حصر ہے نہ مقید کلیت ہے تو معنی حدیث کے یہ ہو گئے۔ ثم یظھر الکذب پھر ظہورِ کذب ہوگا۔ پس ظہور کذب کے صدق کو بعض افراد محدثات میں کذب کا ہونا بھی کافی ہے یہ کیا ضرورت ہے کہ پھر جو چیز ظاہر ہووے وہ سب کاذب ہی ہووے۔

حدیث خیر القرون کا اصل مطلب

پس اصل مطلب حدیث یہ ہُوا کہ سب آدمیوں میں اچھے میرے قرن کے آدمی ہیں پھر ان کے بعد والے پھر ان کے بعد والے اور بعد اُن کے فاش طور پر کذب ظاہر ہوگا یعنی جس طرح قرونِ ثلٰثہ میں خیریت غالب تھی اس طرح بعد کو کذب غالب ہوگا لیکن غلبۂ خیر کے معنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرونِ اولٰی میں جو کچھ ہوگا سب خیر ہوگا اس لیے کہ تمام بدعتیں قدر و ارجاء و خروج و رفض وغیرہ سب قرونِ ثلٰثہ ہی میں ہوئیں اور اوقات خیر القرون میں ہونے کے سبب ان کو کوئی اہل سنت وجماعت خیر نہیں کہتا پھر اسی طرح ما بعد قرون ثلٰثہ کے کذب کا حال اس کے مقابل میں سمجھنا

چاہیے کہ ظہورِ کذب مابعد کے معنی یہ نہیں کہ جو کچھ ظاہر ہو گا سب کذب ہو گا۔
جس طرح یہ نہ ہُوا کہ جو چیز خیر القرون میں ایجاد ہو وہ سب خیر ہو۔ اس تقریر
سے صاف ظاہر ہو گیا کہ بعض چیزیں بعد قرونِ ثلٰثہ کے جن کو عباد صالحین نکالیں گے
وہ درست اور احسن ہوں گی اور بعض باتیں جو خلافِ شرع ایجاد ہوں گی وہ
گمراہی کا سبب اور قبیح ہوں گی جس طرح خود عین قرونِ ثلٰثہ کی بعض بدعتیں
نکلی ہُوئیں سب خراب اور ضلالت میں۔ قول جمہور اور مذہب منصور یہی ہے اور
شیوع و ظہور کذب میں یہ بھی ضرور نہیں کہ شیوع بدعت ہی سے اُس کا تحقق
ہو بلکہ اس طرح پر بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے اگر خیانت کار ایک تھا اب لاکھوں میں،
دروغ حلف قرونِ اُولیٰ میں اگر دو چار ہوں گے تو اب کروڑوں میں۔ اسی طرح
اور گناہوں کو قیاس کر لو کہ ہر ہر گناہ اب زیادتی پر ہے۔ اور بدعتی لوگ جو قرونِ
ثلٰثہ میں حادث ہو گئے تھے اب وُہ بہت زیادہ اضعافاً مضاعفہ ہو کر پھیل گئے
احادیث صحاح مذکورۃ الصدر کے صدق کو یہ فشو و ظہور کافی ہے یہ کیا ضرور ہے
کہ جب سب مستحسنات صلحائے مابعد کو کذب میں داخل کرو تب مضمون حدیث
صحیح ہو حاشا و کلا انصاف شرط ہے واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط
مستقیم۔ اور براہین قاطعہ گنگوہی صفحہ ۳۲ و ۳۳ میں جو یہ بات لکھی ہے کہ
"یہ چاروں اقوال گزشتہ بیان بدعت میں مع قول پنجم جو عنقریب آنے والا ہے
پانچوں قول ایک ہیں" الخ

یہ ایک عجیب افسانہ ہے مردوانا خیال کر کے دیکھے تیسرے قول کو جو لوگوں
نے حضرت مجدد کے قول سے استدلال کیا ہے کہ جو چیز خلفائے راشدین کے
وقت میں نہ تھی خدا ہم کو اُس بدعت میں گرفتار نہ کرے یہ کس طرح جمع ہو سکتا ہے
دوسرے اقوال کے ساتھ حالانکہ خود حضرت مجدد کی عبارت مکتوبات جلد ثانی

مطبوعہ دہلی صفحہ ۴۸ مکتوب بست وسوم میں اقوال باقیہ کے خلاف ہے ، وُہ یہ ہے :

" گزشتگان در بدعتِ حسنٰی دیدہ باشند کہ بعض افراد آنرا مستحسن داشتہ اند اما ایں فقیر در ایں مسئلہ با ایشاں موافقت ندارد و ہیچ فرد بدعت را حسنہ نمی دادند "

دیکھئے وُہ خود اپنے منہ سے فرماتے ہیں کہ جو علماء بدعتِ حسنہ کو مستحسن کہتے ہیں میں موافق اُن کے ساتھ نہیں۔ پھر پانچوں قول کس طرح باہم موافق ہوں گے۔ پھر مکتوب مذکور میں آٹھ سطر کے بعد لکھتے ہیں :

" ایں جا فتوٰی متقدمین و متاخرین متمشی نباید ساخت چہ ہر وقت را احکام علیحدہ است " الیٰ آخرہٖ

دیکھیے یہاں خود اپنی زبان سے تمام متقدمین و متاخرین کا فتوٰی جواز بدعت حسنہ پر تسلیم فرما کر فرماتے ہیں کہ اب وہ فتوٰی نہیں چل سکتا، ہر زمانہ کا حکم جُدا ہوتا ہے۔ بھلا اگر جمیع مفتیانِ دین متقدمین و متاخرین کا قول حضرت مجدد کے موافق ہوتا تو یہ عذر اختلاف زمانہ کا کیوں پیش فرماتے ، نہیں نہیں بے انصافی کا کچھ علاج نہیں۔ حق یہی ہے کہ پانچوں قول جُدا ہیں۔ ہر ایک عالم نے اپنے نزدیک کچھ مصلحت زمانی سمجھ کر ایک قول اختیار کیا لیکن فتوٰی عام طور پر نہ ہوگا سوائے قول جمہور علماء اُمّت کے جو عنقریب آتا ہے اور بعض صاحبوں کا یہ فرمانا کہ بدعت حسنہ کچھ چیز نہیں یہ ادلّہ عقلیہ و نقلیہ کے بالکل مخالف ہے۔ عقل کے مخالف اس لیے ہے کہ دو مفہوم کلی یا دونوں متساوی ہوں گے جیسے انسان اور ناطق۔ یعنی جس کو ناطق کہیں گے وہی انسان ہوگا، جس کو انسان کہیں گے وہی ناطق ہوگا یا وُہ دونوں مفہوم متباین ہوں گے جیسے انسان اور حجر، جو چیز حجر ہوگی

اُس کو انسان نہ کہیں گے، جو انسان ہوگا اس کو حجر نہ کہیں گے، دونوں میں بالکل جُدائی ہے یہ کچھ اور ہے اور وُہ کچھ اور۔ یا وہ دونوں مفہوم عام خاص مطلق ہوں گے جیسے حیوان و انسان۔ حیوان ہر جاندار کو کہہ سکیں گے خواہ وہ انسان ہو یا گھوڑا یا ہاتھی یا اُونٹ وغیرہ۔ اور انسان سوائے آدمی کے کسی کو نہیں کہہ سکتے تو انسان خاص مطلق ہُوا اور حیوان عام مطلق یا وہ دونوں مفہوم عام خاص من وجہ ہوں گے جیسے کبوتر اور سفید رنگ۔ اس میں تین مادّے ہوتے ہیں: دو افتراق کے ایک اجتماع کا۔ افتراق اس طرح پر کہ مثلاً قلعی میں سفید رنگ موجود ہے لیکن کبوتر نہیں، اور سُرمئی کبوتر میں کبوتر موجود ہے لیکن رنگ سفید ندارد۔ اور سفید رنگ کے کبوتر میں دونوں موجود، کبوتر بھی اور سفید رنگ بھی۔ جب یہ معلوم ہُوا تو حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنی چاہیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا يَرْضَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ ذَالِكَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔[1]

واضح ہو کہ لفظ "بدعۃ ضلالۃ" میں ہم کو اپنے اساتذہ سے روایت حدیث بصیغۂ اضافت پہنچی ہے۔ اسی طرح مولانا احمد علی صاحب محدّث مرحوم سہارنپوری نے اپنے مطبع کی کتابوں یعنی مشکوٰۃ شریف مطبوعہ ۱۲۷۱ھ اور ترمذی شریف مطبوعہ ۱۲۸۲ھ میں ضبط کیا ہے۔ اور اسی طرح صاحب مجمع البحا

---

[1] یہ حدیث شریف ترمذی اور مشکوٰۃ میں ہے، ترجمہ درج ذیل ہے:
جس نے کوئی ایسی بُری بات نکالی جسے اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) پسند نہیں فرماتے تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کے برابر نکالنے والے پر گناہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہوگی۔

نے تکملہ صفحہ ۱۶ میں لکھا ہے، عبارت یہ ہے :

یروی بالاضافۃ ویجوز نصبہا علی النعت۔

اضافتِ بیانی میں عموم خصوص من وجہ ہوتا ہے

دیکھیے اگرچہ نعت کو بھی جائز رکھا لیکن اہلِ حدیث کی روایت کو بالاضافت ہی لکھا جب اضافت ان دونوں لفظوں یعنی بدعۃ اور ضلالۃ میں ثابت ہوگئی تو اب قاعدہ اضافت طے کرنا چاہیے۔ اگر یہ اضافت بدعۃِ ضلالۃ میں بیانی ہے جس طرح فریق ثانی اکثر بیان کر رہے ہیں تو عین مدعا ہمارا ثابت ہے اس لئے کہ اضافتِ بیانی میں عموم خصوص من وجہ ہوتا ہے۔ قال المولی الجامی فی بیان الاضافۃ واما بمعنی من البیانیۃ فی جنس المضاف الصادق علیہ و علیٰ غیرہ بشرطان یکون المضاف ایضا صادقا علیٰ غیر المضاف الیہ فیکون بینہما عموم و خصوص من وجہ۔ اور اوپر بیان ہوچکا کہ عموم خصوص من وجہ میں دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں ایک اجتماع کا۔ پس مطلب یہ ہُوا کہ کوئی شے ایسی ہوگی جو بدعت بھی ہو اور ضلالت بھی، جیسے مذہب جبریہ و قدریہ وغیرہما مبتدعین کے، اور کوئی چیز ایسی ہوگی کہ ضلالت ہوگی بدعت نہ ہوگی جیسے کفر و ارتداد العیاذ باللہ اور کوئی چیز ایسی ہوگی کہ بدعت ہوگی اور ضلالت نہ ہوگی جیسے مدرسہ اور محفل میلاد شریف اور اوضاع اذکار مشائخ کرام جو واسطہ جلائے قلب کے ایجاد کئے گئے ایسی ہی چیزوں کا نام بدعتِ حسنہ ہے۔

تقریر دیگر : بدعت اور ضلالت دو مفہوم کلی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باہم متباین نہیں کیونکہ ضلالت محمول ہوتی ہے بدعت پر، اور متساوی بھی نہیں کیونکہ شرک و کفر پر بھی اطلاقِ ضلال جا بجا قرآن مجید میں موجود ہے

من یشرك باللہ فقد ضل ضللاً بعیدا و من یکفر باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاٰخر فقد ضل ضلالاً بعیدا۔

یہاں شرک وکفر پر لفظِ ضلال کا اطلاق فرمایا حالانکہ یہاں بدعت نہیں کیونکہ حقیقت بدعت کی اور ہے اور کفر کی اور "بدعت مقابل سنّت ہے اور کفر مقابل ایمان۔ اور عام مطلق بھی نہیں ورنہ کلیہ کل بدعۃ ضلالۃ صحیح نہ ہوگا جس طرح کل حیوان انسان صحیح نہیں اور خاص مطلق بھی نہیں اس لیے کہ خاص مطلق کی اضافت عام مطلق کی طرف ممتنع ہے شرح جامی و مسالک بہیہ وغیرہ کتبِ نحو میں یہ مسئلہ منصوص ہے یعنی جائز نہیں کہ کہا جاوے سبت الیوم و فقہ العلم بلکہ کہا جائے گا یوم السبت وعلم الفقہ۔

پس من ابتدع بدعۃ ضلالۃ کی اضافت صحیح نہیں ٹھہرتی۔ اب باقی رہ گئی نسبت عام و خاص من وجہ اس میں وہی دو مادّے ہوں گے افتراق کے ایک مادہ اجتماع کا، جیسا کہ تقریر اوّل میں ثابت کر چکے ہیں۔

پس ایک بدعت وُہ نکلے گی جو ضلالت نہیں۔ پھر ایسی بدعت اگر ضابطہ اباحت میں داخل ہوگی وُہ مباح ہوگی اور اگر کلیہ استحباب میں شامل ہوگی مستحب ہوگی اور اگر قاعدۂ ایجاب کے ماتحت مندرج ہوگی وُہ واجب ہوگی۔ انہی تین قسم کی بدعتوں کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں کیونکہ واجب اور مستحب اور مباح وہی چیزیں ہوسکتی ہیں جن میں رنگ حسن موجود ہے اسی حسن کے سبب ایسی بدعتوں کو صفتِ حسنہ نصیب ہُوئی اور وُہ جو صاحبِ مجمع البحار نے لکھا کہ یجوز نصبھا علی النعت۔ اس صورت میں معنی حدیث کے یہ ہوں گے کہ "جس نے نکالی ایسی بدعت جو ضلالت ہے" الخ ہم کہتے ہیں اس میں بھی بدعتِ حسنہ کا ثبوت ہے اس لیے کہ نکرہ کو نکرہ کے ساتھ صفت کرنے میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ وہ فائدہ دیتا ہے تخصیص کا۔ پس صفتِ ضلالت

نے اپنے موصوف بدعت کو جو عام شامل ضلالت و ہدیٰ کو تھا خاص کر دیا اور تمیز دے دی بعض افراد کو۔ یعنی بدعتِ ضلالت کو بعض سے، یعنی بدعتِ ہدیٰ و حسنہ سے۔ جیسے رجل عالم میں صفت عالم نے تمیز دے دی رجل کو غیر عالم سے اور صورت نعت و صفت میں یہ معنی کرنے دو وجہ سے ضروری ہوئے؛

ایک تو یہ ہے کہ اصل توصیف نکرہ میں افادۂ تخصیص ہونا نحو کا قاعدہ مطرد ہے۔

دُوسرے یہ کہ صفت کے ساتھ پڑھنا مطابق ہو جائے ساتھ روایت اضافت کے جو اہلِ حدیث میں شائع ہے۔

پس جس طرح روایت اضافت میں لفظ بدعت عام من وجہ رہا تھا اسی طرح صفت و نعت میں بھی عام من وجہ رہی۔ یہ تقریر اثباتِ بدعتِ حسنہ میں اس عاجز کو اپنے بعض اساتذہ سے پہنچی ہے تغمدہم اللہ لغفرانہ۔

اب شروع کریں ہم دوسری تقریر یعنی بدعتِ حسنہ کو لاشئ محض کرنا اور اُس کے وجود کا انکار کرنا مخالف نقل کے ہے۔ وجہ اُس کی یہ کہ جب حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کرامت مہد میں کچھ لحوق کیفیت نماز تراویح کو بہ نسبت سابق زیادہ ہوا اس کو آپ نے پسند کیا اور فرمایا:

نعمت البدعة (یہ اچھی بدعت ہے)

لفظِ نعمت زبانِ عرب میں افعال مدح سے ہے۔ اس سے تعریف کیا کرتے ہیں کسی شے کی۔ پس آپ نے اُس کیفیت زائدہ علیٰ قدر السابق کی تعریف فرمائی کہ "اچھی ہے یہ نئی بات۔"

دیکھو حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ جن کی اقتدار کا حکم ہم کو از رُوئے حدیث ہے، انہوں نے بدعت کو اچھا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بدعتِ محمود بھی ہوتی ہے۔

اور ایسی ہی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صلوٰۃ ضحیٰ جس طرح انہوں نے لوگوں کو پڑھتے دیکھا اور لوگوں نے اُس کا مسئلہ پوچھا، آپ نے یہ فرمایا:

انہا محدثۃ و انہا لمن احسن ما احدثوا۔ یعنی ہے تو یہ نئی بات مگر ہے اچھی۔

پس امر محدث اور بدعت کو حسنہ کہنا نصِ قولِ صحابی سے ثابت ہے اُس وقت سے اب تک باقتدائے صحابہ کرام جمیع مجتہدین اعلام و ائمہ اسلام جمیع محدثات حسنہ کو جائز رکھتے اور بدعتِ حسنہ فرماتے چلے آئے۔ چنانچہ نقولِ اقوالِ فقہاء و محدثین عنقریب آنے والی ہیں۔ پس ثابت ہو گیا عقلاً و نقلاً ہر طرح کہ بدعت حسنہ کا وجود ثابت اور اطلاق بدعتِ حسنہ درست اور صحیح ہے۔

مذہبِ جمہور پانچواں قول مذہب جمہور واضح ہو کہ کافۂ علماء اہلِ تحقیق کے نزدیک سیئہ اور حسنہ ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں۔ یعنی یہ بات نہیں کہ جو کچھ خیر و شر زمانہ قرونِ ثلٰثہ میں ہو گیا وُہ سب سنّت اور مقبول ہے اور بعد زمانہ قرون کے جو کچھ بھلا یا بُرا ہو وہ سب بُرا ہے اور مردود ہے۔ کما قدمنا ایک ایک مثال پر اکتفا کرتا ہُوں:

(۱) حضرت امیر المؤمنین عمر اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما تیمم سے منع فرماتے تھے نہانے کی حاجت والے کو۔ یہ حدیث مسلم مطبوعہ کے صفحہ ۱۶۱ میں ہے۔ اب دیکھیے یہ حکم صحابی کا ہے اور صحابی بھی کیسے، خلفائے راشدین میں۔ لیکن اس قول پر کسی نے ائمہ مذاہب میں عمل نہیں کیا۔

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی تھے ان کا بیٹا یزید تابعی تھا طبقۂ وسطیٰ تابعین میں۔ یعنی جس طبقہ میں حسن بصری اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا، کذا فی التقریب۔ اس تابعی نے جو خیر القرون میں تھا دیکھو کیا کام سعادتمندی کا

بکیا کہ خدا کسی کو نصیب نہ کرے کہ مظلمہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا اس کی گردن پر ہے۔

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ تابعی تھے ان کا شاگرد واصل ابن عطا تبع تابعین سے تھا وُہ مذہب معتزلی کا مُوجد اور امام ہُوا۔ اُس نے یہ مذہب نکالا کہ جو مسلمان گناہِ کبیرہ کرتا ہے نہ اُس کو مومن کہنا چاہیئے نہ کافر بلکہ یہ ایک درجہ ہے درمیان دونوں کے۔ یہ بالکل مخالف اہلِ سنّت وجماعت کے اس نے اعتقاد کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دو قسم فرماتا ہے : فمنکم کافر ومنکم مومن۔ تیسری قسم نہیں فرمائی۔

پس جب واصل ابن عطا نے اپنا وُہ عقیدہ بیان کیا تب اُن کے استاد حضرت امام حسن بصری نے ارشاد فرمایا :

قد اعتزل عنا۔ یعنی یہ الگ ہوگیا ہم سے۔

پس اُسی روز سے اُس فرقہ کا نام معتزلی ہُوا۔ وہ سخت بدعتی ہیں اور وُہ اپنا نام کہتے ہیں اصحاب العدل والتوحید۔ کذا فی شرح العقائد وغیرہ۔

یہ تین قصے قرونِ ثلٰثہ کے بیان کئے گئے اور ایسے بہت قصص ہیں غرضکہ ان امثال سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ خواہ کوئی فعل ہو یا قول یا اعتقاد، اس کا حسنہ اور سیئہ ہونا موقوف زمانہ پر نہیں بلکہ اس کا مدار مخالفت اور عدمِ مخالفت شرع پر ہے اسی دعوٰی پر دو دلیل یعنی دو حدیث صحیح لکھے دیتا ہُوں :

بدعت کی اصل تحقیق

ردِّ بدعت پر پہلی حدیث اور اس کا مطلب

(۱) قال نبینا الآمر الناھی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام :

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ۔ یہ صحیحین کی حدیث ہے

یعنی جس نے نکالی ہمارے اس دین میں وہ بات جو دین کی قسم سے نہیں یعنی کتاب اور سنت کے مخالف ہے وہ بات اس کی رد ہے۔

شارحینِ حدیث نے لفظ مالیس منہ کی شرح میں لکھا ہے: فیہ اشارۃ الیٰ ان احداث مالاینازع الکتاب والسنۃ لیس بمذموم۔

اور محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے لفظ مالیس منہ کی شرح میں کہ مراد چیزے ست کہ مخالف و مغیّر دین باشد۔

اور نواب قطب الدین خاں صاحب نے ترجمہ مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ لفظ مالیس منہ میں اشارہ ہے اُس کی طرف کہ نکالنا اس چیز کا کہ مخالف کتاب اور سنّت کے نہ ہو بُرا نہیں۔ انتہیٰ

یہ شروح عربی و فارسی و اُردو کی ایک ایک نظیر بس کرتی ہے اور ان شارحینِ حدیث کو اس طرح معنی کرنے کی وجہ یہ پڑی کہ ابوداؤد میں ہے:

من صنع امرا علیٰ غیر امرنا فھو رد۔ یعنی جس نے کیا کوئی کام ہمارے کام سے غیر طریقہ پر وہ رد ہے۔

حضرت کا کام کتاب اور سنّت ہے۔ کتاب و سنّت کے غیر وہی طریقہ ہوگا جو بالکل اس کے مخالف اور اس کا مغیّر یعنی بدل دینے والا ہوگا۔

حاصلِ حدیث

الحاصل اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک تو یہ کہ حضرت نے لفظ "من" ارشاد فرمایا یہ لفظ عربی میں عام ہے اس میں قید کسی قرن کی نہیں۔ یعنی آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ جو کوئی نکالے نئی بات اوّل قرن میں دوسری میں تیسری میں یا بالکل آخری زمانے میں، بلکہ عام فرمایا کہ جب کبھی کوئی نکالے وہ رد ہے۔

دوسری بات یہ کہ اُس نئی بات نکالی ہُوئی کا مردُود ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مخالف ہو کتاب اور سنّت کے۔ بس یہی ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ حسنہ اور سیئہ ہونا امورِ محدثہ کا موقوف مخالفت اور عدم مخالفت کتاب وسنّت پر ہے نہ زمانہ پر۔ اور یہ مسئلہ اصول میں ٹھہر چکا ہے کہ جب کوئی حکم کسی امر مقید پر ہوتا ہے تو وہ حکم قید کی طرف راجع ہوتا ہے۔ اس حدیث میں فھو رد حکم ہے یہ اصل احداث پر راجع نہ ہوگا بلکہ اُس کی قید جو مالیس منہ ہے اس کی طرف راجع ہوگا یعنی جو نئی بات مخالف اور تغیّر دینے والی دین کو ہو وہ رد ہے نہ یہ کہ جو کوئی بات عمدہ اور صالح اور نیک اصولِ دین کے موافق نکالی جائے وہ بھی رَد ہے۔ دیکھو اب قاعدۂ اصول کے موافق معنی کرنے سے اسی حدیث سے ثابت ہوگیا کہ بدعتِ حسنہ یعنی اچھی بات کا ایجاد کرنا بُرا نہیں ورنہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم احداث کو مفید لفظ مالیس منہ کے ساتھ نہ فرماتے بلکہ یُوں فرماتے من احدث فی امرنا فھو رد۔ کیا حاجت تھی لفظ مالیس منہ بڑھانے کی۔

اور شرح جواہر التوحید میں ہے: ومن الجھلۃ من یجعل کل امر لم یکن فی زمن اصحابہ بدعۃ مذمومۃ وان لم یقم دلیل علیٰ قبحہ تمسکا بقول صلی اللہ علیہ وسلم ایاکم ومحدثات الامور ولا یعلمون المراد بذٰلک ان یجعل فی الدین ماھو لیس منہ۔ انتہٰی

اس تقریر سے جواب حاصل ہوگیا اُن لوگوں کا جو حدیثیں بغیر سمجھے بُوجھے پڑھا کرتے ہیں کہ شر الامور محدثاتہا اور پڑھا کرتے ہیں وایاکم ومحدثات الامور وکل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ۔ وہ حصول جواب یہ ہے کہ حدیثیں سب ارشادِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم ہیں وُہ باہم مخالف نہیں ہوسکتیں۔ جب مقامِ مذمّت میں آپ احداث کو مالیس منہ کے ساتھ مقید

فرما چکے یعنی وُہ محدث بات مردود ہے جو کسی غیر طریقۂ اسلام پر ہو اور مخالف ہو۔ پس جس قدر حدیثیں منع اور بدعت میں ہوں گی وہ احداث اور بدعت مخالف اسلام کی طرف راجع ہوں گی، نہ احداث خیر اور بدعت حسنہ کی طرف۔ اور اس تقریر سے اس حدیث کے معنی بھی بلا تکلف صحیح ہو گئے ما احدث قوم بدعۃ الا رفع مثلھا من السنۃ اس لیے کہ جو بدعت مخالف سنّت ایجاد ہو گی ظاہر ہے کہ وُہ سنّت کو مٹا دے گی۔ چنانچہ مولوی قطب الدّین خاں صاحب نے بھی مظاہر الحق میں اس حدیث کے ترجمہ میں لکھا ہے: "نہیں نکالی کسی قوم نے بدعت یعنی جو بدعت کہ مزاحم سنّت کے ہو۔" دیکھیے اس حدیث میں بھی ان لوگوں کے علماء مستندین سے خاص اسی بدعت کی بُرائی ثابت ہوئی جو مخالف سنّت ہو۔ باقی رہی حدیث:

تفترق اُمّتی علیٰ ثلٰث و سبعین ملۃ کلھم فی النّار الا واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی۔

یعنی میری اُمّت میں تہتّر (۷۳) فرقے ہوں گے سب آگ میں جائیں گے مگر ایک۔ لوگوں نے پُوچھا وہ کون سا فرقہ ہے؟ فرمایا: جس ملّت پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔

سو مراد اس سے یہ نہیں کہ کوئی عمل جزئیہ مخصوصہ اگر آپ نے یا اصحاب نے نہیں کیا تو اس کا کرنے والا فی النار ہو گا اس لیے کہ بالاتفاق ثابت ہے کہ مدرسہ نہ آپ نے بنایا نہ اصحاب نے تو چاہیے مدرسہ بہیئتِ کذائیہ بنانے والا مستحق نار ہو۔ معاذ اللہ بلکہ مراد یہ ہے کہ جو آپ کے اور آپ کے اصحاب کے اصول ہیں اُس کے مخالف جو ہو گا وہ فی النار ہو گا اور احداث بدعت حسنہ مخالف اصول نہیں بلکہ جناب رسالت مآب نے خود مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فرما کر

ترغیب ایجاد اعمال حسنہ کی دی جیسا کہ آگے آوے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔
اور اسی طرح اصحاب رضی اللہ عنہم اجمعین نے بہت امورِ خیر ایسے کہ زمان نبوت میں نہ تھے ایجاد فرمائے اور اطلاق احداث حسن اور نعمت البدعۃ وغیرہ کا کیا۔
پس جو لوگ مولد شریف یا فاتحہ بہیئت کذائیہ کرتے ہیں وہ اس احداث حسن میں خاصی طرح مصداق ما انا علیہ و اصحابی کے ہیں کہ آپ اور آپ کے اصحاب نے احداث حسن کی اجازت دی اور ہم بھی انہی کے طریقہ پر قدم بقدم احداثات حسن کو جائز رکھتے ہیں فیا اخی خذ ما اتیتک وکن من الشاکرین۔

جو چیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں وہ مکروہ و بدعت نہیں

بعض مانعین کہتے ہیں کہ مخالف احداث کرنے سے مراد یہ ہے کہ جس کام کو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا وہی کام مخالفِ سنت اور بدعت اور مکروہ ہے اس کو احداث نہ کرنا چاہیے۔ اور صحابہ نے جن امور پر انکار کیا وہ سب امور خیر تھے اُن میں کوئی بات سوائے اس کے نہ تھی کہ ہیئت ان کی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں پائی گئی، مثلاً،

(۱) عبد اللہ ابن مسعود نے ایک جماعت ذکر کرنے والوں کو مسجد سے نکال دیا یہ ہیئت خاصہ جدیدہ پر انکار تھا ورنہ اصل ذکر اللہ خود مامور بہ ہے۔

(۲) اور حضرت علی نے قبل نمازِ عید نفل پڑھنے سے منع فرمایا حالانکہ خود نماز منہی عنہ نہیں۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن عمر نے نمازِ چاشت کو جو اُن کے شروط کے موافق اُن کو ثابت نہ ہوئی تھی بدعت فرمایا۔

(۴) اور اسی طرح قنوت جو ان کے زمانہ میں پڑھتے تھے اس کو بدعت

فرمایا انتہی قولہم

اصل اشیاء میں اباحت ہے

میں کہتا ہوں اگرچہ یہ تقریر موافق مشرب قائلین قول چہارم کے ہے لیکن بعض آدمی اور بھی بے خبری سے یہ بات کہنے لگتے ہیں، جواب اس کا یہ ہے کہ جو امر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اس کو مخالفِ سنت، مکروہ و بدعت کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ جس سے نصِ شارع ساکت ہو اس کو مخالفِ شرع نہیں کہتے۔ دارقطنی نے ابی ثعلبہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے فرض فرمائیں بعض چیزیں اُن کو ضائع مت کرو۔ اور حرام ٹھہرائیں بعض چیزیں اُن کی حرمت مت توڑو، اور باندھی ہیں حدیں اُن حدوں سے آگے مت بڑھو، اور سکوت فرمایا بعض چیزوں سے دانستہ اُن میں بحث مت کرو۔ یہ حدیث مشکوٰۃ کے باب الاعتصام میں ہے۔
اور حضرت ابن عباس نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ نے حلال کر دیا وہ حلال ہے اور جو حرام کر دیا وہ حرام ہے اور جس میں سکوت فرمایا اور کچھ بیان نہیں کیا وُہ معافی میں ہے یعنی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ نہ ہوگا۔ یہ مشکوٰۃ کے باب مایحل اکلہ میں ہے۔

ان احادیث سے علماء نے ایک اصل عظیم پیدا کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جس چیز میں اللہ و رسول کی طرف سے سکوت ہو اُس کو مباح جاننا چاہیے نہ کہ بدعت و مکروہ و حرام۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب کتاب مصفی شرح موطا تطوع قبل عید میں لکھتے ہیں مطبوعہ ص ۸۰ اکہ:
"ماخذ دیگران استصحاب مشروعیت اصل صلوٰۃ است و نیافتن

دلیلے کہ دلالت کند بر منع زیراکہ نکردن آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم دریں حال دلالت برکراہت نمی نماید ترک فعل خیر نزدیک حضور وداعی آں دلیل کراہت نمی تواند شد" انتہی

اس میں شاہ ولی اللہ صاحب نے کھول کر فرما دیا کہ باوجود موجود ہونے وداعی کے بھی اگر کسی فعلِ خیر کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں یہ دلیل کراہت کی نہیں ہو سکتی انتہی[1]

فجر کو نفل مکروہ ہونے کی وجہ اور وہ جو علماء حنفیہ بعد فجر نوافل میں کراہت ثابت کرتے ہیں اس میں علت اور ہے وُہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پر بہت حریص تھے جعلت قرة عینی فی الصلوٰة اور اوقات میں یہ بات دیکھی کہ نماز بعض اوقات میں جائز اور بعض میں نہیں بناءً علیہ علماء نے باوجود اس حرص کے پھر ابداً کبھی نہ پڑھنا نوافل کا اس وقت میں وجہ کراہت اس وقت کی ٹھہرائی۔

الحاصل یہ بات علی العموم صحیح نہیں کہ جو فعلِ خیر آپ نے نہ کیا وہ بدعت اور مخالفِ سنّت ہوتا ہے حق الامر یہ ہے کہ مخالفِ سنّت و بدعت وہی امر ہوگا جو امر و نہی شارع کے خلاف ہوگا۔ اس طرح کا امر جو کوئی احداث کرے گا وہ داخل ارشاد من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد ہوگا اور وہ فعل مکروہ و بدعت وضلالت کہلائے گا۔ امام حجۃ الاسلام غزالی علیہ الرحمۃ 'احیاء العلوم' آداب سماع، جلد دوم صفحہ ۱۷۲ میں فرماتے ہیں:

---

[1] قرآن حکیم میں ہے، وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝ (البقرہ ۱۶۰)
(اور جو شخص اپنی مرضی سے کوئی امر خیر کرے تو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے)
(محمد شریف گل)

وقول القائل ان ذلك بدعة لم يكن فی الصحابة فليس كل
ما يحكم باباحته منقولا عن الصحابة رضی الله عنهم انما
المحذور بدعة تراغم سنة ماموراً بها ولم ينقل النهی عن شئ
من هذا۔

واضح ہو کہ اس مقام پر حجۃ الاسلام نے بیان فرمایا ہے کہ جب صوفی
حالت وجد صادق میں کھڑا ہو جائے تو لابُد ہے کہ جماعت اُس کی موافقت
میں کھڑی ہو جائے ، اور اسی طرح اگر یہ عادت جاری ہو جائے کہ صاحبِ وجد کا
عمامہ اُتر جائے تو سب اپنا عمامہ الگ کر دیں اس کا کپڑا بدن سے الگ ہو جائے
تو لوگ بھی وُہ کپڑا اپنے بدن سے ڈال دیں اس کی موافقت میں ، سو یہ
باتیں البتہ حقوق صحبت اور حُسنِ معاشرت میں داخل ہیں ، اور اگر کوئی یہ
کہے کہ یہ تو بدعت ہے صحابہ سے منقول نہیں ، ہم کہیں گے بہتیری مباح باتیں
صحابہ سے منقول نہیں ، اندیشہ اسی بدعت کا ہے جو مٹا وے کسی سنت
مامور بہا کو۔ اور نقل نہیں کی گئی کسی چیز کے لئے ان اشیاء مذکورہ سے نہی واسطے
ممانعت کے ، انتہی۔

اب دوسرا مقام اسی جلد احیاء العلوم صفحہ ۹۲ میں ملاحظہ فرمائیے :

اما مجدد السواد فليس بمكروه ولكنه ليس محبوب اذا احب
الثياب الى الله تعالى البيض ومن قال انه مكروه وبدعة اراد
به انه لم يكن معهودا فی العصر الاول ولكن اذا لم يرد
فيه نهی ولا ينبغی ان يسمى بدعة ومكروها ولكن تركه احب۔

فرمایا امام غزالی حجۃ الاسلام نے کہ فقط سیاہ لباس پہننا مکروہ نہیں لیکن
محبوب بھی نہیں اس لئے کہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفید لباس ہے ،

اور جس نے یہ کہا کہ مکروہ اور بدعت ہے مراد اُس کی یہ ہے کہ عصرِ اوّل میں اس کا دستور نہ تھا لیکن جبکہ اس میں نہی شارع سے وارد نہیں تو اس کو بدعت و مکروہ نہ کہنا چاہیئے، ہاں ترک احب ہے یعنی اس واسطے کہ احب الی اللہ تعالیٰ سفید لباس ہوتا ہے۔

دونوں مقام کی تقریریں حضرت حجۃ الاسلام کی صاف بیان کر رہی ہیں کہ صدرِ اول میں دستور نہ ہونا یا منقول نہ ہونا سبب بدعت و کراہت کا نہیں ہو سکتا جب تک صریح نہیِ شارع ناطق نہ ہو۔ پس جمیع اہلِ اسلام کو جاننا چاہیئے کہ حدیث من احدث فی امرنا کے ذیل میں جو شارحین حدیث لکھ رہے ہیں کہ نکالنا اس چیز کا جو مخالف کتاب و سنّت کے نہ ہو بُرا نہیں اس کے صاف یہی معنی ہیں کہ جس چیز کی نہی کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ میں موجود نہیں اس کا نکالنا بُرا نہیں اور جس کی نہی موجود ہے وہ ایجاد اور احداث مردود ہے۔

عبداللہ بن مسعود کا نکال دینا ذکر اللہ کرنے والوں کو، پھر اسکا جواب

اور وہ نظیریں صحابہ کی جن کو معارضین پیش کرتے ہیں ان میں یہ ہی بات تھی کہ صحابہ نے اپنے نزدیک ان کو مقابل نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھا تھا، مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار فرمانا اس کی روایتیں دو طرح پر ہیں:

ایک اس طرح: اخرجہ الطبرانی بسندہ من قیس بن خادم قال ذکر لابن مسعود قاص یجلس باللیل و یقول للناس قولوا کذا، الحدیث۔ اس روایت میں لفظ قاص ہے یعنی ایک آدمی

قصہ گو رات کے وقت قصہ کہنے بیٹھا تھا اور درمیان قصہ گوئی کے لوگوں کو کہتا جاتا تھا کہ ایسا کہو ایسا کہو، یہ خبر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو پہنچی آپ وہاں تشریف لے گئے اور ان کو دھمکایا کہ تم نے یہ بدعت نکالی ہے۔ واضح ہو کہ یہ انکار کرنا عروض ہیئت جدیدہ کے سبب نہ تھا بلکہ وہ اس کا مجمع کرنا قصہ گوئی کے واسطے یہ خلافِ شرع تھا، گو ذکر اللہ بھی کبھی کبھی درمیان میں ہوتا ہو، اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے قصہ گویوں کو جو بے اصل قصہ بیان کرتے تھے مسجد سے نکال دیا کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ آدابِ تذکیر 'قول جمیل' میں بیان فرماتے ہیں:

ولا یذکرالقصص المجازفۃ فان الصحابۃ انکروا علی ذلک اشد الانکار واخرجوا اولٰئك من المساجد وضربوھم۔

نصاب الاحتساب میں ہے:

والقصص عندھم بدعۃ وکانوا یخرجون القصاص من الجامع۔

اور حضرت پیرانِ پیر غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

وکان ابن عمر وغیرہ من الصحابۃ رضی اللہ عنھم یخرجون القصاص من الجامع۔

ان قرائن سے صحیح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ قاص ایسا ہی قصہ گو تھا، اور اگر وہ مرد واعظِ حقانی ہوتا اور وعظ کرتے کرتے لوگوں سے درمیان میں ذکر اللہ بھی کراتا جاتا وہ ہرگز منع نہ تھا۔ قاضی خان میں ہے:

العالم اذا قال فی المجلس صلوا علی النبی علیہ الصلوٰۃ

والسلام فانه یثاب علی ذلک وکذا الغازی اذا قال کبروایثاب علیه ۔

اور دوسری روایت اس طرح پر ہے کہ وہ لوگ اللہ جہراً کرتے تھے اس لئے اُن کو نکال دیا۔ سو اس کی وجہ وہی ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذکرِ جہر کو مخالفِ شرع سمجھتے تھے جیسا کہ کتبِ فقہ سے روایت آتی ہے اور مانعین جہر قرآن کی آیت سند گزارتے ہیں: ادعوا ربکم تضرعا و خفیة ۔ اور حدیث کتاب الجہاد بخاری کی جو ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے پیش کرتے ہیں کہ وہاں بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اللہ اکبر کہتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اربعوا علیٰ انفسکم لا تدعون اصم ولا غائبا انه معکم انه سمیع قریب ۔ یعنی "نرمی کرو اپنی جانوں پر تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے وہ تمہارے ساتھ ہے وہ سنتا ہے پاس ہے۔" اس سے بعض صحابہ سمجھ گئے کہ ذکرِ جہر منع ہے۔ اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو منع فرمایا۔ چنانچہ حموی میں ہے:

فی فتاوی القاضی الجهر بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد هللون ویصلون علیه الصلوٰة والسلام جهراً افراح الیهم وقال ماعهدنا ذلک علیٰ عهده علیه الصلوٰة والسلام وما ارنکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذلک حتی اخرجهم من المسجد ۔

اور روایات سے معلوم ہُوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ان لوگوں کو فقط احداث ہیئت جدید کے لیے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ یہ ذکر جہر کرنا ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے۔ اور یہ ہی ہم کہتے ہیں کہ جو احداث مخالف امر شارع

کے ہو وہ منع ہے اور جو مخالف نہیں وہ منع نہیں۔ چنانچہ یہ بھی ذکر جہر جن لوگوں کے نزدیک مخالف نہیں وہ سب جائز کہتے ہیں۔ عمدۃ الفقہاء والمحدثین جناب مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی حدیث پڑھی ہے اپنے رسالہ دلائل الاذکار مطبوعہ دہلی صفحہ ۷۹ میں فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر مع الصحابۃ رضوان اللہ علیھم اجمعین بالاذکار والتھلیل و التسبیح بعد الصلوٰۃ انتھی۔

اور حاشیۂ شامی درمختار میں ہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکرالجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاری انتھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ استحباب ذکرِ جہر پہ بجماعت ذاکرین اجماعِ علماء ہے یہ علماء حدیث بخاری کے نہی کو فرماتے ہیں کہ وہ موقعِ جہاد تھا وہاں کفار سے اپنا حال اخفاء کرنا منظور تھا اس لئے جہر کو آپ نے منع فرمایا تھا، نہ اس لئے کہ جہر منع ہے۔ اور اسی طرح آیت میں بھی ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

حضرت علی کا انکار نفل قبل عید پہ، پھر اس کا جواب

دوسرا انکار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ہے آپ نے قبل نمازِ عید نماز پڑھنے سے ایک شخص کو منع فرمایا، واضح ہو کہ یہ منع فرمانا فقط اسی باعث سے نہ تھا کہ نماز اس وقت میں آپ سے منقول نہیں ہے اور جب مقبول نہیں تو بدعت ٹھہرے جیسا کہ فریق ثانی مغالطہ میں پڑا ہے بلکہ منع فرمانے حضرت علی

کرم اللہ وجہہٗ کی ایک دلیل ہے جس پر علمائے حنفیہ کا عمل ہے یعنی صریح نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہے۔ شرح مجمع میں ہے:

روی انہ علیہ السلام قال لا صلوٰۃ فی العیدین قبل الامام۔

یہی ہمارا دعویٰ ہے کہ احداث اُس شئ کا منع ہے جو امر و نہی شارع کے مخالف ہو، جن لوگوں کو نہی شارع پہنچ گئی اُنھوں نے صلوٰۃِ عید سے قبل تنفل کو منع کیا جن کو نہ پہنچی انھوں نے فقط عدمِ فعل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب حکم منع کا دیا اور یہ کہا:

ترک فعل خیر نزدیک ظہور وداعی آں دلیل کراہت نمی تواند شد۔

جیساکہ مصفّٰی شرح مؤطا سے اُوپر منقول ہوچکا۔

ابنِ عمر کا چاشت پر انکار، پھر اس کا جواب

تیسرا انکار حضرت عبد اللہ بن عمر کا ہے نمازِ چاشت پر۔ سو یہ انکار مانعین کو مفید نہیں اس لیے کہ وہ اس کو بدعتِ حسنہ فرماتے تھے۔ مواہب لدنیہ اور شرح مواہب صفحہ ۱۳ خاتم المحدثین زرقانی میں روایت ہے شعبی سے:

سمعت ابن عمر یقول ما ابتدع المسلمون افضل من صلوٰۃ الضحیٰ و روی ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح عن الحکم بن عبد اللہ بن اسحٰق بن الاعرج قال سألت ابن عمر عن صلوٰۃ الضحیٰ فقال بدعۃ و نعمت البدعۃ و روی عبد الرزاق باسناد صحیح عن سالم عن ابیہ قال لقد قتل عثمان وما احد یسبحھا وما احدث الناس شیئا احب منھا و روی سعید ابن منصور عن مجاھد عن ابن عمر انھا محدثۃ وانھا لمن احسن ما احدثوا۔

اور یہ روایت اخیر سعید بن منصور کی فتح الباری وغیرہ شرح بخاری میں بھی موجود ہے۔

پس مدعا بدعت حسنہ ثابت کرنے والوں کا ثابت اور رد کرنے والوں کا رد ہو گیا۔

بعض علماءؒ نے یہ خیال کیا ہے کہ اصل نماز پر انکار نہ تھا کیونکہ وہ تو ان کے نزدیک بدعت حسنہ افضل و احسن کام تھا اس پر انکار کس طرح فرماتے بلکہ اگر انہوں نے انکار کیا ہے تو اس بات پر کیا ہے کہ لوگ اس کو نماز فرائض کی طرح جمع ہو کر اہتمام سے مسجدوں میں پڑھتے تھے اور یہ بات خلافِ اصل تھی کیونکہ صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

فعلیکم بالصلوٰۃ فی بیوتکم فان خیر صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ۔

اور یہ بھی حدیث ہے:

صلوا ایھا الناس فی بیوتکم۔

معلوم ہوا کہ سوائے نماز فرض کے اور نوافل آدمی گھر میں پڑھا کرے۔

اور کہا ترمذی نے کہ نفل نماز گھر میں پڑھنے کی روایتیں حضرت عمرؓ اور جابرؓ اور ابو سعیدؓ اور ابو ہریرہؓ اور ابن عمرؓ اور عائشہؓ اور عبداللہ ابن مسعودؓ اور زید بن خالدؓ سے روایت کی گئی ہیں۔ پس ممکن ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا اجتہاد مقتضی ہوا ہو کہ نماز نوافل کے لیے جب حکم ہوا صلوا فی بیوتکم (اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو) اور یہاں لوگوں نے یہ کیا کہ دائمی طور پر ہمیشہ مسجد ہی میں پڑھنے لگے تو یہ مخالف ٹھہرا فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اور بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب زمانہ شروع اسلام کا تھا اور اُس وقت تک جمیع فرائض و نوافل بخوبی جدا طور پر ممیز ایک دوسرے سے عام طور پر نہ ہوئے تھے بنائے علیہ مجتمع ہو کر مساجد میں نماز چاشت پڑھنے

لوگوں کو اشتباہ پڑتا کہ وہ اس کو بھی فرض واجب اعتقاد کرتے۔ چنانچہ حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں:

وانما ارادوا بذلک لئلا تشبتہ بصلاۃ الفرض فیعتقد الناس وجوبہا۔ الخ

ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اگر نمازِ چاشت پر انکار رہا ہے تو وہ ارشادِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت دائمی اور اندیشۂ اشتباہ فرائض نوافل کے سبب تھا بناءً علیہ یہ سمجھنا معارضین کا کہ یہ انکار فقط عدمِ ثبوت کے سبب تھا بالکل مخدوش وساقط الاعتبار ہوگیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کا قنوت پر انکار، پھر اس کا جواب

حضرت عبداللہ ابن عمر کا قنوت پر جو اُن کے زمانہ میں لوگ پڑھتے تھے آپ نے اس کو بدعت فرمایا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ قنوت صبح کی نماز میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہینہ پڑھا تھا پھر چھوڑ دیا وعن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قنت شہرا ثم ترکہ۔ اب ائمۂ دین میں اختلاف بڑھا بعضوں نے کہا کہ چھوڑ دینا واسطے بیان جواز کے تھا نسخ ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا اور جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ اور بعضوں نے کہا جب آپ نے چھوڑ دیا تو منسوخ ہوگیا والعمل بالمنسوخ لا یجوز اتفاقا اور دارقطنی نے روایت کیا سعید بن جبیر سے، وہ کہتے ہیں میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے سُنا حضرت ابنِ عباس کو یہ فرماتے ہوئے:

ان القنوت فی صلاۃ الفجر بدعۃ۔ ذکرہ الزرقانی

اور علامہ عینی شرح ہدایہ صفحہ ۱۳۱ د میں لکھتے ہیں :

وکان احد من روی ایضاً عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ثم اخبرھم ان اللہ عز وجل نسخ ذٰلک حتی انزل علیٰ رسولہ علیہ السلام لیس لک من الامر شیٔ الاٰیۃ فصار ذٰلک عند ابن عمر منسوخا فلم یکن ھو یقنت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان ینکر علیٰ من یقنت۔ انتھیٰ

تحقیقات مقدر سے ثابت ہو گیا کہ حضرت عبد اللہ کے ہمعصر یا صحابہ تھے یا تابعین وہ قنوت پڑھتے تھے وہ بھی اپنی طرح پر استدلال قائم کرتے تھے اور منسوخ نہیں سمجھتے تھے اور حضرت عبد اللہ بن عمر نے جو اس وقت قنوت کو منع کیا تو انہوں نے منسوخ سمجھا اور منسوخ پر عمل بالاتفاق خلافِ شرع اور ناجائز ہے کیونکہ جو عمل پہلے مامور بہ تھا وہ منسوخ ہونے سے منہی عنہ ٹھہر گیا بناءً علیہ حضرت ابن عمر کے نزدیک اس کا پڑھنا مقابل نہی متصور ہو کر بدعت ٹھہرا۔ ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ جو امر مخالف امر و نہی شارع کے احداث ہو گا وہی بدعتِ ضلالت ہو گا اور نہیں تو نہیں۔ اور اگر یہ حضرات اسی بات پر جم جاویں گے کہ جو کام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ہیئت سے نہیں کیا وہی مخالفِ سنت اور بدعت و ضلالت ہے تو بہت سے کام ان کو چھوڑنے پڑیں گے۔

پہلے عیدگاہ میں منبر نہ تھا

از انجملہ عیدگاہ میں منبر بنانا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

قسطلانی مواہب لدنیہ میں روایت کرتے ہیں ابنِ خزیمہ سے :

خطب علیہ الصلوٰۃ والسلام یوم عید علیٰ رجلیہ وھذا یشعر بانہ لم یکن فی المصلی فی زمانہ علیہ السلام منبر ووقع فی المدونۃ

الامام مالك ان اول من خطب الناس فی المصلی علیٰ منبر عثمان بن عفان۔
پس جبکہ حضرت نے عید کا خطبہ نہ پڑھا عیدگاہ میں منبر پر، پھر خلیفۂ اوّل و دوم نے بھی نہ پڑھا، حضرت عثمان کے دور میں منبر اینٹ اور مٹی سے کثیر ابن صلت نے تیار کیا اور حضرت عثمان نے خطبہ عید کا اُس پر پڑھا پس چاہیے کہ منکرین منبرِ عیدگاہ کو بھی اڑا دیں۔ اور چاہیے تھا کہ صحابہ بھی انکار فرماتے کیونکہ اس حیثیت سے منبر عیدگاہ آپ کے عہدِ ہدایت مہد میں نہ تھا۔

پہلے جُمعہ کی اذانِ اوّل نہ ہوتی تھی

اور اسی طرح چاہیے کہ اذانِ اوّل جمعہ کو بھی مانعین بالکل موقوف کر دیں

اس لیے کہ بروایت صحیح بخاری ثابت ہے کہ پہلے ایک اذان ہُوا کرتی تھی یعنی جس وقت امام منبر پر بیٹھتا ہے یہ دستور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور یہی عہدِ خلیفۂ اول و دوم میں رہا بعد ازاں جب آدمی زیادہ ہو گئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اذان سب سے اوّل زیادہ فرمائی اور حکم دیا کہ مقامِ زوراء پر جو خارج مسجد سے بازار میں ایک مقام اونچا تھا وہاں ایک اذان دی جایا کرے۔

اور شرح مواہب لدنیہ زرقانی صفحہ ۵۲۴ میں ہے کہ پھر ہشام ابن عبد الملک نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسّی (۸۰) برس بعد حکم دیا کہ اذان اول محدثہ عثمان رضی اللہ عنہ مسجد کے اندر کہی جائے۔ چنانچہ اب تک یہی مروّج ہے، کہ اذان اوّل بھی مسجد میں کہی جاتی ہے اور اذانِ ثانی جو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھی وہ خطیب کے سامنے کہی جاتی ہے اور بعد اتمام خطبہ تکبیر کہی جاتی ہے۔ پھر اگر یہی قاعدہ صحیح ہے کہ جو کام حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے وہی سنّت ہے اس کے سوا سب بدعت وضلالت ہے۔ تو چاہیے کہ یہ اذان بھی معاذ اللہ ضلالت ہو حالانکہ یہ شرقاً غرباً اہلِ اسلام میں رائج ہے۔

پہلے طواف کعبہ میں اُلٹے پاؤں نہیں پھرتے تھے

اور اسی طرح طواف رخصت میں اُلٹے پاؤں پھرنا، فتاوٰی اور متون و شروح و کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ مندرج ہے کہ جب حاجی رخصت کا طواف کرے تو دعا کرے اور روئے اور اُلٹے پاؤں پیچھے پھرے۔ حالانکہ یہ اُلٹے پاؤں پھرنا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ذکر کیا اس کو فقیہ شامی نے باب الحج میں اور علامہ زیلعی نے اس اُلٹے پاؤں ہٹنے کی دلیل یہ بیان کی ہے،

والعادة جارية فى تعظيم الاكابر والمنكر لذلك كابر۔

یعنی جب علامہ زیلعی حنفی کو دلیل اس فعل کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملی تو یہ کہا کہ "عادت جاری ہے تعظیم میں کہ بزرگوں کے سامنے سے پشت دے کر نہیں پھرتے پس بیت اللہ سے رخصت ہونے میں بھی پشت دے کر نہ پھرنا چاہیے، جو اس کا انکار کرے وہ بے وجہ لڑنے والا آدمی ہے۔

اور کہا علامہ طرابلسی نے: قد فعله الاصحاب یعنی اصحاب مذهبنا پس اتباع فعل اصحاب مذہب اپنے کا کر کے فقہائے حنفی حکم دیتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کے اسناد نہیں پہنچتی۔

اور تعجب ہے کہ جو لوگ اعمال و اشغال مشائخ صوفیہ عمل میں لائیں اور تقلید شخصی کو واجب اور حق کو منحصر چار امام میں جانیں اور اجماع اُمت کو درست جانیں اور پھر یہ بات زبان پر لائیں کہ بعد قرون ثلثہ جو کچھ حادث ہوگا وہ بدعت و ضلالت فی النار ہوگا معاذ اللہ یہ نہیں جانتے کہ یہ جو کچھ حضرات صوفیہ کرام نے ایجاد فرمایا ہے مثل حبس نفس اور افکار کی کیفیات مخصوصہ دو ضربی، سہ ضربی، چار ضربی اور اوضاع مخصوصہ قیام و قعود وغیرہ کی اور رگ کیماس کا دبانا اور تصورِ شیخ کرنا علی ہذا القیاس دیگر امورِ کثیرہ جو کتب قوم میں مصرح ہیں یہ ایجاد بعد قرونِ ثلثہ کے ہیں حضرت شاہ ولی اللہ

صاحب رسالہ انتباہ میں لکھتے ہیں :

"اگرچہ اوائل اُمت را با واخر اُمت در بعض امور اختلاف بودہ است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشان در زمن اول بصحبت و تعلیم و تادب بآداب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بعیت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسمِ خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسمِ بعیت پیدا گشتہ" الی آخرہٖ

اور مولوی اسمٰعیل صاحب صراطِ مستقیم میں لکھتے ہیں :

"محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند" الخ

اور حضرت مرشدی و مستندی ادام اللہ ارشادہ ضیاء القلوب میں ارشاد فرماتے ہیں :

"و ذکر اسم ذات در لطائف ستہ از تجویز قطب ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ ست"۔ انتہیٰ

پس گیارھویں صدی تک کے ایجاد تو عبارتِ مذکورہ سے ثابت ہُوئے اور تیرھویں صدی کی بھی سند آگے دی جائے گی۔

مسئلہ تقلید : اور اسی طرح تقلید کا مسئلہ کہ تقلید شخصی واجب ہے اور حق منحصر مذاہب اربعہ میں ہے یہ بھی بعد قرونِ ثلٰثہ حادث ہُوا ۔ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں :

اهل المائة الرابعة لم يكونوا مجتمعين على التقليد الخاص على مذهب واحد۔

اور بعد تین سطر کے لکھا :

اذا وقعت لهم واقعة استفتوا فيها اى مفتى وجدوا من غير تعين مذهب۔

معلوم ہوا کہ چوتھی صدی تک بھی لوگ تقلید خاص مذہب واحد پر مجتمع نہ تھے جب مسئلہ پیش آتا کسی مفتی سے پوچھ لیتے بلا تعین مذہب۔ اور مولوی قطب الدین خاں صاحب تفسیر الحق میں تفسیر مظہری سے نقل کرتے ہیں:

اهل السنة والجماعة قد افترق بعد القرون الثلثة او الاربعة على اربعة مذاهب۔

خلاصہ یہ کہ افتراق مذاہبِ اربعہ قرونِ ثلثہ کے بہت بعد ہوا اور چوتھی صدی تک بھی وجوب تقلید شخصی پر اجماع نہ ہوا تھا جس مذہب والے سے چاہتے تھے مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتے تھے اور ظاہر ہے کہ چار اماموں میں حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں ان کی وفات دو سو اکتالیس میں ہوئی اور وہ تبع تابعین میں نہیں۔ صاحبِ تقریب نے ان کو طبقہ عاشرہ میں لکھا ہے تو ظاہر ہے ان کے اجتہاد پر فتویٰ دینے والے اور حق کو منحصر چار میں کہنے والے اُن سے بھی بعد میں ہوئے۔

مسئلہ اجماع: اور اسی طرح مسئلہ اجماع کا کہ کسی اصولی نے تصریح فرمائی کہ اجماع بعد قرونِ ثلثہ کا کذب و بدعت ہوگا۔ کتاب تمہید میں حضرت امام ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اجماع الامة معتبرة بالاجمال لا بالتفصيل بدليل قوله تعالىٰ وكذالك جعلنا امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا ولم يتصل بين الصحابة رضي الله عنهم وغيرهم والامة اسم عام يتناول الكل من الاول الى الآخر۔

اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ سے لے کر آخر امت تک جس طبقہ کے اہل اسلام کسی بات پر اجماع کریں گے وہ معتبر ہو جائے گا اُس کو بدعت و ضلالت نہ کہا جائے گا۔

پس جو لوگ قائل ہیں کہ قرونِ ثلٰثہ کے بعد جو کچھ ہوگا وہ کذب اور ضلالت ہی ہوگا اُن پر یہ مسائل اور ان کے سوا اور نظیریں سخت مشکل پڑیں گی ۔ یہ کیا کہ جن مسائل کے خود قائل ہو رہے ہو حالانکہ وُہ بھی بعد قرون ثلٰثہ کے محدث ہوئے ہیں ان کو مستثنیٰ کر کے اُن میں سے کسی کو واجب کسی کو مستحب کہہ رہے ہو اور فاتحہ اموات اور مولد شریف کو معاذاللہ ضلالت محض کہہ رہے ہو یہ بڑی بے انصافی ہے اور ہم پر کچھ اشکال نہیں اس لیے ہم ان سب امور کو بلافرق تسلیم کر رہے ہیں کیونکہ یہ امور مخالف کسی امر و نہی شارع کے نہیں اور ہمارے اصول کے موافق بعض بدعتیں واجب بھی ہوتی ہیں کما قدمنا و یاتی قریباً۔

الحاصل یہاں تک جس قدر نظائر و امثال مذکور ہوئیں ان سب سے خلاصہ یہ نکلا اور جس کی بصیرت قلبی پر غشاوۂ تعصب و عناد نہیں اُس مرد مبصر پر مثل صبح صادق روشن ہوگیا کہ حدیث شریف من احدث فی امرنا میں مراد احداث مخالف ہے اور مخالف سے مراد مخالف امر و نہی شارع اور ہرگز قید زمانہ کی اس میں ملحوظ نہیں۔

بدعتِ حسنہ قیامت تک جاری ہے

اب دوسری حدیث شریف ہدیۂ ناظرین حق طلب کرتا ہوں وُہ یہ ہے :

من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ فعمل بہا بعدہ کتب لہ مثل اجر من عمل بہا ولا ینقص من اجورھم شئ۔

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں لکھتا ہوں مجمع البحار اور شرح مسلم امام نووی کی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کے پیشواؤں کے نزدیک بھی نہایت معتبر اور مستند ہیں غرضکہ ان دونوں کتابوں میں اس حدیث شریف کے معنی یہ لکھے ہیں :

"جس نے جاری کیا اسلام میں طریقہ نیک پھر اس کے بعد اس طریقہ حسنہ

پر عمل کیا گیا تو لکھا جاوے گا اس شخص کے واسطے اس قدر اجر اور ثواب کہ جس قدر سب عمل کرنے والوں کو اُس کے بعد ہوگا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کاٹ کر اس کو نہ دیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنے خزانہ لا متناہی سے ثواب دے گا اور وہ طریقہ جو اس نے جاری کیا ہے خواہ وہ ایسا ہو کہ اس سے پہلے ایجاد کیا گیا تھا لیکن کسی سبب سے بند ہو گیا تھا اُس نے پھر اس کو جاری کر دیا یا یہ کہ پہلے اس سے وُہ طریقہ ایجاد ہی نہیں ہُوا تھا اُس نے خود اپنی طرف سے اُس کو ایجاد اور جاری کیا اور وُہ طریقہ خواہ تعلیم کسی علوم کی ہو یا عبارت ہو یا طریقہ ادب کا ہو۔"

مجمع البحار کی جلد دوم صفحہ ۱۴۰ اور شرح مسلم کی جلد ثانی صفحہ ۳۴۱ میں یہ مضمون مرقوم ہے دیکھئے جس کا دل چاہے۔ اس حدیث کے لانے سے ہمارے دو مطلب ثابت ہُوئے، ایک تو یہ کہ بدعتِ حسنہ کا بُرا ہونا تو کیا بلکہ اس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ ثواب کا دیا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جب وہ آدمی مر جائے گا اور اس کے بعد دوسرے خلق اللہ اس پر عمل کریں گے تو بعد موت بھی ان سب کے برابر اُس کو ثواب پہنچتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے شریعت نے طرح طرح کے اصول اور قواعد واسطہ تہذیب علم ظاہر دین کے ایجاد کیے اولیاء طریقت نے قسم قسم کے مجاہدات اور اشغال بعد قرون ثلٰثہ واسطہ تزئین اور تصفیہ قلب کے پیدا کیے رحمۃ اللہ علیہم وعلینا اجمعین۔ اسی واسطے لکھا شامی شارح درمختار نے اوائل جلد اول میں یہ حدیث قواعد اسلام سے ہے اور معنی اس حدیث کے ان الفاظ سے لکھے ہیں:

کل من ابتدع شیئا من الخیر کان لہ مثل اجر کل من یعمل بہ الی یوم القیٰمۃ [1]

---

[1] جو کوئی کچھ بدعت نکالے گا قسم خیر سے ہووے گا اس کو ثواب اس قدر جس قدر اس بدعت حسنہ پر تمام عمل کرنے والوں کو روزِ قیامت تک ہوگا۔

دوسرا مطلب اس حدیث سے یہ نکلا اس بدعت حسنہ کے ایجاد میں بھی وہی لفظ "من" جو عربی زبان میں ایک عام لفظ ہے ارشاد فرمایا، یہ نہ فرمایا کہ جو قرونِ ثلثہ میں کوئی آدمی طریقہ حسنہ جاری کرے گا اس کو ثواب ہوگا اور جو بعد میں کرے گا تو اس کو عذاب ہوگا اور وہ بدعتی ہوگا فی النار ہوگا نعوذ باللہ منہا، بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ جو کوئی جب کبھی طریقہ نیک جاری کرے گا ثواب ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی نے بھی من سن سنۃ حسنۃ کے معنی وہی کلی عام کئے ہیں یعنی اس نے لکھا ہے دکل من ابتداع شیئًا الیٰ آخرہ۔

اور یہی مولوی اسحاق صاحب نے بھی مائۃ مسائل میں لکھا ہے،

سوال: بدعت حسنہ محدود است بوقت من الاوقات یا غیر محدود است الیٰ یوم القیامۃ؟

جواب: غیر محدود ست عند القائل بتقسیمہا لحدیث من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ الیٰ آخرہٖ

دیکھو سائل نے سوال کیا تھا کہ بدعتِ حسنہ کی کوئی قید ہے وقت یا زمانہ کی کہ فلانے زمانہ تک تو ایجاد بدعتِ حسنہ کا جائز ہے اور فلانے زمانے میں نہیں جائز۔ یہ بات کہ کچھ قید نہیں بلکہ ایجاد اُس کا جائز ہے قیامت تک کسی زمانہ میں ایجاد ہو اور کوئی ایجاد کرے؟

اس کا مولوی اسحٰق صاحب نے جواب دیا کہ غیر محدود ہے یعنی زمانہ کی کچھ قید نہیں قیامت تک بدعتِ حسنہ جائز ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ عند القائل بتقسیمہا کی قید کیوں لگائی ہے، یہ بات کچھ موجبِ وحشت نہیں تین وجہ سے؛

ایک یہ کہ بدعت کی تقسیم نہیں کرتے وہ بدعتِ حسنہ کو سنّت میں داخل

کرتے ہیں پس بدعتِ حسنہ کا لفظ وہی کہے گا جو قائل تقسیم بدعت ہوگا جو تقسیم کا قائل نہ ہوگا وہ بدعتِ حسنہ کو سنّت کہے گا۔

دوسری وجہ یہ کہ جب اُن کی سند میں صحیح حدیث لکھ دی تو وہ قائلین کے پایۂ اعتبار میں ٹھہر گئی اور صحت اُن کے قول کی مسلّم ہو گئی۔

تیسری یہ کہ جب مولوی صاحب نے یہ فرمایا کہ جو قائل ہیں تقسیم بدعت اُن کے نزدیک قیامت تک بدعتِ حسنہ جائز ہے۔

اب ہم تم کو بتلا دیں گے بدعت حسنہ کو کس کس نے جائز کیا ہے پس جان لیجیو کہ ان سب مفتیانِ دین کے نزدیک تا قیامت بدعتِ حسنہ جائز ہے کچھ قرونِ ثلٰثہ منحصر نہیں ہے۔

اقوالِ فقہا و محدّثین در جواز بدعتِ حسنہ

اقوالِ فقہا و محدثین اس باب میں کہ سیئہ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالفِ قرآن و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وُہ درست ہے۔

سیرۃ حلبی وغیرہ کُتب مشہورہ معتبرہ میں ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا،

ما احدث وخالف کتابا او سنّۃ او اجماعا او اثرا فھو البدعۃ الضلالۃ وما احدث من الخیر ولم یخالف من ذٰلک فھو البدعۃ المحمودۃ۔

اس روایت کو بیہقی نے بھی ساتھ اسناد اپنی کے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ بدعت دو طرح ہے؛

۱- مذمومہ ۲- غیر مذمومہ (محمودہ)

مولوی اسمٰعیل صاحب نے تقویۃ الایمان کے دُوسرے حصّہ مسمّٰی بہ تذکیر الاخوان

میں فرمایا ہے :

جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنّت میں داخل ہے انتہیٰ

پس یہ قول شافعی بالضرور مسلّم ہونا چاہیے کیونکہ یہ مجتہد ہیں اور مجتہد کا حکم نکالا ہوا سنّت میں داخل ہے بقول مولوی اسمٰعیل صاحب ۔ دوسرے یہ کہ خیر القرون میں ہیں ۔ تیسرے یہ کہ خاص عربی ہیں عرب کے لغت اور صحابہ اور تابعین کے محاورات اور حدیث کی اصطلاحات جاننے والے ہیں بناءً علیہ جس قدر حدیثیں بدعت کی مذمت میں آتی ہیں موافق تفسیر امام شافعی ان کو محمول اُنہی بدعتوں پر کرنا چاہیے جو خلافِ کتاب وسنّت ہیں اور محققین علماء محدثین وفقہاء دین نے اسی پر عمل کیا اور فتویٰ دیا ہے ۔ ازانجملہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم کی جلد ثانی میں فرمایا ہے :

انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ ما مور بہا یعنی وہی بدعت منع ہے جو مٹاتی ہے کسی ایسی سنّت کو جس کے قایم رکھنے کا ہم کو حکم ہے ۔

اور احیاء العلوم جلد اول میں فرماتے ہیں : ولا یمنع ذلک من کونہ محدثا تکم من محدث حسن یعنی یہ منع نہ کیا جائے گا بسبب نئی بات ہونے کے اس لیے کہ بہتیری نئی باتیں نکلی ہوئی نیک ہیں انتہیٰ

اور کہا علامہ امام صدر الدین شافعی نے : یکرہ البدع اذا راغمت السنۃ اما اذا لم تراغمہا فلا یکرہ ۔

اور شمنی وغیرہ محققین نے بدعت سیۂ مذمومہ کی تعریف اس طرح فرمائی ہے :

ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من علم او عمل او حال بنوع شبہۃ واستحسان وجعل دینا قویما وصراطا مستقیما ۔

دیکھیے اس میں قید مخالف کی ہے اور کسی زمانہ قرون وغیرہ کو نہیں لیا بلکہ یہ قرار دیا کہ ہم کو جو دلائل شرع کتاب و سنّت اجماع و قیاس وغیرہ امورِ حقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچے ہیں اُن کے خلاف اور اُن کے مٹانے والی چیز جو ایجاد ہوگی وہ بدعت سیئہ ہے بشرطیکہ باعث شبہ کے وہ مخالف بات ایجاد ہو۔ یہ اس لیے کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے:

اگر براہِ عناد کوئی مخالف ادلہ قطعیہ کے ایجاد کرے گا وہ قطعاً کافر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز مخالف ایجاد ہوگی وہی بدعت سیئہ ہے، اور مخالفت کی تحقیق ہم اُوپر کر چکے اور جو نئی چیز مخالف نہیں وُہ حسنہ ہے خواہ کبھی ایجاد ہووے۔

اور علامہ ابن اثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے: الابتداع ان کان فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہ فھو فی حیز الذم والانکار وان کان واقعا تحت عموم ما ندب الیہ وحض علیہ رسولہ فھو حیز المدح وان لم یکن مثالہ موجودا کنوع من الجود والسخأ وفعل المعروف فھو ا فعل من الافعال المحمودۃ لم یکن الفاعل قد سبق الیہ ولا یجوز ان یکون ذلک فی خلاف ما ورد الشرع بہ لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد جعل لہ فی ذلک ثوابا فقال من سن سنۃ حسنۃ کان لہ اجرھا واجر من عمل بھا وقال فی ضدہ من سن سنۃ سیئۃ کان علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا وذلک اذا کان فی خلاف ما امر اللہ بہ ورسولہ۔ الخ

اس سے بھی یہ ثابت ہُوا جو مخالفِ شرع ایجاد ہو وہ بدعت سیّئہ اور جو مخالف نہ ہو وہ بدعتِ محمودہ اور حسنہ ہے۔

اور فتاوٰی عالمگیری کی جلد خامس میں ہے: وکم من شئی کان احدثا وھو بدعۃ حسنۃ (اور کئی چیزیں جو نئی پیدا ہوئی ہیں اور وہ بدعتِ حسنہ ہیں)

اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے آخر کتاب القواعد میں فرمایا ہے :

البدعة اما واجبة کتدوین اصول الفقه والکلام فی الجرح والتعدیل و اما محرمة کمذهب الجبریة والقدریة واما مندوبة کاحداث المدارس وکل احسان لم یکن فی العهد الاول و اما مکروهة کزخرفة المساجد یعنی عند الشافعی واما عند الحنفیة فمباح واما مباحة کالتوسع فی لذیذ الماکل والمشارب۔

یعنی بدعت یا تو واجب ہوتی ہے جیسے تیار کرنا قواعد فقہ کا اور کلام کرنا راویوں کے کھوٹے کھرے ہونے میں، یا حرام ہوتی ہے جیسے مذہب جبریہ اور قدریہ کا، یا مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسہ کا بنانا اور اسی طرح جو نیک باتیں صدر اول میں نہ تھیں، یا مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کی بہت زینت کرنا شافعی مذہب میں لیکن حنفیوں کے نزدیک زینت مسجد کی درست ہے واسطے تعظیم مسجد کے، یا بدعت مباح ہوتی ہے جیسے فراغت سے مزیدار کھانے کا کھانا اور مشروب پینا۔

اور یہ تقسیم بدعت کی کہ بعض بدعتیں واجب ہیں اور بعض حرام اور بعض مستحب یعنی ثواب کی مستحق اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں اور بعضی مباح یعنی ان کے کرنے نہ ثواب نہ عذاب۔ پس یہ تقسیم بدعت پانچ قسم پر مسلّم اور قایم رکھی ہے۔ علامہ برکلی نے طریقہ محمدیہ میں اور مناوی نے شرح جامع صغیر میں اور ملا علی قاری حنفی نے مرقات میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں اور سید جمال الدین محدث نے حواشی مشکوٰۃ میں اور علامہ ابن حجر نے اور علامہ ابن عابد نے شرح درمختار کی بحث امامت میں ——— جب یہ قاعدہ مسلّم ہو چکا اب ایک دو مسئلے جو اس قاعدے پر متفرع ہیں لکھتا ہوں :

مسئلہ اولیٰ : نیت مُنہ سے کہنا بدعت حسنہ ہے

علامہ شرنبلالی نے حاشیہ درر غرر فقہ حنفی میں لکھا ہے کہ

نیت نماز کی اصل دل سے ہوتی ہے اور منہ سے ادا کرنا اس کا مستحب ہے ، عبارت اس کی یہ ہے :

والتلفظ بہا مستحب یعنی طریق حسن احبہ المشائخ لا انہ من السنۃ لانہ لم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من طریق صحیح ولا ضعیف ولا من احد من الصحابۃ والتابعین ولا عن احد من الائمۃ الاربعۃ بل المنقول انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا قام الی الصلوٰۃ کبر فہذہ بدعۃ حسنۃ ۔

یعنی منہ سے نیت نماز کی باندھنا مستحب ہے یعنی اچھا طریقہ ہے ، محبوب رکھا ہے اس کو مشایخ نے ۔ یہ بات نہیں کی کہ یہ سنّت ہے اس واسطے کہ نہیں ثابت ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر اور نہ کسی صحابی سے اور نہ تابعین سے اور نہ چاروں اماموں سے ، بلکہ روایت یہ ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کہتے اللہ اکبر یعنی مُنہ سے نیت کے الفاظ کہ فلانی نماز فلانے وقت کی پڑھتا ہُوں نہیں فرماتے تھے پس مسلسل کہنا اس کا زبان سے بدعت حسنہ ہے ۔

اب غور سے علامہ شرنبلالی کی تقریر دیکھنی چاہیے کہ یہ بات مان کر کہ نیت زبان سے کہنی حضرت سے اور صحابہ سے اور تابعین سے اور مجتہدین سے ثابت نہیں باوجود اس کے حکم کیا کہ یہ بدعت حسنہ ہے مستحب ہے ۔ اور واضح ہو کہ ائمہ مجتہدین میں امام احمد بھی ہیں اور وُہ نہ تابعی نہ تبع تابعی بلکہ تبع تابعین سے علم اُنہوں نے سیکھا ہے کما فی التقریب ، جب اُن سے بھی یہ تلفظ بالنیت منقول نہیں تو ظاہر ہُوا کہ قرون ثلثہ کے بعد اس کا ظہور ہُوا اور دوسری دلیل اُس کے ظہور بعد قرون پر یہ ہے کہ شرنبلالی نے لکھا ہے :

تلفظ بالنیت کو احبہ المشائخ اور مشائخ وہ متاخرین علماء ہیں جو امام اعظم کے شاگردوں کا دورہ تمام ہونے کے بعد ہوئے ہیں۔ درمختار میں لکھا ہے زبان سے نیت کرنے کو کہ ہمارے علماء کی سنت ہے۔

شامی نے لکھا کہ یہ طریقہ حسنہ ہمارے علماء کا ہے اس سے بھی ظہور تلفظ بعد قرون ظاہر ہوتا ہے۔

اور فقیر حلبی نے شرح کبیر ملبیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ یہ ائمہ مجتہدین سے بھی ثابت نہیں۔

اس کے بعد یہ لکھا ہے: وھذہ بدعۃ ولکن عدم النقل وکونہ بدعۃ لاینافی کونہا حسنا یعنی اس کے بدعت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ نیک نہ ہو۔

اب دیکھئے علمائے دین اس کو بدعت مان کر پھر بھی اس کو حسن اور نیک فرمارہے ہیں اور اس کا حکم دے رہے ہیں اور یہ علماء فریقین کے مسلم الثبوت ہیں اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: فان قصد و ذکر بلسانہ کان افضل۔

اور ملتقی الابحر میں ہے: وضم اللفظ الی القصد افضل۔

اور ہدایہ میں ہے: ویحسن ذالک لاجتماع العزیمۃ۔ اور یہی کافی میں ہے۔

اور درر شرح غرر میں ہے: والتلفظ بہا مستحب۔

یہ وُہ کتابیں ہیں جو علماء مذہب حنفی کے نزدیک نہایت درجہ کی معتبر ہیں۔
اب شافعی مذہب کو سُننا چاہیے علامہ قسطلانی مواہب اللدنیہ میں شافعی مذہب بیان کرتے ہیں:

والذی استقر علیہ اصحابنا استحباب النطق بہا۔

اور غنیۃ الطالبین میں حضرت غوث اعظم کی تالیف ہے وہ حنبلی تھے بیان وضو میں لکھتے ہیں:

ینوی بطہارتہ رفع الحدث ومحلہا القلب فان ذکر ذلك بلسانہ مع اعتقادہ بقلبہ کان قد اتی بالافضل۔

الحاصل یہ عمل یعنی نیت زبان سے کرنی اس قسم کی بات ہے کہ تمام ہندستان اور فارس اور عرب وغیرہ میں جاری ہے۔

علامہ شامی نے لکھا ہے: فقد استفاض ظہر العمل بہ فی کثیر من الاعصار فی عامۃ الامصار۔

براہین قاطعہ گنگوہی میں بھی صفحہ ۱۴ پہ بالنیت کو مستحسن مان لیا، عبارت یہ ہے:

"اور نیت کا لفظ جو بدعت نہ ہوا تو اس کی دلیل جواز کی موجود تھی کہ حج میں تلفظ نسائی کی حدیث میں وارد ہوا ہے" الخ

حال اس کے استدلال کا سب صاحبوں کو محفوظ رکھنا چاہیے کہ کارآمد ہے اس لیے کہ حج میں جو تلفظ مامور بہ اور معمول بہ عند الفقہاء ہے وہ یہ ہے:

اللہم انی ارید الحج فیسرہ لی وتقبلہ منی۔ یعنی یا اللہ! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں سو آسان کیجیو مجھ پر اس کو اور قبول کیجیو مجھ سے۔

چنانچہ ہدایہ، وقایہ و درمختار وغیرہ میں موجود ہے۔ پھر بعض علماء نے نماز میں بھی تجویز کیا کہ کہا جاوے اللہم انی ارید ان اصلی صلوٰۃ کذا فیسرہا لی وتقبلہا منی۔ لیکن رد کیا اس کو جمہور علماء نے کہ حج میں موانع اور صعوبتیں پیش آتی ہیں اس میں وہ تلفظ مستحب ہے نماز میں کیا صعوبت ہے جو دعا کی جائے:

"یا اللہ! ارادہ کرتا ہوں نماز کا، سہل کر دیجو مجھ پہ بناءً علیہ نیت نماز کا۔"

یہ تلفظ مخدوش رہا جیسا کہ فقیہ شامی نے لکھا ہے بلکہ یہ ٹھہرا کہ نوبت فجر الیوم وظہر الیوم وغیرہ کہا جاوے اور کثرت سے جو مستفیض اور جماعات اہل اسلام میں زبان زدِ ہر خاص و عام ہے وہ یہ ہے جو علامہ محمد بن احمد زاہد الملقب بالزین

نے ترغیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے :

"نویت ان اصلی فرض فجر الوقت رکعتین للہ تعالیٰ و توجہت الی الکعبۃ واقتدیت بھذا الامام۔

اور نیت سنتوں کی اس طرح نویت ان اصلی سنۃ الفجر رکعتین للہ تعالیٰ متابعۃ للرسول و توجہت الی الکعبۃ۔"

چنانچہ ہمارے اضلاع میں بھی اسی کے قریب عمل جاری ہے فرض میں کہتے ہیں نیت کرتا ہوں نماز کی واسطے اللہ تعالیٰ کے۔ دو رکعت نماز فرض، فرض اللہ تعالیٰ کے، وقت فجر کا، منہ میرا طرف کعبہ شریف کے۔ اور سنتوں میں بجائے فرض کے کہتے ہیں سنّت طریقہ رسول اللہ کا، باقی بدستور۔

اب دیکھیے قرونِ ثلٰثہ سے نہ یہ الفاظ نہ ان کے سوا اور کچھ الفاظ نماز میں ہرگز ثابت نہیں ہوئے حالانکہ تسلیم رکھا محققین اہل سنّت نے ان کو، اور مؤلفِ براہین نے اس طرح تسلیم کیا کہ ان الفاظ کی دلیل شرع میں موجود ہے یعنی حج میں تلفظ پایا گیا۔ اب اس مقام سے مانعین یاد رکھیں کہ بدعت حسنہ کے جواز کو ایسی دلیل بس کرتی ہے کہ اگر خاص نماز میں منقول نہیں تو حج ہی میں سہی، گو وہ عبادت اور ہے اور یہ اور۔ اور پھر تلفظ میں بھی مطابقت شرط نہیں، حج میں اور ہے اور نماز میں اور۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اپنی مانی ہوئی باتوں میں ایسی ایسی دلیلیں تسلیم کریں اور ہم جو اثباتِ فاتحہ و میلاد شریف میں اس سے بہت اعلیٰ دلائل پیش کریں وہ غیر منظور ہوں اس کا کچھ علاج نہیں بجز اس کے کہ حق سبحانہٗ اپنی قدرتِ کاملہ سے شانِ ہدایت کا جلوہ دکھا دے۔

مسئلہ دوسرا : آخر چھٹی ہجری میں جو محفلِ مولد شریف منعقد ہوئی اس کو اجلّہ علماء اور اکابر فضلاء نے مستحسن سمجھا اور شریک ہوئے اور امام نووی کے اُستاد

ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس محفل کو پسند کیا اور اس کو بدعتِ حسنہ قرار دیا ومن احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من صدقات واظہار الزینۃ والسرور۔ الخ

اور فرمایا ابن حجر محدث رحمۃ اللہ علیہ نے ؛ وعمل المولد واجتماع الناس لہ کذلک ای بدعۃ حسنۃ کذا فی السیرۃ الجلیلہ۔

تیسرا مسئلہ : آٹھویں صدی کے آخر میں جو تسلیم بعد اذان احداث کی گئی اس کو درِمختار میں لکھا ہے ؛

التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الآخر سنۃ سبع مائۃ واحدیٰ وثمانین وھو بدعۃ حسنۃ ۔ یعنی اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا ۷۸۱ھ میں ایجاد کیا گیا اور یہ بدعت حسنہ ہے۔

اور اسی طرح درِمختار کے شارح شامی نے بھی اس کو مسلّم رکھا اور نہر الفائق شرح کنز اور قولِ بدیع سے یہ نقل کیا ؛

والصواب انھا بدعۃ حسنۃ ۔ یعنی ٹھیک یہی بات ہے کہ یہ سلام بعد اذان بدعتِ حسنہ ہے۔

دیکھئے آٹھویں صدی تو قرونِ ثلٰثہ کے بعد ہے اس وقت کی نکالی ہوئی چیز کو بھی فقہا نے بدعتِ حسنہ کہا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے اقوالِ فقہاء کو امام شافعی کے قول سے یہاں تک یہ سب علما تقسیم ہونا بدعت کا طرف حسنہ اور سیئہ مان رہے ہیں۔ پس مولوی اسحٰق صاحب کے فرمانے کے موافق ان سب فقہا کے نزدیک بدعتِ حسنہ کا ایجاد الیٰ یوم القیامۃ ثابت ہوا اس لیے کہ وہ کہتے ہیں ؛ غیر محدود وثابت عند القائل بتقسیمھا۔ اور خود مولوی اسحٰق صاحب اور مولوی اسمٰعیل صاحب کے بزرگ بھی تقسیم بدعت مان رہے ہیں۔ شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سوالاتِ عشرہ محرم کے سوال وجواب اوّل میں لکھتے ہیں :

"ساختن ضرائح[2] وصورتِ قبور وعَلَم وغیرہ اینہمہ بدعت است وظاہر است کہ ایں بدعتِ حسنہ کہ دراں ماخوذ نباشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است وحال بدعت سیئہ ایں است کہ درحدیث شریف وارد است شرالامور محدثاتہا وکل بدعۃ ضلالۃ انتہی۔[1]"

اور شاہ صاحب موصوف نے تحفہ میں بھی بدعت حسنہ کا اثبات کیا ہے مطبع حسینی دہلی کے مطبوعہ صفحہ ۵۹۰ میں دیکھو اور تفسیر عزیزی پارہ الم مطبوعہ مطبع ولی محمد لکھنوی صفحہ ۲۱۲ میں بیع قرآن شریف کو بدعت حسنہ فرمایا ہے اب تیرھویں صدی میں وہ مولوی اسمٰعیل صاحب کہ جن کا کلام تذکیر الاخوان میں یہ تھا کہ جو کوئی دین کے عقیدے اور عبادت اور رسم میں وقت یا جگہ یا وضع یا ہیئت گنتی قید اپنی طرف سے مقرر کرے سو وہ بدعت اور باطل اور مردود ہے انتہی کلامہ

شکر خدا کا یہ قاعدہ ایجاد کر کے آخر کار خود اُس راہ سے مخالفت اختیار کی وجہ ثبوت یہ ہے کہ اُنہوں نے صراطِ مستقیم میں لکھا ہے :

"اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدا میباشد لہذا محققان ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوشش ہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود۔"

---

[1] ان سوالات کا ترجمہ بھی کسی شخص نے کیا ہے وہ ہدایت المومنین' مطبع ناصری کے حاشیہ میں چھپا ہے۔ اس ترجمہ اردو کے صفحہ ۰ میں یہ مضمون موجود ہے۔

[2] ضرائح یعنی تعزیے جو محرم میں بنتے ہیں۔

اس عبارت میں قرونِ ثلثہ کی کچھ قید نہیں لگائی بلکہ ہر قرن میں ایجاد اشغال اور تعینات مشایخ کو مسلم رکھا اور بذاتِ خود اپنی تیرھویں صدی کے واسطے اشغالِ جدیدہ ایک باب میں لکھے اس باب میں دیکھو ذکر اللہ اور عبادتِ الٰہی میں کیا کچھ وقت اور وضع اور ہیئات اور عدد کی قیدیں ہیں۔ اور صراطِ مستقیم کے آخر ورق میں بھی لکھا ہے:

"تجدید اشغالیکہ این کتاب محتوی بران است فرمودند۔"

یعنی مرشد صاحب نے نئے اشغال نکالے اور ظاہر ہے کہ تجدید میں احداث ہے پس معلوم ہُوا کہ انجام کاران کو بھی یہی حق معلوم ہُوا کہ ایجاد بدعت حسنہ الیٰ یوم القیامۃ جائز است۔ خیر اللہ تعالیٰ ان کے مقلدوں کو بھی ہدایت نصیب کرے۔

اب اہلِ سنّت وجماعت خُوب غور اور فکر سے ملاحظہ فرماویں کہ جو مفتیان فتویٰ انکاری نے مولد شریف اور فاتحہ اموات کو پنجشنبہ وعیدین وغیرہ میں منع لکھا تھا اس کی بنیاد اسی ایک دلیل پر تھی کہ جو کام قرونِ ثلثہ کے بعد ہوتا ہے وہ بدعت سیئہ ہوتا ہے۔ اور سُنا چکے ہم تم کو حال اس دلیل کا کہ یہ دلیل نہایت خفیف اور رکیک ہے اور جب ٹوٹ گئی دلیل اُن کی قول ازباب تحقیق واصحاب تدقیق سے تو شکست فاش کھا گیا اُن کا فتویٰ اور قایم رہ گئے وہ سب امورِ صالحہ اپنی اباحت اور استحسان پر "الاٰن کما کان"۔ پس مذہب صحیح اور مشرب اہلِ تنقیح یہی ہے جو علاّمہ حلبی نے انسان العیون جلد اول میں لکھا ہے:

وقد قال ابن الحجر الهیثمی ان البدعة الحسنة متفق علی ندبها یعنی کہا حافظ ابنِ حجر فقیہ محدّث نے کہ بدعت حسنہ کے مندوب اور مستحسن ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے۔

یعنی فقہا ومحدثین میں محققین ہیں وُہ سب بالاتفاق والاجماع بدعت حسنہ کو جائز ودرست فرماتے ہیں اور اسی کتاب کی طرف رغبت دلاتے ہیں پس

یہ سب امور مندرجہ فتویٰ انکاری یعنی مولد شریف و فاتحہ اموات عیدین و پنجشنبہ وغیرہ باتفاق و اجماع اہلِ تحقیق طائفہ ناجیہ اہل سنّت و جماعت کے مستحسن ٹھہرے نہ کہ سیئہ اور مخالفین جو بباعث سخن پروری انکار کئے جاتے ہیں ان کے انکار سے کچھ ہرج لازم نہیں آتا کتاب تمہید میں حضرت ابو شکور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واما خلاف الذين خالفوا لغرضهم لا يعد خلافا۔

پس جو لوگ اپنی غرض کے سبب قائل نہیں ہوتے اُن کے خلاف کرنے سے کچھ قباحت ہمارے امور مستحسنہ میں نہیں آتی ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين۔

نورِ دوم

نورِ دوم میں چھ لمعے ہیں :

لمعہ اولیٰ در بیان جواز فاتحہ بر طعام و شیرینی

جو عبادت زبان یا جوارح وارکان انسان سے صادر ہو اس کو عبادت بدنی کہتے ہیں۔ مالی عبادت جیسے دلی، گوشت، زر، روپیہ پیسہ، کپڑا وغیرہ راہِ خدا میں خرچ کرنا۔ اہلِ سنّت وجماعت کا مذہب ہے کہ دونوں طرح کی عبادت کا ثواب اگر کسی کو بخشنا چاہیں تو پہنچتا ہے۔ کتاب ہدایہ میں ہے :

ان الانسان له ان يجعل ثواب عمله لغيره صلوٰة او صوما او صدقة اوغيرها عند اهل السنة والجماعة۔ (بے شک انسان کو درست ہے یہ بات کہ کرے ثواب غیر کو اپنے نیک کام کا، نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ یعنی یہ مذہب ہے اہل السنت والجماعت کا)

یہ ہدایہ علم فقہ میں نہایت درجہ معتبر اور مشہور کتاب ہے۔

اور شرح عقاید نسفی میں ہے :

وفی دعاء الاحياء للاموات وصدقتهم عنهم نفع لهم خلافا للمعتزلة (جو زندہ آدمی دعا کریں میت کے واسطے یا ان کی طرف سے صدقہ دیں تو ان موتی کو نفع ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی مخالفت کرتے ہیں بدعتی معتزلی لوگ)

یہ کتاب (شرح عقائد نسفی) عقائد کی کتابوں میں مشہور درسی معتبر کتاب ہے۔ اور یہ مسئلہ حدیثوں سے ثابت ہے۔

تذکرۃ الموتیٰ میں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اُن حدیثوں کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

لہذا جمہور فقہا حکم کردہ اند کہ ثواب ہر عبادت بمیت می رسد۔

ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں واسطے عبادت بدنی کے لکھا:

فذهب ابو حنیفہ و احمد وجمہور السلف الی وصولہا۔ الخ

پس اس بنا پر یہ عادت اکثر اہلِ اسلام کی ہے کہ جب کسی میت کے نام سے کچھ کھانا یا شیرینی دینا چاہتے ہیں تو الحمد اور درود شریف پڑھ کر دعا اس میت کے لیے کرتے ہیں اور خدا سے درخواست کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے پڑھا اور یہ جو کچھ خیرات دی جاتی ہے اس کا ثواب فلاں میت کو پہنچے عوام میں اس کا نام فاتحہ ہے یُوں کہا کرتے ہیں آج فلاں میت یا فلاں بزرگ کی فاتحہ ہے۔ اصل میں فاتحہ نام ہے الحمد شریف کا۔ چونکہ الحمد اس وقت پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کے کل عمل کا نام فاتحہ قرار پایا تسمیۃ الکل باسم جزئیہ، اور منکرین نے اس کا نام فاتحہ مرسومہ رکھا ہے۔ اب اس فاتحہ میں دیکھنا چاہیے کہ جو کچھ درود، دُعا، الحمد پڑھی گئی یہ عبادت بدنی ہے وہ ثابت الاصل، اور جو کچھ کھانا یا شیرینی اس وقت دی گئی یا دی جائے گی وہ عبادت مالی ہے وہ بھی فقہ حدیث عقاید سے ثابت ہے۔ ان دونوں عبادتوں کا ثواب میت کو پہنچایا جاتا ہے۔ پھر منکرین کا یہ انکار کہ اس کی کچھ اصل نہیں، اس کے کیا معنی۔ اگر یہ کہو کہ عبادت بدنی جُدا کرو، عبادتِ مالی جُدا۔ لیکن دونوں کا جمع کرنا ثابت نہیں۔ تو یہ وہی مثال ٹھہرے گی کہ جب کوئی مفتیِ شریعت حکم دے کہ بریانی کھانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں گوشت ہے گوشت حلال چیز ہے اور برنج ہے وہ بھی حلال اور رنگت

زعفران کی جو بعض برنج پر ہے وہ بھی حلال۔ پس مجموعہ ان مباحات کا مباح ہے۔ تو اس کے جواب میں کوئی بیہودہ سر پھوڑنے کو تیار ہو جائے کہ صاحب! یہ سب جدا جدا تو بے شک ثابت ہے لیکن ہم تو جب مانیں کہ اس مجموعہ کا ذکر قرآن یا حدیث میں دکھاؤ یہ حرف کہاں لکھے ہیں کہ بریانی کھانا درست ہے۔ پس جس طرح اس بیہودہ کو سب عقلاء سخیف العقل اور قابلِ مضحکہ جانیں گے۔ اسی درجہ میں ان صاحبوں کی یہ بات ہے۔ علاوہ بریں جس طرح اثباتِ جمع کو موقوف رکھتے ہو وجودِ صریح روایت پر اسی طرح چاہیے منع کو بھی موقوف رکھو وجودِ روایت پر۔ یعنی اگر عبادت مالی اور بدنی جمع کرنے میں کوئی حدیث یا آیت ممانعت جمع بین بعبادتین میں نہیں آئی اگر آئی ہو پیش کرو ورنہ تو اہانکو ان کنتم صادقین۔ ہم تو جمع بین العبادتین کے لیے قواعد عقلی و نقلی شرع شریف سے پیدا کر دیں گے ایک تو یہی کہ جب ممانعت ثابت نہیں تو اصل اباحت ہے۔ دوسرے یہ کہ سعادتِ عبد عبادتِ معبود میں ہے۔ ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے) اور عبادت بعضی زبان سے ہے بعضی اور اعضاءِ بدن سے، بعضی مال سے، جو کوئی ہر قسم کی عبادت کرے گا لابد افضل ہوگا ایک عبادت والے سے شبِ معراج میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تحفہ جنابِ باری میں گزارا یہ لفظ تھے:

التحیات للہ والصلوات والطیبات۔

مفسرین اور محدثین نے اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ اللہ کے واسطے ہیں سب تعریفیں جو زبان سے ادا ہوں اور جو عبادتیں بدنی ہیں اور جو عبادتیں مالی ہیں۔

پس جبکہ تینوں قسم کی عبادتیں اللہ کے واسطے خالص ہوئیں تو زہے قسمت اُس شخص کی کہ ان تینوں کو ادا کرے ۔ فاتحہ مرسومہ میں یہ بات حاصل ہے ۔ جب کہا الحمد للہ رب العلمین الرحمٰن الرحیم ملک یوم الدین یہ تحیت اور ثنا اور شکر زبانی ہوا اللہ تعالیٰ کا، اور جب کہا اھدنا الصراط المستقیم الی آخرہٖ یہ دُعا ہوئی اور نیز درود پڑھنا اور عاجز ذلیل بن کر اپنے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ اُٹھانا اور موتیٰ کے لیے دُعائے مغفرت کرنا یہ بھی عبادت بدنی اور لسانی ہوئی ۔ اور جو کچھ شیرینی یا کھانا لِلّٰہ دے گا وہ عبادت مالی ہوگا ۔ پس یہ جو پانچوں وقت نمازی نماز میں کہتا ہے التحیات للہ والصلوات والطیبات اس کا مجموعہ فاتحہ میں موجود ہے ۔ زہے قسمت میّت کی جو اس کو یہ عطر مجموعہ پہنچے ۔

تیسرے یہ کہ نصاب الاحتساب کے پندرھویں باب میں کتاب التجنیس والمزید مولفہ برہان الدین مرغینانی نے صاحب ہدایہ سے نقل کیا ہے :

روی ان علیاً رضی اللہ عنہ تصدق بخاتم وھو فی الرکوع فمدحہ اللہ تعالیٰ بقولہ یؤتوا الزکوٰۃ وھم راکعون ۔

یہ روایت تفسیر معالم و مدارک و بیضاوی و رازی وغیرہ میں بھی وارد ہے لکھتے ہیں کہ ظہر کے وقت ایک آدمی نے سوال کیا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں، جب اس کو کچھ نہ ملا اُس نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا : اے اللہ ! تو گواہ رہیو کہ میں نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سوال کیا اور کچھ بھی کسی نے نہ دیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ، رکوع میں تھے آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی خنصر جس میں انگوٹھی تھی سائل کی طرف کر دی اُس نے آگے بڑھ کر انگوٹھی جناب نبی کریم علیہ التسلیم کے سامنے انگشتِ علی کرم اللہ وجہہٗ سے نکال لی انتہیٰ ۔

اب دیکھیے صدقہ ایک عبادت مالی ہے اور نماز عبادت بدنی ۔ اور صاحبِ ہدایہ کی عبارت کتاب التجنیس سے گزر چکی کہ اللہ تعالیٰ نے اس جمع بین العبادتین کرنے پر سورۂ مائدہ میں تعریف فرمائی اور امام ابوالبرکات نسفی رحمۃ اللہ علیہ مصنف کنز الدقائق جو علماءِ اعلام حنفیہ سے ہیں اپنی تفسیر مدارک میں اس مقام پر فرماتے ہیں کہ یہاں شانِ نزول فعل ایک کا ہے پھر صیغۂ جمع کیوں فرمایا جواب دیا کہ اس میں رغبت دلائی سب آدمیوں کو کہ یہ ثواب کچھ ایک کے لیے نہیں جو کوئی اس طرح کا کام کرے گا ان سب کو ایسا ہی ثواب ملے گا۔ عبارت یہ ہے:

وردبلفظ الجمع وان کان السبب واحدا ترغیبا للناس فی مثل فعلہ لینالوا مثل ثوابہ۔

اور یہی مضمون علامہ قاضی بیضاوی شافعی نے لکھا۔

اور لکھا مدارک میں، والآیۃ تدل علی جواز الصدقۃ فی الصلوٰۃ۔

یعنی آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ دینا نماز میں جائز ہے بناءً علیہ جمع کر دینا عبادت بدنی و مالی نصِ کتاب اللہ سے جائز بلکہ قابلِ مدح وثنا معلوم ہوا اور نماز وہ عبادت بدنی ہے کہ اس میں حرکت اجنبی سے جو متعلق صلوٰۃ نہ ہو بچنا چاہیے، جب اس میں باوجود حرکت تصدق وجمع بین العبادتین جائز ہوا تو خارج نماز جو حرمتِ صلوٰۃ بھی مرد مکلف کے ذمہ نہیں بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

باقی رہا یہ اختلاف کہ بعض کہتے ہیں یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں ہے، اور بعض کہتے ہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے، اور بعضوں کے اور بھی اقوال ہیں یہ ہم کو مضر نہیں جب نص قرآن میں یؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون آگیا، قال ابوالبرکات النسفی رحمۃ اللہ علیہ الواد للحال ای یؤتونہا

فی حال رکوعھم ۔

پس مورد آیت کوئی ہوئے جمع بین العبادتین آیت سے ثابت ہے لیکن یہ جمع اس طرح ہے کہ اصل عبادت بدنی کرنا تھا اس میں مالی عبادت بھی عمل میں لایا اب ہم اُس کی سند دیں کہ عبادت مالی کرنے میں بدنی عبادت بھی کی گئی ۔

دارمی محدّث نے کتاب الاضاحی میں روایت کی ہے جابر بن عبداللہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مینڈھے قربان کیے جب ان کو ذبح کے لیے قبلہ رُو لٹایا تب آپ نے یُوں پڑھا :

انی وجّہت وجہی للّذی فطر السّمٰوٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین؁ انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العٰلمین لا شریك لہٗ وبذٰلك امرت وانا اول المسلمین اللھم ان ھذا مثلك ولك من محمدٍ امتہ ثم سمی اللہ اکبر وذبح ۔

یعنی اوّل حضرت نے وُہ آیتیں پڑھیں ، پھر فرمایا : اللہ ! یہ قربانی تیرے فضل وکرم سے ہے اور تیری ہی رضامندی کے لیے ہے محمد اور اس کی طرف سے ۔ پھر آپ نے بسم اللہ اللہ اکبر فرما کر ان کو ذبح کیا ۔

اور مسلم کی حدیث میں دُعا مانگنا ایک دوسرے موقعِ قربانی میں اس طرح بھی آیا ہے :

اللھم تقبل من محمد وآل محمد ومن امۃ محمد ۔

اور لفظ اول المسلمین کی جگہ من المسلمین کی بھی روایت ہے اور لفظ حنیفا سے پہلے علی ملۃ ابراھیم بھی مروی ہے اور جس طرح احادیث میں آیا ہے اسی طرح آیات کا پڑھنا فقہاءِ عظام نے باب اضحیہ میں لکھا ہے اور محمد بن احمد زاہد نے بھی لکھا ہے : اللھم تقبل منی ھذہ الاضحیۃ فاجعلھا قربانًا لوجھك

الكريم خالصا وعظم اجري عليها۔

اور کیا نہیں دیکھتے کہ شائع ہے اہلِ اسلام میں عقیقہ کے وقت یہ دعا پڑھتے ہیں:

اللهم هذه عقيقة ابني فلان دمها بدمه ولحمها بلحمه وعظمها بعظمه وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللهم اجعلها فداء لابني من النار۔

اور اس کے بعد وہی آیت انی وجہت اور ان صلاتی تا لفظ من المسلمین پڑھ کر کہتے ہیں:

اللهم منك ولك بسم الله الله اكبر۔

اس کو غور سے دیکھیں یہ کیا ہے وہی عبادت بدنی و مالی کا اجتماع ہے اور کیونکر منع ہو جمع بین العبادتین۔ حق سبحانہ فرماتا ہے:

فاستبقوا الخيرات۔ یعنی سبقت چاہو نیکیوں میں۔

اور تفسیر رُوح البیان میں ہے:

والمراد جميع انواع الخيرات۔

اور ایسا ہی تفسیر عزیزی میں ہے۔

معلوم ہُوا کہ ہر قسم کی عبادات و خیرات بدنی و مالی جس کسی سے جس قدر ہو سکیں سب مامور بہا ہیں شرعاً۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب اس آیت کے فائدہ میں لکھتے ہیں:

"بہتری اس کو ہے جو نیکیوں میں زیادہ ہو۔"

اور ظاہر ہے کہ دو قسم کی عبادت کرنے والے ایک قسم کی عبادت کرنے والے سے افضل ہوں گے۔ پس جمع بین العبادتین کرنے میں تو اس قسم کے نتائج اور اُس کے

فعل پر اتنے دلائل ہیں اور اگر کسی نے یہ کیا کہ ان سب کو ترک کیا اور بدعت کہہ کر چھوڑ دیا جس طرح اب منکرین چھوڑ بیٹھے ہیں تو وہی مثل عوام کے کہنے میں آئے گی : مر گئے مردود فاتحہ نہ درود۔ اور ردِّ فاتحہ کی دلیل میں یہ بات پیش کرنا صاحب سیف السنۃ کا صفحہ ۶ میں کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز ثابت نہیں کھانے میں سوائے بسم اللہ پڑھنے کے' نہایت بے محل ہے اس لئے کہ یہ بسم اللہ تو ابتدائے اکل طعام میں اہلِ فاتحہ بھی پڑھتے ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ کھانا رکھا ہوا سامنے موجود ہو اور انسان کچھ پڑھے۔ ثابت ہے یا نہیں۔

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا

سو ہمارا دعویٰ ہے کہ یہ ثابت ہے۔ چند حدیثیں مشکوٰۃ کی باب المعجزات میں موجود ہیں

از انجملہ حدیث اُم سلیم بروایت مسلم و بخاری موجود ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گرسنگی (بھوک) کا حال معلوم کر کے اس نے چند روٹیاں جویں پکا کر دوپٹہ کے پلہ میں باندھیں۔ یہ قصہ طویل ہے آخر یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن روٹیوں کو تڑوایا ملیدہ کی طرح' جو کچھ اس کے برتن میں گھی لگا ہوا تھا وہ اس میں ٹپکا دیا پھر حضرت نے الفاظ قسم دُعا سے اُس پر پڑھے پھر دس دس آدمیوں کو بلا کر کھلانا شروع کیا اسّی (۸۰) آدمیوں کو پیٹ بھر بھر کر کھلا دیا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اور ام سلیم کے گھر بھر کے آدمیوں نے کھایا اور پھر بھی بچ رہا۔ دیکھئے اس میں کھانا سامنے ہے اور اُس پر دُعا یا جو کچھ رسول للہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا اس کا پڑھنا ہے۔

از انجملہ انس کی حدیث بروایت مسلم و بخاری کہ انس فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے ایک بار دیہ میں کھانا کھجور اور گھی اور اقط کا مرکب بنایا ہوا بھیجا۔ اقط ایک شے ہوتی ہے دہی ترش باچھاچھ ٹپکائی ہوئی کو خشک کر لیتے ہیں۔ عربی

میں اس کو اقط کہتے ہیں جس طرح دودھ کو پنیر مائع سے جما کر پنیر بناتے ہیں اور عربی میں اس کو جُبن کہتے ہیں۔ الحاصل اس طرح کی دہی اور کھجور اور گھی کا کھانا جب آپ کے پاس آیا آپ نے اس پر کچھ پڑھا جو کچھ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ پھر حضرت دس دس آدمی بلاتے گئے اور کھلاتے گئے قریب تین سو آدمیوں کو کھلایا پھر مجھ کو فرمایا اٹھالے اے انس اپنا بادیہ۔ میں نے جب اٹھایا حیرت میں رہ گیا کہ جب میں لایا تھا اُس وقت اس میں کھانا زیادہ تھا یا اب زیادہ پہلے سے موجود ہے۔

ازانجملہ حدیث غزوۂ تبوک کی مشکوٰۃ میں بروایت مسلم مذکور ہے۔ جب لوگ گرسنہ ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دُعا کرانی چاہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ تب آپ نے دسترخوان بچھوایا اور فرمایا: لے آؤ جو کچھ کسی کے پاس کھانا بچا ہوا ہو۔ تب کسی نے مٹھی جَو اور کسی نے مٹھی کھجور کسی نے ٹکڑا روٹی، جس کے پاس جو کچھ بچا ہُوا تھا لاکر ڈالا بہت ہی تھوڑا سا ذخیرہ جمع ہوا پھر آپ نے اس پر دُعا فرمائی اور فرمایا بھرلو اپنے برتن۔ پھر جس قدر لشکر تھا سب نے اپنے تمام برتن جو اُن کے پاس تھے بھر لیے اور خوب کھایا اور پھر بھی کھانا بچ رہا۔ شارحین لکھتے ہیں کہ اس وقت لشکر میں لاکھ آدمی موجود تھے۔

پس حدیث صحیح سے معلوم ہُوا کہ لاکھ آدمی اس بات پر شاہد تھے کہ کھانا سامنے رکھے ہُوئے پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت نے دُعا مانگی جو آپ کو ضرورت تھی۔ صاحب فاتحہ وُہ دُعا کرتا ہے جس کی اس کو حاجت اُس وقت ہے پس دُعا ہونے میں دونوں برابر ہیں۔ یعنی دعا کے معنی شرع میں ہیں السوال من اللہ الکریم یہ دونوں جگہ ایک ہیں اور ان مقامات میں یہ بات کسی راوی نے روایت نہیں کی کہ حضرت نے

دعا کرنے میں ہاتھ نہیں اٹھائے، بلکہ علی الاطلاق عادت حضور کی تھی کہ جب دعا کرتے ہاتھ اٹھا کر کرتے۔

ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا جیسا کہ جامع صغیر میں جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

کان اذا دعا جعل بطن کفہ الیٰ وجہہ۔

یعنی آپ جب دُعا کرتے تو ہاتھ اٹھانے میں ہاتھ کی ہتھیلی منہ کی جانب کرتے تھے۔ اور ارشادِ جناب بھی یہی ہے:

"تم جب سوال کرو تو ہاتھ اٹھا کر ہتھیلی پھیلا کر سوال کرو۔"

پس احادیث فعلیہ و قولیہ ہر طرح سے رفع یدین عند الدعا اور دُعا کا مانگنا بحضوری طعام ثابت ہُوا۔ اب اہلِ انصاف کو چاہیئے کہ سخن پروری کو چھوڑ کر ان دلائل میں خوب تامل فرماویں، اتباعِ حق کریں ورنہ ایسا تو کریں کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو صلوات نہ سنائیں ؏

مرا بخیرِ تو امید نیست بد مرساں

تنبیہ: ہاں اگر کوئی کم فہم عوام میں ایسا ہو کہ وہ ثواب عبادت مالی کو یُوں سمجھے کہ بغیر فاتحہ پڑھے نہیں پہنچے گا اس عقیدہ کو بد کہنا چاہیئے اور اس کو زجر و توبیخ کرنا چاہیے کیونکہ اس نے حکم اطلاق نصوص فرمان مصطفوی علیہ افضل التحیۃ والسلام کو اعتقاداً مقید کر دیا لیکن برتاؤ عملدرآمد لوگوں کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ ان کا نہیں اس لیے کہ جب میت کی طرف سے کچھ کپڑا یا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں دیتے ہیں تو فاتحہ پڑھ کر نہیں دیتے اور ہنود کی رسم یہ ہے کہ کھانا یا کپڑا یا کوئی چیز جو کچھ میت کے لیے کرتے ہیں سب چیز پر سنکلپ کرتے ہیں چنانچہ تحفۃ الہند صفحہ ۸۵ مطبوعہ فاروقی میں ہے جب

اہلِ اسلام نے ایسا نہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ اُن کا یہ ہے کہ ثواب عبادت مالی کا بدوں کچھ پڑھنے کے پہنچ جاتا ہے اسی طرح جب ختم قرآن شریف یا قل ہو اللہ وغیرہ پڑھ کر میت کو بخشتے ہیں یا قبرستان میں جا کر اُس پر فاتحہ پڑھتے ہیں اس صورت میں یہ لازم نہیں پکڑتے کہ اس وقت میں کچھ صدقہ بھی ضرور چاہیئے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اُن کے نزدیک ثواب عبادت بدنی کا بدوں عبادت مالی کے پہنچ جاتا ہے جب عقیدہ یہ ٹھہرا تو ان کے حق میں کچھ مضر نہیں فاتحہ پڑھنا بعض صور مثل اطعام طعام و تقسیم شیرینی وغیرہ میں اسی واسطے بزرگانِ دین کا اس طریقہ پر عمل رہا ہے عنقریب ہم نقل کریں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ بعضے آدمی جو زیادہ احتیاط کرتے ہیں کہ رُو بقبلہ بیٹھتے ہیں اور مکان پاکیزہ اور صاف میں پڑھتے ہیں، سو یہ بات کچھ فرض نہیں بلکہ قسم آداب سے ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعزیہ کے پاس درود فاتحہ پڑھنے کے لیے سوالات عشرہ محرم میں رقم فرماتے ہیں :

"فاتحہ درود فی نفسہ درست ست لیکن دریں قسم جائے نوعے بے ادبی مے شود زیرا کہ نجاست معنوی دارد و فاتحہ و درود جائے باید خواند کہ محل پاک باشد از نجاست ظاہری و باطنی انتہیٰ"

اس کلام سے صاف ثابت ہُوا کہ فاتحہ پاکیزہ جگہ میں پڑھنی چاہیے۔

اور مولوی اسمٰعیل صاحب "صراطِ مستقیم" میں موافق تعلیم اپنے مرشد سید احمد صاحب کے لکھتے ہیں :

"اول طالب را باید کہ با وضو دو زانو لطور نماز بنشیند و فاتحہ بنام اکابر این طریقہ یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط این بزرگان نماید" الخ

مکان پاک میں رُو بقبلہ ہو کر فاتحہ پڑھنا آداب کے ساتھ ان بزرگواروں کے کلام سے ثابت ہو گیا اب اگر کوئی یہ کہے کہ فاتحہ یعنی الحمد کو مقامات ایصال ثواب میں کیوں اختیار کیا ہے ۔ جواب اس کا یہ ہے کہ الحمد کو فضیلت بڑی ہے کل سورتوں پر۔

سیرت حلبی اور تفسیر عزیزی میں ہے : اگر فاتحہ کو ایک پلّہ ترازو میں رکھیں اور تمام قرآن دوسرے پلّہ میں تو فاتحہ یعنی الحمد غالب آئے گی سات حصّہ ۔

اور تفسیر رُوح البیان میں ہے : جس نے پڑھی الحمد، دے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب گویا کل قرآن پڑھا اور گویا اس نے صدقہ کیا کل مومنین اور مومنات پر ۔ انتہیٰ

اس لیے اہلِ اسلام میں یہ رسم پڑ گئی کہ جب کوئی اپنی میّت کے لیے کچھ کھانا یا شیرینی دیتا ہے تو الحمد پڑھ دیتا ہے ۔ اس کے پڑھنے سے یہ اجر ہوتا ہے گویا جمیع مومنین و مومنات پر صدقہ دیا گیا خدا کی قدرت ہے اصحاب فاتحہ تو کس کس درجات کو پہنچ رہے ہیں اور منکرین اس فعل سے منع کر کے کیا کیا خیرات جاریہ بند کرا رہے ہیں ۔

اب رہا مسئلہ **ہاتھ اٹھانے کا**۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ فاتحہ میں دُعا بھی کی جاتی ہے اور وقت دُعا کہ جو خارج نماز سے کی جاتی ہے اس میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ۔ حصن حصین میں ہے :

آداب الدعا بسط الیدین ت مس و رفعهما ع یعنی دعا کے آداب میں یہ ہے پھیلانا دونوں ہاتھوں کا ۔ روایت کی یہ ترمذی اور حاکم نے اور اٹھانا دونوں ہاتھوں کا، روایت کی یہ چھٹوں محدثوں صحاح ستّہ کے مصنفوں نے ۔ اور مشکوٰۃ میں حکم نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مرقوم ہے :

اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم۔ جب تم سوال کرو اللہ تعالیٰ سے تو سوال کرو ہاتھوں کی ہتھیلیاں اٹھا کر۔

نیز مشکوٰۃ میں حدیث رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم:

ان ربکم حیی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیہ الیہ ان یردہ صفرا

بے شک اللہ تعالیٰ شرم و لحاظ والا ہے کرم کرنے والا ہے شرم رکھتا ہے اپنے بندہ سے کہ جب وہ ہاتھ اٹھائے اُس کی طرف، تو پھیر دے اس کو خالی۔

پس چونکہ فاتحہ میت کی امداد ہے اس لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ بموجب مضمون حدیث شریف کے ان ہاتھوں کو خالی نہ پھیرے بلکہ مراد سے بھر دے۔ اور مسائل اربعین میں مولوی اسحٰق صاحب نے مسئلہ سی و دوم (۳۲) کے جواب میں کہ تعزیت میت میں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ رقم فرمایا ہے:

اما دست بر داشتن برائے دُعا وقت تعزیت ظاہرا جواز است زیرا کہ در حدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ ندارد و لیکن تخصیص آں برائے دُعا وقت تعزیت ماثور نیست۔ انتہیٰ

دیکھیے یہ بات تسلیم کرکے کہ اس ہیئت خاص سے منقول نہیں یہی حکم دیا کہ ہاتھ اٹھانا کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ مطلق دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ خاص وقت فاتحہ میت کے اگرچہ کوئی روایت ماثور نہ ہو لیکن جب حدیثوں میں مطلق دُعا کے لیے ہاتھ اٹھانا آیا ہے تو اس فاتحہ میں بھی ثابت ہو گیا کیونکہ یہ بھی دعا ہے اب دیکھئے مفتیانِ فتویٰ انکاری کوئی اس فاتحہ مذکورہ کو کہتا ہے کہ مخترعات ناپسند شرعیہ سے ہے اور کوئی رسم ہنو دلکھتا ہے افسوس افسوس جس چیز کے اصول احادیث صحیحہ سے نکلتے ہوں اُس کو حرام یا

رسم ہنود یا ضلالت کہنا انہی بے انصاف آدمیوں کا کام ہے پہلے صلحاء و علماء تو اس کو مسلّم رکھتے آئے ہیں۔ مولانا عبداللہ گجراتی جو بڑے عالم صالح متقی ہم عصر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے تھے، وصیت نامہ میں لکھتے ہیں:

"تخصیصات در اوضاع و تراکیب ماکولات و تعینات و مفردات بفاتحہ و نیاز ہائے بزرگاں از رسوم صالح است"۔ انتہیٰ

اور جامع الاوراد میں ہے: "اگر بر طعام فاتحہ کردہ بفقراء دہد البتہ ثواب میرسد"۔

اور اسی جامع الاوراد میں ہے، "چوں قرآن ختم کند اوّل پنج آیت خواندہ دست برائے فاتحہ بردارد و ثواب ختم بارواح ہر کہ خواہد بطفیل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخشد"۔

یہ وصیت نامہ اور جامع الاوراد کی عبارتیں صمصام قادری ہیں اور زبدة النصائح مطبوعہ مطبع محمدی جو ۱۲۶۷ھ کی مطبوعہ ہے اس میں مولانا برہان الدین مرحوم کی یہ عبارت صفحہ ۵۶ پر موجود ہے:

"ہمیں است مضمون فاتحہ مرسومہ پس ثواب درود و الحمد و قل و ہم ثواب بذل طعام منذور بروح آں جناب خواہد رسید"۔

اب اس فرقہ کے بزرگوں کا احوال سنئے۔ مجموعہ زبدة النصائح میں صفحہ ۱۳۲ پر استفتا شاہ ولی اللہ صاحب کا مرقوم ہے۔ سائل نے سوال کیا تھا کہ کسی کے نام کا مرغا یا بکرا ذبح کیا ہوا درست ہے یا نہیں اور ملیدہ شیر برنج وغیرہ نیاز دلیا کا درست ہے یا نہیں؟ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے جواب میں ذبیحہ کو حرام فرمایا اور ملیدہ شیر برنج کی نسبت یہ الفاظ لکھے اگر ملیدہ و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال بروح ایشاں پزند بخورانند مضائقہ نیست و طعام نذر اللہ اغنیا را

خوردن حلال نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیارا ہم خوردن جائز
است"۔ انتہیٰ کلامہ

دیکھیے کھانے پر فاتحہ دینا خاص فتویٰ شاہ ولی اللہ سے ثابت ہے اور نیز
شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب فی سلاسل اولیا میں فرماتے ہیں:

"پس دہ مرتبہ درود خواندہ ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان
چشت عموماً بخوانند وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند۔" الخ

جائز اور مباح ہونا تو اور بات ہے یہاں تو امر فرما رہے ہیں کہ اس طرح
پڑھیں۔ غرضیکہ کلام مولانا عبداللہ گجراتی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سے معلوم ہو گیا
کہ فاتحہ بحضور طعام وشیرینی رسوم صالحہ مقررہ صلحاو معمول بہ علما سے ہے۔ چنانچہ
شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اس کی تصدیق فرماتے ہیں، تفسیر عزیزی پارہ الٓمٓ
میں ہے:

دسرش آنست کہ نزد عوام طریق ذبح جانور بہر گونہ کہ مقرر است متعین است
برائے رسانیدن جان جانور برائے ہر کہ منظور باشد چنانچہ فاتحہ وقل و درود
خواندن طریق متعین است برائے رسانیدن ماکولات ومشروبات بارواح۔

دیکھئے یہاں سے معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب کے وقت تک بھی فاتحہ وقل
ایصالِ ثواب کے موقع میں متعین تھا کیونکہ آپ مثال دیتے ہیں کہ جس طرح اہل اسلام
میں قل اور فاتحہ پڑھ کر پہنچا دینا ثواب ماکولات ومشروبات کا معین ہے اسی
طرح عوام جانتے ہیں کہ جب نام خدا لے کر جانور ذبح کیا تو جان اس کی جس کو
ہم چاہیں میراں اور سدو وغیرہ کو پہنچ جاتی ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے جان
کسی کو نہیں پہنچ سکتی ماکولات ومشروبات کا ثواب پہنچ سکتا ہے۔

اس مضمون کو بیس سطر پہلے اس عبارت سے اس طرح لکھا کہ "مسئلہ آنست

کہ جان را برائے غیر جان آفرین نیاز کردن درست نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگرچہ از راہِ تقرب بغیر اللہ دادن حرام و شرک است اما ثواب آن چیز ہا را کہ عائد بدہندہ میشد از آن غیرہ ساختن جائز است زیرا کہ انسان را میرسد کہ ثواب عمل خود را بغیر نہ بخشد چنانچہ میرسد کہ مال خود را بغیر خود بدہد و جان جانور مملوک آدمی نیست تا او را بکسے تواند بخشید۔

الحاصل ماکولات و مشروبات وغیرہ میں شاہ صاحب کے وقت تک بھی متعین و معمول ہونا اس رسم صالحہ کا ثابت ہے اور اگر اس عبارت تفسیر میں کوئی شخص اپنے فہم کے مطابق ہیر پھیر کرنے لگے تو لیجئے دوسری عبارتیں شاہ عبدالعزیز صاحب کی ان کے فتوے اور مکتوب کی جو صراحۃً دلیل جواز ہیں سُنیئے سوالات عشرہ محرم کے جواب سوال نہم میں ہے کہ کھانا ان چیزوں کا جو نذر و نیاز تعزیہ کے سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھتے ہیں کیسا ہے، لکھتے ہیں :

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و بر آں فاتحہ و قل و درود خوانند تبرک مے شود خوردن آں بسیار خوب ست لیکن بسبب بردن طعام پیش تعزیہ و بانہادن آں طعام پیش تعزیہ ہا تمام شبہ تشبہ بکفار و بت پرستاں میشود پس ازیں جہت کراہیت پیدا می کند واللہ اعلم۔

دیکھئے کھانے کے اوپر فاتحہ کا پڑھنا شاہ صاحب کے کلام میں صاف لکھا ہوا ہے اور مکتوب آپ کا جو محمد علی خاں صاحب رئیس مراد آباد کو لکھا تھا اس میں خود یہ عبارت آپ کی موجود ہے "پس بر ما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس میشود۔"

اس خط کی عبارت یہاں بقدر حاجت لکھی گئی اور مباحث مولد شریف میں زیادہ تر بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحاصل حضرت شاہ صاحب اوران کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب و دیگر علماء ربانی کی عبارت سے شیرینی اور کھانے پر فاتحہ پڑھنا بخوبی ثابت ہو گیا اور سب سے زیادہ فاتحہ وغیرہ منع کرنے میں مولوی اسمٰعیل صاحب مشہور ہیں۔ حال اُن کا یہ ہے کہ وُہ تاریخ اور دن کی پابندی کو منع کرتے ہیں اور اس پر کبھی کوئی آیت یا حدیث سے ممانعت ثابت نہیں کرتے فقط بعضی مصلحتیں بیان کرتے ہیں چنانچہ مقامات تعین تاریخ بستم و چہلم وغیرہ میں ہم ان کی عبارت لکھیں گے۔ لیکن کھانے کے ساتھ فاتحہ پڑھنے کو وُہ بھی منع نہیں کرتے۔ صراط مستقیم میں لکھتے ہیں:

"نہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر و افضل ست" الیٰ آخرہٖ

ان عبارات منقولہ بزرگاں سے اثبات فاتحہ مرسومہ کا اہل عقل و انصاف کے نزدیک صاف ثابت ہو گیا۔ اب اگر بعضے صاحب منکرین ہیں زبردستی الزام دیں فاتحہ کرنے والوں کو کہ ان لوگوں کا تو اعتقاد یہی ہے کہ ثواب کھانے کا بے فاتحہ کے نہیں پہنچتا اور فاتحہ اور پنج آیت وغیرہ پڑھنے کو یہ لوگ یُوں نہیں جانتے کہ یہ امر خیر ہے اور ثواب کی بات ہے بلکہ اس کو فرض واجب جانتے ہیں۔ جواب اس کا یہ ہے کہ منکرین لوگ ایسے ایسے زبردستی افترا باندھا کرتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کا ہر سال اپنے باپ کا عرس منانا شاہ عبدالعزیز

رحمۃ اللہ علیہ جو ہر سال اپنے باپ کا عرس کرتے تھے ان پر مولوی عبدالحکیم صاحب پنجابی نے یہ اعتراض لکھا ہے کہ تم نے عرس کو فرض سمجھ رکھا ہے سال بسال کرتے ہو اس کا جواب جو شاہ صاحب موصوف نے لکھا ہے زبدۃ النصائح مطبوعہ ۱۲۶۷ھ کے صفحہ ۴۲ میں ہے:

ایں طعن مبنی است بر جہل احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را ہیچکس فرض نمی داند آری زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں بامداد ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء۔ وتعین روز عرس برائے آن ست کہ روز مذکور انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثبوت۔

عرس کی اصلیت

بعد اس عبارت کے شاہ صاحب نے عرس کی اصلیت احادیث سے ثابت فرمائی ہے۔ در منثور اور تفسیر کبیر وغیرہ سے:

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یاتی قبور الشہداء علیٰ راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعة ھکذا یفعلون۔ انتہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سال بسال شہدا کی قبور پر تشریف لیجانا

روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ تشریف لایا کرتے تھے قبور شہدا پر برسویں دن ہر برس اور فرماتے تھے سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار اور بعد آپ کے چاروں خلفاء راشدین بھی اسی طرح کرتے رہے۔

اس تقریر سے چند باتیں ثابت ہوئیں،

○ ایک یہ کہ شاہ عبد العزیز صاحب نے تعین عرس کی اصلیت احادیث سے پہنچائی یعنی ابن منذر اور ابن مردویہ اور ابن جریر کی روایتیں جو در منثور تفسیر کبیر سے نقل فرمائی ہیں اُن میں یہ بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال بسال

شہداء کی قبور پر ہر برس کے سرے پر تشریف لاتے تھے اور اسی طرح بعد آپ کے خلفاءِ اربعہ کرتے رہے۔ غرضیکہ اصلیتِ عرس ثابت ہوگئی اور اس حدیث کو صحاح ستہ میں نہ ہونے کے سبب رد کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ صحاح احادیث منحصر کتب ستہ میں نہیں، اور ابن جریر وغیرہ پر جرح کرکے اس روایت کو رد کرنا بھی بے جا ہے خود شاہ عبدالعزیز صاحب جو واقف ان کے حالات سے تھے وہ خود اُن کی روایات کو لے چکے، یہ دلیل ہے کہ ان روایات کی تقویت شاہ صاحب کو پہنچ چکی اور مجمل ٹھہرانا اس حدیث کا بھی درست نہیں اس لیے کہ نہ محرم الحرام سے شروع سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں ہوتا تھا اور نہ ربیع الاول سے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں بمشورہ صحابہ کرام محرم الحرام سے شروع سال ٹھہرایا گیا بناءً علیہ یاتی قبور الشہداء علی راس کل حول میں مراد یہ حول دونوں نہیں ہوسکتے بلکہ متبادر از روئے لغت عرب اطلاق حول کا شروع واقعہ سے پورا سال گزر جانے پر ہوتا ہے پس یہ مجمل نہیں بلکہ از روئے لغت یہ ہی ثابت ہوگیا کہ موتِ شہداء کے دن سے برسویں دن ہر سال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تھے یہ ہی معنی عُرس کے ہیں اور عرس میں کچھ پڑھنا ایصالِ ثواب کرنا اور مباحات کا مرتکب ہونا جائز ہے مگر محرمات سے احتراز ضروری ہے اور سماع جو منہیاتِ شریعت وطریقت سے خالی ہو وہ بھی مباح ہے حضرت قطب العالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مکتوب صد وہشتاد و دوم مکتوباتِ قدسی میں جناب مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو لکھتے ہیں:

اعراسِ پیران بر سنتِ پیران بسماع وصفائی جاری دارند۔

صفائی کے لفظ سے خالی ہونا منکرات سے ظاہر ہے۔ اور خاندان عزیزیہ میں عرس ہر سال خالی منکرات سے جاری رہا ہے۔ اب جو کوئی شاہ صاحب

موصوف کے خاندان میں ہوکر اپنے بزرگوں کا کلام رد کرے اس کو اختیار ہے۔

قبورِ صالحین کی زیارت موجبِ برکت ہے

○ دوسری بات یہ کہ قبور صالحین کی زیارت موجبِ برکت ہے۔

○ تیسری یہ کہ قدیم سے حاسد لوگ زبردستی طعنے یاد کرتے ہیں اور افترا، باندھا کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے اس کام کو فرض واجب جان رکھا ہے چنانچہ شاہ عبدالعزیز بھی شاکی ہیں اور فرماتے ہیں: ایں طعن مبنی بر جہالت الخ

فاتحہ پر براہین قاطعہ کے اعتراضات، پھر ان کا جواب

بس اسی طرح جو لوگ فاتحہ کرنے والوں پر اور محفل مولد شریف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ان چیزوں کو فرض و واجب جانتے ہیں۔ اس کا وہی جواب ہے جو شاہ صاحب نے فرمایا۔

○ چوتھی یہ کہ فتویٰ انکاری میں مولوی امیر باز خاں سہارن پوری التزام امرِ مستحب کو حصّہ شیطان کا ثابت کرتے ہیں تو کلام شاہ عبدالعزیز صاحب سے اور اُن کے معمول دائمی سے معلوم ہوگیا کہ مستحب کا نباہ دائمی کرنا مستحب ہے۔

جمع بین العبادتین

پانچویں یہ کہ ایک وقت میں جمع بین العبادتین یعنی قرآن اور دُعا اور تقسیم شیرینی وطعام کرنا برا نہیں بلکہ مستحسن اور خوب ہے اور خوب کیسا کہ باجماع علماء۔ اب کہیے ان حضرات کے مقابل اور ان کی تحقیقات کے مقابل مفتیانِ فتویٰ انکاری کی نکیر کب قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔

تتمہ ضروری براہین قاطعہ گنگوہی میں بھی فاتحہ کو درحقیقت تسلیم کرلیا گو بظاہر انکار ہے۔ صفحہ ۶۱ سطر آخر میں لکھا ہے،

"جمع بین العبادتین کا کوئی منکر نہیں بلکہ اس جمع میں انکار ہے کہ اُس سے ہیئتِ منکرہ پیدا ہو جائے۔"

سب صاحب خیال فرمائیں کہ جب جمع بین العبادتین مان لیا تو فاتحہ علی الطعام کو مان لیا۔ اب ہیئتِ منکرہ کی شاخ جو لگاتے ہیں اُس پر چار دلیلیں لاتے ہیں:

اوّل یہ کہ صفحہ ۶۳ میں لکھتے ہیں:

"فاتحہ میں افساد طعام ہے کہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور آکلین اور قاری دونوں کی شہوت متعلق طعام سے ہے تو گویا افساد خلوص اور نیتِ آکلین کا بھی ہے۔"

معلوم نہیں یہ کیسے بے صبروں کی رعایت کر کے فاتحہ کو عموماً رد کیا جاتا ہے جس کو شہوتِ طعام اس درجہ ہے کہ گرم بھبکتا ہوا کھانا جو دیگ سے اُتر کر آیا اُس کے ٹھنڈے ہونے تک بھی نہیں ٹھہر سکتے حالانکہ گرم کھانا منع ہے۔ عالمگیری میں ہے:

ولا یوکل طعام حار۔ (گرم کھانا نہ کھایا جائے)

احیاء العلوم میں لکھا کہ صبر کرے کھانے والا، جب ٹھنڈا قابل کھانے کے ہو جائے تب کھائے۔ عبارت یہ ہے:

بل یصبر الی ان یسھل اکلہ۔ (بلکہ صبر کرے کہ کھانے کے قابل ہو جائے)

فاتحہ کے طریقے

واضح ہو کہ فاتحہ کے تین طریق ہیں۔ کہیں کسی طرح ہوتی ہے اور کہیں کسی طرح۔

- اوّل یہ کہ شیرینی اور کھانے پر فاتحہ وغیرہ خود مالک طعام نے پڑھ کر کھانے والوں کو دے دیا۔ اگر خود قادر نہ ہو تو دوسرے سے پڑھوا کر دے دیا۔
- دوسرا یہ کہ کھانا جماعت کو کھلا دیا پھر جماعت میں جو خواندہ آدمی ہیں

اُنھوں نے کچھ سُورتیں کچھ رکوع پڑھے بعدازاں دعائے ایصالِ ثواب طعام قرآن درود وغیرہ کو میت کے واسطے حاضرین نے کی اور مغفرت کی دُعا مانگی۔ یہ دونوں طریق بہت رائج ہیں۔

○ تیسرا یہ کہ کھانا حاضرین کے سامنے رکھ کر وارثِ میّت نے کہہ دیا کہ کچھ کلمہ کلام پڑھ کر میّت کی رُوح کو بخش دو تب وُہ الحمد و قل پڑھ کر ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دعا میّت کے لیے کرتے ہیں پھر کھانا کھا لیتے ہیں۔

چوتھا طریق نہ ہم نے سُنا نہ دیکھا، پس مؤلف براہین کی یہ دلیل منع فاتحہ صورت اول و ثانی میں تو چل ہی نہیں سکتی۔ صورتِ اوّل میں تو کھانا آکلین کے سامنے آیا بھی نہیں جو کھانے کے لیے بیتاب ہو جائیں۔ صورتِ ثانیہ میں جو آیا تھا چین سے کھا چکے۔ البتہ صورتِ ثالثہ پر کچھ تحریر براہین کا دھوکا لگتا ہے اور فی الواقع اس پر بھی یہ دلیل نہیں چلتی اس لیے کہ درحقیقت کھانے کا مالک وہ ہے کہ جس نے کھانا تیار کیا ہے جب وہ کسی کی تملیک کر دے تب وُہ مالک ہووے اور جب وہ اذن اباحت طعام دے تب وہ کھانا مباح ہووے مالک کی خود مرضی منصوص ہے کہ اوّل کچھ پڑھ کے بخش دو بناءً علیہ قبل اس فعل کے ابھی تک وہ لوگ مالک کی طرف سے کھانے کے مجاز نہیں پھر ناحق ان کی شہوت بے ہنگام کیوں اُن کو بے چین کر رہی ہے اور افسادِ طعام جو لکھا ہے ہم نہیں جانتے کہ الحمد و قل پڑھنے تک کیا فساد کھانے میں لازم آئے گا ہم نے وہ مجلسیں طعام ولیمہ شادی وختنہ وغیرہ کی دیکھی ہیں جس میں نہ الحمد و قل پڑھا جاتا ہے نہ ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور مولوی صاحبان مانعینِ فاتحہ بھی اُن میں موجود ہوتے ہیں لیکن نہ کسی پر وہاں احتساب کرتے ہو لکھا اور نہ یہ دیکھا کہ حضرات خود ایسا کرتے ہوں کہ جب آدمی روٹی آگے رکھ گیا تو اس کو رُوکھی کھا گئے جب سالن لایا اس کو اوپر پی گئے۔

جب دال لایا اُس کو بغیر روٹی چاٹ گئے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ جب تمام مجلس میں اس سرے سے اُس سرے تک کھانا پہنچ جاتا ہے اور پھر مالک اذن دیتا ہے کہ شروع کیجئے تب کھاتے ہیں اس میں بعض کھانے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں۔ مگر کسی عالم نے اُس کی تحریم و کراہت بیں نہ فتویٰ لکھا نہ رسالہ چھاپا ایک الحمد و قل کے پیچھے پڑ گئے خیر جو ہوا سو ہوا اب بندہ با قتضائے اصلحوا بین اخویکم مناسب یُوں جانتا ہے کہ جس مقام میں ایسے کھانے والے شہوت طعام سے بے چین ہوں اس موقع میں اول کھلا دیا کریں تاکہ ان کا خلوصِ نیت نہ بگڑ جائے اور فاتحہ وغیرہ بعد کو پڑھ دی جائے۔ لیکن معلوم رہے کہ اوّل تو تین طریق فاتحہ سے ایک طریق فاتحہ میں یہ بات پیش آتی ہے اس میں بھی جب اسی قسم کی شہوت طعام والے چن کر جمع کیے جائیں وہ بھی موسم قحط سالی میں' تو ظاہر ہے کہ یہ صورت نہایت نادر قلیل وقوع ہے بلکہ شاید صورت فرضی امکانی ہووے اور عالم وقوع میں کبھی نہ آئے اور ایسی صورت کو پیش نظر کر کے علی العموم فاتحہ کو منع کرنا شان تفقہ فی الدین سے بعید ہے۔

دوسری دلیل براہین قاطعہ صفحہ ۶۹ میں ہے:

"فاتحہ یا قرآن پڑھ کر ثواب میّت کو پہنچاوے تو دل سے نیت ایصالِ ثواب کی کرے۔"

اور صفحہ ۶۵ میں لکھا، "فاتحہ کی دُعا لغو اور لغو کا ترک مناسب ہے والذین هم عن اللغو معرضون" الخ

خلاصہ ان کی تقریر کا یہ ہے کہ ثواب دل کی نیت سے پہنچ جاتا ہے منہ سے دعا مانگنا لغو ہے۔

الجواب: صحتِ نماز کو نیتِ قلبی کافی ہے بایں ہمہ مستحب کیا ذکر

لسانی کو فقہاکرام نے باوجود عدمِ ثبوت قرون ثلٰثہ کے۔ پس اسی طرح کو ثواب مردہ کو فقط نیت سے پہنچ جائے لیکن انحصار نیت اور موافقت دل و زبان کے واسطے دعا زبانی کرنا جائز ہونے سے خالی نہیں۔

ثانیاً یہ کہ فقہا صراحتہً دعا ایصال ثواب کا امر کرتے ہیں فقیہ شامی نے شرح لباب سے نقل کیا ہے کہ :

"پڑھے آدمی مردہ کے واسطے فاتحہ اور الٓم مفلحون تک اور آیۃ الکرسی اور اٰمن الرسول وغیرہ ثم یقول اللھم اوصل ثواب ما قرأناہ الیٰ فلاں۔"

یعنی پھر دعا کرے کہ یا اللہ! پہنچادے ثواب میری قرأت کا فلانے کو۔

دیکھیے نیت میت سے جب کلام پڑھا تھا تو ایصالِ ثواب کے لیے بس تھا باایں ہمہ دُعا مانگنے کی ہدایت کی اور کیوں نہ کرتے دعا کی لذت کو دعا کرنے والے خوب جانتے ہیں الدعاء مخ العبادۃ مشہور ہے یعنی دُعا عبادت کا مغز ہے۔ اور فقیہ شامی نے متاخرینِ شافعیہ سے بھی دُعا کرنے کو نقل کیا ہے :

وصول القرأۃ للمیت اذا کانت بحضرتہ اودعی لہ عقبہا ولو غائبا لان محل القرأۃ تنزل الرحمۃ والبرکۃ والدعا عقبہا ارجی للقبول۔

یعنی ثابت ہے پہنچنا قرأت کا میّت کو جب میّت کے سامنے قرأت ہو، یا اگر سامنے نہ ہو اور میّت غائب ہو تو پڑھ کر دُعا کر دی جائے اس واسطے کہ وقت قرأۃ رحمت اور برکت نازل ہوتی ہے بناءً علیہ بعد قرأت دُعا کرنے میں بہت امید قبولیت کی ہے۔ انتہیٰ کلامہ

اس مقام پر بات میں بات نکل آئی کہ مجوزینِ فاتحہ نے اسی قبولیت کی نظر سے قرأت الحمد و پنج آیت وغیرہ جس کا پڑھنا میت کے لیے ثابت ہے مقرر کیا ہوگا۔

ثالثاً اوپر نقل ہو چکا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُمت کو ایصالِ ثوابِ اضحیہ یعنی قربانی میں جو عبادت مالی ہے شریک فرمایا باوجودیکہ حضور کی نیت بس کرتی تھی پھر بھی آپ نے تصریح فرمائی زبان سے ؛

اللھم ان ھذا منک ولک عن محمد و امتہ۔

اور مسلم کی روایت میں ہے ؛

اللھم تقبل من محمد و اٰل محمد و من امۃ محمد۔

اور عقیقہ میں سب مسلمان پڑھتے ہیں ؛

اللھم تقبلھا منی و اجعلھا فداءً لابنی من النار۔

یہ نصوص صریح ہیں کہ وُہ شے صدقے کی اپنے سامنے رکھی ہُوئی ہے اور اس کی قبولیت کی دعا کی جاتی ہے اور جس کو اس کے ثواب میں شریک کرنا ہے اس کا نام لیا جاتا ہے زبان سے ۔ اور قربانی کے لیے آچکا ہے ؛

وان الدم لیقع من اللہ تعالٰی بمکان قبل ان یقع بالارض۔

یعنی زمین پر گرنے سے پہلے خونِ قربانی قبول ہو جاتا ہے ۔

اس پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعائے قبولیت فرمائی کہ اللھم تقبل من محمد و اٰل محمد ۔ پھر طعامِ فاتحہ کی طرف اشارہ کرکے اگر کہا جائے کہ اللہ تعالٰی اس طعام کو قبول فرما اور اس کا ثواب فلاں فلاں کو پہنچا ، یہ کس طرح بدعت ٹھہرے ۔ اور نبی کریم کی مانگی ہوئی دعا اور فقہاء کی جائز رکھی ہُوئی دُعا کو ہمارا منہ نہیں جو کہدیں کہ لغو ہے اور داخل کردیں اس کو والذین ھم عن اللغو معرضون میں ۔ مؤلفِ براہین کو اختیار ہے جو چاہے کہے ۔ اور جس وجہ سے مؤلفِ براہین نے نیتِ نماز کا تلفظ جائز رکھا ہے قیاساً علی الحج ۔ جیسا کہ تحقیق بدعت میں گزر چکا ۔ دیکھنا چاہیے کہ یہ ہمارا ثبوت کس قدر اعلیٰ ہے اُس سے انصاف

شرط ہے۔

تیسری دلیل براہین قاطعہ صفحہ ۶۹: "دعاء الخفیۃ مایفعلہ فی نفسہ قال شارح المنیۃ لیس فیہا رفع لان فی الرفع اعلانا۔ اور یہاں ایصال ثواب میں دُعا خفیہ ہے کہ دل میں غرض ایصالِ ثواب کی ہے" الیٰ آخرہٖ

یہ دلیل آپ نے اس پر گزاری کہ ہاتھ اٹھا کر جو فاتحہ میں دُعا مانگتے ہیں یہ موجبِ کراہت ہے اس لیے کہ یہ دُعا خُفیہ ہے اور دُعا خفیہ میں ہاتھ اٹھانا نہیں آیا۔ جواب اس کا یہ ہے جب کوئی کسی طرف سے کھلاتا ہے یا شیرینی فاتحہ کی بانٹتا ہے اس کی شہرت سب میں ہوتی ہے کہ فاتحہ فلاں ولی اللہ کی ہے یا کھانا فلاں میت کا ہے یہ کوئی فعل مخفی نہیں ہوتا کہ دل ہی دل میں رہے کوئی نہ جانے اور اعلان نہ ہو اور دعائے خفیہ کا موقع وہ ہوتا ہے جو خود مؤلفِ براہین کی عبارت منقولہ میں موجود ہے ترجمہ کرکے دیکھنا چاہیے۔ یعنی دُعائے خفیہ وہ ہوتی ہے جس کو آدمی زبان سے نہیں بلکہ دل ہی دل میں کرتا ہے تو ایسی دُعا میں ہاتھ اٹھانا نہیں اس لیے کہ جی ہی جی میں دُعا مانگنا اخفا اور پوشیدگی کو متقضی ہے اور ہاتھ کے اٹھانے میں اعلان ہوگا یعنی سب جان لیں گے کہ یہ شخص دُعا مانگتا ہے۔ اب اربابِ انصاف خیال فرماویں کہ طعام فاتحہ میں تو صاحبِ طعام و شیرینی کو اس قدر اخفا منظور نہیں ہوتا کہ کوئی معلوم نہ کرے کہ اس نے کس کی رُوح کو ثواب پہنچایا ہے۔ جب یہ بات نہیں تو دعائے خفیہ نہیں رہی بلکہ دعائے رغبت ہوئی، کیونکہ وہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ! قبول کر ہم سے یہ قرأت اور طعام اور پہنچا دے ثواب اس کا روحِ میت کو۔ اور دعائے رغبت میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ عینی شرح ہدایہ میں بن الحنفیہ سے روایت کی ہے:

فی دعاء الرغبۃ یجعل بطون کفیہ نحو السماء۔ یعنی دعائے رغبت

میں دونوں ہتھیلیاں آسمان کی طرف اٹھائے۔

اور اس مقام سے گیارہ سطر پہلے ایک سوال کیا کہ ما وجہ رفع الیدین عند کل دُعاء یعنی کیا وجہ ہے کہ ہر دُعا میں ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں۔

پھر جواب علامہ سید سمرقندی کی روایت سے دیا کہ یرفع یدہ حتی یری بیاض ابطیہ قال النبی علیہ السلام ان ربکم حیی کریم فیستحیی من عبدہ اذا رفع یدہ ان یردا صفرا۔ الخ

اور اوپر گزر چکی یہ حدیث مشکوٰۃ سے اور نیز گزر چکی حدیث اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم۔ اور مضمون رفع یدین کا دعا میں کتب فقہ غنیۃ المستملی وغیرہ میں بھی تصریحاً موجود ہے۔ پس بخوبی ثابت ہو گیا کہ دعائے فاتحہ دعائے رغبت ہے اور دعائے رغبت میں ہاتھ اٹھانا سنّت ہے نہ کہ بدعت۔ اور وقتِ طواف جو حضرت نے دعا میں ہاتھ نہ اٹھایا، اوّل تو وہ موقع چلنے پھرنے اور دوڑنے وغیرہ کا ہوتا ہے اور فاتحہ مقام سکون و قرار ہے ایک دوسرے پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ دُوسرے یہ کہ موقع طواف میں خاصۃً ہاتھ اٹھانا فعلِ یہود ہے نقل عن جابر انہ فعل الیھود۔ اور دعائے فاتحہ میں ہاتھ اٹھانے کو نہ کسی نے فعلِ یہود کہا اور نہ ہنود کی سنکلپ میں رفع یدین کا دستور، اس واسطے کہ وہ لوگ ہاتھ میں چلّو پانی لیے رہتے ہیں چنانچہ عنقریب آتا ہے بناءً علیہ ایسے دلائل واہیہ سے دعائے فاتحہ میں رفع یدین کو غیر مشروع قرار دینا فہم و روایت کے خلاف ہے۔

چوتھی دلیل براہین قاطعہ صفحہ ۶۹ " اور تشبہ ہنود کا اس میں مقرر ہے کیونکہ تمام ہنود میں رسم ہے اور ان کا یہ شعار ہے کہ طعام پر بید پڑھواتے ہیں جس کا دل چاہے ہنود سے تحقیق کر لیوے۔ مولوی عبید اللہ اپنے تحفۃ الہنود میں لکھتے ہیں کہ ہر سال جس تاریخ میں کوئی مرا اسی ہی تاریخ ثواب پہنچاتے ہیں اور

اس کو ضرور جانتے ہیں اور پنڈت اس کھانے پہ بید پڑھتا ہے " انتھی

جواب : اکثر مانعین فاتحہ کو تشبہ با لہنود کا دھبہ لگاتے ہیں ، اور فی الحقیقت اہلِ اسلام اس سے پاک ہیں کچھ ذکر اس کا اوپر بھی گزرا باقی اب بہ تفصیل بیان کیا جاتا ہے ۔ واضح ہو کہ مذہب ہنود کا وید ہے جس کو وہ کتاب آسمانی اور کلامِ الٰہی سمجھتے ہیں ۔ وید میں ہرگز یہ بات نہیں کہ میّت کسی کی عبادت بدنی یا مالی سے کامیاب ہوتا ہے بلکہ انسان اسی عمل کا نفع پاتا ہے جو بذاتِ خود کرجاتا ہے ۔

یجروید ادھیاے ۴۰ ، منتر ۱۵ میں ہے " جسم کا پھونک دینا آخری کام ہے "

شارحین نے یہ مطلب اس کا شرح کیا ہے کہ جو کام انسان کے ساتھ کرتے تھے وہ سب ہو چکے بس آخری یہی ایک کام ہے کہ جلا دیا جائے اگر بعد جلا دینے کے کوئی اور کام بھی باقی ہوتا تو وہ بیان ہوتا اور جلانے کو آخری کام نہ قرار دیا جاتا اور منوسمرتی ادھیاے ۴ ۔ اسلوک ۲۳۹ میں اس کی تشریح زیادہ تر ہے عبارت یہ ہے " معنی اسکے یہ ہوئے کہ پرلوک میں یعنی اس عالم میں جو کہ بعد موت پیش آتا ہے نہ باپ مدد کر سکتا ہے نہ ماں نہ بیٹا نہ جورو نہ قومی بھائی البتہ تنہا دھرم مددگار ہوتا ہے " انتھی

اس سے صاف روشن ہے کہ آدمی کا دھرم کام آتا ہے بعد موت کسی کی مدد سے کام نہیں چلتا ۔ بس معلوم ہوا کہ یہ لوگ جو کچھ ایصالِ ثواب میّت کے ڈھنگ چلتے ہیں ۔ یہ ان کا اصل مذہب نہیں پھر اس کو شعارِ ہنود قرار دینا بڑی غفلت ہے ؛

ہم جو اپنے نواح میں دیکھتے ہیں تو ہنود کے تین مَتہ پاتے ہیں ؛

① آریہ سماج

② سرادگی

④ برہمنوں کا برتاؤ

سو یہ آریہ سماج جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اپنے اصل وید پر چلتے ہیں وُہ تو اموات کو پہنچنا اعمال مالی و بدنی کا کچھ بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اور اسی طرح سراد گی قوم اب باقی رہے وہ جو برہمنوں کے متعد پر چلتے ہیں سو ان کے حالات کتاب تحفۃ الہند سے جس کی مولف براہین قاطعہ نے سند پکڑی ہے لکھتا ہوں۔ تحفۃ الہند مطبوعہ فاروقی صفحہ ۸۵، سطر ۱:

ہندوؤں کے دین میں ثواب پہنچانے کا یہ طریق ہے کہ مثلاً کھانا یا کپڑا وغیرہ جس چیز کا ثواب پہنچانا ہو تو اس کا سنکلپ یعنی نیت یوں کریں کہ ثواب پہنچانے والا داہنے ہاتھ میں پانی لے کر شاستری زبان میں یہ کہے کہ اب جو فلانا مہینہ فلانی تاریخ فلانا دن ہے تو میں فلاں شخص فلانی میری قوم فلانی چیز فلانے شخص کے لیے صدقہ کرتا ہُوں پھر اس پانی کو زمین پر ڈال دے۔ تمام ہُوا کلام تحفۃ الہند کا۔

واضح ہو کہ اس عاجز راقم الحروف نے ہنود سے بھی تحقیق کیا اور کتاب سنکلپ کی اس عاجز کے پاس بھی موجود ہے۔ سب تحقیقات سے یہی معلوم ہُوا کہ مضمون مذکورہ بالا زبان شاستری میں پڑھتے ہیں علاوہ برآں دیوتا وغیرہ کا بھی نام لیتے ہیں جن کا بیان طویل ہے لیکن وید جس کو وہ لوگ کلامِ الٰہی اعتقاد کرتے ہیں نہیں پڑھتے کسی بڑی سنکلپ شادی وغیرہ میں البتہ ایک منتر پڑھ دیتے ہیں جس کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ آ دمیرے مکرم وہ، اپنے نزدیک ارواح کو بلاتے ہیں السنسکرت پڑھ کر بھلا اہلِ اسلام کی فاتحہ کو اس سے کیا مناسبت! راقم نے ایک پنڈت سے پوچھا:

کیوں جی تمہارے وید میں تو کچھ بھی حکم ایصالِ میت کا نہیں تم نے یہ کہاں

سے نکالا؟

جواب دیا کہ اگرچہ بید میں نہیں لیکن اس سے نفع ہوتا ہے بالفرض اگر میت کو نہ پہنچا تو اس کے وارث خیرات کرنے والے کو ثواب پہنچے گا جس بہانے سے خیرات نکلے بہتر ہے۔

اس وقت مجھ کو خوب یقین ہو گیا کہ یہ باتیں ان کی بنائی ہوئی ہیں اور تصدیق ہو گیا لکھنا مولوی عبید اللہ صاحب کا تحفۃ الہند صفحہ ۶:

"یہ برہمنوں کے بڑوں نے اپنی اولاد کی گزران کی خوب تدبیر کری ہے کہ سنکلپ کیا ہوا مال سوائے برہمنوں کے کوئی نہ لیوے۔ انتہیٰ کلامہ

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ ایسے ایسے احکام ان کے مذہبی نہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ اور مذاہب سے انہوں نے لیے۔ گمان غالب ہے کہ جب مسلمانوں کو ہنود نے ایصالِ ثواب مالی و بدنی میت کے لیے کرتے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ وہ کہتے ہیں اللھم اوصل ثواب ما قرأت و ما انفقت الیٰ فلان یعنی اللہ پہنچا دے ثواب ہمارے پڑھنے کا اور ہمارے خرچ کرنے کا جو کھانا وغیرہ کیا ہے طرف فلاں میت ہماری کے۔ اور مسلمانوں کو ہزار برس سے زیادہ اس ملک میں پھیلے ہوئے ہو گئے تو غالباً ہنود نے اہلِ اسلام کی باتیں دیکھ کر کچھ کچھ اُس کے قریب قریب اپنے مذہب میں سنکلپ وغیرہ جاری کر دیا کچھ اخذ کیا ہوا ادھر کا ہوا اور کچھ ان کا ایجاد سب مل ملا کر یہ شکل ان میں پیدا ہو گئی اور ان کے پیشوایان شکم بندہ نے شاستر میں بھی ان باتوں کو درج کر دیا۔ ہم افسوس کرتے ہیں مانعین بے تحقیق کے حال پر جو ہندوؤں کو قواعد ایصالِ ثواب میں اصل اصول قرار دے کر مسلمانوں کو اُن کا پیرو اور تشبیہ قرار دیتے ہیں۔ نہیں نہیں ہم کو اُن سے کچھ مناسبت نہیں۔ وہ لوگ وقت سنکلپ پانی چلو میں لیے رہتے ہیں۔ سنکلپ کیا ہوا مال سوائے برہمن

کے کسی کو نہیں دیتے اگرچہ برہمن مالدار دولتمند اور دوسرا آدمی نہایت درجہ محتاج تنگ دست ہو اور میت کا گھوڑا پوشاک برتن زیور وغیرہ جو کچھ دیتے ہیں مہابرہمن کو دیتے ہیں مہابرہمن وُہ ہوتا ہے جو میت کا صدقہ لیتا ہے۔ یہ مضامین تحفۃ الہند صفحہ ۸۵، ۸۶ میں موجود ہیں اور یہ کتاب مؤلف براہین قاطعہ کے نزدیک نہایت معتمد ہے اب کتاب "براہینِ قاطعہ" سے یہ بات نقل کرتا ہوں کہ تشبہ کون سا منع ہے صفحہ ۴۷ اسطر ۱۲ میں ہے،

"جس شئے شعار میں تشبہ ہے اس میں من کل الوجوہ تشبہ ہو تو منع ہے جیسا مثلاً تمام وردی نصاریٰ میں سے ایک کلاہ پہنی تو کلاہ من کل الوجوہ مشابہ ہوا اگر اس کلاہ میں بعض وجہ تشابہ کی ہو گی حرام نہ ہووے گی۔ انتہیٰ کلامہ

الحمد للہ کہ ہم کو جواب دینے کی حاجت نہیں خود ان کی زبانی قصہ طے ہوا، سب صاحب طریقہ مرسومہ اہل اسلام اور طریقہ مروجہ ہنود کو ملا کر دیکھیں کہ من کل الوجوہ تشبہ کہاں ہے اول تو ان کے وید میں ایصال ثواب میت کے لیے آیا ہی نہیں اور بہت آدمی قوم ہنود کے اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ خیر اگر بعض ہنود نے اوروں کی دیکھا دیکھی یا مصلحت پرورش قومی وغیرہ کے سبب یہ کام کیا تو مشکل یہ ہے اُن کے یہاں صدقہ لینے والا قوم خاص اور پڑھنے والا قوم خاص اور سنکلپ یعنی ایصالِ ثواب میں خواہ کسی چیز کا ایصال ہو رفع یدین نہیں بلکہ چلو پانی ہاتھ میں لیے رہتے ہیں اور یہاں اہلِ اسلام میں کوئی امر امور مذکورہ سے نہیں بناءً علیہ دعویٰ تشبہ بالکل باطل ٹھہرا بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اہلِ اسلام جو کچھ فاتحہ میں کرتے ہیں اپنے اصولِ دین کے موافق کرتے ہیں۔

تلخیص یہ ہے کہ ایصالِ ثواب مالی و بدنی ہر دو شرعاً ثابت اور جمع بین العبادتین ثابت اس میں نصوص شرعیہ نقل ہو چکیں اور اس حالت میں کھانا سامنے ہے اور

اس پر کچھ پڑھا اور دعا مانگی اس میں حدیثیں فعلی نقل ہو چکیں اور رفع یدین دعا میں احادیث قولی و فعلی سے نقل ہو چکا اور اضحیہ جو ایک شے مالی ہے اور سامنے موجود ہے اس پر یہ دعا زبانی کہ یا اللہ قبول کر اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آل و امت سے جس جس کو شریک ثواب میں کرنا تھا ان کا نام زبان مبارک سے لیا اس کی نقل بھی نصوص احادیث سے گزر چکی اور حال دعاء حقیقۃ کا بھی گزر چکا پس اہل اسلام یہ امور حسب قواعد شرعیہ کرتے ہیں اور اگر احیاناً کسی شخص کو بادی النظر میں کوئی امر متشابہ و مشترک معلوم ہووے تو چاہیے کہ وہ اس کو تشبہ قرار نہ دے قسم توافق ملتین سے سمجھے جیسا کہ اہل اسلام خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں ہنود بھی وجود باری تعالے کا اقرار کرتے ہیں اصطلاح شرع میں اس کا نام تشبہ نہیں اس کو موافق ملتین کہتے ہیں اور یہ ممنوع نہیں۔ الحاصل "براہین قاطعہ" گنگوہی میں جو فاتحہ مروجہ میں جمع بین العبادتین مان کر چار وجوہ خارجی سے کراہت عارضی قایم کی تھی وہ حرارت عارضی کی طرح تبرید ادلۂ شرعیہ سے تعدیل پا چکے والحمد للہ علیٰ ذالک۔

لطیفہ مؤلف براہین قاطعہ نے صفحہ ۱۱۳ سطر ۷ میں لکھا ہے: تشبہ کے لفظ میں اخذ بتکلف ہے سو قصد اور فعل متکلف کا اس میں ہونا چاہیئے پس اس کی یہ صورت ہے اگر کسی نے کوئی کام نادانستہ کیا اور اس کو خبر ہوئی تو ازالہ کرے ورنہ اب بعد علم کے متشبہ ہوگا پہلے متشبہ نہ تھا اور اپنے فعل میں عاصی بھی نہیں تھا انتہیٰ بلفظہٖ

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جن امور میں تشبہ کفار کے ساتھ لازم آتا ہے اگر آدمی نہ جانتا ہو کہ ان میں تشبہ ہے اور اس حالت نادانستگی میں یہ فعل کرتا رہے تو جب تک اس کو علم تشبہ حاصل نہ ہو اس وقت تک وہ معافی میں ہے نہ وہ متشبہ ہے کہ جو حکم من تشبہ بقوم میں داخل ہو اور نہ عاصی ہے۔ پس اس تقریر

کے موافق سب فاعلین فاتحہ و میلاد شریف بری ہو چکے وہ ہرگز ان امور کو تشبہ با ہنود نہیں جانتے جب ان کو ثبوتِ تشبہ نہیں ہوا تو باقرار مولف براہین متشبہ اور عاصی نہ ہوئے۔

جمعرات کی فاتحہ

لمعۂ ثانیہ میں جمعرات کی فاتحہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے:

"و در بعض روایات آمدہ است کہ روحِ میت مے آمد خانہ خود را شب جمعہ پس نظر مے کند کہ تصدق مے کند از وے یا نہ۔"

اور خزانۃ الروایات میں ہے:

عن بعض العلماء المحققین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعہ وتنتشر فجاؤا الی مقابرھم ثم جاؤا فی بیوتھم۔[1]

اور صدر بن رشید تبریزی نے دستور القضاۃ میں لکھا ہے:

ومن الفتاوی النسفیۃ ان الارواح المومنین یاتون فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطوا علینا بالصدقۃ و اذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان ھذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعونا منھم باکیا حزینا ثم ینادی کل واحد منھم

---

[1] بعض علماء محققین سے ہے کہ روحیں چھوٹتی ہیں جمعہ کی رات کو اور پھیل جاتی ہیں قبروں کی طرف آتی ہیں یعنی جہاں ان کے جسم مدفون ہیں پھر اپنے گھروں کی طرف آتی ہیں یعنی جہاں حالتِ حیات دنیا میں مقیم تھیں۔

بصوت حزین اللهم قنطهم من الرحمۃ کما قنطونا من الدعاء والصدقۃ[1]۔

اورعلی بن احمد غوری نے کنز العباد میں بھی اسس روایت کو نقل کیا ہے۔

ان صاحبوں کا قاعدہ ہے جس کتاب میں ان کے خلاف عقاید بیان ہوتے ہیں اس کو کہہ دیا کرتے ہیں یہ معتبر نہیں اس کی ضعیف روایتیں ہیں اس لیے میں خبردار کرتا ہوں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل میں چند مقام پرسند پکڑی ہے اور خزانۃ الروایات سے بھی انہوں نے سند پکڑی ہے۔ مائۃ مسائل کے مسئلہ ہشتاد وسوم میں اور مسائل اربعین کے مسئلہ سی وپنجم میں ومسئلہ بست وسوم میں اور دستور القضات کی بھی سند پکڑی ہے مسئلہ سیزدہم مائۃ مسائل میں، پس یہ کتابیں ان کے بزرگواروں کی مسلّم الثبوت قابلِ سند ہیں غرضکہ ان معتبر کتابوں کے موافق معلوم ہوا کہ جو لوگ کچھ خیر خیرات اور دعا درود وغیرہ نہیں کرتے ان کے گھر سے روحیں موتیٰ کی غمگین ناامید ہوکر ان کو سخت بددعا دیتی ہیں بناءً علیہ سلف میں دستور تھا کہ

---

[1] فتاوٰی نسفیہ امام نجم الدین علامہ سمرقند کا ہے وفات ان کی ۵۳۷ھ میں ہے الحاصل اس فتاوٰی سے کہ بیشک رُوحیں اہلِ ایمان کی آتی ہیں ہر جمعرات کی رات کو اور دن کو پھر کھڑی ہوتی ہیں اپنے گھروں کے سامنے پھر پکارتی ہیں سب جیں غمگین آواز سے کہ میرے اہل اے میری اولاد اے میرے رشتہ دار ہم پر مہربانی کرو ساتھ خیرات کے اور یاد کرو ہم کو اور مت بھولو ہمارا ہماری خیریت میں یہ مال جو تمہارے ہاتھ میں ہے ہمارے ہاتھ میں تھا۔ پھر وہ روحیں پھر جاتی ہیں الٹی روتی ہوئی اداس اور غمگین کہتی ہیں یا اللہ! ناامید کیجیو ان کو اپنی سے جیسا ناامید پھیرا اس نے ہم کو دعا اور صدقہ سے۔

جمعرات کو صدقہ دیتے تھے لیکن آخری صدی کے بعض علماء نے چھڑا دیا۔ مولوی اسمٰعیل صاحب کے تابعین کہتے ہیں اگر وہ میت بہشتی ہے تو روح اس کی بہشت کو چھوڑ کر کیوں آتی ہوگی اور کافر دوزخی ہے تو دوزخ سے نہیں چھوٹتی۔

ہم کہتے ہیں یہ خیالی اعتراضات سب بے اصل ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشوا مولوی اسمٰعیل کے دادا پیر جناب شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کیوں نہیں دیکھتے کہ سورۂ جن میں تحت آیت منا القاسطون جو چار قسمیں جنات کی کی ہیں اس میں فرقہ چہارم کو لکھا کہ وہ جن بعض ارواحِ خبیثہ کو اپنے ساتھ لے کر اپنا ہمرنگ کر لیتے ہیں وہ روحیں بھی لوگوں کو ستاتی پھرتی ہیں عبارت یہ ہے صفحہ ۱۰۵:

چہارم فرقہ دیگر اند کہ بطریق دزداں بعضی ارواح آدمیاں را کہ با خبیثاں در اخلاق بد مثل نخوت و تکبر و کینہ داری و تلطخ بہ نجاسات مناسبتے بہم می رسانند کشیدہ می برند و برنگ خود رنگیں مے کنند و آں ارواح را طریق درآمدن در مسام ابداں و برہم کردن مزاج ہا و تغیر کردن صورت ہا تعلیم مے نمایند تا بایں وسیلہ اذی و رنجے بآدمیاں رسانند و فرقہ آدمیاں را فاسد نمایند۔

اور سورہ عبس تحت آیۃ ثم اماتہ فاقبرہ لکھتے ہیں صفحہ ۵۸:

خلقت آدمی از خاک است و بحکم کل شئی یرجع الی اصلہ او را باصل خودش راجع باید ساخت بخلاف آتش کہ مادۂ خلقت شیاطین و جنیاں است پس چوں بدن آدمی را بعد از موت بآں سوزند ارواح لطیفہ او با ذود آتش آمیزش نمودہ مشابہت تام با شیاطین و جنیاں پیدا کنند و ازیں است کہ اکثر ارواح کسانیکہ سوختہ می شوند بعد از موت حکم شیاطین مے گیرند و بآدمیاں مے چسپند و ایذا می دہند پس در دفن کردن ارجاع شئے بحقیقت خود است و در سوختن قلب حقیقت انتہیٰ

دیکھیے یہ لوگ ارواح کی حرکت کو محال سمجھتے تھے ان کی مسلم الثبوت کتاب

شاہ صاحب کے کلام سے حرکت دسیر ارواحِ خبیثہ تک کی ثابت ہوگئی ان کے اعتراض توڑنے کو تو یہی حجت بس ہے باقی اور جماعتِ اسلام طالبان دلیل حق کے لیے یہ لکھا جاتا ہے کہ ارواح کی حدیث معراج سے ثابت ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں بیت المقدس میں جمع ہوئیں اور اوپر نقل کر چکے ہم شرح مشکوٰۃ وخزانۃ الروایات ودستور القضات وغیرہ سے یہ روایتیں کہ روحیں جمعرات کو اپنے گھر پر آتی ہیں۔

اور اسی طرح لمعہ ثالثہ میں تنزل الملٰئکۃ والروح کا بیان اور یہ روایت آئے گی کہ شب برات وعید کو روحیں آتی ہیں اور مباحث مولد شریف میں بھی بیان سیر ارواح کا آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور اب دو ایک روایتیں اور بھی نقل کی جاتی ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سُہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب عوارف کے باب چھپن[۵۶] میں یہ حدیث نقل کی ہے:

روی سعید بن المسیب عن سلمان قال ارواح المومنین تذھب فی برزخ من الارض حیث شاءت بین السماء والارض حتی یردھا الی جسدھا۔

(روایت کیا سعید بن مسیب نے سلمان سے کہا اس نے روحیں مومنوں کی جاتی ہیں زمین کے برزخ میں جہاں چاہتی ہیں آسمان و زمین کے بیچ میں یہاں تک کہ رد کرے اُن کو طرف ان کے بدنوں کی)

اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ والقبور میں لکھا ہے:

ابن ابی الدنیا از مالک روایت کرد کہ ارواح مومنین ہر جا کہ خواہند می روند الخ

اور اس سے پہلے اس فصل میں شہداء کے حق میں لکھا ہے:

حق تعالیٰ در حق شہداء می فرماید احیاء عند ربھم اقوال شاید باشد مرد آں

کہ حق تعالیٰ ارواح شان را قوتِ اجساد میدہد ہرجا کہ خواہند سیر کنند و ایں حکم مخصوص شہدا نیست انبیاء و صدیقاں از شہدا افضل اند و اولیا ہم در حکم شہدا اند کہ جہاد بالنفس کردہ اند کہ جہاد اکبر است یعنی رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر ازاں کنایت است و لہذا اولیاء اللہ گفتہ اند ارواحنا اجسادنا اجسادنا ارواحنا یعنی ارواح ما کار اجساد می کنند و گاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می برآید میگویند کہ رسولِ خدا را سایہ نبود صلی اللہ علیہ وسلم ارواح ایشاں در زمین و آسمان و بہشت ہرجا کہ خواہند میروند و دوستاں و معتقداں در دنیا و آخرت مددگاری مے فرمایند و دشمناں را ہلاک می نمایند انتہیٰ

ان روایتوں سے ارواح کی سیر کرنی دنیا میں بھی ثابت ہوئی اور یہی مذہب ہے اہلِ سنّت وجماعت کا۔

امام عبداللہ یافعی یمنی قدس سرہٗ کتاب روضۃ الریاحین میں الحکایت الثامنۃ والستون بعد المائۃ کے آخر میں لکھتے ہیں :

مذہب اھل السنۃ ارواح الموتی ترجع فی بعض الاوقات من علیین او سجین الی اجسادھم قبورھم عند ما یرید اللہ تعالیٰ و خصوصاً فی لیلۃ الجمعۃ ویومھا و یجلسون و یتحدثون۔ الیٰ آخرہ

مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ ارواح موتیٰ آتی ہیں بعض اوقات علیین یا سجّین سے اپنے ابدان میں جو قبوروں میں ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے خاص کر شبِ جمعہ اور روزِ جمعہ کو آتی ہیں بیٹھتی ہیں باتیں کرتی ہیں۔ الخ

اور اشباہ والنظائر کے احکام الجمعہ میں لکھا ہے : وفیہ یجتمع الارواح وتزار القبور کذا فی الدر المختار و شرحہ یعنی جمعہ کے دن روحیں جمع ہوتی ہیں اور زیارتِ قبور کی جاتی ہے۔

غرضکہ قبور تک ارواح کا آنا شبِ جمعہ و روزِ جمعہ ان معتبر کتب سے ثابت ہوا۔ باقی قبور سے اپنے گھروں میں آنا' وہ خزانۃ الروایات سے ہم اوپر نقل کر چکے:

جاء وا الا الی مقابرھم ثم جاء وا فی بیوتھم۔

اس روایت کے موافق اختتام صدی اول و شروع صدی دوم ہجری میں ایک عجیب قصّہ گزرا ہے وُہ بھی بہ طور استیناس لکھا جاتا ہے امام ابو محمد عبد اللہ یافعی یمنی طیب اللہ ثراہ روضۃ الریاحین میں لکھتے ہیں:

عن بعض الصالحین قال کان لی ابن استشھد فلم ارہ فی المنام الا لیلۃ توفی عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرائی لی تلک اللیلۃ فقلت یا بنی الم تک میتاً فقال لا ولکنی استشھدت وانا حی عند اللہ أرزق فقلت لہ ماجاء بک فقال نودی فی اھل السماء الا لا یبقی نبی ولا صدیق ولا شھید الا و یحضر الصلوٰۃ علی عمر بن عبد العزیز فجئت لاشھد الصلوٰۃ ثم جئتکم لا سلم علیکم۔

یعنی بعض صالحین سے روایت ہے وُہ فرماتے ہیں میرا بیٹا شہید ہوگیا تھا میں نے کبھی اس کو خواب میں نہ دیکھا سوا اُس دن کے کہ جب عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہُوا مجھ کو اس رات دکھائی دیا' میں نے کہا بیٹا! تم مرے نہیں؟ کہا کہ نہیں مرا میں تو شہید ہوں جیتا ہُوں اللہ تعالیٰ سے مجھ کو رزق ملتا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر تم کیوں کر آئے؟ کہا آسمان میں آواز دی گئی تھی کہ خبردار کوئی نبی اور صدیق اور شہید باقی نہ رہے سب عمر ابن عبد العزیز کے جنازہ پر نماز پڑھیں سو میں ان کی نماز پڑھنے آیا تھا پھر تمہارے سلام کرنے کو بھی حاضر ہوگیا الخ

الحمد للہ کہ ہم جو بنظر ایصال ثواب اموات ترغیب خیرات دعویٰ کرتے تھے

کہ اہل اسلام کی رُوحیں خواہ وہ بالکل ابرار متقین ہوں خواہ بیچارے عصاۃ مذنبین ہوں آنا ان کا روایاتِ کتبِ اسلامیہ سے بخوبی ثابت ہوگیا مذہبًا و روایۃً وکشفاً و درایۃً۔ ان صاحبوں کی بڑی بے منصفی کہ اپنے پیرو مرشد قبلہ کے منہ سے جو بات نکلی وہ تو پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے دوسرا شخص کیسے ہی دلائل قویہ سے ثابت کرے اس پر ایمان نہیں لاتے۔

رُوحوں میں چھینا جھپٹی

اب دیکھیے مولوی اسمٰعیل نے جو صراطِ مستقیم کے آخر ورق میں اپنے پیرو مرشد کی تعریف میں لکھا ہے کہ "حضرت غوث الثقلین اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کی روحیں ان کی طرف متوجہ ہوگئیں اور ایک مہینے تک ان میں چھینا جھپٹی اور لڑائی رہی یعنی ایک کہتی تھی کہ ہم سید احمد صاحب کو اپنی طرف لیں دوسری کہتی تھی کہ ہم لیں آخر دونوں پاک روحوں نے آپس میں صلح کر کے یہ بات ٹھہرائی کہ اچھا سید احمد صاحب میں ہمارا تمہارا دونوں کا ساجھا رہا تب ایک دن دونوں روحیں ان پر ظاہر ہوئیں اور توجہ قوی ایک پہر تک دی اتنی دیر میں دونوں طریقوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی" انتہی کلامہ

اب دیکھیے کہاں حضرت غوث اعظم کا مزار بغداد شریف میں اور کہاں خواجۂ عالی شان نقشبند کا مزار بخارا میں۔ پھر ان کی روحیں خبر نہیں علیین کے کس طبقہ اور جنت کے کس درجہ میں ہوں گی اور یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات مقدس کے مریدوں میں سیکڑوں اولیاء اللہ کامل کیا کہوں بلکہ ہزاروں لاکھوں مقبولین ہوں گے تس پر بھی ان کی ہوس نہ بجھی اور سید احمد صاحب کی ان کو خواہش پیدا ہوئی کہ سید احمد صاحب کو اپنی نسبت مریدی میں لیجئے اور اسی آرزو میں علیین یا بہشت سے ہندوستان میں وُہ روحیں توجہ دینے کو اُتر آئیں۔ ہم اس کو رد

نہیں کرتے لیکن ان دانشمند مصنفوں کے حال پر افسوس کرتے ہیں کہ یہ مولوی
اسمٰعیل صاحب کی تحریر باوجودیکہ از روئے عقل اس میں چند باتیں خلاف عادی
معلوم ہوتی ہیں لیکن اس کو مسلّم رکھتی ہیں اور ہم روحوں کا آنا اپنے گھروں پر
باوجود مقتضائے عقل ہونے کے البتہ اپنا گھر ہر کسی کو مالوف ہوتا ہے جب
ارواح نے دنیا کی سیر کی تو اپنے گھروں کی سیر کیوں نہ کریں گی اور روح کو بعد مکانی
نہیں کیونکہ وُہ مجردات سے ہے اگر ثابت کرتے ہیں اور اس پر حدیث بھی پیش
کرتے ہیں اور روایات فقہا رحمہم اللہ کی سند گزارتے ہیں اس پر انکار کرتے ہیں
اور اس اعتقاد کے باعث ہم لوگوں کو اور ہمارے ساتھ اُن مفتیانِ دین کو جو
یہ روایات اپنے فتاوٰی میں درج کر گئے ہیں بدعتی کہنے لگے ہیں یہ وہی مثل ہے
جس طرح معتزلہ خود اپنے کو "اصحاب العدل والتوحید" نام کرتے ہیں اور اہلسنت
وجماعت کو بدعتی اور ارباب الھوا کہتے ہیں اور یہ کہنا اہلِ انکار کا قصہ سید احمد صاحب
ہیں کہ یہ ان کو مکاشفہ ہو گیا تھا اس کی تحقیق مباحث مولد شریف لمعہ سادسہ
مقام تحقیق سیر ارواح میں آئے گی۔

براہین قاطعہ کا اعتراض رُوحوں کی بددُعا پر، پھر اس کا جواب

اور مولف براہین قاطعہ گنگوہی کا یہ اعتراض رُوح میت کی بددعا دینے
پر صفحہ ۸۰ میں کہ اگر زندہ نے مُردہ کو ثواب نہ پہنچایا تو کوئی ظلم اس نے میت پر
شرعاً نہیں کیا ہاں احسان بھی نہیں کیا پس احسان نہ کرنے پر بددعا ظلم ہے
میت باوجودیکہ ظلمت ونفس وشیطان سے چھوٹا حقیقۃ الامر خیر وشر اُس کو
برزخ میں واضح ہو گئی وُہ اب بھی بزعم مولف بعد ایتان کشف ویقین آخرت کی
شر نفس میں مبتلا ہے یہ روایت قطعاً منہم ومتروک ہے انتہی ملخصاً

اعتراض کہ روحِ میت کی دعا بچند وجوہ مخدوش

○ بچند وجوہ مخدوش ہے اول یہ کہ حدیث کی قوت و ضعف و سقم پہچاننے کے لیے میزان شرعی اسناد ہے اگر مولف براہین کو اسناد معلوم نہ تھی تو مفتیان شرع متین کی نقل پر جو چند فتاوٰی حنفیہ میں مرقوم ہیں اعتماد کیا ہوتا وہ روایت جمعرات کو روحیں آنے کی درصورت عدم تصدق بد دعا دینے کے فتاوٰی نسفیہ میں موجود ہے جس کو امام نجم الدین عمر بن محمد نسفی نے جو مشہور بہ علامہ سمرقند تھے تالیف کیا ہے اس میں وہ سب مسائل جمع کیے ہیں جو ان کی حالتِ حیات میں اُن سے استفتاء کئے گئے تھے ۵۳۷ھ میں اُن کی وفات ہے معتمدین علمائے سلف سے تھے اسی واسطے علمائے خلف نے اُن کی روایت پر اعتماد کیا اور اپنے فتاوٰی میں درج کیا اور کیوں نہ کرتے صاحبِ دُرمختار لکھتے ہیں کہ ہمارے ذمہ واجب ہے یہ بات کہ جو متقدمین فتوٰی دے گئے ہیں ہم اس کا اتباع کریں۔ اصل عبارت یہ ہے :

فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ۔

اور شامی شارح درمختار اس مقام پر لکھتے ہیں : فانہ لا یسعنا مخالفتھم۔ یعنی بے شک بات یہ ہے کہ ہم کو ہرگز گنجائش نہیں کہ ان کے قرارداد کی مخالفت کریں۔

○ وجہ ثانی مولفِ براہین نے اس روایت کو رد کیا تو کس طرح کہ بالکل اوہام و خیالات سے رجماً بالغیب اور یہ جائز نہیں جن صاحبوں نے روایات دین کو خالی باتوں سے رد کیا ہے اُن کو فقہاء و محدثین اہلِ سنت نے الفاظِ شنیعہ سے یاد کیا ہے مثلاً یہ حدیث جو صحیحین میں ہے کہ جب ملک الموت نے موسٰی علیہ السلام

کہا کہ میں قبض روح کو آیا ہوں حکم الٰہی قبول کیجئے تب حضرت موسٰی نے ایسا تھپڑ مارا کہ ملک الموت کی آنکھ پھوٹ گئی۔ پھر جناب باری میں جاکر عرض کی کہ خداوندا مجھ ایسے شخص کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا الیٰ آخرہٖ

اس حدیث پر بعضے عقلی خیالات والوں نے طعن کیا کہ موسٰی علیہ السلام کیوں بے قصور کو تھپڑ مارتے اور وہ بھی ایسا کہ آنکھ پھوٹ گئی بناءً علیہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن جو محدثین تھے انہوں نے اس حدیث کو تسلیم کیا اور معترض آدمیوں کو ملحد لکھا۔ عبارت یہ ہے:

وانکر بعض الملاحدۃ ھذا الحدیث قالوا کیف یجوز علی موسی فقاء عین ملک۔

اور یہ قرار دیا کہ حدیث کو عقلی باتوں سے رد نہ کرنا چاہیے بلکہ تاویل کرنی چاہئے اس حدیث میں تاویل ہوسکتی ہے کہ حضرت موسٰی کے پاس ملک الموت بشکل انسان آئے تھے انہوں نے جانا کہ یہ کوئی دشمن قتل کو آیا ہے اس کے دفع کرنے کے لیے تھپڑ مارا اتفاق سے آنکھ نکل پڑی الیٰ آخرہٖ اس نظر سے ہم کو یہ ثابت کرنا ہے کہ روایات دینیہ کو ایسے خیالی شاخسانوں سے رد نہ کرے۔ محدثین ایسے کو ملحد کہتے ہیں۔

○ وجہ ثالث یہ کہ ترک واتہام حدیث کے لیے عقلی نکتہ چلایا تو کیا کہ روحیں کیوں بددعا دیتیں یہ نہ سمجھے کہ روح کو کچھ تو تعلق آب و گل بدن انسانی سے ہے فرشتے جو بالکل تکدر آب و گل سے مجرد ہیں وہ بھی بخیل ممسک کو بددعا دیتے ہیں تو روح کا بددعا دینا کیا بعید ہے۔ صحیحین کی حدیث بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! خرچ کرنے والے آدمی کو بدلا عطا کر اور بڑھا اور جو خرچ نہ کرے اس کا جمع کیا ہوا مال تلف کر

ہلاک فرما انتہیٰ

ظاہر ہے کہ جب رُوح دنیا میں مع الجسد تھی اُس وقت اُس کی نسبت احکامِ الٰہی اور تھے اور جب بدن سے مفارق ہو کر اُس عالم میں شامل ہوئی تب اس پر احکام و آثار اُس عالم کے مترتب ہوئے پھر کیا عجب ہے کہ جس طرح فرشتے خرچ نہ کرنے والے آدمی کو باذنِ الٰہی بددُعا دیتے ہیں اسی طرح روحیں بھی اس عالم میں جا کر ایسے آدمی کو جو مال دبا کر بیٹھ رہا اور اپنے مورث کو فاتحہ و صدقہ سے یاد نہیں کرتا باذنِ الٰہی بددُعا دیتی ہوں یہ کیا امرِ محال ہے جس کے خیال سے روایت مغیبانِ دین کو کہا جاوے کہ قطعاً متروک و متہم ہے ۔

○ وجہ رابع یہ کہ اس دُعا کو ظلم ٹھہرانا بالکل بے اصل ہے کچھ تو مخدوش و مردود ہونا اس کا وجہ ثالث سے بھی سمجھا گیا علاوہ بر آں ظاہر ہے کہ اگر ورثاً دعا اور تصدق کرتے تو از روئے مسئلہ شرعیہ ثواب ان کو بھی ملتا اور میت کو بھی ، جب کچھ نہ کیا تو دونوں محروم رہے پھر اگر ایک امر واقعی زبان ارواح سے صادر ہوا کہ الٰہی! جیسے ہم ناامید پھرے یہ بھی ناامید رہیں رحمت سے یعنی ثواب سے ، تو یہ کس طرح ظلم ٹھہرتا ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ امر واقعی کی دعا کی جائے یہ تو تحصیل حاصل ہے جواب اس کا یہ ہے کہ فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو خوب تحقیق کر دیا ہے کہ تحصیل حاصل کی دعا جائز ہے عبارت التقاطاً یہ ہے ؛

لوکان الدعاء بتحصیل الحاصل مهیا لما ساغ الدعاء له صلی الله علیه وسلم لا بوسیلة ولا بلعن الشیاطین ۔

یعنی اگر تحصیل حاصل کی دعا منع ہوتی تو نہ کی جاتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وسیلہ کی جو بعد اذان دُعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ دیجیو اور مقامِ محمود میں پہنچائیو کیونکہ یہ وعدہ خدا تعالیٰ خود فرما چکا اور اسی طرح

ناجائز ہوتی لعنت شیاطین پر کیونکہ وہ خود لعنت میں ہیں بے دعا کئے انتہیٰ
اگر دعائے ارواح کے یہ معنی ہوں کہ اے وارثو! جس طرح تم نے ہمارے ساتھ ترکِ احسان کیا اور ہم محروم پھرے خدا کرے کہ جب تم مرو تمہارے ساتھ تمہارے وُرثاء ترکِ احسان کریں اور تم بھی نا امید رحمت و ثواب سے پھرو تو اس مضمون میں کوئی اتلاف حق فرض و واجب کی دُعا نہیں جو ظلم قرار دیا جائے، ترکِ احسان پر ترکِ احسان کی دُعا ہے اور جن مواقع میں کہ میت کی وصیت پر وارثوں نے بباعث حرص و طمع نفسی عمل نہ کیا اُن مواقع میں تو یہ دُعا ارواح کی کسی طرح محل کلام ہی نہیں پھر معترضین نے یہ ہی خیال کیا ہوتا کہ قدوم ارواح کی سب حدیثوں میں تو ذکر بد دعا کا نہیں۔ ایک میں ہے تو یہ وہی موقع خاص ہوگا جس میں اتلاف وصیت صدقات ہے باقی اور مواقع میں فقط یہ بات کہ روحیں امیدوار آئیں اور ناکام واپس چلی گئیں غرضکہ ان صاحبوں پر لازم تھا کہ اس روایت میں یہ تاویل یا مثل اس کے اور کچھ جو جو محل صحیح نکلتے پیدا کرتے لیکن روایات متقدمین مفتیان دین متین کو رد نہ کرتے۔

○ وجہ خامس جب کوئی توجیہ ان صاحبوں کو نہ سُوجھی اور یہ ہی ان کو معلوم ہوا کہ یہ بد دُعا قبیح ہے تو یہ کیا دلیل قائم کی کہ عالمِ برزخ میں جب خیر و شر واضح ہوگیا تو پھر کس طرح بعد کشف و یقین برا فعل یعنی بد دعا کرنا ارواح سے صادر ہوتا ہم کہتے ہیں اگرچہ برزخ میں انکشاف خیر و شر ہے لیکن روز قیامت سب سے زیادہ انکشاف حقایق ہوگا پھر اس روز خدائے عالم الغیب والشہادۃ کے سامنے لوگ اپنے جرائم کو مکر جائیں گے جھوٹ بولیں گے تب ان کو نامہ ہائے اعمال دکھائے جائیں گے کہیں گے کہ فرشتوں نے زبردستی ہمارے نام لکھ دیے، تب ان کے ہمسائے بلائے جائیں گے وہ گواہی دیں گے ان کو بھی جھٹلائیں گے۔ تب ربّ العزت جل جلالہٗ ان

کے منہ پر مہر لگا کر پوچھے گا سب اعضاء بول اٹھیں گے کہ بیشک اس نے یہ گناہ کیے کذا فی التفاسیر۔ اور امام رازی نے تحت آیت ان یشہد علیکم سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ زناکاروں کی پیشاب گاہ اس روز گواہی دے گی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"آدمی کے اعضا میں اول ران اور ہتھیلی گواہی دے گی۔"

یعنی اس لیے کہ اول مساس ہاتھ سے واقع ہوتا ہے پھر وقت مباشرت ران تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب مُجرموں کی گواہی دیں گے تو بعد ازاں وہ مجرم اپنے اعضا کو دھمکائیں گے کہ تم نے کیوں گواہی دی اور اپنے اعضاء کو بددعا دیں گے بعدا لکم وسحقا یعنی خدا تم کو دور کیجو اپنی رحمت سے اور ہلاک کیجو۔ یہ مضمون بددعا کا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔

اور روح البیان میں ہے کہ جو مسلمان گنہ گار ہوں گے ان کے اعضاء بھی گناہ پر شہادت دیں گے لیکن جن اعضاء سے انہوں نے نیک کام کیا ہے جب وہ شہادت اچھی دینے لگیں گے وہ بخش دیے جائیں گے۔

الحاصل روایات مذکورہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ قیامت کے روز جو نہایت درجہ انکشاف حقائق خیر و شر کا روز ہو گا اُس دن بھی آدمی ایسے ایسے بُرے کام کریں گے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے سامنے مکر جائیں گے جھوٹ بولیں گے فرشتوں کو اور آسمان و زمین کے ٹکڑوں کو اور ہمسایوں کو سب جھٹلائیں گے اور پھر جب اعضا گواہی دیں گے حالانکہ انہوں نے باذن الٰہی گواہی دی ہے اور سچی گواہی دی ہے تس پر بھی بندہ اُن کو بددعا دے گا اور کوسے گا کما رواہ مسلم جب ایسے ایسے

کام مذکورہ بالا ایسے مقام کشف وعیاں میں ہوں گے تو بھلا عالم برزخ میں بددعا دینا ارواح کا کس طرح اس درجہ محال و مستبعد ٹھہرایا جس سے روایات فتاوی کو جھٹلایا۔

○ وجہ سادس حدیث صحیح ہے کہ یبعث کل عبد علے ما مات علیہ یعنی آدمی اُسی خصلت پر اٹھایا جائے گا جس پر مرا ہے۔

اور دوسری حدیث میں آیا ہے:

یُبعث الناس علی نیاتھم۔ یعنی آدمی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ جو صفاتِ محمودہ یا مذمومہ انسان کے جوہر روح میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ بعد موت بھی قائم رہتی ہیں حتیٰ کہ انہی صفات کے ساتھ حشر اُس کا ہوگا۔ جب یہ معلوم ہوا تو جاننا چاہیئے کہ آدمی دو قسم ہیں یعنی بالکل خاک جو غصّہ نام کو نہیں عفو وصلح و تجاوز ان کا جبلی کام ہے اور بعضے وہ جو اپنے منافی طبیعت پر آزردہ ہوکر خفگی ظاہر کر دیتے ہیں۔ پس یہ دونوں آدمی بعد موت بھی اپنی اُسی جبلّت پر ہوں گے اور ظاہر ہے کہ آدمی قسم اول قلیل الوجود ہیں اور ثانی زیادہ سے زیادہ بلکہ زیادہ تر وللاکثر حکم الکل کلیہ مسلمہ ہے پس جس طرح وہ لوگ دنیا میں جب دیکھتے تھے کہ اُن کے ایک نمک پروردہ یا رفیق نے جس پر ان کو بھروسا تھا شدت حاجت کے وقت جواب صاف دے دیا اور حقوق احسان و مروّت کو بالکل فراموش کیا تو بے اختیار بددعا نکل جاتی ہے کہ جیسا تُو نے میرے ساتھ کیا تیری مشکل کی گھڑی میں بھی خدا ایسا ہی کیجیو جب وہ مر گئی اور عالم برزخ میں گئی تو وہی جبلّت اُن کے ساتھ گئی بناءً علیہ وہی مادہ فطری ان کا وہاں ظاہر ہوگا کہ جب ان کے اقربائے احسان فراموش اس کا مال مار کر بیٹھ رہیں گے اور دُعا صدقہ میں ذرہ بھر ان کو یاد نہ کریں گے وُہ بے ساختہ ان کو بددُعا دیں گے جس طرح کفّار وفسّاق جو کچھ

صفات تکذیب وغیرہ کی دنیا سے ساتھ لے گئے تھے وہی محشر میں علی الاعلان ظاہر کریں گے جس طرح روایاتِ سابقہ میں گزر چکا۔

○ وجہ بلع الزامی اس روایت کو فقط بد دعا ارواح کے سبب رد کرتے ہیں اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی تحریر مرقومہ ورق آخر صراطِ مستقیم کو رد نہیں کرتے جو لکھتے ہیں ؛

"روحِ مقدس جناب حضرت غوث الثقلین وجناب حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ وتا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازعے درمابین روحین در حق حضرت ایشاں ماندہ زیراکہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمامہ بسوئے خود می فرمود۔"

دیکھیے یہاں اپنے پیرومرشد کی بابت دو اماموں کی روح مقدس میں لڑائی ثابت کرتے ہیں لفظ تنازعہ لکھتے ہیں۔ منتخب اللغات میں ہے ؛

تنازع دشمنی وخصومت کردن۔ (تنازع دشمنی اور لڑائی کرنا ہے)

اور صراح میں لکھا ہے ؛

الخصام پیکار کردن باہم والاسم الخصومۃ۔ (الخصام ایک دوسرے سے لڑائی کرنا اور اسم الخصومۃ ہے)

مؤلفِ براہین کو لازم تھا کہ اول اس تحریر صراطِ مستقیم کو رد کرتے پھر رد روایت فتاویٰ نسفیہ میں قدم دھرتے۔ لیکن اس کو بڑی عبارت طویل سے صفحہ ۸۳ میں قوت دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کثرت امت کی خواہش ہوئی ہے جناب فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولود عورتوں کے نکاح کی تاکید فرمائی ہے اسی واسطے ان دونوں اماموں نے جب سید احمد صاحب کا درجہ دیکھا اور جانا کہ ان کے بہت مرید ہو دیں گے۔ دونوں نے اپنی اپنی طرف کھینچنا چاہا انتہی ملخصاً

یہ جواب نہایت رکیک ہے۔ سید صاحب کو بباعث کثیر المرید ہونے کے ولود عورت یعنی کثیر الولادت عورت کے نکاح سے جو تمثیل دی یہ خیال نہ کیا کہ ایسے شخص کے مرید کرنے کی تمنا درست ہے لیکن تنازع حرام جس طرح ولود عورت کی طرف رغبت صحیح ہے لیکن اس میں لڑائی و مخاصمت حرام یہ تو نص قطعی کا معارضہ ہے۔ حق سبحانہٗ فرماتا ہے:

لا تنازعوا۔ (لڑائی نہ کرو)

شاہ ولی اللہ اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

بایک دگر نزاع مکنید۔ (ایک دوسرے سے لڑائی نہ کرو)

اور شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں:

آپس میں مت جھگڑو۔

پس جبکہ اس مکاشفہ تحریری کو بباعث حرمت تنازع رد نہ کیا تو چاہیے کہ روایات مفتیان دین کو بھی رد نہ کریں باوجودیکہ اس قسم کی دعا کی حرمت پر کوئی نص شرعی مولف براہین نے روایت نہیں کی جس طرح ہم آیہ لا تنازعوا نص قطعی پیش کرتے ہیں پس دعویٰ ان کا بلا دلیل شرعی نامسموع ہے اور یہ خیال اُن کا بوجوہ سبعہ مذکورہ مدفوع ہے۔

دوسرا اعتراض ارواح کے آنے پر صفحہ ۸۰ براہین میں یہ ہے کہ یہ روایتیں مخالف صحاح کے ہیں کیونکہ مشکوٰۃ میں نسائی اور احمد سے منقول ہے کہ جب میت کی رُوح برزخ میں جاتی ہے تو ارواح جمع ہو کر اپنے اقارب کا حال پُوچھتی ہیں تو وہ جو پہلے مر لیا تھا اس کو کہتا ہے کہ وُہ تو مجھ سے پہلے مر لیا تھا اگر ہر ہفتہ ارواح اپنے گھر جاتی ہیں تو اُن کو کیا حاجت استفسار کی ہے۔

جواب: حاجت استفسار کی کیوں نہیں مثلاً ایک ہر ہفتہ اپنے گھر آتا ہے

شب باش ہو کر چلا جاتا ہے تو چھ روز بعد چلے آنے اس شخص کے اگر کوئی اس کے
گھر سے آئے گا تو وہ اپنے اقربا کا حال پُوچھے گا یا نہ پُوچھے گا سب عقلاً جانتے
ہیں کہ وہ ضرور پُوچھے گا پس اُسی طرح رُوح شبِ جمعہ کو اپنے گھر گئی ہوئی تھی تو جو
آدمی چارشنبہ یا روز پنجشنبہ کو مرے گا اور رُوح اس کی عالمِ برزخ میں جائے گی
وُہ روح ضرور پانچ چھ روز کی غیبوبت کا حال اس روحِ تازہ سے پُوچھے گی کہ فلاں
آدمی کس طرح ہے اور فلاں کس طرح ، اور اسی طرح اگر کوئی قریب اس کا روز شنبہ
یا شامِ جمعہ کو مرگیا ہوگا اور وُہ اپنے شومیٔ اعمال سے دوزخ میں گیا اور ارواحِ مومنین
میں نہ پہنچا پھر کوئی دوسرا عزیز مومن مخلص چارشنبہ کو مرکر ارواحِ مومنین میں پہنچا تو
وہ بالضرور یہ بیان کرے گا کہ وہ مرد قریب مجھ سے چار پانچ روز پہلے مرچکا کیا وہ
تمہارے پاس نہیں آیا ، تب وُہ رُوحیں کہیں گی کہ بس وُہ دوزخ میں گیا ۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رُوح ہر ہفتہ گھر پر آتی اپنے ایک عزیز کو ہمیشہ
غیر موجود پاتی چونکہ اس وقت آدمیوں سے اس کو پُوچھنا ممکن نہ تھا ہمیشہ چپ چلی جاتی
یہ خیال کرتی کہ شاید وہ کہیں پردیس میں گیا ہے لیکن جب اُس گھر میں کوئی مخلص مومن
مرا اس کی روح ارواحِ مومنین میں پہنچی تب اس عزیز کا حال دریافت کیا جواب
دیا کہ وُہ تو مجھ سے پہلے مرچکا ہے کیا تمہارے پاس نہیں آیا ، تب وُہ روح جان لیتی ہے
کہ اُس عزیز کو ہر ہفتہ جو مکان پر موجود نہ دیکھتی تھی اور یہ سمجھتی تھی کہ وہ کہیں پردیس
میں ہوگا سو پردیس میں نہیں بلکہ وُہ دوزخ میں پہنچا ۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رُوح کا اپنے گھر آنا منقول ہے ہمارا یہ دعویٰ تو
نہیں کہ وُہ اپنے سب اقربا و عزیزوں اور دوست آشناؤں کے گھر پھر جاتی ہے پس
جائز ہے کہ وُہ رُوحیں اپنے ان دوست آشنا و عزیزوں کا حال پوچھتی ہوں گی جو
اس کے خاص گھر میں نہیں رہتے تھے ۔ لفظِ حدیث میں نہ قید اپنے گھر میں رہنے

والوں کی ہے اور نہ یہ کہ خاص اپنے ذوی القربیٰ کا حال پُوچھے گا بلکہ جائز ہے کہ اپنے بعض دوستداروں اور غمگساروں کا حال دریافت کریں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فیسئلونہ ما ذا فعل فلان ما ذا فعل فلان فیقول قد مات اما اتاکم فیقولون قد ذھب بہ الی امہ الھاویہ

یعنی اُس نئے مردے سے پہلے مردے پُوچھتے ہیں فلانے کا حال کیا ہے وُہ جواب دیتا ہے کہ وہ تو مرچکا کیا تمہارے پاس نہیں آیا تب وُہ کہتے ہیں کہ وُہ دوزخ میں پہنچا انتہیٰ۔

قصہ صالح مزی کا

اب قلوبِ قاسیہ کے نرم کرنے کو ایک قصّہ نہایت معتبر کتاب سے جس کے مصنّف کو نوسو برس سے زیادہ ہوئے چار واسطوں سے امام ابو یوسف[ل] کے شاگرد ہیں لاکھ حدیث اُن کو حفظ تھیں ان کا خطاب امام الہدیٰ ہے اور نام ان کا نصر بن محمد اور لقب اور کنیت فقیہ ابو اللیث سمرقندی مشہور ہے وُہ اپنی کتاب تنبیہ میں باب فصل جمعہ میں فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سُنا اور وہ فرماتے تھے کہ پہنچا مجھ کو قصّہ صالح مزی کا کہ وُہ جمعہ کی رات کو جامع مسجد میں آئے کہ نمازِ فجر وہاں پڑھیں راستہ میں ایک مقبرہ ملا، دل میں آیا کہ صبح صادق ہو جائے گی اُس وقت مسجد کو چلیں گے۔ مقبرہ میں ٹھہر گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور ایک قبر سے کچھ سہارا لگا لیا نیند آنکھوں میں بھر آئی دیکھتے کیا ہیں سب اصحاب قبروں سے نکل کر

ل علم سیکھا انہوں نے ابو جعفر ہندوانی سے انہوں نے ابو القاسم صفار سے انہوں نے نصر بن یحییٰ سے انہوں نے محمد بن سماعہ سے انہوں نے امام ابو یوسف سے اور وہ شاگرد تھے امام اعظم کے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

حلقہ حلقہ بیٹھ گئے باتیں کرنے لگے ایک جوان کو دیکھا اُس کے کپڑے میلے اداس
مغموم بیٹھا ہے اتنے میں بہت خوان ڈھکے ہوئے خوان پوشوں سے آئے اُن میں
ہر ایک آدمی اپنا اپنا خوان لیتا گیا اور چلتا گیا آخر وہی بیچارہ جوان رہ گیا اس کے پاس
کچھ نہ آیا وہ اداس غم کا مارا اٹھ کر کھڑا ہوا جب قبر میں داخل ہونے لگا صالح مزی
کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تُو کیوں اُداس ہے؟
اُس نے کہا کہ تم نے دیکھا نہیں کس قدر خوان آئے تھے! میں نے کہا ہاں۔ وہ بولا
یہ تحفہ تحائف تھے جو اُن کے واسطے خیر خواہوں نے بھیجے تھے جو وہ صدقہ دعا وغیرہ
کرتے ہیں ان کو پہنچتا ہے جمعہ کی رات کو اور میں رہنے والا ملک سندھ کا ہوں اپنی ماں
کو لے کر واسطے حج کرنے کے آیا تھا جب بصرہ میں پہنچا میں مرگیا میری ماں نے میرے
بعد نکاح کر لیا اور دنیا میں مشغول ہو کر مجھ کو بھول گئی نہ مُنہ سے کبھی نام لیتی ہے نہ
زبان سے دُعا، اب میں غمگین نہ ہُوں تو کیا کروں میرا کوئی نہیں جو یاد کرے۔ تب
صالح مزی کہتے ہیں میں نے اس سے پوچھا تیری ماں کہاں ہے؟ اس نے پتا دیا
پھر صبح ہوگئی نماز پڑھی اور اس کا گھر ڈھونڈتا ہوا گیا اس نے اندر سے آواز
دی: تُو کون ہے؟ میں نے کہا: صالح مزی۔ اس نے بلایا، میں گیا۔ میں نے
کہا: بہتر یہ ہے کہ میری اور تیری بات کوئی نہ سُنے۔ تب میں اس سے نزدیک
ہو گیا فقط ایک پردہ بیچ میں رہ گیا، میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھ پہ رحم کرے کوئی تیرا
بیٹا ہے؟ بولی: کوئی نہیں۔ میں نے کہا: کبھی ہُوا تھا؟ تب وہ سانس بھرنے
لگی اور بولی: ایک بیٹا جوان تھا مرگیا۔ تب میں نے وہ قصہ مقبرہ کا بیان کیا
اُس کے آنسو بہنے لگے اور کہنے لگی: اے صالح مزی! وہ میرا بیٹا میرا کلیجہ تھا۔
پھر اس عورت نے مجھ کو ہزار درم دیے اور کہا کہ میرے نورِ چشم کی طرف سے خیرات
کیجو اور اب سے میں اُس کو دعا اور خیرات سے نہ بھولوں گی جب تک دم میں دم ہے۔

صالح مزی فرماتے ہیں: پھر میں نے وہ ہزار درم خیرات کر دیے اگلے جمعہ کی رات اس مقبرہ میں گیا دو رکعت پڑھیں ایک قبر کے سہارے بیٹھ گیا سر جھکا کر پھر میں نے اُن لوگوں کو قبروں سے نکلتے دیکھا اور اس جوان کو دیکھا سفید کپڑے نہایت خوش وہ میرے پاس آکر کہنے لگا: اے صالح مزی! اللہ تیرا بھلا کرے مجھ کو ہدیہ اور تحفہ پہنچ گیا۔ میں نے کہا: تم جمعہ کو پہچانتے ہو؟ کہا: جانور تک پہچانتے ہیں یہ کہا کرتے ہیں سلام لیوم صالح یعنی یوم الجمعة انتہٰی

اے بھائیو! اگر ایسے امام الہدیٰ کا نقل کیا ہُوا قصہ درد آمیز تمہارے دل کو خوفِ الٰہی سے نہ ہلا دے تو کمال حسرت کی بات ہے پتھر بھی اللہ کے ڈر سے نرم ہو جاتے ہیں ان من الحجارة لما یتفجر منه الانہار۔ قدیم الایام سے دستور چلا آتا ہے کہ قدما اپنے اموات کے لیے کھانا جمعہ کی رات کو دیا کرتے تھے۔ حفّاظ اور مُلّا اور قرّاء مقابر وغیرہ کو بھیجتے تھے حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو چھ سو برس سے زیادہ گزرے اُن کے کلام میں بھی اس کا پتا موجود ہے کلیات میں جو قصیدہ درباب تنبیہ حال موت لکھا ہے اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ جب آدمی مرتا ہے چندروز اس کو روتے ہیں جمعرات کو حلوا بھی بھیجتے ہیں جب کئی برس گزر گئے پھر سب بھُول جاتے ہیں وہ آدمی بے نام ونشان ہو جاتا ہے اشعار اُن کے بطور التقاط لکھتا ہُوں

ص

یک ہفتہ یا دو ہفتہ کم و بیش صبح و شام
با گریہ دوست ہمدم و ہمداستان شود
حلوا سہ چار صحن شب جمعہ چند بار
بہرِ ریا بخانۂ ھـمہ گورخوان شود

وانگہ کہ چند سال براں حال بگذرد

آں نام نیز بگذرد و بے نشاں شود

اگلے آدمی جمعرات کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ دو آنہ کا مزدور کہ جس کے پاس کچھ بھی دینے کو نہ ہوتا تھا وہ بھی جو سیر بھر آٹا بچوں کے واسطے لاتا اور شام کو پکواتا اس میں نیت کرتا تھا کہ یا رب العالمین یہ جو بال بچوں[1] کا نفقہ میرے ذمہ تیرے حکم سے واجب ہے اور ادائے واجبات الٰہی میں آدمی مستحق ثواب ہوتا ہے آج جو یہ سیر بھر کی روٹیاں اپنے بال بچوں کو دیتا ہوں اس نفقہ واجبہ میں میری یہ نیت ہے کہ اس میں جو مجھ کو ثواب ہوتا وہ میرے فلاں عزیز میت کو پہنچے غرضکہ نادار تنگ دست آدمی اسی روزمرہ کے نفقہ واجبہ عیال میں نیت ایصال ثواب

---

[1] فائدہ قربانی کے مسائل جو فتاویٰ عالمگیری میں لکھے ہیں ان میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی غریب آدمی قربانی کرے اور وہ اہل وعیال رکھتا ہو اور زیادہ وسعت اس کو نہیں تو اس کے حق میں افضل ہے کہ نہ تقسیم کرے گوشت قربانی کا بلکہ سب رہنے دے اپنے اہل وعیال کو فراغت سے کھلا دے۔ تمام ہوا کلام عالمگیری کا۔

پس اسی طرح غریب آدمی فاتحہ کا کھانا اپنے بال بچوں کو کھلا دیتے تھے۔ بعضے ناواقف اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ جب بال بچوں کو کھلا دیا تو یہ کیا ثواب ہوا۔ جواب اس کا یہ ہے جو رسالہ ہذا میں مذکور ہے اور صحیحین کی حدیث ہے:

اذا انفق المسلم نفقة علیٰ اهله وهو یحتسبها کانت له صدقة۔

یعنی مسلمان جو کچھ اپنے بال بچوں پر بنظرِ قربت و ثواب خرچ کرتا ہے وہ عنداللہ صدقہ ہے ۱۲۔

کرتے تھے اور فاتحہ درود پڑھ کے بعد ازاں اپنے بال بچوں کو وہ کھانا کھلا دیتے تھے
اموات کو محروم نہ رکھتے تھے اور تونگر آدمی تو بہت کچھ دیا کرتے تھے

اب جیسی ہمتیں لوگوں کی پست
ہوگئیں اور اسں بخیلی کے ساتھ یہ بہانہ بھی ہاتھ آگیا کہ اسں کو مولوی لوگ بدعت
کہتے ہیں بس بالکل آدمی چھوڑ بیٹھے، اونگھنے کو ٹھیلتے کا بہانہ مثل مشہور ہے۔
اب ہم نے تم کو روایات کتب معتبرہ کی سُنا دیں، چاہیئے کہ اب سُستی نہ کرو اور
صدقات وخیرات اور درود و فاتحہ سے اپنے عزیزوں کو یاد رکھو۔

ایک مسئلہ سناتا ہُوں کہ جس قدر تم اموات کے نام پر دوگے یا پڑھ کر
بخشوگے اموات کو سب پہنچے گا اور اسی قدر تم کو بھی ملے گا کچھ تمہارا ثواب کٹ
نہ جائے گا، تم اور مُوتی دونوں کامیاب ثواب سے ہوگے۔ خزانۂ الٰہی میں کچھ کمی
نہیں وُہ دونوں کو دیتا ہے ان ربك واسع المغفرت (بیشک تیرے رب کی مغفرت
بہت وسیع ہے) فقط تمہاری نیت کا گھاٹا ہے۔

لمعہ ثالثہ، عیدین اور شب برات اور عشرۂ محرم میں فاتحہ

فی خزانة الروایات عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه یقول اذا
کان یوم عید او یوم جمعة او یوم عاشورا او لیلة نصف من شعبان
تاتی ارواح الاموات و یقومون علیٰ ابواب بیوتهم فیقولون هل من
احد یذکرنا هل من احد یترحم علینا هل من احد یذکر غربتنا
یا من سکنتم بیوتنا و یا من سعدتم بما شقینا و یا من اقمتم فی اوسع
قصورنا و نحن فی ضیق قبورنا یا من استذللتم ایتامنا و یا من
نکحتم نسائنا هل من احد یتفکر فی غربتنا و فقرنا کتبنا مطویة

وکتبتکہ منشورۃ۔

واضح ہو کہ یہ کتاب "خزانۃ الروایات" پرانی کتاب ہے جس نسخہ سے یہ عاجز (حضرت مولانا عبدالسمیع انصاری قدس سرہٗ) نقل کر رہا ہے وہ چار سو برس سے کسی قدر کم کا لکھا ہوا ہے اب دیکھیے تصنیف کب ہوئی ہوگی، صاحب کشف الظنون نے اس کے مصنف کا حال یہ لکھا ہے کہ یہ قاضی جگن ہندوستان کے حنفی المذہب اور ساکن گجرات تھے تمام عمر فتویٰ دینے اور لکھنے میں گزاری انتہی کلامہ۔ پس معتبر ہونا اس کا ظاہر ہو گیا اور نیز ہم بیان کر چکے ہیں بیان فاتحہ جمعرات میں کہ مولوی اسحٰق صاحب نے "مأتہ مسائل" میں اور "مسائل اربعین" میں اس "خزانۃ الروایات" کی سند پکڑی ہے، معتمد علیہ ہونا اس کتاب کا اور پرانا ہونا معلوم ہو چکا۔ علاوہ بریں علی بن احمد غوری نے بھی اس روایت کو کنز العباد میں کتاب الروضہ باب خمس واربعین سے نقل کیا ہے۔ اب ترجمہ اس کی روایت کا معلوم کرو:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہوتا ہے دن عید کا یا جمعہ یا عاشورا محرم کا یا شب برات، تب آتی ہیں روحیں موتی کی اور کھڑی ہوتی ہیں اپنے دروازہ پر اور کہتی ہیں کہ ہے کوئی ہمارا جو ہم کو یاد کرے اور ہم پر رحم کرے، ہماری غربت کو یاد کرے، تم ہمارے گھروں میں رہتے ہو، ہمارے مال سے چین کرتے ہو تم ہمارے کھلے کشادہ مکانوں میں بیٹھے ہو ہم تنگ قبروں میں پڑے ہیں، ہمارے یتیم بچوں کو تم نے ذلیل کر رکھا ہے اور ہماری بیبیوں سے تم نے نکاح کر لیا، اب تم میں کوئی ہے جو فکر کرے دھیان کرے ہماری غربت اور محتاجی کا، ہمارے نامۂ اعمال لپٹ چکے تمہارے نامۂ اعمال کھلے ہوئے ہیں انتہی۔

اور واضح ہو کہ جس طرح یہ روایت خزانۃ الروایات اور کنز العباد میں ہے اسی طرح دقائق الاخبار میں بھی ہے اور دقائق الاخبار منسوب ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ

کی طرف۔ اور تفسیر آیۂ کریمہ تنزل الملٰئکۃ والروح میں مفسرین کے چند اقوال ہیں بعضوں نے کہا کہ رُوح ایک فرشتہ ہے، اور بعضوں نے کہا کہ جبریل ہے، اور بعضوں نے کہا روح حضرت عیسٰی ہیں جو فرشتوں کے ساتھ اُترتے ہیں، اور بعضوں نے کہا روح سے محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم مراد ہیں۔ اور دقائق الاخبار میں ہے کہ بعضوں نے کہا کہ ارواحِ بنی آدم مراد ہیں، عبارت اس کی یہ ہے:

ویقال روح الاقرباء من اموات المؤمنین یقولون ربنا ائذن لنا بالنزول منازلنا حتی نری اولادنا وعیالنا فینزلون فی لیلۃ القدر انتہٰی۔

مومن مُردوں کی ارواح کہتی ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اپنے گھروں میں اترنے کی اجازت دے تاکہ ہم اپنے اہل وعیال کو دیکھیں، تو وہ روحیں لیلۃ القدر میں اترتی ہیں انتہی

اور تفسیر عزیزی میں تحت شرح اس آیت کے لکھا ہے:

فرود مے آیند ملائکہ از آسمانہا و ارواح ازمقام علیین در آں شب۔

اس رات میں فرشتے آسمانوں سے اور ارواح مقامِ علیین سے نازل ہوتے ہیں۔

اور تینتیس۳۳ سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ ہمراہ جبریل علیہ السلام جمیع ملائکہ و ارواح نزول مے کنند۔ (جبریل کے ساتھ تمام فرشتے اور رُوحیں بھی نازل ہوتی ہیں)

اب گوشِ ہوش سے سننا چاہیے کہ باپ کو اولادِ صالح کی دعا سے نفع پہنچتا ہے صحیح مسلم کی حدیث ہے:

ولد صالح یدعوالہ۔ (نیک اولاد اپنے باپ کے لیے دعا کرتی ہے)

اس حدیث میں تم لوگوں کو اشارہ ہُوا کہ تم جن کی اولاد ہو ان کے حق میں دعا کرو فاتحہ درود پڑھو۔

دوسری حدیث بیہقی کی ہے :

ماالمیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او اخ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیہا۔

قبر میں مردہ غرق ہونے والے فریادی کی طرح ہوتا ہے منتظر ہوتا ہے کہ باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے دعا پہنچے جب دعا پہنچتی ہے تو وہ اسے دنیا وما فیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔

اس حدیث میں اشارہ ہوگیا ماں باپ کو کہ وُہ اپنی اولاد کو دعائے خیر سے یاد رکھیں اور بھائی بھائی کو اور دوست دوست کو، اس واسطے کہ اس حدیث میں ارشاد ہوگیا کہ مُردہ ان سب کی طرف امید لگائے رہتا ہے۔ غرض دونوں حدیثوں کے مضمون سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ سب دوستوں اور اقربا کو چاہیئے کہ اپنے دوست اور اقربا کو یاد رکھیں اور آدمیوں کا حال یہ ہے کہ دنیا کے جنجال میں پھنس کر اپنے عزیزوں کو جو کہ مرگئے بالکل بھول جاتے ہیں روزمرہ کی یاد تو کہاں بھلا اگر تیوہاروں کو یعنی بقرعید عید شبرات محرم میں بھی یاد کریں تو غنیمت ہے کیونکہ تیوہاروں میں کھانے کی کثرت ہوتی ہے، طرح طرح کی چیزیں پکتی ہیں، دوست آشناؤں میں تحفے اور ہدایا بھیجے جاتے ہیں۔ ہائے افسوس ! زندہ آدمیوں کو تحفہ ہدیہ بھیجیں حالانکہ زندہ آدمی خود بھی پکوا کر کھا سکتا ہے اور میّت کو جو کہ بالکل عاجز بےبس بیکس ایک غار تنگ و تاریک میں پڑے ہیں اور اعمال ان کے منقطع ہو چکے اب کچھ نہیں کر سکتے ان کو ذرا بھی یاد نہ کریں کس قدر غفلت کی بات ہے ! اور جو کوئی عالم مُلّا ہو کر لوگوں کو اس کام سے روکے کس قدر مظلمہ موتٰی کا اپنی گردن پر لیتا ہے، یا اللہ ! ایک پہلے وقتوں کے عالم فاضل تھے کہ خیرات وحسنات کی رغبت دلاتے تھے۔

مصنف خزانۃ الروایات لکھتا ہے کہ میں شروع بلوغ سے فتوٰی اور کُتبِ فقہ

اور مسائل میں کوشش کرتا رہا اور جب استفتاء پیش ہوتے تھے جب تک جواب ان کا
کتابوں سے نہیں نکالتا تھا چین نہیں آتا تھا اور میں کسی وقت خالی مباحثہ اور مطالعۂ
کتب سے نہیں رہتا تھا اور مشکلیں حل کر لیا کرتا تھا تمام عمر فتویٰ دینے میں گزاری اور
جس قدر فتویٰ دیتا وہ سب مسائل اس کتاب میں لکھ دیتا انتہیٰ کلامہ۔

دیکھو یہ شخص ہندوستان کا قاضی سیکڑوں برس کا عالم حنفیہ گزرا ہوا،
ہندوستان میں فتویٰ جاری کرنے والا اپنا فتویٰ اس کتاب میں لکھتا ہے اور روایت
کرتا ہے کہ تیوہاروں میں روحیں آتی ہیں، چنانچہ روایت ان کی بیان کی گئی۔ معلوم ہوا
کہ قدیم الایام سے عیدین وغیرہ تہواروں میں دستور فاتحہ کا چلا آتا ہے، ایسے ہی
بزرگوں کا حکم دیا ہوا اور جائز رکھا ہوا اور احادیث سے استنباط کیا ہوا ہے جاہلوں
کا ایجاد کیا ہوا نہیں، جاہل کسی قاعدۂ دینی اور شرعی کا موجد نہیں ہو سکتا، اور نہ کوئی
جاہل کا اتباع کرے۔ یہ سب رسوم صالحہ اہلِ اسلام میں علما و صلحا کی تلقین فرمائی
ہوئی ہیں۔ از انجملہ یہ بات کہ ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ عیدین وغیرہ میں جو فاتحہ دیتے ہیں
تو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام کا جدا نکالتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی امام ربانی
مجدد الف ثانی کے کلام میں موجود، مانعین اس امام کے معتقد ہیں، وہ اپنے
مکتوبات کی جلد ثالث میں لکھتے ہیں،

باید کہ ہرگاہ صدقہ بمیت نیت کند اول	جب میت کی طرف سے صدقہ کرنے کا
باید کہ بہ نیت آں سرور علیہ وعلیٰ آلہ	ارادہ ہو تو اولاً سرورِ دوجہاں صلی اللہ
الصلوٰۃ والسلام ہدیہ جدا سازد	علیہ وسلم کے نام بطور ہدیہ پیش کرنا چاہیے
وبعد ازاں تصدق کند کہ حقوق آں سرور	اسکے بعد صدقہ کرے کیونکہ سرکارِ دوجہاں
علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام فوق	صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق دوسرے لوگوں
حقوق دیگران ست ونیز بریں تقدیر	سے زیادہ ہیں نیز اس تقدیر پر

احتمال قبول صدقہ است بطفیل آں سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتحیات انتہیٰ۔ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جلد صدقہ کی قبولیت کا احتمال ہے انتہیٰ

سبحان اللہ! ایک ایسے ایسے علماء دیندار تھے کیا کیا ہدایت کے طریقے تعلیم فرماتے تھے اور ایک اب پیدا ہوئے ہیں کہ بالکل اعمال معمولہ قدیمی اور خیرات مستمرہ سلف کو بند کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ جو مولوی اسحاق صاحب نے مأتہ مسائل میں بیان فرمائی ہے کہ:

آمدن ارواح دریں شبہا از احادیث صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد ثابت نگشتہ۔ ان راتوں میں روحوں کا آنا احادیثِ صحیحہ مرفوعہ متصل الاسناد سے ثابت نہیں۔

اور مسائل اربعین میں ان حدیثوں کو لکھا بعض علمائے محدثین ایں روایات را تضعیف ہم فرمودہ اند و بیان غرابت آں اوردہ انتہی کلامہ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے بس اسی قدر ثابت ہوا کہ یہ حدیثیں صحیح متصل الاسناد نہیں۔ بعضے محدثوں نے ان کو ضعیف بھی کہا ہے سو اصل حدیث میں یہ ٹھہر چکا ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث جھوٹ بنائی ہوئی موضوع ہو۔ چنانچہ ملّا علی قاری اور صاحبِ مجمع البحار اپنے رسائل موضوعات حدیث میں لکھتے ہیں:

قال الزرکشی بین قولنا لو یصح و قولنا موضوع بون واضح فان الوضع اثبات الکذب و قولنا لم یصح لا یلزم منہ اثبات العدم الی آخرہ۔ کہا علامہ زرکشی نے ہم جو کسی حدیث کو کہتے ہیں کہ صحیح نہیں اور کسی کو کہتے ہیں کہ موضوع ہے اس میں فرق ہے کھلا ہوا اس واسطے کہ موضوع کہنے کے معنی یہ کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ صحیح نہیں، اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے۔

حدیث ضعیف کا حکم

پس حدیث ضعیف کا ہم سے حکم سُنو ، تفسیر رُوح البیان کی دوسری جلد مطبوعہ مصر کے صفحہ ۶۲۲ میں ہے :

وان کانت ضعیفۃ الاسانید فقد اتفق المحدثون علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل بہ فی الترغیب والترھیب ۔

یعنی اگر حدیثیں ضعیف ہیں تو اتفاق کیا ہے کُل اہلِ حدیث نے اس بات پر کہ حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے جس مقام میں رغبت دلائی ہو نیک کام پر یا ڈراتی ہو بُرے کام سے ۔

اور نقل کیا اس کلام کو صاحبِ روح البیان (حضرت علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمہ) نے امام نووی اور حلبی اور ابن فخر الدین رومی وغیرہم سے ۔ اور اسی طرح منقول ہے فتح المبین مؤلفہ علامہ ابن حجر مکی سے :

اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال ۔

اتفاق ہے علماء کا اس بات پر کہ جائز ہے عمل کرنا حدیثِ ضعیف پر فضائلِ اعمال میں ۱۲

اور میر سیّد شریف رحمۃ اللہ علیہ اصولِ حدیث میں لکھتے ہیں :

ویجوز عند العلماء التساھل فی اسانید الضعیف فی فضائل اعمال ۔

اور جائز ہے علماء میں تساہل ضعیف حدیثوں کی اسناد میں بابت فضائلِ اعمال کے ۱۲

اور اعضاءِ وضو کے دھونے میں جو دُعائیں وارد ہوتی ہیں وہ سب ضعیف ہیں باینہمہ لکھا صاحبِ دُرِ مختار نے :

فیعمل بہ فی فضائل الاعمال

پس عمل کیا جائے اس پر فضائلِ اعمال میں ۔

اور نسائی کا یہ طریق تھا کہ جس راوی کو بالاتفاق علمائے حدیث نے چھوڑ دیا ہو اس کی حدیث کو وہ نہ لیتے تھے باقی سب حدیث ضعیف ہر قسم کی لیتے تھے اور ابوداؤد کا مذہب یہ تھا کہ وہ حدیث ضعیف کو امام مجتہد کی رائے سے افضل جانتے تھے اور یہ نسائی اور ابوداؤد مصنفین صحاح ستہ کے دو امام ہیں۔

اور شرح سفر السعادۃ میں ابن حزم سے نقل کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے سب اصحاب متفق ہیں اس بات پر کہ حدیث ضعیف مقدم ہے قیاس اور اجتہاد پر انتہیٰ پس حدیث ضعیف کی یہ شان نہیں کہ ہر طرح اس کو رد کیا کریں اور کسی موقع میں قبول نہ کریں۔

اور رسالہ انتباہ میں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

وورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لاباس بالعمل بها فان وجد فی نفسه قوۃ فلیعمل بها۔	اور آئی ہیں مہینہ رجب کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے، کچھ مضائقہ نہیں ان پر عمل کرنے میں، اگر آدمی اپنی جان میں قوت پائے تو عمل کرے ان پر۔

اور مولوی قطب الدین خاں صاحب نے مظاہر الحق میں چھ رکعت صلوۃ الاوابین کو لکھا ہے اگرچہ ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن فضائل اعمال میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے انتہیٰ مؤلف کہتا ہے کہ صلوۃ الاوابین کی حدیث ایسی ضعیف ہے جس کی بابت مشکوۃ میں ہے:

لا نعرفه الا من حدیث عمر بن خثعم وسمعت محمد بن اسمٰعیل یقول هو منکر الحدیث وضعفه جدًا۔	ہم نہیں پہچانتے اس کو مگر حدیث عمر بن خثعم سے، اور سنا ہے میں نے محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کو کہ وہ کہتے تھے کہ عمر بن خثعم کی حدیث منکر ہے اور ضعیف بتاتے تھے اس کو نہایت ۱۲

پس مولوی قطب الدین خاں صاحب نے اس درجہ کی حدیث پر بھی عمل کرنا ثابت کیا ہے شرح ملاّ علی قاری سے اور شامیں اس کی یعنی مقبول رکھنا حدیث ضعیف کا اعمال میں بہت مسائل فقہیہ میں ثابت ہے بباعث طول فقط انہی عبارات منقولہ بالا پر اکتفا کر کے اب قاعدہ کلیہ جو اصول حدیث اور اصولِ فقہ میں درباب حدیث ضعیف لکھتے ہیں نقل کرتا ہوں کہ حدیث ضعیف کو صفاتِ باری تعالیٰ اور تحریم و تحلیل اور اعتقادیات میں نہیں لیتے البتہ معجزات اور احوال قیامت اور موعظت اور فضائل اعمال میں مقبول رکھتے ہیں اور فضائل اعمال کے معنی علامہ شامی شارح دُرِ مختار نے یہ لکھے ہیں کہ کسی عمل کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے حدیثِ ضعیف کو لے لینا جائز ہے انتہی کلامہ۔

اور ضعیف پر عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ایسا ہو کہ ایک قاعدۂ عام شرعی میں داخل ہو، اور اس شرط لگانے میں حکمت یہ ہے کہ حدیث ضعیف کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ جھوٹی بے اصل ہے بلکہ ممکن ہے صادق ہونا اس کا۔ پس اگر وہ حدیث ضعیف نفس الامر میں عنداللہ صحیح تھی تو اس پر عمل ہونا بہت اچھا ہوا اور اگر نفس الامر میں ثابت نہ تھی تو اس پر عمل کرنے سے کچھ نقصان نہ لازم آیا کیونکہ وہ قاعدہ کلیہ عام شرعی میں داخل ہے، مثلاً یہی دُعائیں وضو کے اعضاء دھونے میں جو ضعیف حدیثوں سے ثابت ہوتی ہیں اگر یہ نفس الامر میں عنداللہ صحیح ہیں تو حق ان احادیث کا ادا ہو گیا اور ثواب موعود مل گیا اور اگر یہ حدیثیں عنداللہ صحیح نہیں تو ہر عضو پر جُدا جُدا دعا پڑھنے سے گنہگار بھی نہیں ہوا کیونکہ اس نے دعا پڑھی ہے کچھ اور گناہ تو نہیں کیا اور مطلق دُعا کا مانگنا شرع میں ثابت ہے، اور ایک حدیثِ ضعیف میں بھی حضرت سے یہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جس شخص کو میری طرف سے کوئی حدیث پہنچی اُس نے اس پر عمل کیا تو اس

کو ثواب ملے گا اگرچہ فی الواقعہ وہ حدیث میری نہ ہو"

چنانچہ یہ مضمون شامی شارح دُرِ مختار نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے:

یعمل بالحدیث فی فضائل الاعمال لانہ انکان صحیحا فی نفس الامر فقد اعطی حقہ من العمل والا لم ترتب علی العمل بہ مفسدۃ تحلیل ولا تحریم ولا ضیاع حق الغیر و فی حدیث ضعیف من بلغہ عنی حدیث ثواب عمل فعملہ حصل لہ اجرہ وان لم اکن اقلہ۔	عمل کیا جاتا ہے ساتھ حدیث ضعیف کے فضائل اعمال میں اس واسطے کہ اگر وہ حدیث نفس الامر میں صحیح تھی تو اس پر عمل کر کے حق ادا کیا اور اگر نہ تھی صحیح عند اللہ تو اس پر عمل کرنے سے فساد لازم نہ آیا کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام یا کسی کا حق ضائع کر دیا ہو' اور آیا ہے ایک حدیث ضعیف میں کہ جس کو پہنچے میری طرف سے کوئی حدیث ثواب عمل کی پھر اُس پر

عمل کیا اُس نے تو اُس کو ثواب وہی مل جائے گا اگرچہ فی الواقع وہ حدیث میں نے نہ کہی ہو ۱۲

اور اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے جو ماہِ رجب میں ہزاروی روزہ رکھنے اور اس کی رات کو جاگنے کا حکم دیا ہے وُہ بھی ملنی اسی قاعدہ پر ہے یعنی اگرچہ یہ تخصیص دن اور رات کی ضعیف حدیث سے ثابت ہوئی لیکن مطلق روزہ رکھنا اور شب کو عبادت کرنا تو دین سے ثابت ہے۔

اور اسی طرح چھ رکعت اوّابین کو مولوی قطب الدین خان صاحب نے جو لکھا ہے اس میں بھی یہی قاعدہ ہے یعنی اگرچہ یہ حدیث بہت ضعیف اور منکر ہے لیکن کوئی اگر اس تعیّنِ زمان اور تخصیص رکعات پر موافق اس حدیث ضعیف کے عمل کرے گا تو

کچھ بُرائی نہ ہو گی کیونکہ مطلق نفل کا پڑھنا تو ہر وقت جائز ہے۔ اور یہاں ایک اور مسئلہ سمجھنا چاہیے کہ فقہاء رحمہم اللہ ایسے عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہوتا ہے مستحب لکھا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی صلوٰۃ الاوابین کو باوجود حدیث منکر ہونے کے مستحب اور مندوبات میں فقہاء لکھتے ہیں، اور اسی طرح گردن کا مسح وضو میں ضعیف حدیث سے ثابت ہوا ہے اس کو بھی مستحب لکھتے ہیں اور ماہِ رجب کے روزے کو فتاویٰ عالمگیری میں مرغوبات و مندوبات کے ذیل میں لکھا ہے جب یہ قواعد ذہن نشین ہو چکے تو اب ہم اس قاعدہ مقررہ فقہاءِ محدثین کو مسئلہ متنازع فیہ یعنی روحوں کے آنے میں جاری کر کے دکھاتے ہیں اور اول گفتگو ہماری اس بات میں یہ ہے کہ وہ جو فاضلِ مذکور نے لکھا ہے کہ

بعض محدثین نے احادیث آنے ارواح کو ضعیف کہا ہے ہم کہتے ہیں کہ بعض محدثین کے ضعیف کہنے سے لازم نہیں آتا کہ کُل کے نزدیک ضعیف ہو۔ ملا علی قاری وغیرہ لکھتے ہیں:

لاحتمال ان یکون الحدیث موضوعا من طریق صحیحا من اخر۔ بسبب احتمال اس کے کہ ہوئے حدیث ایک طریق سے موضوع اور دوسرے طریق سے صحیح۔

یعنی جس محدث نے کسی حدیث کو موضوع کہا ہے اس کو خراب اسناد پہنچی ہے اس لئے وہ موضوع کہتا ہے، اور دوسرا محدث جو اس کو پسند کرے تو اس کے نزدیک اسناد اچھی سے ثبوت ہوا ہے ۱۲

پس اس بناء پر ہم کہتے ہیں چونکہ صاحبِ خزانۃ الروایات نے جس کی سند اسی فاضل نے اپنی تصنیفات میں لی ہے اور فضائل اُس کے ہم اور وجوہ سے بھی بیان کر چکے ہیں یہ حدیثیں آنے ارواح کی اپنے فتاویٰ میں درج فرمائیں لابدیہ بات دلیل ان کی صحت اور قوت اور مفتی بہ ہونے پر ہے۔ مفتیانِ دین کا ایک حدیث

کو لے لینا دلیلِ قوّت ہے اور بالفرض والتقدیر اگر ہم موافق قول اس فاضل کے ضعیف ہونا ان احادیث کا تسلیم کریں تو حدیث ضعیف پر عمل کرنا فروع مسائل اور فضائلِ اعمال میں اقوالِ فقہاء و محدثین سے بالاتفاق والاجماع ثابت ہے۔ پس جو آدمی ان حدیثوں پر اس بات میں عمل کرے گا کہ کچھ صدقہ فاتحہ درود تیوہاروں میں کرے گا تو بلاشک یہ امر جائز بلکہ مستحب ہوگا اس لئے کہ اگر واقعی وہ روحیں آتی تھیں تو سبحان اللہ اصل مدعا ثابت ہوا کہ وُہ خوش و خُرم گئیں اور اگر وہ بددُعا کرتیں تو اب یہ آدمی اُن کی بددعا سے بچ گیا اور اس کو ثواب پہنچ گیا اور بالفرض والتقدیر اگر روحیں آتی نہیں تو بھی یہ صدقہ اور فاتحہ درود تو اُن کو پہنچ ہی جائے گا ان کا پہنچ جانا تو اصل قاعدہ شرعی سے ثابت ہے عند اہل السنۃ والجماعۃ بناءً علیہ تیوہاروں میں صدقہ اور فاتحہ درود کرنے کو نہ صرف جائز بلکہ امر مستحب کہنا چاہیے۔ چنانچہ ہم اس کی چند نظیریں کلام فقہاء سے صلوٰۃ الاوابین اور مسح رقبہ (گردن) اور صومِ رجب کی بابت لکھ چکے ہیں اور علاوہ اُس کے بہت نظیریں اس کی کتبِ فقہ میں موجود ہیں جس کی نظر متون و شروح و فتاویٰ پر ہے یہ بات اس سے مخفی نہیں، اللہ تعالیٰ دلوں میں انصاف دے آمین یا رب العٰلمین آمین !

لمعہ رابعہ بیان طریقہ سوئم کا: اس عمل میں پانچ چیزیں ہیں:

۱۔ کلمہ طیبہ پڑھنا

۲۔ شمار کے لئے دانہ ہائے نخود کا معیّن کرنا

۳۔ ختم قرآن کرنا

۴۔ برادری اور دوست آشناؤں کا واسطے قرآن اور کلمہ پڑھنے کے جمع ہونا۔

۵۔ اس کام کے لیے تیسرا دن ٹھہرانا۔

کلمہ طیبہ کے فضائل

بیان امر اوّل اختیار کرنا کلمہ طیبہ کا اس لیے ہے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

لا الٰہ الاّ اللہ مفتاح الجنّۃ۔

لا الٰہ الاّ اللہ دروازۂ بہشت کی کنجی ہے۔

اور امام ابو اللیث سمرقندی نے روایت کی ہے انسؓ سے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قیل یا رسول اللہ ھل للجنۃ ثمن قال نعم لا الٰہ الا اللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ کہا گیا آپ سے یا رسول اللہ! کیا جنّت کی کچھ قیمت ہے؟ فرمایا: ہاں لا الٰہ الاّ اللہ ۱۲

جب معلوم ہوا کہ کلمۂ طیبہ کنجی جنّت کی ہے اور قیمت ہے جنّت کی، تو ثواب رسانی ایسی چیز کی نہایت درجہ اولیٰ و انسب ہے۔ اور علاوہ اس کے یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

جو کوئی میّت کی نیّت سے ایک لاکھ بار لا الٰہ الاّ اللہ پڑھے اور ثواب اس کا میّت کو بخشے اگر وہ قابلِ عذاب ہوگا اس کو عذاب نہ کریں گے اور اگر وُہ قابلِ عذاب نہیں تو اس کے درجات بلند کر دئے جائیں گے۔

اور ایک روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا لا الٰہ الا اللہ کا آیا ہے۔ چنانچہ بزرگانِ دین سے اس پر عمل بھی پایا گیا ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ مکتوبات جلد ثانی میں حکم فرماتے ہیں:

بیاران و دوستان فرمایند کہ ہفتاد ہزار بار کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق و بروحانیت مرحومہ ہمشیرۂ او اُمِّ کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے

بخشد و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے از دوستاں
دعا و فاتحہ مسئول است انتہٰی۔

اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس باب میں ایک قصّہ منقول ہے جس کو مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی کتاب تحذیر الناس مطبوعہ بریلی کے صفحہ ۴۰ میں لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیّر ہو گیا آپ نے سبب پُوچھا تو بروئے مکاشفہ اُس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہُوں، حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتّر ہزار بار کبھی کلمہ پڑھا تھا یُوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کو اطلاع نہ کی۔ مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا، اس نے عرض کیا کہ اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہُوں، تو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہُوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہُوئی انتہی کلامہ۔

ان روایات، احادیث اور دستور العمل ہونے سلف صالحین سے وجہ تخصیص کلمہ طیبہ کی عمدہ طور پر ظاہر ہوگئی۔ پس بدعت اور ضلالت کہنا اس کا رد ہو گیا۔

تخصیص دانۂ نخود (چنے)

دُوسرا امر تخصیص دانہ نخود (چنے) کی وجہ یہ ہے کہ دانۂ نخود اگر متوسط ہو، نہ بہت چھوٹا نہ بہت بڑا، پہلے وزن سے کہ وُہ اسّی روپیہ سے زیادہ تھا، ساڑھے بارہ سیر نخود از روئے شمار ایک لاکھ دانہ ہو جاتا ہے، اس عاجز (مولانا عبد السمیع رحمہ اللہ تعالیٰ) نے بھی اس کو آزمایا ہے۔ مؤلفِ براہینِ قاطعہ نے بھی صفحہ ۸۹ سطر ۱۶ میں اس کی تصدیق کی اور یہ لکھا کہ فی الواقع اوّل میں دانہ نخود کے

اختیار کی یہی وجہ تھی الیٰ آخرہ، اور دو شمار جو حدیث میں آئے ہیں ایک میں ستر ہزار دوسری میں سو ہزار، احتیاطاً سو ہزار یعنی ایک لاکھ پر عمل مقرر کیا گیا اور ہر کسی کو قدرت نہ تھی کہ اس قدر تسبیحیں جمع کرنا یا جنگل اور بازار وغیرہ سے گٹھلیاں کھجور یا جامن وغیرہ کی چُننا اور جابجا اُسے سمیٹتا پھرتا، نخودیں یہ فائدہ ہُوا کہ سہل الحصول ہیں جہاں سے چاہا بے تکلف مول لے لئے، شمار کی شمار اس میں قائم رہی اور بعد فراغ وحصول کار ان کو تقسیم کر دیا، یہ دوسری منفعت حاصل ہوگئی کہ اس کا بھی ثواب میت کو پہنچ گیا اور اس قسم کے تعینات سے منع اور کراہت ثابت نہیں ہوسکتی۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ روایت ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن حبان و حاکم سے یہ حدیث بطولہٖ ثابت ہے۔ خلاصہ اس کا یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تھا کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لئے ہُوئے ذکر اللہ شمار کر رہی تھی، آپ نے اس کو منع نہ فرمایا، اس قدر ثبوت سے فقہاء رحمہم اللہ نے مسئلہ نکال لیا؛

لا باس باتخاذ السبحۃ یعنی کچھ مضائقہ نہیں تسبیح ہاتھ میں لینے کا۔

حالانکہ کنکریوں یا گٹھلیوں کی گنتی اور تسبیح میں بڑا فرق ہے یعنی دانوں کا گول کرنا پھر دانے بھی عقیق یمن کے، عقیق البحر کے، صندل، زیتون، سنگ مقصود، استخوانِ شتر، شیشہ و خاک شفا وغیرہ کے ہوتے ہیں اور ان میں سوراخ کرنا پھر ان کے شمار سَو دانے پر رکھنا پھر ان میں تاگا پرونا ان میں ایک دانہ کو امام سب دانوں کا مقرر کرنا یہ سب امور مسلّم الثبوت اور اہلِ اسلام کے عمل میں ہیں حالانکہ ثبوت فقط کنکریوں پر شمار کرنا ہوا ہے اور ان فروعات زائدہ کے جواز پر بحر الرائق اور حلیہ اور علامہ شامی شارح دُرِمختار اس طرح اشارہ کرتے ہیں؛

لا تزید السبحۃ علی مضمون هذا الحدیث الا بضم النوی	یعنی اس حدیث کے مضمون سے کوئی بات زیادہ تسبیح میں نہیں سوا اس کے کہ

فی خیط و مثل ذلك لا یظهر تاثیرہ فی المنع۔ گٹھلیاں ایک ایک تاگے میں پروئی ہیں اور ایسی باتوں کی کچھ تاثیر ممنوع ہونے میں ظاہر نہیں ہوتی ۱۲

اب دیکھئے ضم النوی فی خیط (یعنی گٹھلیاں تاگے میں پرونا) کا لفظ لکھ کر جمیع تخصیصات اور تعینات تسبیح کی طرف جو اوپر مذکور ہوئیں فقہاء اشارہ کر گئے بقولھم مثل ذلك الی آخرہ یعنی ایسی ایسی باتوں کو منع میں کچھ دخل نہیں تسبیح سے مقصود شمار ذکر ہے سو شمار ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا بناءً علیہ دانہ ہائے نخود پر شمار کرنا بھی بمقتضائے قاعدہ شرعیہ مستنبطہ فقہاء رحمہم اللہ جائز ہوا بلکہ دانہائے نخود کے شمار کو واقعہ قصہ حدیث سے زیادہ تر مشارکت ہے بہ نسبت تسبیح کے کیونکہ تسبیح میں قیود زائدہ بہت ہیں کما ذکرنا۔

قرآن پڑھنا اور مانعین کے جوابات

تیسرا امر پڑھنا قرآن کا ہے جو لوگ قرآن خوانی کو منع کرتے ہیں وہ ایک علماء کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اُس کو نہایت مستحکم جان کر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں:

سند اوّل یہ ہے کہ سفر السعادت کی عبارت سیف السنۃ کے صفحہ ۱۴ میں نقل کی ہے اس طرح کہ عادت نبوی نبود کہ برائے میت جمع شوند و قرآن خوانند نہ بر سر گور و نہ غیر آں و ایں مجموع بدعت است انتہی

میں کہتا ہوں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے جنازوں کی نماز بذات خود پڑھتے تھے یہ نماز نجات کے واسطے کافی ہوتی تھی۔ فتح القدیر میں ابن حبان اور حاکم سے روایت کی گئی ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو کوئی تم میں مرجایا کرے مجھ کو ضرور خبر کیا کرو فان صلوٰتی علیہ

رحمۃ بے شک میرا نماز پڑھنا اُس پر رحمت ہے۔

اور قرآن شریف سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وصل علیهم ان صلٰوتك سكن لهم۔

تفسیر اس کی ابن عباس نے یہ کی ہے کہ دُعا کر ان لوگوں پر بیشک تیری دعا ان کے لیے رحمت ہے۔

امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ رُوحِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہت قوی نورانی روشن تھی، جب آپ دعائے خیر اُن کے لیے کرتے تھے آپ کی قوتِ روحانی سے اُن کی رُوحوں پر فیضان ہوتا تھا اور چمک جاتی تھیں اس پرتوِ نورانی سے اُن کی رُوحیں۔ اور ظلمت مٹ کر نورانیت آجاتی تھی انتہیٰ کلامہ۔

اور ظاہر ہے کہ نماز جنازہ میں دُعا ہوتی ہے واسطے میت کے، پس حال حضرت کی دُعا کا قرآن اور قول صحابی اور تفسیر امام سے اور نیز حدیث سے معلوم کر چکے کہ کیا کچھ اس میں مقبولیت اور فیضانِ الٰہی ہے ہم اپنے مُوتیٰ پر جس قدر چاہیں ختم قرآن کریں اور کلمہ فاتحہ درود پڑھیں لیکن اس ایک دُعا کی برابری جو لبہائے سراپا رحمت حضرت محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمال مقبولیت اور محبوبیت کے ساتھ نکلتی تھی نہیں ہوتی۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علاوہ نماز کے اور طرح بھی مشکل کشائی فرماتے۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ دفنائے گئے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا ہم بھی آپ کے ساتھ دیر تک وہی پڑھتے رہے۔ پھر آپ نے اللہ اکبر پڑھا، ہم بھی پڑھتے رہے۔ پھر حضرت سے پُوچھا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: اس کو قبر نے دبا لیا تھا، اس تسبیح و تکبیر کی برکت سے اُس پر قبر ہر طرف

سے فراخ ہوگئی۔ روایت کیا اس کو امام احمد نے، کذا فی المشکوٰۃ۔

بھلا جہاں اس طرح پر مشکل کشائی اور دستگیری ہوتی ہو اگر ختم قرآن نہ کیا تو کیا حرج ہے، مل کر قرآن نہ پڑھا تو مل کر ذکر اللہ تو حضرت نے بھی واسطے میت کے قبر پر کیا۔ پس جواز کے واسطے ایک اشارہ عند الفقہا کافی ہے۔ اور بالفرض اگر عہدِ نبوی میں نہ پائے جانے کے سبب ختمِ قرآن کو بدعت کہیں، مثل قول سفر السعادۃ کے اس کا مضائقہ نہیں لیکن وہ حسنہ ہے ناجائز اور مکروہ تو کہنا ہرگز صحیح نہیں اس لیے کہ بہتیرے کام نیک حضرت کے بعد کیے گئے اور بالاتفاق جائز رکھے گئے اُس کا نام علماءِ دین نے بدعت حسنہ رکھا ہے۔ چنانچہ ہم اول تحقیق کر چکے ہیں اور اس مسئلہ میں بھی جزئی خاص پیش کرتے ہیں۔ فتاویٰ قُنیہ میں ہے:

وضع الید علی القبر بدعۃ والقراءۃ علیہ بدعۃ حسنۃ۔	قبر پر ہاتھ رکھنا بدعت ہے اور قبر پر قرآن پڑھنا بدعتِ حسنہ ہے۔

اور امام حجۃ الاسلام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے:

لاباس بقراءۃ القرآن علی القبور۔	(قبور پر قرآن کریم پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں)

اور اس جگہ امام نے ایک قصہ عجیب لکھا ہے علی بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھا ایک جنازہ پر بعد دفن کے ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا، امام احمد نے فرمایا: او آدمی! یہ کام بدعت ہے۔ جب ہم مقبرہ سے نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پُوچھا کہ تم مبشر بن اسمٰعیل حلبی کو کیسا جانتے ہو؟ فرمایا: وہ ثقہ یعنی معتبر ہے۔ اس نے پُوچھا، تم نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے؟ امام نے فرمایا: ہاں۔ جب معلوم ہُوا اقرار ان کے سے کہ وہ استاد ہیں امام احمد کے، تب وہ محمد بن قدامہ بولا: خبر دی مجھ کو مبشر بن اسمٰعیل نے، ان کو خبر پہنچی عبدالرحمٰن

سے کہ جب ان کے باپ علاء بن الحاج کا انتقال ہو گیا وصیت فرمائی کہ جب میں دفن کیا جاؤں میرے سرہانے قبر کے پنج آیت اور آمن الرسول پڑھو، اور یہ کہا کہ میں نے ابنِ عمر سے سُنا ہے وہ وصیت کرتے تھے اس بات کی۔ اُس وقت امامِ احمد نے فرمایا کہ مقبرہ میں جاؤ اور اس اندھے کو کہہ دو کہ قرآن پڑھتا رہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمة الله لا تکره و مشایخنا رحمهم الله اخذوا بقوله وهل ینتفع والمختار انه ینتفع کذا فی المضمرات۔	قبرستان میں قرآن پاک پڑھنا امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں، اور ہمارے مشائخ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے آیا اس سے قبرستان والوں کو کوئی نفع ہوگا یا نہیں، اس میں اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ نفع ہوگا جیسا کہ مضمرات میں ہے۔

اور فتح القدیر میں ہے:

واختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤا القرآن عند القبر والمختار عدم الکراهة۔	قرا حضرات کا قبرستان میں بیٹھنا تاکہ قبر کے پاس قراءتِ قرآن کریں اس میں علماء کا اختلاف ہے مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔

اور مولوی اسحٰق صاحب نے مائۃ مسائل کے سوال ہشتاد و سوم میں لکھا ہے:

حافظاں را برائے قرأت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است الیٰ آخرہ۔	حفاظ کا قرأتِ قرآن کے لئے قبر کے نزدیک بیٹھنا، اس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہے مختار یہی ہے کہ جائز ہے الیٰ آخرہ۔

پس اگرچہ صاحبِ سفر السعادت نے قرآن خوانی کو بدعت لکھا لیکن کلام

امام محمد اور امام احمد بن حنبل اور کتب فتاویٰ اور مولوی اسحٰق صاحب سے خوب ثابت ہوگیا کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں نہ جمع ہو کر، نہ الگ الگ، اور میت کو اس سے نفع ہوتا ہے۔ اور آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ختم قرآن نہ کرنے سے منع اور کراہت لازم نہیں آتی، اس لیے کہ آپ بہت افکار جہاد وغیرہ اور اصلاحِ اُمت اور تعلیم نو آموز مسلمانوں میں مصروف رہتے تھے اس قدر فرصت کہاں پاتے تھے۔ اور یہ بھی ہے کہ آپ کی ایک دُعا اور صرف نمازِ جنازہ پڑھ دینا ہمارے ختماتِ قرآن اور اجتماعاتِ اذکار سے نہایت افضل اور اکمل ہوتا تھا۔ اور بعد آپ کے انصار نے اموات پر قرآن پڑھنا شروع کر دیا اور ان کے پیچھے تمام امت میں رائج ہوگیا۔ چنانچہ عنقریب بیان آتا ہے۔ پس یہ روایتیں تو ہم نے قبر پر قرآن پڑھنے کی بیان کیں۔ اب سوائے قبر کے اور جگہ اگر جمع ہو کر پڑھیں اس کا کیا حکم ہے؟ اس کو ہم مانعین کی دُوسری سند میں بیان کریں گے۔

سند دُوسری مانعین اپنے رسائل میں نصاب الاحتساب کی عبارت نقل کرتے ہیں:

ان ختم القرآن جهرا بالجماعة ويسمّى بالفارسية سيپاره خواندن مكروه انتهى۔	جمع ہو کر ختم قرآن کرنا جسے فارسی میں سیپارہ خواندن (سیپارہ پڑھنا) کہتے ہیں مکروہ ہے انتہی

جواب اس کا یہ ہی کہ نماز کے اندر قرأت امام کا سُننا اور اس وقت چپ ہو جانا تو بالاتفاق فرض ہے لیکن اگر خارج نماز کے کسی مقام پر قرآن پڑھا جاتا ہو اس کے اجتماع میں اور سامعین کے خاموش ہو جانے میں اختلاف ہے بعض اس میں بھی فرض کہتے ہیں اور بعضے مستحب۔ جو علماء مستحب کہتے ہیں ان کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں جو لوگ جمع ہو کر قرآن پڑھیں بلند آواز سے، اور جو فرض

کہتے ہیں اُن کے نزدیک جائز نہیں۔ فتاوٰی قنیہ میں ہے:

یکرہ للقوم ان یقراء القرآن جملة لتضمنہا ترك الاستماع الانصات المامور بہا کذا فی فتاوٰی ابی الفضل الکرمانی وقیل لاباس بکذا اروی عن عین الائمۃ الکرباسی وعن نجم الائمۃ الحکیمی۔	مکروہ ہے قوم کو یہ کہ پڑھیں قرآن سب مل کر اس لیے کہ اس میں جھوٹ جاتا ہے سُننا قرآن کا اور چپ ہو جانا جس کا ہم کو حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے سُنا کرو اور چُپ ہو جایا کرو۔ یہ فتاوٰی ابی الفضل کرمانی میں ہے اور

بعضے کہتے ہیں کچھ ڈر نہیں جمع ہو کر قرآن پڑھنا، یہ روایت ہے عین الائمہ کرباسی اور نجم الائمہ حکیمی سے ۱۲۔

یہ دونوں روایتیں جواز اور عدمِ جواز کی حلبی نے شرح منیہ میں، اور دوسرے فقہاء نے بھی روایت کی ہیں، ان روایتوں سے دو فائدے پیدا ہوئے:

ایک تو یہ کہ جو لوگ علماءِ سلف میں منع کرتے ہیں انہوں نے یہ دلیل قائم نہیں فرمائی جو اس زمانہ کے مانعین قائم کرتے ہیں کہ جب حضرت کے وقت میں جو جمع ہو کر قرآن نہیں پڑھا گیا اس واسطے منع ہے بلکہ یہ دلیل بیان کی ہے کہ جب سب پکار کر پڑھیں گے تو قرآن شریف کا سُننا جو فرض ہے وہ ترک ہو گا۔

دُوسرا فائدہ یہ کہ جن عالموں نے منع کیا انہوں نے جہر سے پڑھنے کو منع کیا ہے چنانچہ نصاب الاحتساب کی عبارت میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں لفظ جہر صریح موجود ہے پھر یہ صاحب علی العموم ختمِ قرآن کو کیوں منع کرتے ہیں یہ بھی فرما دیں کہ پکار پکار کر نہ پڑھیں تاکہ بالاتفاق جائز ہو، اور اگر پکار کر پڑھیں گے بعضوں کے نزدیک جائز ہوگا اور بعضوں کے نزدیک نہیں۔ چنانچہ صاحبِ خزانۃ الروایات

نے کتاب مفید المستفید سے یہ فیصلہ نقل کیا ہے :

بدیں عبارت در سپارہ خواندن اختلاف است اگر خوانند چناں خوانند کہ یکدگر نشنوند۔	اس عبارت میں سپارہ پڑھنے میں اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر پڑھیں تو اس طرح پڑھیں کہ ایک دوسرے کا نہ سنے۔

اور مولوی اسحٰق صاحب سوال ہشتاد و سوم کے جواب میں خاص مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں :

حافظاں را برائے قرأت قرآن نشاندن نزد قبر دریں مسئلہ علماء را اختلاف است مختار ہمیں است کہ جائز است بشرطیکہ باواز بلند جمع شدہ قرأت نکنند انتہی	حفاظ کا قرأت قرآن کے لئے قبر کے نزدیک بیٹھنا، اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، مختار یہی ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ قرآن پڑھنے والے آواز بلند نہ کریں انتہی

خلاصہ یہ کہ جمع ہو کر آہستہ اگر قرآن پڑھیں خواہ قبر پر خواہ غیر قبر پر، یہ کسی کے نزدیک منع نہیں۔ دیکھو جمع ہو کر پڑھنا قرآن کا حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے مسلم نے روایت کیا ہے کہ "جس گھر میں آدمی جمع ہوتے ہیں اس لیے کہ تلاوت کریں کلام اللہ کی، اور پڑھیں آپس میں، اُترتا ہے اُن کے دلوں میں آرام قرار و طمانیت، اور سب طرف سے لے لیتی ہے ان کو رحمت، اور گرداگرد اُن کے پھرتے ہیں فرشتے۔" دیکھو یہ کس قدر فضیلت عظمٰی ہوئی !

علاوہ بریں قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الموتیٰ و القبور میں لکھتے ہیں :

حافظ شمس الدین بن عبد الواحد گفتہ از قدیم در ہر شہر مسلمانان جمع می شوند و برائے اموات قرآن می خوانند پس	(حافظ شمس الدین بن عبد الواحد نے فرمایا کہ قدیم زمانہ سے ہر شہر میں مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اموات کے لیے

اجماع شدہ انتہی۔ (قرآن خوانی کرتے ہیں۔ پس اجماع ہو گیا ہے) انتہی

اور کتب عربیہ میں اس کی عبارت یوں ہے:

یجتمعون و یقرؤن القرآن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعاً۔

آدمی جمع ہوتے ہیں اور پڑھتے ہیں قرآن اپنے موتی کے واسطے، کسی نے اس پر انکار نہیں کیا، تو یہ اجماع ہو گیا اہل اسلام کا ۱۲

لفظ من غیر نکیر صاف بول رہا ہے کہ پہلے اس میں کوئی اختلاف نہ کرتا تھا، اور ملا علی قاری اور سیوطی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی سب لکھتے ہیں:

عن سفیان قال کان الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ و یقرؤن القرآن۔

روایت ہے سفیان سے کہ انصار کی یہ عادت تھی کہ جب مرتا کوئی میت ان کا، تو جاتے وہ اس کی قبر پر اور پڑھتے تھے قرآن ۱۲

اور علامہ عینی شرح ہدایہ کے باب الحج عن الغیر میں لکھتے ہیں:

ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر و زمان و یقرؤن القرآن و یہدون ثوابہ موتاھم وعلی ھذا اھل الصلاح والدیانۃ من کل مذھب من المالکیۃ والشافعیۃ و غیرھم ولا ینکر ذلک منکر فکان اجماعا انتہی۔

بیشک مسلمان جمع ہوتے رہے ہیں ہر عصر اور زمانہ میں اور پڑھتے رہے قرآن اور پہنچاتے رہے ثواب اس کا اپنی موتی کو اور اسی بات پر جمع ہیں صلاح اور دیانت والے ہر مذہب کے مالکی اور شافعی وغیرہ اور نہیں انکار کرتا اس کا کوئی منکر، پس ہو گیا یہ اجماع اس

سے معلوم ہوا کہ انکار وہی کرتے ہیں اس زمانہ میں جو صلاح و دیانت والے نہیں ہیں ۱۲

مجموع ان روایات سے یہ معلوم ہو گیا کہ مذاہب اربعہ اہل سنت و جماعت کے تمام علمائے دیندار محقق اور صلحاء ہر شہر میں قدیم قدیم سے جمع ہو کر قرآن اموات کے واسطے پڑھتے رہے ہیں اور کوئی ان پر انکار نہیں کرتا تھا اور مراد یہ ہے کہ کوئی بڑا عالم محقق جس کی سند پکڑی جائے اور اس کا انکار انکار شمار کیا جائے ایسا شخص کوئی نہیں منع کرتا تھا ———— اور کم درجہ کے علماء میں اگر کسی نے انکار کیا تو وہ رد کیا گیا اُس کے قول پر عمل نہیں ہوتا تھا عمل اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی پر رہا ہے بالاتفاق والاجماع کہ پڑھنا قرآن مجید کا مجتمع ہو کر قبر پر اور مکانات پر بھی جائز ہے۔

اجتماعِ اہلِ اسلام کی وجہ
چوتھا امر مجتمع ہونا عزیزوں اور دوست آشناؤں کا واسطے

پڑھنے کلمہ اور قرآن کے، سو وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک لاکھ کلمہ وارثِ میت پڑھ نہیں سکتا، اگر کوئی ہمت کرے گا بھی تو مدتوں میں تمام ہوگا، یہاں میت کا ابھی کام تمام ہوا جاتا ہے اُس کے حق میں جلدی چاہیے، پس لابد ہوا کہ دوست آشنا ایسی حالت میں ورثاءِ میت کی مدد کریں کہ اُن کے ساتھ مل کر جلد انجام کار فرما دیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

تعاونوا علی البرّ والتقوٰی۔ یعنی آپس میں مدد کرو نیک کام اور تقویٰ پر۔

اور یہ بھی ہے کہ جب وارثانِ میت نے یہ جلسہ ذکر کا منعقد کیا تو جس قدر مومنین طالبِ حسنات ہیں سب کو اس میں شریک ہونا موافق حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے موجب خیر و سعادت ہوگا،

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا۔ جب تم گزرو جنّت کے باغ و سبزہ زار میں تو وہاں چَرو۔

'چرنے' سے مراد یہ کہ خوب پیٹ بھر کے ثواب حاصل کرو۔

لوگوں نے پُوچھا، بہشت کے باغات اور سبزہ زار کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا، حلق الذکر یعنی جہاں جماعتیں ذکر کرنے والوں کی حلقہ مارے بیٹھی ہیں۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے کذا فی المشکوٰۃ۔

اب ہم پُوچھتے ہیں کہ اس جلسہ میں جو قرآن اور کلمہ پڑھا جاتا ہے یہ ذکر اللہ ہے یا نہیں؟ اگر کہتے ہو کہ نہیں تو کیا گُل بکاؤلی اور فسانہ عجائب ذکر اللہ ہوگا۔ اور اگر کہو کہ ہاں یہ مجلس مجلسِ ذکر ہے، تو ہم کہیں گے کہ موافق ارشاد مخبرِ صادق یہ مجلس باغ اور سبزہ زار جنّت ہے پھر اس میں چرنے سے کیوں منع کرتے ہو۔ اوپر گزر چکا کہ اہلِ اسلام کا اجماع ہے اور کسی نے انکار نہیں کیا اس پر کہ مسلمان جمع ہو کر میّت کے لیے پڑھیں، پس یہ اجماع ثابت الاصل ہے اس کو ممنوع اجتماع الیٰ اہل المیت میں داخل کرنا جو حدیث جریر بن عبد اللہ سے سمجھا جاتا ہے عقل و فہم سے بہت دور ہے، افسوس ایک وہ لوگ تھے کہ کسی امر مکروہ کو دیکھتے تھے اور اس میں کچھ خیر و بہتری ہوتی تھی تو اُس خیر کے باعث مکروہ سے چشم پوشی کرتے تھے۔

عیدگاہ میں بعد نمازِ عید نفل پڑھنا ممنوع ہے، حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک شخص کو وہاں نفل پڑھتے دیکھا اُس کو آپ نے منع نہ فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! آپ اس آدمی کو منع نہیں فرماتے؟

آپ نے جواب دیا کہ مجھ کو خوف آتا ہے مبادا اُن لوگوں میں شریک ہو جاؤں جن کو اللہ تعالیٰ نے جھڑکا ہے،

ارأیت الذی ینھیٰ عبداً اذا صلّیٰ ۔ — تُو نے دیکھا اُس کو جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وُہ نماز پڑھتا ہے ۔

یہ قصہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا دُرِمختار اور دوسری کتبِ فقہ میں موجود ہے ۔ اور درمختار میں اس مقام پر یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ عیدگاہ کے رستہ میں تکبیر نہ کہے اور نفل بھی نہ پڑھے قبل نماز، پھر یہ لکھا :

اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلا نفلة رغبتهم فی الخیرات ۔

اور فقیہ شامی نے اس کی شرح یُوں لکھی :

لاسرا ولا جهرا فی التکبیر ولا قبل الصلوٰة بمسجد او بیت اوبعدها بمسجد فی التنفل ۔

ان دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ عام آدمیوں کو منع نہ کیا جائے تکبیر سے روزِ عید، خواہ پکار کے کہیں یا آہستہ ۔ اور نفلوں سے کبھی منع نہ کریں خواہ قبل نمازِ عید پڑھیں یا بعد مسجد میں پڑھیں یا اپنے گھر میں، اس لیے کہ عام آدمی پہلے ہی خیرات وحسنات کی طرف رغبت نہیں رکھتے ، وُہ لوگ جس طرح خدا کا نام لے لیں غنیمت ہے ۔

اب دیکھیے ایک وُہ دَور صحابہ کا تھا کہ حضرت علی نے یہ خیال فرمایا کہ گویا ہیئت کراہت کی اس نماز میں عارض ہے کہ بعد نمازِ عید عین عیدگاہ میں خلاف طریقہ سنّت نماز پڑھتا ہے لیکن پھر بھی یہ فعل خیر تو ہے اللہ تعالیٰ کی یاد تو کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کی حضوری میں ہے منع نہ فرمایا اور منع کرنے میں خوفِ الٰہی کیا ، اور کیوں نہ کرتے وہی لوگ ڈرا کرتے ہیں اللہ سے، جن کے دلوں میں خوفِ الٰہی ہوتا ہے ۔ ایک یہ دور آخری ہے کہ روزِ معیّن میں

اجتماعِ اخوان کو اپنے خیال میں مکروہ بنا کر کلمہ اور قرآن سے منع کر کے بھی خدا سے نہیں ڈرتے۔

پانچواں امر معین کرنا روز تیسرا۔ تیسرا دن معیّن کرنا

واضح ہو کہ معیّن کر لینا کسی روز کا واسطے کسی مصلحت کے شرع شریف میں وارد ہے۔ حضرت شفیق رحمۃ اللہ علیہ جو کبار تابعین مقبولین سے ہیں اور شاگرد عبداللہ ابن مسعود کے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن مسعود وعظ فرماتے تھے ہر جمعرات کے دن۔ جب لوگوں نے کہا: روز وعظ فرمایا کیجئے۔ جواب دیا: مجھ کو پسند نہیں آتا کہ تم کو تنگ کروں روز کہہ کہہ کر، جس طرح میں وعظ کہتا ہوں اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم کو وعظ فرماتے تھے۔ یہ روایت مسلم اور بخاری اور مشکوٰۃ میں موجود ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے دن جمعرات کا مقرر کر لیا تھا وعظ کے واسطے، اور یہ اُن کے بیان سے سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دن مقرر کر رکھا تھا حالانکہ کلام اللہ سے وعظ کے لیے کوئی قید کسی دن کی معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ قرآن شریف میں وارد ہے:

وذکر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین۔	اور نصیحت کر ان کو بیشک نصیحت کرنا نفع دیتا ہے ایمان والوں کو۔

اس میں قید دن کی نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے جو دن معین کیا تو کچھ مصلحت اُس وقت کی سمجھ کر دن جمعرات کا مقرر کیا تھا۔ ہمارے اس وقت میں اکثر علماء نے جمعہ کا دن معین کر رکھا ہے کیونکہ

اس زمانہ میں یہ مصلحت ہے کہ جمعہ کی نماز کو ہر طرف سے آدمی اطراف و مواضع سے خواندہ ناخواندہ جمع ہوتے ہیں ایسے مجمع میں وعظ کہنے سے فائدہ عام ہوتا ہے، جمعرات میں یہ نفع متصور نہیں۔

تنقیح یہ حدیث اصل عظیم ہے اربابِ تفقہ فی الدین کے لیے، اگر کوئی دن کسی امرِ خیر کے لیے بباعث بعض مصلحت معین کیا جائے تو جائز ہے، امام بخاری نے اس حدیث سے تعینِ یوم پر سند پکڑی ہے اور ترجمہ یہ قرار دیا:

باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومۃ۔ — باب اس بارے میں جو اہلِ علم کیلئے دن مقرر کرتے ہیں۔

اب ہم یاد دلاتے ہیں اس مقام پر قول مولوی اسمٰعیل صاحب کا جو تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان میں ہے کہ جو امر قرونِ ثلثہ میں بلانکیر جاری نہ ہوا اور نہ اُس کی مثل و نظیر پائی گئی وہ بدعت ہے انتہٰی ملخصاً اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی چیز بعینہٖ اُس زمانہ میں نہ ہوئی لیکن اُس کی نظیر اُس وقت میں پائی گئی وہ بدعت نہ ہوگی۔

اور براہینِ قاطعہ ص ۲۹ میں ہے جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہُوا یا نہ ہُوا اور خواہ اس کے جنس کا وجود خارج میں ہُوا ہو یا نہ ہُوا ہو وہ سب سنّت ہے انتہی

دوسرا قول براہین قاطعہ ص ۵۶ قرآن و حدیث و قولِ صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہی ہو فقہا کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اُس کلیہ سے صدہا مسائل جزئیہ جملہ ابواب فقہ کے ثابت کرتے ہیں انتہی

اب ہم ان اقوال مسلّمہ منکرین کو مسئلہ متنازعہ فیہا میں رواں کرتے ہیں

واضح ہو کہ جس طرح موعظت اور امر بالمعروف اور تعلیمِ علم ایک امرِ خیر ہے اور کسی موقع میں فرض کسی موقع میں سنّت و مستحب۔ اسی طرح محتاجوں کو کچھ دینا یا کھلانا امرِ خیر ہے اور مراتب اُس کے متفاوت بعض مقام پر سنّت و مستحب اور بعض مواقع پر فرض ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

وتفرض علی الناس اطعام المحتاج فی الوقت الذی یعجز عن الخروج والطلب۔

یعنی محتاج کو ایسے وقت میں کھلانا آدمیوں کے ذمہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ عاجز ہو نکل کر کمائی کرنے سے۔

پس سوم و دہم و چہلم میں بعض افراد محتاجین ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی خبرگیری فرض ہے اور بعضوں کی سنّت یا مستحب ہے۔ پس وارث میّت اطعام کے بعض افراد میں عامل فرض اور بعض میں مودی سنّت و مستحب ہوگا جس طرح واعظ کہ جس موقع میں امر بالمعروف مستحب تھا وہاں فاعل مستحب ہوئے جہاں فرض تھا عامل فرض ہُوئے۔

پس حضرت ابنِ مسعود کا دن معیّن کرنا تعلیمِ علم و امر بالمعروف کے لیئے نظیر ہے واسطے دن معین کرنے صدقات و فاتحہ کے۔ یعنی انفاق فی سبیل اللہ و قرأت کلام اللہ علی الدوام جائز اور ثابت الاصل ہے، جس طرح وعظ کرنا علی الدوام ثابت ہے۔ لیکن تیسرا دن اور اسی طرح بستم و چہلم وغیرہ مخصوص کیے گئے واسطے مصلحت کے جس طرح جمعرات کو وعظ کے لیے مخصوص کیا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے پس جبکہ اس تعیّن یوم فاتحہ کی نظیر وہ تعیین اُس زمانہ میں پائی گئی تو یہ تعیّن بدعت نہ ہوا اور وُہ تعیّن ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا اگرچہ ایک قضیہ جزئیہ ہے لیکن از رُوئے تفقہ فی الدین اس سے ایک کلیہ پیدا ہوا وہ وہ ہے جو اوپر لکھ چکے کہ معیّن کر لینا دن کا

کسی امر خیر کے واسطے بعض مصالح کے سبب جائز ہے۔ یہ ایک مفہوم کلّی ہے جس کے نیچے بہت افراد جو متغائر بالتشخیص اور متحد بالحقیقت ہیں داخل ہیں، اور ٹھہر چکا ہے اپنے محل میں کہ نوع کا مقتضی طبعی نہیں بدلتا۔ پس جبکہ ایک فرد تعیین کا حکم صدر اوّل میں بحدیث صحیح معلوم ہو چکا تو افراد باقیہ کو تعیین میں بھی وہی حکم جواز جاری وساری ہوگا۔ اور یہ بھی جاننا چاہئے جب یہ ثابت ہو چکا کہ نوع تعیین یوم کا ایک فرد اُس وقت موجود تھا تو فی الحقیقت یہ سب افراد تعین اُس وقت بوجود معنوی و وجود شرعی موجود تھے گو وجود خارجی و ظہور اُن کا کسی آئندہ وقت میں ہو جائے الیٰ یوم القیمۃ۔

اور زبان سے نیتِ نماز کا مسئلہ یاد رکھنا چاہیے کہ فقط حج میں تلفظ ثابت ہوا تھا پھر وضو اور نماز روزے میں خواہ وہ فرض ہوں یا واجب یا سنّت سب میں جاری ہوگیا کما ھو مصرح فی الفقہ۔ وجہ اُس کی یہ ہے کہ جب حکم ایک فرد عبادت میں ثابت ہوا تو سب میں ثابت ہُوا، اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلاتہ یری ان حقا علیہ ان لا ینصرف الا عن یمینہ۔	تم میں سے کوئی ایک شیطان کے لئے اپنی نماز کا حصہ نہ بنائے یہ رائے دیتے ہوئے کہ نماز کے بعد دائیں جانب پھرنا اُس پر لازم ہے۔

بعد نماز داہنی طرف سے واجب جان کر پھرنے کی نہی کو شامل تھا لاغیر لیکن طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایک کلیہ پیدا کرلیا کہ من اصر علی مندوب الیٰ آخرہٖ یعنی جو کوئی کسی امر پر وجوباً عمل کرے گا اس میں شیطان کا حصّہ ہوگا۔ افسوس آتا ہے اُن صاحبوں کے حالات پر کہ اپنے مطلب میں یہ شدّ و مدّ سے تحریر کہ قولِ صحابی سے اگرچہ جزئیہ ہو فقہاء کلیہ نکال لیتے ہیں اور پھر اس کلیہ سے صدہا مسائل جزئیہ

جملہ ابواب فقہ کے ثابت کرتے ہیں، جیسا کہ قریب گزرا، پھر کیا وجہ ہے کہ تعیین یوم میں فعلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود، بعدازاں فعلِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود۔ اور صحیح حدیث متفقٌ علیہ سے اس کا ثبوت ہے اس سے کیوں کلیہ پیدا کر کے بہت سے مسائل تعیینِ یوم کو طے نہیں کر لیتے!

اب ہم شروع کریں اس بیان کو کہ سیوم میں وہ مصلحت کہ جس کے لیے تعیینِ یوم واقع ہوئی کیا ہے! تعیین مفید ہے وارثانِ میت کو اور نیز جمیع قرآن وکلمہ پڑھنے والوں کو وارثوں کے لیے اس طرح مفید ہے کہ تعیّن اور تقرر کی قید میں خوب خیال چڑھا رہتا ہے دل پر کہ یہ کام کرنا ضروری ہے، پس نہیں فوت ہوتا اُن سے یہ کام، اور جو لوگ معیّن نہیں کرتے اُن کا کام کبھی کا کبھی ہوتا ہے بلکہ بہتیرے آدمیوں سے فوت ہو جاتا ہے، جو لوگ جمعرات کی تعیین میں روٹی فاتحہ اموات کی نیّت سے کھلا دیتے ہیں وہ تو کھلا دیتے ہیں اور جنہوں نے تخصیص کو بدعت کہا اُن کو ہفتہ کے ہفتہ بلکہ مہینے گزر جاتے ہیں۔ روٹی گھر سے نہیں نکالتے اور نافع ہونا اس تعیین تاریخ کا دوسرے آدمیوں کو اس وجہ سے ہے کہ اگر دن غیر رہتا تو کوئی کسی دن پڑھنے آتا اور کوئی کسی دن. کام اسلوب کے ساتھ اور جلد نہ ہوتا، دن مقرر ہونے سے عین ایک میعاد پر سب جمع ہو جاتے ہیں اور خوش انجامی سے کام تمام ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر تم کو جلدی ایصالِ ثواب اور امدادِ میت منظور ہے تو دفن سے اگلے دن کیوں نہیں ختم کرا لیتے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہم دُوسرا دن مقرر کرتے اس پر بھی تم اعتراض کرتے کہ دوسرا دن کیوں مقرر کیا، تعیین بدعت ہے۔ علاوہ ازیں مصلحت اس میں یہ دیکھی گئی کہ روزِ دفن برادری کے آدمی اور دوست آشنا دیر تک تجہیز وتکفین میں

رہتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کسی میت کی قبر کنی اور غسل و تکفین وغیرہ میں ایک ایک پہر اور بعض جگہ دو دو پہر کم و بیش لگ جاتے ہیں اگر دوسرے دن بھی چھ گھڑی یا پہر بھر کی محنت واسطے ختم قرآن اور کلمہ طیبہ کے دی جاتی تو متواتر پے در پے آنا کسی قدر دشوار ہوتا اس لیے ایک دن بیچ میں آسائش دے کر تیسرا دن معین کیا گیا۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ وارثان میت کی تعزیت کے واسطے شرع شریف میں تین روز مقرر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے؛

ولا باس لاھل المصیبۃ ان یجلسوا فی البیت او فی المسجد ثلثۃ ایام والناس یأتونہم و یعزونہم۔

یعنی کچھ مضائقہ نہیں مصیبت زدوں کو بیٹھنا گھر میں یا مسجد میں تین روز تک اس میں آدمی آئیں گے ان کے پاس اور تعزیت[1] کریں گے یعنی تسلی اور تشفی دیں گے اہل ماتم کو انتہی

---

[1] تعزیت کے ساتھ ساتھ میت کے لیے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت صحابہ ہے۔ شیخ الحدیث علامہ مولانا غلام رسول رضوی مدظلہ، تفہیم البخاری ج ۶ ص ۷۰۱ پر رقمطراز ہیں؛

فاتحہ خوانی میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور میت کو ثواب بھیجنا

جب ابو عامر کے شہید ہو جانے کے بعد ابو موسیٰ اشعری نے اُن کا پیغام دعا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا تو آپ نے وضو کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر ابو عامر کے لیے دعا کی۔ ابن حجر عسقلانی نے کہا: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے ارادہ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

پس تیسرے دن کے معین کرنے میں یہ بھی مصلحت سمجھی گئی کہ ان ایام میں آمد ورفت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے وقت وضو کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنا مستحب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا میں فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَوْقَ کَثِیْرٍ مِّنْ خَلْقِکَ مِنَ النَّاسِ۔

اے اللہ! ابُو عامر کو قیامت کے دن اپنی کثیر مخلوق پر فضیلت دے۔

مسلم شریف جلد ۲، صفحہ ۶۸ پر حدِ زنا میں ہے:

ماعز رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے دستِ اقدس میں ہاتھ رکھ کر کہا، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے پتھروں کے ساتھ قتل کر دیں (ماعز کے فوت ہونے کے بعد) حضرات صحابہ کرام دو یا تین دن افسوس کے لیے بیٹھے رہے اس اثناء میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور سلام کہنے کے بعد اُن میں بیٹھ گئے اور فرمایا: "ماعز بن مالک کے لیے دُعا کرو۔"

اس روایت سے صحیح بخاری (باب غزوۂ اوطاس) کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام فوت ہونے والے کے بعد اس کے لیے دُعا کرنے بیٹھتے تھے اور ہاتھ اٹھا کر دُعا کرتے تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کام ایک بار کریں وہ اُمت کے لیے مسنون ہوتا ہے۔ لہٰذا فاتحہ خوانی کے وقت ہاتھ اٹھا کر دُعا کرنے کو بدعت کہنا بہت بڑی جسارت ہے، حالانکہ یہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابنِ ماجہ میں "باب من لا یرفع یدیہ فی القنوت" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ؛

"جب تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں اپنے منہ کی طرف۔"

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب میں تو اختلاف نہیں اگر فاتحہ اور تین بار سورۂ اخلاص پڑھ کر دعا کریں اور میت کو ثواب ایصال کریں تو اس میں شرعاً کچھ حرج نہیں۔ ابو داؤد کے ابواب الوصایا میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛

اگر میت مسلمان ہو اور تم اس کی طرف سے غلام آزاد کر دیا خیرات کر دیا حج کر دو اس کا ثواب اس کو پہنچ جاتا ہے۔"

ترمذی شریف میں ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا ؛ یا رسول اللہ ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری والدہ فوت ہوگئی ہے اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو نفع ہوگا ؟ فرمایا : ہاں نفع ہوگا۔ اُس نے کہا ؛ میرا ایک باغ ہے میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے وہ اپنی والدہ کی طرف سے صدقہ کیا۔

(ترمذی ج ۱ ص ۸۵)

ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا "تم میں سے کون ہے جو مسجدِ عشار میں میرے لیے دو رکعتیں یا چار رکعتیں پڑھے، پھر کہے یہ ابو ہریرہ کے لیے ہے۔" اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نفلی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

مؤمنین سہولت سے ممکن ہوگا، اور یہ بھی ہے کہ جو قرب وجوار کے مواضع وقصبات میں اُن کے اقربا دوست آشنا رہنے والے ہیں بعد وصول خبر وفات وہ بھی اکثر شریک امداد وفاتحہ وختم قرآن وکلمہ طیبہ کے ہوجائیں گے۔ پس تعین تیسرے دن کی مبنی اس مصلحت پر ہے اور جو کچھ اس میں پڑھا جاتا ہے کلمہ اور قرآن، اس کا بیان بہت وضاحت سے اُوپر ہو چکا۔ اور یہ تعین کچھ ہماری مقرر کی ہوئی نہیں بلکہ قدیم الایام سے علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین کی قرار دی ہوئی ہے۔ ایک مختصر دلیل اس پر یہ ہے کہ مُلّا علی قاری اور سیوطی اور علامہ عینی وغیرہم کے کلام سے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صحیح بخاری میں "باب الجرید علی القبر" کے باب میں ہے کہ بُریدہ اسلمی نے وفات سے پہلے وصیت کی کہ اس کی قبر پہ دو تر شاخیں رکھ دی جائیں، کیونکہ ہر شئے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور اللہ کے ذکر سے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَعَلَّہٗ یُخَفَّفُ عَنْہُمَا اِلٰی اَنْ یَّیْبَسَا۔

یقیناً خشک ہونے تک اِن دونوں انسانوں سے عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا کہ جب درخت کی تر شاخ کے تسبیح کرنے سے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے تو قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے سے بطریقِ اَولیٰ تخفیف ہوگی۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم۔ (ماخوذ از تفہیم البخاری جلد ششم صفحہ ۱۷، ۱۸ تا ۱۹، ۲۰ از شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی، فیصل آباد)

محمد شریف گل

جمیع مذاہب کے علماء وصلحا کل شہروں میں کل زمانوں میں جمع ہو کر ختم قرآن کرتے رہے ہیں اس پر اجماعِ اُمت ہے۔ پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ کل شہروں اور ملکوں میں ہندوستان تو بڑا ملک ہے اس میں بہت شہر ہیں پس ضرور ہے کہ یہاں کے علماء وصلحا نے بھی جمع ہو کر پڑھنے کا طریقہ اپنے ملک ہندوستان میں بلاشبہ جاری کیا ہوگا ہم جو خوب تلاش کرتے ہیں اور فکر کرتے ہیں تو ہندوستان کے دور دور شہروں میں یہی طریقہ قدیم الایام سے جاری دیکھتے ہیں اور ہم اپنے آباء واجداد سے اور ہمارے آبا واجداد اپنے آبا واجداد سے اسی طرح سنتے اور دیکھتے آئے ہیں سیکڑوں برس کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے، پس یہ لا بد قرار دادِ علماءِ سابقین اور صلحاءِ قدیم کا ہے البتہ جس وقت عوام اس مجمع سیوم میں بعض باتیں خلافِ شرع کرنے لگے اُس وقت ایک وجہِ خاص کے سبب علماء اس کو منع کرنے لگے۔ چنانچہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام شرح سفر السعادۃ میں صاف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے؛

اما ایں اجتماع مخصوص روز سیوم و ارتکاب تکلفات دیگر صرف اموال بے وصیت از حق یتامٰی بدعت است وحرام انتہی کلامہ۔

لیکن تیسرے دن میں یہ خاص اجتماع اور تکلفات کا ارتکاب کرنا، دوسرے بغیر وصیت یتیموں کے حق مال خرچ کرنا بدعت و حرام ہے انتہی کلامہ

اہلِ انصاف دیکھیں کہ اس کلامِ شیخ سے جو صاحب سیف السنہ وغیرہ قرآن اور کلمہ پڑھنے انکار روز سیوم میں نکالتے ہیں کیسی بے منصفی ہے اس سے تو اجماع للقراءۃ کی قباحت نہیں نکلتی بلکہ اجتماع مخصوص اُن ایام کا جو خاص زمانہ شیخ میں بعض منہیات کے ساتھ ہوتا تھا جس کی طرف اشارہ لفظ ایں اجتماع مخصوص واقع ہے اور نیز اپنے ترجمہ فارسی مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں لکھتے ہیں؛

باک نیست بہ نشستن تا سہ روز درخانہ یا در مسجد و آنچہ مردم دریں زمان از تکلفات کنند ہمہ بدعت و شنیع نامشروع است۔

تین دن تک گھر یا مسجد میں بیٹھے میں کوئی حرج نہیں اور جو لوگ ان دنوں میں تکلفات کرتے ہیں یہ بدعت ناپسند اور نامشروع ہے۔

غرض ان کے کلام سے اس اجتماع مخصوصہ کی بُرائی اور یتیموں کے حق ضائع کرنے اور تکلفات کرنے کی ممانعت پائی گئی اور اس عبارت سے پہلے جو سفر السعادت کی عبارت بدعت ہونے ختم قرآن میں تھی اس کا جواب ہم بیان امر تیسرے میں دے چکے ہاں البتہ تکلفات کرنے موتی میں ممنوع ہیں۔ چنانچہ بعض آدمیوں نے بعض شہروں میں نئے نئے تکلفات ایجاد کئے تھے جن کا ذکر نصاب الاحتساب میں ہے:

یقطعون اوراق الاشجار و یتخذون منہ شیئا علی صورۃ الاشجار و یزینون بہا حول القبر ویلبسون القبر ثیاب الحریر إذا کان المیت من اھلہ ای کان یلبس ذلک ویحضرون المجامر المصورۃ بتماثیل ذوات الارواح کالبازی ونحوہ فانہ مکروہ ویبسطون الفرش و یقوم الشاعر فیمدح المیت بما لم یفعلہ وانہ کذب ویحضرون المصاحف فی المقابر ویضعونہا فی المجلس ولا یقرءون ینتظرون حضور الصدر فان فتح المصحف واخذ الناس فی القراءۃ ثم حضر الصدر لغضب علیہم وھل ھو الا أمر النفس الامارۃ بالسوء انتہی کلامہ تلخیصا وفی حاشیۃ خزانۃ الروایات الناس یہیئون الریحان والورد فی الاطباق وماء الورد فی القماقم۔

یعنی درختوں کے پتوں کو اس طرح تراشتے ہیں کہ صورت عین درختوں کی اُس میں پیدا ہو جاتی ہے اور گرد قبر کے اُن پتوں کو سجاتے ہیں اور قبر پر ریشمیں

غلاف ڈالتے ہیں اگر وہ میت پہنتا تھا اپنی زندگی میں ریشم' اور لاتے ہیں انگیٹھیاں جس میں بازو غیرہ جانوروں کی تصویر ہو' یہ مکروہ ہے اور بچھاتے ہیں فرش یعنی تکلفی اور ڈوم جھاٹ کھڑا ہو کر اس مُردہ کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے اور لیجاتے ہیں گور پر قرآنوں کو' اور رکھ دیتے ہیں پڑھتے نہیں جب تک رئیسِ مجلس نہ آجائے اور اگر اُس سے پہلے قرآن پڑھنے لگیں تو وُہ خفا ہوتا ہے یہ نفس امارہ کی شامت ہے یہ نصاب الاحتساب کے چُنے ہوئے فقرے ہیں اور خزانۃ الروایات کے حاشیہ میں ہے کہ تیار کرتے ہیں آدمی پُھول پھلواری اور گلاب کے پھول طباقوں میں' اور عرقِ گلاب بھرتے ہیں قمقموں میں انتہیٰ۔

اب خیال کرنے کا مقام ہے کہ ورثہ میت تو مصیبت زدہ ہوتے ہیں اُن کو سرُور کا سامان ایامِ مصیبت میں کرنا اور بعض امورِ محرمہ اور مکروہہ سے زینت دینا کون گوارا کرے گا۔ چنانچہ مفتیانِ دین نے اس کو منع کیا اور تمام عالم نے اس کو مان لیا۔

اب دیکھیے یہ باتیں کون نہیں کرتا، البتہ ایک یومِ معیّن میں جمع ہو کر کلمہ کلام پڑھ دیتے ہیں۔ اب جو بعضے علماء تشدد کرتے ہیں محض تعیّنِ یوم کے سبب سے قرآن اور کلمہ کو بھی مکروہ کہہ دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ اور دلیل اُن کی دو ہیں:

ایک یہ کہ نماز میں معیّن کر لینا سُورت کا مکروہ ہے تو ایصالِ ثواب کے واسطے بھی تیسرا دن خاص کرنا مکروہ ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اگر ہم کسی امر کو قیاس کرتے ہیں تو تم کہا کرتے ہو قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے اور خود اپنے لیے قیاس کرتے ہو تو جائز ہے، یہ بے منصفی نہیں تو اور کیا ہے! اس سے قطع نظر تعیّنِ یومِ فاتحہ وغیرہ کو قیاس نماز پر کرنا خود صحیح نہیں اس لیے کہ امام شافعی کے نزدیک تو تعیّنِ سُورت مکروہ ہی نہیں' اور حنفی

کے نزدیک جو مکروہ ہے تو امام طحاوی اور اسبیجابی وغیرہ محققین کے کلام سے اس کی کراہت دو سبب سے ہے :

(۱) یا تو یہ کہ پڑھنے والا اُس کو یہ اعتقاد کرے کہ ایسی ایک سُورۃ کا پڑھنا واجب ہے دُوسری سُورت پڑھوں گا تو اس میں نماز نہ ہوگی یا ہوگی تو مکروہ ہوگی۔

(۲) دوسرا سبب یہ کہ جاہل لوگ اسی ایک سورت کو جب پڑھتے دیکھیں گے مبادا وہ لوگ یہ اعتقاد کریں کہ نماز میں بھی ایک سورت واجب ہے دوسری نہیں۔

یہ مضامین فتح القدیر اور شامی اور برہان وغیرہ میں ہیں اور غالباً وجہ کراہت کی وہی سببِ اول ہے یعنی واجب جاننا تعینِ سورت کا۔ چنانچہ حدیثِ صحیح میں اس کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ صحیحین میں ہے کہ ایک آدمی امام تھا وہ ہر رکعت میں قُل ھو اللّٰہ ضرور پڑھا کرتا تھا، بخاری کی روایت میں ہے کہ مقتدی لوگ اس سے اُلجھے، اُس نے جواب دیا کہ میں تو اس سُورت کو نہیں چھوڑتا تمہارا جی چاہے مت پڑھو میرے پیچھے نماز۔ انجام کار یہ مرافعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک کیا گیا آپ نے اس سے پُوچھا کہ تُو کیوں نہیں مانتا اُن کی بات ؟ اور کیوں التزام کر رکھا ہے تُو نے اس سورت کا ہر رکعت میں ؟ اس نے کہا : مجھ کو پیاری لگتی ہے یہ سُورت۔ آپ نے ارشاد فرمایا :

اخبروہ ان اللّٰہ یحبہ۔ یعنی خبر دو اس کو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔

اور ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ فرمایا :

حبك ایاھا ادخلك الجنۃ۔ یعنی تُو جو اس سورت کو دوست رکھتا ہے اس کو دوست رکھنے نے تجھ کو جنت میں داخل کر دیا۔

اِس قصہ سے معلوم ہوا کہ تعیینِ سورت کو واجب اعتقاد کرنا ہی موجبِ کراہت تھا۔ جب اُس شخص نے اپنا وُہ اعتقاد ہونا نہ بیان کیا بلکہ یہ کہا کہ مجھ کو اس سُورت سے محبّت ہے۔ تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعیّن اور التزام و دوام کو منع نہ فرمایا، اور یہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رفع اشتباہ عقیدۂ عوام کے لیے اس تعیّن کو کبھی ترک کر دیا کرا اس لیے کہ جب وہ بالمشافہ کہہ چکا کہ میں محبّت کے سبب پڑھتا ہُوں یعنی واجب نہیں جانتا تو جس طرح ترک احیاناً سے رفع اشتباہ متصور تھا وہ تصریحِ زبانی سے ہوگیا۔ یہ بات بھی قابلِ استحضار ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ تعیّنِ سوم میں بھی وہ علّتِ کراہت مفقود ہے، سب جانتے ہیں کہ اموات کے لیے ایصالِ ثواب ایک امرِ مستحب ہے فرض و واجب کوئی نہیں اعتقاد کرتا۔ جب اصلِ ایصال واجب و فرض نہ ہوا تو تعیّنِ یومِ سوم کو کون نادان فرض و واجب کہہ دے گا!

علاوہ برآں یہ تخصیص تیسرے دن کی جو جاری ہے وہ مبنی بعض مصلحتوں پر ہے جیسا کہ اُوپر بیان ہو چکا اور سہولت سے انجام کار ہو جاتا ہے اور خود فقہ میں بھی تعیّن سُورت کے باب میں امام طحاوی نے تصریح کی ہے:

اما اذا الازمہا لسہولتہا علیہ فلا یکرہ بل یکون حسنا کذا فی البرھان۔	جب لازم پکڑا کسی نے اُس کو یعنی سورت کو بسبب سہولت کے، تو کچھ مکروہ نہیں بلکہ اچھی بات ہے یہ برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے ۱۲

اور قہستانی میں ہے:

فلو قرأ للسنۃ او للیسر فلا باس بہ۔	اگر اس نے سنت اور آسانی کے لئے معین سورت پڑھی تو کوئی حرج نہیں۔

پس موافق اس تعلیل کے تعیّنِ سوم مکروہ نہ ٹھہرا۔ باقی رہا دوسرا سبب کہ مبادا دوسرے آدمی جاہل اس کو دیکھ کر یہ اعتقاد نہ کرلیں کہ ایصالِ ثواب تیسرے دن ہی ہوتا ہے نہ پہلے اس سے نہ پیچھے اس سے، سو یہ علت بھی یہاں مفقود ہے اس لیے کہ جو لوگ فرض و واجب و سنّت و مباح کی حقیقت اور گُنہ کو نہیں سمجھتے اُن کا تو کچھ علاج ہی نہیں، وہ تو نماز روزہ میں بھی امورِ مستحبہ کو فرض، فرض کو افضل و اولیٰ، مکروہ کو مفسد اور حرام، مباح کو واجب، جو چاہتے ہیں کہتے ہیں ان کو ہرگز تمیز نہیں۔ اگر ان کے لیے تغیرِ امورِ شرعیہ میں کیا جائے گا عجب نہیں کہ کل شریعت اور ہی کچھ ہو جائے، سو ایسے اشد اجہل العوام سے قطع نظر کرکے یہ دیکھنا چاہیئے کہ جو لوگ عوام اس درجہ کے ہیں کہ ان کو فرضیت اور اباحت میں فرق معلوم ہے سو حضرت سلامت یہ مسئلہ خاص اس درجہ کا ہے کہ اس درجہ کے عوام سب جانتے ہیں کہ یہ مثل حج و زکوٰۃ کے فرض تو نہیں ہے بلکہ واجب بھی نہیں، ایصالِ ثواب فی نفسہٖ مستحب ہے اور تعیّن ایک مصلحت کے لیے ہے بزرگانِ دین کا قرار دیا ہوا ایک امر متوارث چلا آتا ہے، اور یہ شُبہ تو کسی کم سے کم عقل والے کو بھی نہیں پڑسکتا کہ یُوں جانے ثواب آج پہنچے گا پھر نہ پہنچے گا، اس لیے کہ جب وُہ دیکھتے ہیں کہ وارثانِ میّت سوائے روزِ سوم کے اور دنوں میں فاتحہ درود کرتے ہیں تو کس طرح اعتقاد کریں گے روزِ سوم ہی کو ثواب پہنچا کرتا ہے باقی شبہ تعیّنِ سورت میں جو صاحبِ ہدایہ نے لکھا ہے وہ بھی جاتا رہا۔ پس سببِ کراہت کے سب مفقود ہوئے تو تعیّنِ سوم مکروہ کہنے کی کوئی وجہ باقی نہ رہی۔

خلاصہ یہ کہ تعیّنِ سوم میں نہ یہ تعیّن ہے کہ قراءتِ قرآن وغیرہ کا ثواب آج ہی پہنچتا ہے اس لیے کہ غیر ایام میں بھی پڑھ کر بخش دیتے ہیں اور نہ یہ تعین ہے کہ کھانا کھلانا میّت کی طرف سے محتاج کو دینا روزِ موت سے جو شروع ہوتا ہے

توچالیس روز تک اور کہیں اس سے کم وبیش برابر جاری رہتا ہے، تخصیص روز سوم کی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ تعینِ سوم نہ ایصالِ ثواب مالی کے لیے ہے نہ بدنی کے لیے، بلکہ یہ تعین مصلحتِ اجتماعِ مسلمین کے لیے ہے کہ حسبِ تعین سب فراہم ہوجائیں بے تعین اجتماع نہیں ہوسکتا اور تعین سورت نماز میں یہ حکمت مصلحت مفقود ہے بناءً علیہ یہ قیاس مع الفاروق نامسموع ہے۔

دوسری دلیل مانعین کی یہ

سوم میں تشبہ ہنود ہرگز نہیں، تشبہ کی تحقیق

ہے کہ سیوم میں مشابہت ہے کفار ہنود کی، اور حدیث میں ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔ جس نے مشابہت کی کسی قوم سے پس وہ انہی میں سے ہے ۱۲

سو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبہ مصدر ہے ماخذ اس کا لفظ شبہ بالکسر ہے، شبہ کے معنی ہیں مانند، پس تشبہ کے معنی مانند کسی کے ہوجانا۔ جب معنی تشبہ کے معلوم ہوئے اب ان منصفوں کی زبان زوری سمجھنی چاہیئے کہ سیوم کرنے والے کس بات میں مانند ہندوؤں کے ہوجاتے ہیں۔ ہم قرآن پڑھتے ہیں وہ قرآن نہیں پڑھتے ہیں، اور ہم کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں جو کفر شکن ہے وہ کلمہ نہیں پڑھتے۔ سبحان اللہ! کیا عقل سلیم ہے کہ کلمہ قاطع کفر کا پڑھنا مشابہ رسم اہلِ کفر قرار دیتے ہیں، ہمارے احباب اور برادری جمع ہوکر کلمہ کلام پڑھتے ہیں اُن کی برادری جمع ہوکر کچھ نہیں پڑھتی فقط وارثِ میت سے دُکان اس کی کھلوا دیتے ہیں اور قلم سیاہی کتاب وغیرہ کو ہاتھ لگوا کر سوگ دفع کراتے ہیں، کچھ اُن کے یہاں اگر پڑھتا ہے تو فقط ایک طرف کوئی برہمن پنڈت پڑھتا ہے وارثانِ میت اور بھائی برادری اور دوست آشنا کچھ نہیں پڑھتے۔ وہ اجتماع اور قسم کا ہے اور ہمارا اجتماع وہ ہے جو باجماعِ صلاح و دیانت اُمتیانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

جائز ہے جیسا کہ علامہ عینی شارح ہدایہ کی عبارت گزر چکی اور ہنود کا اصل مذہب یہ ہے جو کتاب سنسکار ودہی مطبوعہ بنارس کے صفحہ ۱۵ میں ہے، مضمون اُس کا زبانِ اُردو میں یہ ہے:

مُردے کو جلا کر سب لوگ آئیں اور نہا دھو کر بدن کو صاف اور پاک باہر سے کرلیں جس کے گھر میں موت ہوئی ہے اس کے کنبہ کے لوگوں کو تسلّی دے کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں چوتھے دن مُردہ کی راکھ اور ہڈیاں زمین میں گاڑ دیں یا باغ یا کھیت میں ڈال دیں اور جب تک رنج دُور نہ ہو تب تک اچھے عالموں فاضلوں کی صحبت سے رنج کو دُور کریں اُن کو خورونوش سے خوش کریں مراد یہ کہ اہل مصیبت اگر کھانا بباعث رنج کے نہ کھاتے ہوں تو علماء وغیرہ اُن کو کھلا پلا کر خوش کریں یہی پنڈدان اور شراد جاننا اور مرنے والا آدمی جو کچھ دھن دھرم کے لیے چھوڑ گیا ہو اُس کو علم اور ملک کی ترقی میں لگا دیں الیٰ آخرہ

غرضکہ اُن کی اصل دلیل میں مرنے والے کے لیے اس کے بعد اور کچھ نہیں لکھا اور اب جس طرح بعض فرقۂ ہنود عمل میں لاتے ہیں وہ یہ ہے جو کچھ اوپر ہم لکھ آئے ہیں اور نیز تیسرے دن میّت کی ہڈیاں جلی ہوئی چُن کر لاتے ہیں پھر گنگا وغیرہ میں بہاتے ہیں اور اہلِ اسلام کوئی عمل اُن میں سے نہیں کرتے پھر کس بات میں مانند ہنود کے ہو گئے! اور کیا تشبّہ پیدا ہو گیا! انصاف شرط ہے۔ اور اگر کوئی مشابہت اس کا نام رکھے کہ اُن کے یہاں تیسرے دن رسوم کفر ہوتے ہیں تمہارے یہاں رسم اسلام یعنی کلمہ و قرآن ہوتا ہے تو انصاف کرنا چاہیے کہ یہ مشابہت کیا ہوئی یہ تو مخالفت ہوئی یعنی ہم وہ کام کرتے ہیں جو مخالفِ کفار ہیں کافر وہ کام کرتے ہیں جو مخالف اسلام ہیں۔ وُہ اپنے کام کرتے ہیں ہم اپنے، مثلاً مغرب کے وقت اور عشا اور صبح صادق کے وقت ہم لوگوں نے اذان کہی اور نماز پڑھی انھوں نے ان

تینوں وقتوں میں ناقوس یعنی سنکھ بجایا پوجا کیا اب کوئی بیہودہ اس کو مشابہت
قرار دینے لگے کہ ان وقتوں میں تم نے اپنے طور کی عبادت کی انہوں نے اپنے طور
کی، پس اتحادِ اوقات سے تشبہ پیدا ہوگیا تو سب عقلا، اس کی ہرزہ درائی
اور کم عقلی پر قہقہہ ماریں گے اور اسی طرح جب حاجی لوگ بیت اللہ زادہا اللہ شرفاً
سے واپس ہوتے وقت آبِ زمزم لائیں تو کوئی یاوہ گو کہنے لگے کہ یہ تشبہ ہنود
ہوگیا وہ اپنی اپنی عبادت گاہ سے واپس ہوتے ہوئے گنگا کا پانی لاتے ہیں
تم پانی زمزم شریف کا لائے تو سمجھنا چاہیئے کہ یہ خرافات بیہودہ تشبیہیں نکالنی سخت
بے عقلی کی دلیل ہے۔ اور مؤلفِ براہین قاطعہ نے جو صفحہ ۱۱ سطر اول میں زمزم
کا پانی لانے کو امر طبعی عادی لکھا اس غرض سے کہ جو چیز امورِ دینیہ سے نہیں بلکہ
امورِ طبعیہ سے ہے اس میں تشبہ منع نہیں، سو یہ ناظرین کو قابل دید اور سامعین
کو لائق شنید ہے اس لیے کہ کسی شے کو بمقتضائے طبع قرار دینا اس وقت صحیح ہے
کہ انسان کی طبیعت اپنی حیات یا تلذذ و انتفاع جسمانی میں اس کی محتاج ہو،
سو پانی کا پینا عطش وغیرہ کے لیے البتہ بمقتضائے طبع ہے اور تعظیماً حصولِ برکات
کے لیے پینا تو بمقتضائے طبع و عادت نہیں بلکہ بمقتضائے دین ہے اور یہ سب
جانتے ہیں کہ اس امرِ دینی کے اشتراک کو یعنی پانی تبرکاً لانے کو جمیع علماء ہند نے
سلفاً و خلفاً بلا نکیر جائز رکھا پس واضح ہوا کہ من وجہ ہوئے تشبہ بنظرِ ظاہر کسی
امر میں پیدا ہو جانی ہرگز شرعاً ممنوع نہیں۔ اور تماشا یہ ہے کہ فقط تیسرے دن
کی مشارکت میں بھی مشابہت قوم ہنود کی نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہندوؤں
میں بعض قومیں مثل سراوگی بالکل سیوم یعنی تیجے کے قائل نہیں سو اُن کے ساتھ
تو کچھ بھی مشابہت نہ ہوئی اُن کے یہاں تیجا (سوم) عبارت فقط اس امر
سے ہے کہ تیسرے دن کاروبار کرنے لگیں سوگ میت کا دفع کریں، سو تعزیت کے

واسطے اور رفعِ سوگ کے لیے شرع میں بھی تین دن معین ہیں۔ اور بعض قومیں ہنود کی مثل یشنی اگروال جو سیوم کو مانتے ہیں اور اموات کے لیے ثواب رسانی کے کام کرتے ہیں اگر اہلِ اسلام کو مشابہت لازم آتی تو ان کے ساتھ لازم آتی، سو غور سے دیکھئے تو اُن کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کیونکہ اُن لوگوں کے قوانین متعلق گردشِ کواکب سے ہیں، تیسرے دن تیجا وہ لوگ جب کرتے ہیں کہ گرہ سامنے نہ ہو، اور اگر پنچک کی گرہ جو پانچ نچھتر ہیں سامنے آجاتے ہیں تو جس وقت تک وہ گرہ ٹل نہیں جاتی تیجا نہیں ہوتا پھر کبھی چار دن میں کبھی پانچ دن میں کیا جاتا ہے۔ اور مسلمان تیسرے دن سے آگے نہیں ٹلاتے، ان کو کواکب سے کچھ بحث نہیں، انہوں نے شرع سے یہ اصل پیدا کر کے کہ کسی امرِ خیر کے لیے بر بناءِ مصلحت دن معین کر لینا جائز ہے دن معین کیا، تعینِ اہلِ اسلام شئے دیگر ہے اور تعینِ ہنود شئی دیگر۔ پس حکمِ تشبہ بباعث مشارکت یومی بھی ٹوٹ گیا، اور یہ مسئلہ شرعی ہے کہ جب ہمارے اور کفار کے درمیان کسی امر میں تفاوت اور امتیاز پیدا ہو جاتا ہے تو حکمِ تشبہ باطل ہو جاتا ہے حدیث وفقہ پڑھنے والوں کو یہ بات یاد ہوگی کہ یہود صومِ عاشورہ رکھتے تھے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ تم بھی رکھو، اور مشابہت یہود سے جو لازم آتی تھی اُس کی مخالفت میں اس قدر کافی ہو گیا کہ آپ نے ایک روزہ اول اور آخر رکھنے کا حکم دیا:

صوموا یوم عاشوراء و خالفوا فیه الیهود وصوموا قبله یوما او بعده یوما۔

یعنی روزہ رکھو دہم محرم کو اور مخالفت کرو یہود کی اس طرح کہ رکھو ایک اوّل یا ایک آخر۔

روایت کیا اس کو امامِ احمد نے مسند میں اور بیہقی نے سُنن میں، یہ

امام سیوطی کی جامع صغیر میں ہے ، اور بیہقی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ اگر میں اگلے برس زندہ رہا حکم دُوں گا ایک روزہ پہلے اور ایک پیچھے کا۔

اور ائمہ کبار حنفیہ سے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ شرح معانی الآثار میں بالاسناد روایت کرتے ہیں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ وُہ فرماتے تھے :

خالفوا الیہود وصوموا یوم التاسع والعاشر۔ (یہود کی مخالفت کرو اور نویں اور دسویں محرم کا روزہ رکھو)

اور یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلام نقل فرماتے ہیں :

صوموا قبلہ یوما او بعدہٗ یوما ولا تشبھوا بالیہود۔ یعنی تنہا روزہ رکھنے میں یہود کی مشابہت مت کرو بلکہ مخالفت کرو اول یا آخر روزہ رکھ کر۔

اور فقیہ شامی شرح قول درِ مختار میں لکھتے ہیں کہ روزۂ عاشورہ بغیر روزہ نویں یا گیارھویں ملانے کے مکروہ ہے۔ اور محیط سے اس کی دلیل یہ لکھی :

لانہ تشبہ بفعل الیہود۔

یعنی اکیلا دسویں محرم کا روزہ رکھنا تشبّہ فعل یہود ہے اس لیے مکروہ ہے اور اول آخر روزہ ملانے سے وہ کراہتِ تشبّہ جاتی رہتی ہے۔ اور اسی طرح روز شنبہ اکیلا روزہ مکروہ لکھا کہ فعلِ یہود ہے لیکن جب یکشنبہ کا روزہ اس میں ملا لیا یا جمعہ کا، تب مکروہ نہیں کیونکہ تشبّہ بالیہود باقی نہ رہا۔

اور کنز العباد میں ہے :

کچھ مضائقہ نہیں کہ اہلِ مصیبت گھر کے اندر یا مسجد میں بیٹھ جائیں کہ لوگ

اس کی تعزیت کو آئیں لیکن دروازہ پر نہ بیٹھے فان ذلک عمل اھل الجاھلیۃ (کیونکہ یہ اہلِ جہالت کا عمل ہے)

دیکھئے ذرا تغیر میں حکم بدل گیا ۔ الحاصل ان نظیروں سے ثابت ہوگیا کہ جب مشبّہ اور مشبّہ بہ میں تمیز آجائیگا حکمِ تشبہ باقی نہ رہے گا ۔ اس مقام پہ مؤلفِ براہینِ قاطعہ صفحہ ۱۰۰ سطر آخر میں عجیب بات لکھتے ہیں وہ یہ ہے :

تنہا روزہ عاشورہ کا کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ۔

میں (علامہ عبدالسمیع علیہ الرحمۃ) کہتا ہُوں مؤلف (مولوی خلیل احمد سہارنپوری) کو کتاب دینیہ سے سخت بیخبری ہے ۔ دیکھو مکروہ ہونا اور منہی عنہ ہونا اس کا ہم حدیث وفقہ سے ثابت کر چکے اور یہ بھی کہ تشبّہ مٹانے کے لیے آخر روزہ ملانا کافی ہُوا ۔ اب دیکھیے وہ اصل روزہ عاشورہ جس کو یہود رکھتے تھے اُس فعل میں مسلمان شریک رہے لیکن ایک روزہ اول اور ایک آخر ملانے سے جو تغایر پیدا ہُوا حکمِ تشبّہ باطل ہوگیا ، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب اہلِ اسلام کا سیوم دائم تیسرے دن برقرار رہا اور ہنود کا تیجا متبدل و متغیر یعنی کبھی روزِ سیوم کبھی چہارم کبھی پنجم ہوتا رہا ۔ پھر اس میں بھی ہمارے افعال اور کچھ اُن کے اور کچھ ، اور ہمارے امورِ خمسہ مندرجہ سیوم مستنبط قواعدِ شرعیہ سے ہیں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ۔ پھر تشبّہ کس بات میں ہوگیا !

فائدہ : مؤلفِ براہینِ قاطعہ نے اس مقام پہ ہمارا مدعا بالکل نہ سمجھا اس لیے صفحہ ۱۰۰ میں یہ لکھا :

مؤلفِ انوارِ ساطعہ حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم تشبّہ میں بجمیع اجزائیہ من کل الوجوہ سمجھا ہے کہ سب اجزاء و ہیئت مشابہ ہو جائے تو اس وقت تشبہ رہے ورنہ درست ہے ، اسی وجہ سے لکھتا ہے کہ کس بات میں

تشبّہ ہنود کی ہوگئی انتہی بلفظہٖ

اس کے بعد مؤلفِ براہین نے تین ورق سیاہ کیے وہ سب فضول اور لاطائل ہیں اس لیے کہ ہماری یہ مراد نہیں بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ پانچ چیزیں فاتحہ سیوم میں ہیں، اہلِ اسلام ان پانچوں میں کسی چیز کے اندر مشابہ اہلِ ہنود نہیں ان صاحبوں کا کیسا تفقّہ اور کیسا فہم و ذکا ہے کہ ہرگز ژرف نگاہی اور موشگافی عللِ احکام میں نہیں فرماتے مفتی قاطع السنہ یعنی صاحبِ سیف السنہ اور ان کے آبار پراولین اور اخوان معاصرین سب کے سب اس مسئلہ میں بے سمجھے بُوجھے حکمِ تشبہ لگا رہے ہیں اور حدیثِ نبوی من تشبہ بقوم فھو منھم کو نہایت درجہ بے محل پڑھ رہے ہیں،

فما لھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا۔ کیا خیال ہے ان لوگوں کا نہیں لگتا کہ سمجھیں ایک بات۔

یہ لوگ نہ تشبّہ کے معنی لغوی جانیں نہ اصطلاحی، اس لیے کہ لغوی معنی تشبّہ کے ہیں مانند ہو جانا۔ اب تم دیکھ چکے اور سُن چکے کہ ہنود کا تیجا مشتمل کن امور پر ہے اور اہلِ اسلام کا شامل کن امور پر! پھر مانند ہو جانا دونوں فریق کا رسومِ یکدگر میں کہاں ہے! اب معنی شرعی سُنیئے صاحبِ بحرالرائق شرح جامع صغیر قاضی خاں سے نقل کرتا ہے کہ کفار کے ساتھ تشبّہ ہر بات میں مکروہ نہیں فانا ناکل ونشرب کما یفعلون یعنی اس لیے کہ ہم بھی اسی طرح کھاتے پیتے ہیں۔ جس طرح وُہ کھاتے پیتے ہیں۔

اور دُرِ مختار میں قید لگاتی ہے کہ اگر ارادہ کرے آدمی ان کے ساتھ مشابہت کا، اور جس چیز میں مشابہت کرتا ہے وہ شرع میں مذموم بھی ہو، اس وقت تشبہ مکروہ ہے، عبارت اس کی یہ ہے ؛

ان قصدہ فان التشبہ بھم لایکرہ فی کل شئ بل المذموم فیما یقصد بہ التشبہ۔	اگر ارادہ کرے مشابہت کا کیونکہ کفار کے ساتھ مشابہت ہر بات میں مکروہ نہیں لیکن تشبہ میں قصد مذموم ہے۔

اور مسلّم رکھا اس حکم کو شامی نے اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی تحریر سے بھی رسالہ اثبات رفع یدین میں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مشابہت کے مکروہ ہونے میں قصد کو معتبر رکھا ہے، یعنی جب ان پر یہ اعتراض کیا گیا کہ ان ملکوں میں رفع یدین کرنے میں تشبہ روافض کے ساتھ لازم آتا ہے، اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

لا نتحری تشبہ الفرق الضلالۃ بل اتفقت الموافقۃ۔

یعنی ہم رفع یدین میں ارادہ تشبہ فرقوں گمراہ کا نہیں کرتے بلکہ اتفاقاً موافقت لازم آجاتی ہے انتہٰی

اب دیکھیے کہ سیوم میں نہ مسلمانوں کی غرض قصدِ مشابہت و ارادہ موافقتِ ہنود ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو اُنہی کی طرح یہ بھی سیوم کو کبھی روزِ سیوم اور کبھی چہارم کبھی پنجم کرتے، جیسا کہ اُوپر گزرا، اور نہ تیسرے دن پڑھنا قرآن وکلمہ کا حدیث اور قرآن سے مذموم وممنوع پھر منع کا حکم دینا کیسا! اور علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

انا ممنوعون من التشبہ بالکفرۃ واھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ اومن افعال الکفرۃ والبدعۃ۔ یعنی ہم کو مشابہت کافروں اور بدعتیوں کے ساتھ اس بات میں منع ہے جو اُن کے دین کا خاص تمغہ اور پختہ علامت ان کے فرق کی ہے اور نہیں منع مشابہت ہر مباح

بدعتوں میں اگرچہ وہ بدعتیں افعال اہل سنت وجماعۃ سے ہوں یا کافر سے یا اہل بدعت سے' انتہیٰ

اب خیال کرنے کا مقام ہے کہ تشبہ جو حدیث میں منع ہے اس کے یہ معنی ہیں شرعاً، پھر ہم کو قوم ہنود سے کسی بات میں مشابہت نہیں' نہ قرآن پڑھنے میں نہ چنوں پر کلمہ پڑھنے میں' یہاں تک کہ تیسرے دن کے تعین میں بھی شرکت نہیں کیونکہ اُن کے تعین بدلتے رہتے ہیں بباعث پیش آنے گرہ مذکور کے ، پس تشبہ لغوی وشرعی کسی طرح کا ہم کو ان کے ساتھ نہیں والحمد للہ علیٰ ذلک ۔

لمعہ خامسہ فاتحہ چہلم وبستم ودہم وسبو فرستادن در مساجد

پہلے دستور تھا کہ مٹی کا گھڑا جس کو فارسی میں سبو اور عربی میں جرّہ کہتے ہیں میت کی طرف سے مساجد میں بھیجا کرتے تھے نہ فقط ایک گھڑا بلکہ چند گھڑے علاوہ اُن گھڑوں کے جن سے غسل میت ہوتا ہے بھیجتے تھے ۔ اصل اس کی یہ ہے کہ جب سعد بن عبادہ کی والدہ مرگئیں اُنھوں نے پوچھا :

یا رسول اللہ! کون سا صدقہ بہتر ہے ؟

آپ نے فرمایا : پانی ۔

تب اُس نے ایک کنواں یعنی ایک چاہ تیار کرا دیا اور کہا : ھذہ لام سعد یعنی یہ چاہ سعد کی والدہ کا ہے اس کو ثواب پہنچے ۔

یہ مشکوٰۃ میں حدیث ہے ۔ پھر ہر کوئی تو کنواں یعنی چاہ کھدوانے اور بنوانے کا مقدور نہیں رکھتا، اس لیے مسلمانوں میں یہ قاعدہ ٹھہر گیا تھا کہ کورے گھڑے مسجد میں بھیجا کرتے تھے کہ حضرت نے پانی کو اچھا صدقہ فرمایا ہے اگر کنواں نہ بنا یا ہمارا گھڑا بھرا ہوا مسجد میں رہے گا، کوئی اس سے پیاسا پانی پیئے گا کوئی وضو غسل وغیرہ کے خرچ میں لائے گا ثواب ہوگا ۔ یہ اصل ہے گھڑا بھیجنے کی، اور بھیجنا اس

گھڑے کا مسجد میں مبنی اعانت اہلِ اسلام پر ہے اور جس شخص کو یہ مدِ نظر نہ ہو بلکہ اس میں رسومِ جاہلیت ادا کرے کلاوہ باندھے رنگ سے نقاشی کرے وہ درست نہیں۔

چالیس روز تک کھانا دینا

اور چالیس روز تک کھانا مساجد کے مُلّاؤں اور مساکین کو جو بھیجتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہا نے لکھا ہے:

یستحب ان یتصدق عن المیت الی ثلثۃ ایام والی سبعۃ ایام والی اربعین۔

یعنی مستحب ہے صدقہ دیا جائے میّت کی طرف سے تین دن (اور بعضوں نے لکھا ہے) الی سبعۃ ایام یعنی سات دن تک، اور بعضوں نے اربعین یعنی چالیس دن لکھے ہیں۔

یہ روایتیں خزانۃ الروایات اور شرح برزخ وغیرہ میں ہیں:

ینبغی ان یواظب علی الصدقۃ للمیت الی سبعۃ ایام وقیل الی اربعین فان المیت یشوق الی بیتہ۔

یعنی چاہیئے کہ سات روز تک ہمیشہ صدقہ دیا جائے میّت کی طرف سے اور بعضوں نے کہا کہ چالیس دن تک، کیونکہ میّت آرزومند اور مائل ہوتی ہے اپنے گھر کی طرف۔

اور شاہ عبد العزیز صاحب نے بھی لکھا ہے تفسیر عزیزی میں کہ موت کے بعد اپنے ابنائے جنس کی طرف لگاؤ باقی رہتا ہے، زندوں کی مدد مُردوں کو خوب پہنچتی ہے اور وہ امیدوار رہتے ہیں صدقاتِ اقرباء وغیرہ کے۔

غرضکہ اس قسم کی روایات کے سبب آدمی چالیس روز تک برابر روٹی محتاج کو میّت کی طرف سے دیتے ہیں۔

مانعینِ چہلم کے دلائل اور ان کا رد

باقی رہا چہلم وغیرہ تو صورت اُس کی یہ ہے کہ جو صاحب اس کو منع کرتے ہیں اُن کی چند دلیلیں ہیں اول ان کا حال معلوم کرنا چاہیئے بعدازاں وجہِ جواز سُننی چاہیئے۔

دلیل اوّل عبارت شرح منہاج نووی شافعی کی ہے جو سیف السنۃ کے صفحہ ۴و ۱۴۴ میں ہے:

الاجتماع علی مقبرۃ فی الیوم الثالث وتقسیم الورد والعود والطعام فی الایام المخصوص کالثالث والخامس والتاسع والعاشر والعشرین والاربعین والشھر السادس والسنۃ بدعۃ ممنوعۃ۔	جمع ہونا مقبرہ پر تیسرے دن اور تقسیم کرنا گلاب کے پھولوں اور اگر کا اور کھانا کھلانا خاص دنوں میں، جیسے تیسرا پانچواں نواں دسواں بیسواں اور چالیسواں چھٹا مہینہ اور برسواں دن یہ بدعت ممنوعہ ہے ۱۲

جواب اس کا یہ ہے کہ شرح منہاج میں دو امر کا ذکر ہے ایک تو جمع ہونا تیسرے دن مُردہ کی قبر پر اور وہاں جاکر گلاب کے پھول اور عود یعنی اگر کی بتیاں وغیرہ حاضرین میں تقسیم کرنا، سو اس کا ذکر تو بیان سوم میں گزر چکا نصاب الاحتساب سے (کتاب ہذا کے صفحہ ۱۹۲ پر) کہ لوگوں نے نہایت تکلفات بیہودہ ایجاد کئے تھے اور وہ تکلفات بھی کرتے تھے گورِ میّت پر، پس ممنوع ہونا اس کا صحیح ہے۔ چنانچہ ہم خود اس کی ممانعت پر صریح کر چکے اور جن بعض آدمیوں نے ایسی رسمیں ایجاد کی تھیں بعد منع علماء کے چھوڑ دیں اب یہ رسم نہیں، دوسری بات شرح منہاج سے یہ نکلی کہ کھانا تیسرے دن اور پانچویں دن اور نویں دسویں بیسویں چالیسویں دن چھٹے مہینے برسویں دن بدعت منع ہے، سو یہ ظاہر یہ ہے کہ

کھانا ان ایام میں قبرِ مُردہ پر جا کر کھلاتے تھے۔

فتاویٰ بزازیہ میں تصریح ہے قبر پر کھانا لے جانے کی:

ویکرہ نقل الطعام الی القبر فی مواسم۔	اور مکروہ ہے قبر پر لے جانا دفن ٹھہرے ہوئے میں ۱۲

لفظ مواسم جمع ہے موسم کی، اور موسم لغت میں کہتے ہیں ایک چیز کے وقت کو اور جمع ہونے کی جگہ کو، کذا فی المنتخب وغیرہ۔ پس معنی یہ ہوئے کہ مکروہ ہے کھانا لے جانا قبرِ مُردہ پر ایامِ مقررہ میں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ تیسرے نویں دسویں دن اور چھماہی اور برسی اور ایامِ عید و شب براٰت وغیرہ میں جو کہ یہ ایام واسطے فاتحہ اموات کے معیّن ہیں اہلِ اسلام میں۔ بعضے آدمیوں نے بعض شہروں میں کھانا قبر پر لے جانا اور اسی جگہ جا کر کھلانا رسم کر لیا تھا اس کو اہلِ فتاویٰ نے منع کیا اور نصاب الاحتساب سے بھی اس کی تصدیق پہنچتی ہے کہ لکھا ہے:

ویشربون الشربۃ عند القبور و فی الحدیث الاکل فی المقابر یقسی القلب۔	یعنی پیتے ہیں شربت قبروں کے پاس حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ کھانا قبرستان میں سخت کر دیتا ہے دل کو۔

پس علمائے دین نے وجہ ممنوع اور مکروہ ہونے کی مخالفت حدیث شریف کی بیان کی ہے کہ احادیث سے قبروں پر کھانا پینا منع ہے، یہ نہیں لکھا کہ یہ کھانا بباعث خاص کر لینے دن کے مکروہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ان ملکوں میں جو فاتحہ دسویں بیسویں چالیسویں وغیرہ کی کرتے ہیں مقابر پر نہیں کرتے تو وہ جائز ہوئی۔

دُوسری دلیل فتاویٰ بزازیہ کی عبارت ہے جو کہ مستملی شرح منیۃ المصلی میں منقول ہے:

ویکرہ اتخاذا فی الیوم الاول و	مکروہ ہے تیار کرنا کھانے کا پہلے دن

الثالث وبعد الاسبوع ونقل	اور تیسرے دن اور سات دن کے بعد
الطعام الی المقابر فی المواسم	اور لے جانا کھانے کا مقبروں میں موسموں
واتخاذ الدعوۃ لقراءۃ القرآن	میں اور کرنا دعوت کا واسطے قراءت قرآن کے
وجمع الصلحاء والقراء للختم	اور جمع کرنا صلحاء اور قاریوں کا واسطے
اوقراءۃ سورۃ انعام او اخلاص۔	ختم کے یا پڑھنے سورۃ انعام کے یا سورۃ اخلاص کے۔

اس عبارت سے تین مسئلے پیدا ہوئے:

ایک یہ کہ مکروہ ہے کھانا تیار کرنا میت کا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد یعنی آٹھویں دن۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اس میں دسویں بیسویں چالیسویں کا نام بھی نہیں پھر یہ عبارت کس طرح چہلم وغیرہ کی ممانعت پر دلیل ہو سکتی ہے اور اگر اجتہاد کر کے قیاس قایم کرو کہ جس طرح بزازیہ میں ان ایام کو منع کیا ہے ہم ان ایام کو منع کرتے ہیں، تو اس کو ہم رد کرتے ہیں دو وجہ سے:

ایک وجہ یہ کہ خود شارح منیۃ المصلی نے عبارت بزازیہ نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور اس کھانے کا مکروہ ہونا مسلّم نہیں رکھا اور یہ لکھا ہے:

ولا یخلو عن نظر لانہ لادلیل علی الکراھۃ۔	یعنی مکروہ کہنا اس کھانے کو خالی بحث سے نہیں اس واسطے کہ کوئی دلیل کراہت پر نہیں۔ الی آخرہ

پس جبکہ خود شارح منیۃ المصلی نے کراہت کو مسلّم نہ رکھا ہم بھی مسلّم نہیں رکھتے۔ معلوم نہیں جن حضرات نے یہ عبارت بزازیہ کی شرح منیہ سے نقل فرمائی تو ایک سطر کے بعد شرح منیہ میں اس پر اعتراض لکھا تھا کیوں نقل نہ فرمایا۔

دوسری وجہ رد استدلال مانعین کے لیے یہ ہے کہ اگر طعام ایام مخصوصہ

کی کراہیت موافق کلام بزازیہ کے مسلم بھی رکھیں تو وہ کراہیت خاص اس کھانے کے لیے ہو سکتی ہے جس کو وارثانِ میت بعض ملکوں میں فخریہ طور پر کرتے ہیں اور جس طرح شادی عروسی وغیرہ میں شان اور فخر کے ساتھ کھانا کھلانے کا دستور ہے اسی طرح میت کا کھانا تکلف اور زینت سے اغنیاء اور امیروں اور عزیزوں قریبوں کنبے والوں کو کھلاتے ہیں جس طرح محدث دہلوی اور فقیہ شامی کے کلام سے عنقریب دلیل تیسری میں نقل کیا جائیگا، لیکن اس کی ممانعت بھی ایسی ہے کہ اس عبارت سے سمجھ لو جو فتاوٰی عالمگیری کی جلد خامس باب الہدایا والضیافات میں لکھا ہے:

لایباح اتخاذ الضیافۃ ثلثۃ ایام فی ایام المصیبۃ واذا اتخذ لاباس بالاکل منہ۔	مباح نہیں ہے کرنا ضیافت کا تین دن تک ایام مصیبت میں، اور جب ضیافت کی تو کچھ مضائقہ نہیں کھانے میں۔

بعض علماء اس میں زیادہ تشدد کرتے ہیں بعض کم۔ اور فتاوٰی قاضیخان جلد اول فصل فے المسجد میں یہ مسئلہ لکھا اور کراہت کو مقید کیا کہ مکروہ جب ہے کہ میت کے ترکہ سے کھانا پکایا جائے اور وارث صغیر سن نابالغ ہو یا بڑا ہو اور غائب ہو، عبارت یہ ہے: ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی المصیبۃ من الترکۃ ان کان الوارث صغیرا او کبیرا غائبا۔

اور صاحبِ بزازیہ نے جو منع کیا ہے تو اس طرح کھانے کو منع کیا ہے جو شادی کی طرح ہو، دلیل اس کی خود کلام صاحبِ بزازیہ ہے جو شرح منیۃ المصلی میں اسی مقام پر مرقوم ہے:

وان اتخذوا طعاما للفقراء کان حسنا۔	یعنی اگر غریب آدمیوں کے لیے کھانا تیار کریں اچھی بات ہے۔

اگر صاحبِ بزازیہ کے نزدیک کراہت طعام مذکورہ بباعث تعین ایام ہوتی تو یوں لکھتا:

وان اتخذوا طعاما فی غیر الایام المخصوصة کان حسنا۔ یعنی ان دنوں مخصوصہ کے سوا کسی اور دنوں میں کھانا تیار کرنے میں اچھی بات ہے۔

پس صاف معلوم ہو گیا کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک کراہت بباعث تخصیص ایام نہیں بلکہ اس لیے کہ وہ لوگ غریبوں کو نہیں کھلاتے تھے اپنے دوست آشنا اغنیاء کو کھلاتے تھے رسماً اس واسطے کہا صاحب بزازیہ نے کہ اگر کھانا تیار کریں واسطے غریبوں کے کہ اچھی بات ہے۔

اور جناب مولٰنا شیخ محمد محدث تھانوی مرحوم جو مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے استاد ہیں انہوں نے اپنی کتاب انوار محمدی میں چند فتاوی مرقومہ خاص مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کے جمع کئے ہیں از انجملہ یہ فتوی بھی صفحہ ۴۶ مطبوعہ مطبع ضیائی میرٹھ میں ہے سوال ہشتم آنکہ خوردن طعام روز سیوم و دہم و چہلم وغیرہ از اہل میت۔

جواب محتاج را منع نیست انتہیٰ

دیکھئے مولوی اسمٰعیل صاحب نے فتاوی بزازیہ کی تصدیق کر دی یعنی جو کھانا فقراء کے لیے ہو وہ حسن ہے۔ اور اہل علم کو یہ بات مؤلف براہین قاطعہ صفحہ ۱۲۱ کی قابل دید ہے آپ فرماتے ہیں پہلی روایت بزازیہ کی کتاب الجنائز کی ہے اور دوسری کتاب الاستحسان کی پھر کس طرح استثناء درست ہو انتہیٰ

کیوں صاحب! اگر ایک ہی مسئلہ دو باب میں ہو تو استثنا ایک کا دوسرے سے کیوں صحیح نہ ہوگا! کتب فقہ و احادیث اس سے بھری ہوتی ہیں لیکن ہم آپ کی خوشنودی کے لیے ایک ہی جگہ دونوں مطلب دکھائے دیتے ہیں۔ لیجئے فتاوی قاضی خاں کی کتاب الحظر والاباحۃ ملاحظہ کیجئے:

ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ایام المصیبۃ لانہا ایام تاسف فلا یلیق به ما یکون للسرور وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسناً۔

دیکھئے یہاں دونوں مسئلے موجود ہیں یعنی ایام مصیبت میں ضیافت برادرانہ تکلفی مثل شادی نہ کرے کیونکہ وہ سرور میں ہوتی ہے پس مصیبت میں نہ چاہیئے پھر استثناء کیا یعنی دوسرا مسئلہ بیان کیا کہ اگر فقراء کے لیے کھانا پکا دے گا تو حسن ہے۔

اب مرد مصنف کو چاہیئے کہ خدا سے ڈر کر ان دلائل پر نظر کرے اور زبان دری اور سخن پروری سے تائب ہو، وما علینا الا البلاغ۔

دوسرا مسئلہ منجملہ تین مسئلوں کے عبارت بزازیہ سے یہ معلوم ہوا کہ کھانا میت کی قبر پر لے جانا مکروہ ہے، یہ بات ہم پر حجت نہیں ان ملکوں میں یہ رسم ہی نہیں۔

تیسرا مسئلہ یہ نکلا کہ قاریوں اور حافظوں کو ختم قرآن کے واسطے جمع کرنا مکروہ ہے۔ سو تحقیق اس کی یہ ہے کہ اگر اہل اسلام جمع ہو کر قرآن پڑھیں برائے خدا، اور میت کو بخش دیں۔ اس کا حکم ائمہ مجتہدین اور علمائے محققین و راجماع اہل دیانت وصلح سے اور مولوی اسحق صاحب کے کلام سے ہم ثابت کر چکے کہ وہ ہرگز مکروہ نہیں پس بالضرور مراد صاحب بزازیہ کی یہ ہے کہ موافق رسم بعض ملکوں کے اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوا دیں یہ البتہ مکروہ ہے اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے، شامی کے باب الاجارہ میں لکھا ہے:

قال تاج الشریعۃ فی شرح الهدایۃ ان قراءۃ القرآن بالاجرۃ لا یستحق الثواب لا للمیت ولا للقاری	کہا تاج الشریعۃ نے شرح ہدایہ میں کہ اگر پڑھا کسی نے قرآن مزدوری لے کر، تو نہیں ہوتا ثواب میت کو

وعن شیخ الاسلام ان القاری اذا قرأ القرآن لاجل المال فلا ثواب له فای شیٔ یہدیہ الی المیت۔ انتہی کلام الشامی ملخصا

نہ قاری کو، اور شیخ الاسلام سے روایت ہے کہ جب قاری نے قرآن مال کے واسطے پڑھا تو اس کو کچھ ثواب نہیں ہوتا پھر کیا چیز پہنچا دے گا وہ میت کو، تمام ہوا کلام شامی کا فقرے چُن کر ۱۲

یہ جو لشکروں اور چھاؤنیوں اور بعض شہروں میں قرآن اس طرح پڑھواتے ہیں کہ روپیہ کے تین قرآن یا چار قرآن کے حساب سے یا کچھ سپارہ کا روزمرہ ٹھہرا کر اُس کا ٹھیکہ کر دیتے ہیں اس طرح قرآن شریف میت کے واسطے پڑھوانا منع ہے۔ اور صفحہ ۱۲ سیف السنۃ میں جو عبارتیں طریقہ محمدیہ اور قرطبی کی نقل کی ہیں اُن میں بھی مراد وہی مزدوری کے طور پر قرآن پڑھنا ہے اس لیے کہ اُس وقت میں بعض ملکوں میں وہی دستور تھا اور خود طریقہ محمدیہ کی عبارت سیف السنۃ میں ہے:

والماخوذ منہا حرام الاخذ وھو عاص بالتلاوۃ والذکر لاجل الدنیا۔

اور جو کچھ لیا ہے اُس نے واسطے مزدوری پڑھائی کے، وہ حرام ہے لینے والے کو، اور گنہ گار ہے وہ اس سبب سے کہ تلاوت اور ذکر اللہ دینا مردار کے واسطے کرتا ہے ۱۲

اور بعض علماء نے جو قبر پر قرآن پڑھوانے کی اُجرت جائز رکھی ہے انہوں نے قبر پر آنے اور جانے کی محنت اور اس قدر پابند ہو کر بیٹھنے کی اُجرت سمجھ کر جائز کیا ہے اُجرت قرآن کی نہیں، وہ گویا ہدیہ ہے قاریوں کی طرف سے، پس فتاوی بزازیہ کی عبارت سے کراہت ان باتوں کی ثابت ہوتی ہے قرآن مزدوری دے کر ختم کرانا، مردہ کی قبر پر کھانا لے جانا پہلے تیسرے آٹھویں دن ضیافت اغنیاء و احبا کے لیے بطور فرحت وسرور کھانا پکانا مکروہ ہے اور جس طرح ہمارے

ملکوں میں رائج ہے یعنی طعام دسویں اور بیسویں اور چالیسویں کے حق میں جو خالصاً
للہ پکا کر مصلیوں اور ملانوں کو اپنے گھر بلا کر کھلا دیں ہرگز ہرگز کراہت یا حرمت
اس کی عبارتِ بزازیہ سے نہیں ثابت ہوئی بلکہ استحسان اور عمدگی ظاہر ہوگئی ہے
کیونکہ اُس نے اور قاضی خاں نے لکھ دیا:

وان اتخذوا طعاما للفقراء کان حسنا۔

اور صاحبِ سیف السنۃ اور ان کے والد بزرگوار نے یہ فقرہ چونکہ حضرت
کے مخالف مطلب تھا نقل نہ کیا لا تقربوا الصلوٰۃ (مت جاؤ نماز کے نزدیک)
پڑھ لیا وانتم سکٰرٰی (اور جب تم نشے میں ہو) پر زبان بند کر لی۔

تحقیق انیق روایت کی عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے اُس نے
ایک صحابی انصاری سے رضی اللہ عنہ:

قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فرأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی القبر یوصی الحافر یقول اوسع من قبل رجلیہ اوسع من قبل راسہ فلما رجع استقبلہ داعی امرأتہ فاجاب ونحن معہ فجئ بالطعام فوضع یدہ ثم وضع القوم فاکلوا فنظرنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلوک لقمۃ فی فیہ ثم قال اجد

کہا (اس صحابی انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ایک جنازہ پر، میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر پر فرماتے تھے گورکن سے کہ پاؤں اور سر کی طرف سے قبر کو فراخ کر پھر جب بعد دفن آپ واپس ہوئے اُس میت کی بی بی نے آدمی بھیجا کہ کھانا تیار ہے نوشِ جان فرمائیے، آپ نے قبول فرمایا اور ہم جماعت آپ کے ساتھ وہاں گئے کھانا سامنے آیا آپ نے

لحم شاة اخذت بغیر اذن اهلها
فارسلت المرأة تقول یا رسول
الله انی ارسلت الی النقیع وھو
موضع یباع فیه الغنم لیشتری
لی شاة فلم توجد فارسلت
الی جار لی قد اشتریٰ شاة ان
یرسل بها الی ثمنها فلم یوجد
فارسلتُ الی مرأته فارسلت
الیّ بها فقال رسول الله صلی
الله علیه وسلم اطعمی ھذا
الطعام الاسری رواه ابوداؤد
والبیهقی فی دلائل النبوة
کذا فی المشکوٰة فی باب
المعجزات۔

دست مبارک اپنا کھانے کی طرف
بڑھایا پھر سب جماعت قوم نے بڑھایا
اور کھایا پھر ہم نے دیکھا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ لقمہ چبا رہے
تھے اپنے دہانِ مبارک میں اور نگلتے
نہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں
جانتا ہوں یہ گوشت ایسی بکری کا ہے
جو مالک کی بے اجازت لی گئی ہے۔
عورت نے مالک کے ہاتھ یہ کہہ کر بھیجا
کہ یا رسول اللہ میں نے آدمی نقیع میں
بھیجا جہاں بکریاں بکتی ہیں تاکہ بکری
مول آجاوے لیکن نہ ملی تب میں نے
اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا کہ جو
اُس نے بکری خریدی ہے وہ مجھ کو
بقیمت بھیج دے اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر نہ تھا پھر میں نے اُس کی بی بی کے
پاس بھیجا اُس نے بے اِذن خاوند کے بکری میرے پاس بھیج دی تب فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کھلا دے یہ کھانا قیدیوں کو (شیخ عبدالحق
وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ وُہ قیدی لوگ کفار تھے کہ دائرہ تکلف شرعی سے خارج
تھے اور وہ خاوند اُس کا نہ ملا تھا تاکہ اس کا اذن لیا جاتا اور مسلمان کھا لیتے)
روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے دلائل النبوت میں، یہ مشکوٰة
کے باب المعجزات میں ہے۔

اور کہا علامہ ابراہیم حلبی نے شرح کبیر منیہ میں کہ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد نے ساتھ اسناد صحیح کے۔

الحاصل اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ اہلِ میت کی دعوت قبول کرنی جائز ہے۔ اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی سب جماعت کے ساتھ کھانے کے لیے بیٹھے تو یہ ثابت ہُوا کہ اگر کوئی غنی بھی جو مصرف صدقہ نہیں ایسی دعوت میں شریک ہو جائے تو درست ہے۔

پس مبنیٰ جواز کا اس بات پر رہا جب اہلِ میت کھانا تیار کریں نہ واسطے ریا و سُمعہ کے بلکہ بنظرِ ثواب و قربت، وہ جائز ہے۔

مولٰنا شاہ عبدالغنی محدّث رحمۃ اللہ علیہ نے جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے حدیث پڑھی تھی کتاب انجاح الحاجہ شرح ابنِ ماجہ میں لکھتے ہیں:

واما صنعۃ الطعام من اهل المیّت اذا کان للفقراء فلا بأس به لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قبل دعوۃ المرأۃ التی مات زوجها کما فی سنن ابی داوٗد۔

یعنی کھانا تیار کرنا اہلِ میت کا جب بنظرِ ثواب فقراء کے لیے ہو کچھ مضائقہ نہیں اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کی دعوت اُس عورت کی کہ جس کا خاوند مر گیا تھا جیسا کہ سنن ابوداوٗد میں ہے۔

یعنی وُہ حدیث عاصم بن کلیب کی جس کا حال اُوپر لکھا گیا اور لکھا ملا علی قاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں هذا الحدیث بظاهرہ یرد علی ما قررہ اصحاب مذهبنا من انه یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع یعنی یہ حدیث عاصم بن کلیب کی ظاہر کھلے طور پر رد کر رہی ہے اس مسئلہ کو جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے کہ کھانا تیار کرنا پہلے روز اور

تیسرے دن اور ہفتہ بعد مکروہ ہے۔ اس کے بعد علی قاری نے اپنے مذہب والوں کی وجہ بیان کی کہ خلافِ حدیث کیوں حکم دیتے ان کا حکم محمول ہے ایسے مقامات پر کہ جس کے وارثوں میں کوئی چھوٹا لڑکا نابالغ ہو یا یہ کہ بالغ ہو لیکن غائب ہو وہاں موجود نہ ہو یا موجود ہو لیکن اُس کی رضامندی نہیں معلوم ہوتی اور کیا جائے یہ کھانا خاص مال ترکہ سے اور نہ کیا ہو کسی ایک معین وارث نے اپنے مال سے، عبارت مرقات علی قاری کی یہ ہے:

یحمل علی کون بعض الورثۃ صغیرا او غائبا او لم یعرف رضاءہ او لم یکن الطعام من عند احد معین من مال نفسہ۔

اور آخر عبارت میں لکھا و نحو ذٰلك یعنی جیسے یہ عذر ہم نے بیان کیے ایسے ہی اور عذر مثل ریا وسُمعہ وغیرہ کے جب پیش آئیں گے ان کے سبب کھانا میت کا منع کیا جائے گا ہمارے اصحابِ مذہب کی غرض یہ ہے نہ یہ کہ اہلِ میت کا دعوت کرنا اگر محض ثواب کے لیے اور موانع مذکورہ سے خالی ہو تب بھی مکروہ ہے حاشا وکلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جس فعل کے فاعل ہوئے ہوں وہ ہرگز مکروہ نہیں۔

الحاصل باقرارِ محدثین یہ حدیث عاصم بن کلیب درباب جواز طعام اموات ایک اصل عظیم ہے اور تعیین دہم اور بستم وغیرہ کے لیے ایک اصل عظیم سابق گزر چکی کہ جس طرح وعظ کے لیے بباعث بعض مصالح تعینِ یوم واقع ہُوا بناءً علیہ یہ فاتحاتِ مروجہ ہندوستان موافق ادلہ شرعیہ مسلمہ اہلِ سنت وجماعت نہایت صحیح ہیں اور جو لوگ ان کو رد کرتے ہیں بباعث اثر جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے کہ جس کو امام احمد اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے:

قال کنا نعد الاجتماع الی اھل (فرمایا کہ لوگ جمع ہوں اہلِ میت کے

الميت وصنعهم الطعام من النياحة۔

پاس اور وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں اسے ہم نیاحۃ میں شمار کیا کرتے تھے)

یہ دلیل کئی وجہ سے مخدوش ہے:

اولاً یہ کہ مقدمہ شرح مسلم میں ہے کہ جب صحابی یوں کہے کہ ہم ایسا کرتے تھے اس کی دو تفصیل ہیں:

اگر وہ یہ کہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم ایسا کرتے تھے تو حدیث مرفوع ہے ورنہ موقوف ہے اس قول کو جمہور محدثین و اصحاب فقہ و اصول کا قول لکھا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ ھذا ھو المذھب الصحیح الظاھر نباءً علیہ قول جریر بن عبد اللہ جو مضاف طرف زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں موقوف ہوا اور حدیث موقوف حجت نہیں، جیسا کہ میر سید شریف رسالہ اصولِ حدیث میں فرماتے ہیں:

الموقوف وھو مطلقاً ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا کان او منقطعا وھو لیس بحجۃ علی الاصح

حدیث موقوف ہے کہ صحابی کا قول یا فعل مطلقا مروی خواہ متصل یا منقطع ہو اور حدیث موقوف حجت نہیں ہے۔

اور ملا محمد طاہر نے مجمع البحار کے خاتمہ جلد ثالث میں لکھا:

والموقوف ما روی عن الصحابی من قول او فعل متصلا او منقطعا وھو لیس بحجۃ۔

موقوف وہ حدیث جو کسی صحابی کا قول یا فعل مروی ہو خواہ متصل ہو یا منقطع، اور وہ حجت نہیں۔

پس یہ حدیث موقوف جریر بن عبد اللہ کی حجت نہیں حالانکہ معارض ہے اس کو حدیث صحیح مرفوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ثانیاً معنی حدیثِ جریر کے یہ ہُوئے کہ ہم نیاحہ میں شمار کیا کرتے تھے اس بات کو کہ لوگ جمع ہوں اہلِ میت کے پاس اور وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں۔ انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ میں اس کی تفسیر یہ لکھی ہے:

نعد وزرہ کوزر النوح۔

یعنی اس بات کا گناہ ہم ایسا شمار کیا کرتے تھے جیسا نوحہ میں گناہ ہوتا ہے۔ اور نوحہ کا مسئلہ یہ ہے کہ شرح کبیر منیہ میں ہے:

و یحرم النوح۔

یعنی حرام ہے نوحہ کرنا۔

اور ابوداؤد میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ۔

یعنی لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والے پر اور رغبت سے نوحہ سننے والے پر۔

تو معلوم ہُوا کہ اس اجتماع اور طعام میں آدمی مرتکب حرام اور مستحق لعنت ہوتا ہے۔ بھلا اگر یہ بات صحیح ہوتی تو کس طرح ارباب فتاویٰ بزازیہ و قاضیخان وغیرہما فتویٰ دیتے کہ اگر غریبوں کے واسطے اہلِ میت کھانا تیار کریں تو اچھی بات ہے، اور کس طرح تشریف لے جاتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب اس عورت کے بلانے سے جس کا خاوند مر گیا تھا کیونکہ ان دونوں صورتوں میں اجتماع الیٰ اہل المیت اور تیار کرنا کھانے کا جن کو منکرین حرام اور مستحق لعنت لکھتے ہیں دونوں باتیں موجود ہیں، اور بڑی شوخی کی اس مقام پر مؤلفِ براہینِ قاطعہ نے کہ صفحہ ۹۰ سطر ۷ میں تحت حدیث جریر ابن عبداللہ لکھا:

"اس حدیث میں اجتماع کو مطلق فرمایا ہے کوئی قید نہیں کہ کس واسطے

جمع ہونا تھا خواہ محض تعزیت مکررہ کے واسطے خواہ قرآن پڑھنے کو، اور مطلق کو منقید کرنا بالرائے حرام ہے اور طعام میں بھی مطلق ہے۔"

بھلا جب اجتماع مطلق رہا تمیع اجتماعات کو شامل اور طعام بھی مطلق رہا سب افراد طعام کو شامل، تو دیکھیے یہ کج فہمی مؤلفِ براہین کی کہاں کہاں پہنچے گی صورتیں مذکورہ بالا ملاحظہ کرنی چاہئیں۔

ثالثاً فقہاء رحمہم اللہ نے اُس اجتماع اور طعام کو موت کے وقت مکروہ رکھا ہے جیسا کہ علامہ حلبی نے شرح کبیر میں حدیث جریر کو لکھا ہے:

وانما یدل علی کراھۃ ذلک عند الموت فقط۔	یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ صرف موت کے وقت مکروہ ہے۔

اور حدیث عاصم بن کلیب میں حضرت کا دعوت قبول کرنا بعد دفنِ میت کے تھا تو اس صورت میں شبہ تعارض ادلہ کا بھی دفع ہوگیا اور ہمارے ارباب مذہب نے جو بعد دفن بھی چند روز تک اطعام طعام کو منع کیا ہے اُس کا بیان فتاوی قاضی خان سے اور عنقریب مرقات علی قاری سے گزر چکا کہ اُس منع کی شکلیں اور محض قربت و ثواب کی نیت سے منع نہیں بلکہ فتاوی میں ہے کہ سات روز تک یوم موت سے یا چالیس روز تک میت کی طرف سے برابر صدقہ کیا جائے۔ جیسا کہ اُوپر بیان ہوچکا اور فقراء کے لیے طعام کا حسن ہونا بھی گزر چکا۔

رابعاً علی قاری نے مرقات میں اس اجتماع اور صنع طعام کی شرح اس طرح پر لکھی ہے:

فینبغی ان نقید کلامھم بنوع خاص من اجتماع یوجب استحیاء اھل الموت فیطعمونھم کرھا یعنی ہم کو چاہیے کہ نہ مطلق رکھیں اس اجتماع کی منع کو بلکہ مقید کر دیں کلام اربابِ فتاوی مستندہ حدیثِ جریر کو ایک قسم کی

اجتماعِ خاص کے ساتھ کہ آدمی خواہی نخواہی جمع ہو جائیں اور وارثانِ میت ان کو شرما شرمی سے کھلائیں جبراً و کراہاً تو یہ اجتماع البتہ درجہ حرمت میں اور مستحقِ لعنت ہوگا جو گناہ نوحہ کے برابر گنا گیا ہے اس صورت میں الف لام الاجتماع کا حدیث جریر میں عہد کے لیے ہے مؤلفِ براہین نے جو سیوم کے اجتماع اور تقسیم نخود کو اور اسی طرح دہم و بستم و چہلم وغیرہ کے اجتماعات و اطعام کو حدیثِ جریر بن عبداللہ میں داخل کیا اور ان کے سب ہم مشرب اگلے پچھلے داخل کرتے ہیں اور اس کو بڑی قوی دلیل لوہے کی لاٹھ سمجھ رہے ہیں، معلوم ہو چکا تحقیقات مذکورہ بالا سے کہ بالکل بے اصل ہے اس لیے کہ سیوم میں اجتماع للقراءۃ ہے وہ باجماع جائز جیسا کہ عینی وغیرہ سے گزر چکا اور تقسیم نخود و شیرینی وغیرہ سیوم میں اور اطعام طعام دیگر فاتحات میں نہ استحیاءً شرما شرمی سے ہے جو ملا علی قاری نے اثر جریر بن عبداللہ سے ثابت کیا کہ لوگ خواہی نخواہی وارثانِ میت کے گرد ہو گئے اور حلقہ مار کر بیٹھ رہے بلکہ خود ورثہ میت نے ملانوں اور مصلیوں کو دعوت کر کے بنظرِ قربت و ثواب بلایا ہے جو لوگ اُس جلسہ میں غرباء ہیں ان کے دینے میں ثواب صدقہ اور جو کوئی غنی ہیں ان میں ثواب فعل معروف موجود ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعتِ صحابہ میں اُس عورت کے گھر جس کا خاوند مرگیا تھا موجود تھے۔

خامساً اثر جریر میں اجتماع اور صنع طعام دونوں فعل ہیں اور فعل جب ہوگا لابد کسی زمانہ میں ہوگا ورنہ زمانہ اس اثر میں محدود نہیں بلکہ وقتِ وفاتِ میت سے لے کر جب تک وارثانِ میت زندہ رہیں اُس وقت تک کو شامل ہے پس جرح عظیم لازم آئے گا اس لیے کہ جب اجتماع مؤلفِ براہین نے مطلق لیا کہ خواہ کسی واسطے آدمی جمع ہوں اور تقیید بالرائے حرام ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ زمانہ بھی مطلق ہے خواہ کبھی آدمی جمع ہو جائیں تو لازم آئیں گی

دو قباحتیں :

ایک یہ موت میت کے بعد سے ابداً اہلِ میت کے گھر اجتماع اور اطعام طعام خواہ کسی وجہ سے ہو ممنوع اور حرام ہو گیا اور یہ بڑی حرج کی بات ہے ، اسی سبب سے علامہ حلبی نے اس کو مخصوص کر دیا وقت موت کے ساتھ کہ وہ وقت "تأسف اور وقت مشغولیِ تکفین وغسل وغیرہ کا ہے اور بعد دفن کا حکم اس سے خارج رہا عبارت ان کی شرحِ حدیثِ جریر میں یہ ہے :

وانما یدل علی کراھۃ ذلک عند الموت فقط یعنی یہ حدیثِ جریر فقط موت ہی کے وقت صنع طعام واجتماع کی کراہت تحریمہ پر دلالت کرتی ہے لاغیر"۔

دوسری قباحت یہ ہے کہ جب زمانہ مطلق رہا تو جمیع افراد یعنی ایامِ معینہ وغیر معینہ کو شامل ہو گا المطلق یجری علی اطلاقہ (مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے) کلیہ مسلّم الثبوت ہے تو جس طرح ایام معینہ کے فاتحات میں اجتماع و صنع طعام ہو گا اُسی طرح ایامِ غیر معینہ کے اطعام مساکین میں بھی یہی دونوں باتیں موجود ہوں گی الاجتماع الی اھل المیت وصنعھم الطعام (لوگ جمع ہوں اہلِ میت کے پاس اور وہ ان کے لیے کھانا تیار کریں) پس جس دلیل سے ایامِ معینہ کے کھانے کو منع کرتے ہو اُسی دلیل سے ایامِ غیر معینہ میں اطعام مساکین مکروہ وحرام مثل نوحہ ٹھہرے گا ، مانعین اچھا اعتراض کا جھونکا لائے کہ اپنی مشتِ خاک بھی اڑا لے گئے ۔ الحاصل صاحب شرح کبیر منیہ کی تعبیر بہت صحیح ہے اور اس نظریہ جو فقیہ شامی نے نظر فرمائی ہے اُس کا بعض مضمون مثلاً یہ عبارت :

فانہ واقعۃ حال لا عموم لھا — یہ ایک خاص واقعہ کا حامل ہے

مع احتمال سبب خاص بخلاف ما فی حدیث جریر علی انه بحث فی المنقول فی مذهبنا ومذهب غیرنا کالشافعیة ۔

اس کے لئے عموم میں اس کے ساتھ کسی سبب خاص کا احتمال بھی ہے بخلاف اس کے جو حدیثِ جریر میں ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مذہب میں اور ہمارے غیر کے مذہب جیسے شافعیہ میں منقول میں بحث ہے ۔

مخالف قرار داد علمائے متقدمین مثل علی قاری وغیرہ کی ہے کیا ضرور ہے کہ فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح اسناد سے پہنچا ہو کہ جس کی بابت ارشاد ہے ما اٰتکم الرسول فخذوہ بلا معارض مرفوع صحیح واقعہ حال ٹھہرا کر ترک کر دیا جائے اور اس کے مقابل میں ایک صحابی کا اثر جو موقوف اُنھی پہ ہے قانون کلّی تجویز کیا جائے اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ دونوں میں تعارض بھی نہیں جو حدیث عاصم بن کلیب میں ثابت ہوا وہ بنظرِ قربت وثواب ہے اس کو ہمارے اصحاب جائز رکھتے ہیں اور جو حکم اثر جریر ابن عبداللہ میں ہے وہ استحیا وسُمعہ وریاء موانع مذکورہ بالا کے سبب ہے اس کو ہمارے ارباب فتاوٰی منع کرتے ہیں پس منقول فی المذہب میں بحث نہ ہُوئی اور شافعیہ وغیرہ کا مذہب ہم پر حجت نہیں، اس سبب سے عاجز راقم السطور نے سابقاً "انوار ساطعہ" میں فقط کبیری کی نظر کو ذکر کیا اور شامی کی نظر کو بیان نہ کیا تھا کہ وہ خود منظور فیہ تھی اور اس مضمون کے بعد جو فقیہ شامی نے وجہ کراہت میں مناکیر بیان کی ہیں وہ ہمارے اور علامہ حلبی وغیرہ کے خلاف نہیں بلکہ عین موافق ہیں یعنی ورثہ کا صغیر یا غائب ہونا اور سامانِ فرحت وسرور مثل بجانے طبل اور تغنی وغیرہ کے افعال قبیحہ کرنا وجہِ کراہت تحریم ضیافت متعلقہ اموات کے ہے یہ ہرگز نہیں کہ بنظرِ ثواب کھانا پکانا اور اجتماع ہونا فقط یہی دو امر مندرجہ حدیث

جریر موجبِ کراہت و تحریم ہوں یہ تعلیلات متاخرہ شامی کے بالکل فقہاء احناف کے موافق و مطابق ہیں اور شاہ عبدالغنی دہلوی موصوف الصدر کا بیان بھی یہی ہے کتاب شفاء السائل میں ؛

و طعام پختن مثل شادی و جمع شدن در خانہ میت مثل اجتماع شادی مکروہ است۔

(شادی کی طرح طعام پکانا اور اجتماعِ شادی کی طرح گھر میں جمع ہونا مکروہ است)

اور یہی مطلب ادا کیا ہے انہوں نے اپنی دوسری کتاب انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ میں ؛

واما اذا کان للاغنیاء والاضیاف ممنوع مکروہ لحدیث احمد و ابن ماجۃ کذا نری اجتماع وصنعۃ الطعام الی آخرہ۔

یعنی جب وہ کھانا مخصوص اغنیاء ہی کے لیے ہو اور ان لوگوں کے لیے جو خواہی نخواہی آکر جمع ہو گئے ہیں تو وہ ممنوع اور مکروہ ہے۔

پس شاہ صاحب موصوف نے صاف بیان فرما دیا کہ مکروہ و ممنوع وہ شکل ہے جس میں مثل طعام شادی اجتماع اغنیاء و اضیاف کا ہو اور یہ محل حدیثِ جریر کا ہے اُن کے نزدیک اور جو بنظرِ ثواب ہو وہ جائز ہے وہ محل ہے اُن کے نزدیک حدیث عاصم بن کلیب کا، جیسا کہ انجاح الحاجہ سے اوپر نقل کیا گیا اور یہی مذہب ہے۔

تیسری دلیل مانعین کی درباب چہلم وغیرہ یہ عبارت ہے کہ سیف السنۃ کے صفحہ ۱۵ میں مرقوم ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے مقالۃ الوصیۃ یعنی وصیت نامہ میں فرمایا ہے ؛

دیگر از عادات شنیعۂ ما مردم اسراف

ہمارے ہاں دوسری عادات شنیعہ جن کا

است در ماتم و چہلم و ششماہی و فاتحہ سالینہ الیٰ آخرہ۔ لوگ ارتکاب کرتے ہیں وہ ہیں ماتم، چہلم، ششماہی اور سالانہ فاتحہ میں بیجا خرچ کرنا

میں (عبدالسمیع) کہتا ہوں اگر یہ لوگ عاقل ہوتے شاہ ولی اللہ کے کلام کو کبھی پیش نہ کرتے اس لیے کہ اس میں چہلم وغیرہ کے کھانے کو منع نہیں کیا اس میں تو اسراف کرنے کو عادتِ شنیعہ سے لکھا ہے اسراف[1] کہتے ہیں بے اندازہ خرچ کرنے کو، اور قرآن شریف میں ہے:

ولا تسرفوا انہ لایحب المسرفین۔ (اور اسراف نہ کرو، اللہ تعالےٰ مسرفین یعنی حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

اسراف کو کون درست کہتا ہے! شاہ ولی اللہ صاحب کا منشا اس کے بند کرنے میں بند کرنا اسراف (حد سے گزر جانا) کا ہے۔ چنانچہ اس کی برائی انہوں نے بیان کی ہے اور ہم بھی اس کو برا کہتے ہیں اور اسراف لوگوں میں طرح طرح کے مختلف کاموں میں پیدا ہو گئی تھی، اور علامہ شامی نے ضیافت اموات کی شناعت میں لکھا ہے:

یحصل عند ذلک غالبا من المنکرات الکثیرۃ کایقاد الشموع و القنادیل موجود ہوتی ہیں اُس وقت یعنی وقت کھانا کھلانے موتیٰ کے اکثر

---

[1] حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بار کسی نے کہا،

لا خیر فی السرف (اسراف میں کوئی بھلائی نہیں)

تو آپ نے فرمایا،

ولا سرف فی الخیر (اور بھلائی کے کاموں میں کوئی اسراف نہیں)

محمد شریف گل غفرلہ

التی لاتوجد فی الافراح وکذق الطبول والغناء بالاصوات الحسنات واجتماع النساء والمردان د اخذ اجرة علی الذکر وقراءة القرآن الی آخرہ۔

بُری باتیں بہت جیسے شمعیں اور قندیلیں بہت روشن کرنا اس طرح کہ کبھی شادیوں میں بھی روشن نہ ہوں اور جیسے بجانا طبلوں کا اور راگ گانا اچھی آوازوں سے اور جمع ہونا ایک جگہ عورتوں اور بے ریش لڑکوں کا اور مزدوری کا لینا ذکر اللہ اور قرآن کے پڑھانے پر ۱۲

دیکھیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موتی کے کھانوں میں قندیلیں اور شمعیں روشن کی جاتی ہیں اس طرح کہ محافلِ شادی میں نہ ہوں اور طبلے بجتے ہیں اور گانا خوش آوازی سے ہوتا ہے عورتیں اور بے ریش لڑکے آتے ہیں جو کچھ قرآن پڑھتے ہیں اُس کی مزدوری لیتے ہیں۔ یہ عبارت شامی نے باب الجنائز میں لکھی ہے۔ معلوم ہُوا کہ بعض جگہ ایسے اسراف بھی جاری ہو گئے تھے اور اسی طرح جو خاص اپنے احباب اور برادران اغنیاء میں حصص بطور تورہ بندی تقسیم کرتے ہیں غریبوں کو نہیں کھلاتے وہ بھی فی الجملہ اسراف اور خود نمائی میں داخل ہے، چنانچہ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت جو مولوی اسحٰق صاحب نے مسائل اربعین کے سوال سی و ششم میں جامع البرکات سے نقل کی ہے؛

وآنکہ بعد از سالے وششماہی یا چہل روز درایں دیار ریزند و در میان برادران بخشش کنند آنرا بھاجی گویند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آن است کہ نخورند انتہی

وہ جو سالانہ، ششماہی یا چہلم کا ختم ان شہروں میں دلاتے ہیں اور اس میں صرف برادری کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں اسکو بھاجی کہتے ہیں یہ کوئی قابل اعتبار صدقہ کی چیز نہیں، بہتر ہے ایسا کھانا نہ کھایا جائے۔

واضح ہو کہ شرح منہاج میں جو گزرا کہ ششماہی و سالیانہ وغیرہ کا کھانا مکروہ ہے اُس میں ایک یہ بھی سبب ہے کہ جو مستحق اُس کھانے کے ہیں اُن کو نہیں کھلاتے اور کھانا اس طرح کا تکلفی پکاتے اور اس میں طرح طرح کی زینتیں کرتے ہیں جس طرح شادی عروسی کے کھانے میں دستور ہے اور احباب کی ضیافت خوشی خوشی کرتے ہیں ایسے کھانے کو فقہاء منع کرتے ہیں فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

ویکرہ اتخاذ الضیافة من اھل المیّت لانہ شرع فی السرور ولا فی الشرور یعنی الحزن و ھی بدعة مستقبحة الیٰ آخرہ	اور مکروہ ہے کھانے کی ضیافت یعنی وارثانِ میّت سے اس واسطے کہ ضیافت شرع شریف میں جاری ہوئی ہے خوشی کے وقتوں میں اور نہیں حکم دیا گیا بُرے وقتوں میں یعنی غم کے وقت یہ بُری بدعت ہے ۱۲

اور حاشیہ خزانة الروایات میں ہے:

ولاضیافة فی بیوت الموتیٰ و ھم فی اللحود۔	نہیں ہے ضیافت موتیٰ کے گھروں میں حال آنکہ موتیٰ پڑے ہوئے ہیں قبروں میں ۱۲

یعنی احباب کی ضیافت تکلف اور زینت کے ساتھ اہلِ میّت سے لینا اور کھانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بات سرور (خوشی) میں جائز ہے موت میں سرور کہاں، یہاں تو شرور یعنی غم ہیں، اور موتیٰ کے گھروں میں ضیافت کیسی! حال یہ کہ وہ قبروں میں پڑے ہیں۔

واضح ہو کہ جس فقیہ کے کلام میں ممانعت ہے وہ ایسے قسم کے کھانے کی ممانعت ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ صریح بزازیہ وغیرہ میں موجود ہے:

وان اتخذ واطعام الفقراء كان حسنا اور جو لوگ تعینات کے ساتھ ان فاتحات کو جائز رکھتے ہیں وہ سب شرط کرتے ہیں کہ محض اغنیاء کو کھلا دینا ثواب صدقات میں معتبر نہیں۔ چنانچہ تحفۃ النصائح میں ہے : ؎

سازی طعام مُردہ چوں روز سیوم ہفتم چہل
باید دہی درویش را ورنہ نباشد معتبر

ترجمہ : مُردوں کے ایصال ثواب کے لئے جو کھانا پکایا جاتا ہے سوم، ساتواں، چالیسواں یہ کھانا فقیروں محتاجوں کو دینا چاہیئے ورنہ اسکا اعتبار نہ ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ جب طعام بنظرِ ثوابِ اموات کیا گیا اور فقراء ہی کو کھلایا لیکن کوئی غنی شخص بھی اس میں شریک کیا گیا تو اس کا بھی ثواب میّت کو پہنچتا ہے یا نہیں ؟

یہ مسئلہ ایک بار مولنا احمد علی محدّث سہارنپوری مرحوم کے سامنے پیش کیا گیا کہ مولانا اسحٰق مرحوم کے مائۃ مسائل سوال پنجاہ ویکم میں ہے :

طعامیکہ بہ نیت تصدّق بر فقرا و از اموات پزند تا ثواب آں بایشاں رسد جز فقیر را نبود چہ تصدق بر فقرا می باشد و ہدیہ مر اغنیا را۔

طعام جو فقراء پر صدقہ کی نیت سے اور مُردوں کے ایصالِ ثواب کی نیت سے تیار کیا جاتا ہے وہ فقراء کے بغیر کسی کو نہیں پہنچتا کیونکہ صدقہ فقراء کے لئے اور ہدیہ امراء کیلئے ہوتا ہے

اور اس وقت مولانا موصوف الصدر کیمپ میرٹھ کوٹھی شیخ الٰہی بخش خاں بہادر مرحوم میں کھانا گیا رھویں کا تناول فرما رہے تھے موقع وقت بھی یہی تھا کہ جناب مولانا بفضلِ حق سبحانہٗ بہت خوشحال و متموّل و صاحبِ تجارت تھے اور وہ کھانا ایصالِ ثواب روحِ پُرفتوح حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کے لیے تھا ارشاد فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اغنیاء کے کھانے میں اُس

درجہ کا ثواب نہیں پہنچتا جس طرح فقراء کے کھانے کا پہنچتا ہے اور یہ نہیں کہ اغنیا کے کھانے کا بالکل ثواب نہ پہنچے اس لیے کہ اطعام الطعام اگرچہ اغنیا ہی کو ہے منکرات سے نہیں بلکہ معروفات شرعیہ سے ہے، اور حدیث شریف میں وارد ہے،

کل معروف صدقۃ۔ یعنی ہر معروف کام کرنے میں شرعاً صدقہ کا ثواب ملتا ہے انتہیٰ کلام مولٰنا المحدث۔

بعدازاں بندہ کو تلاش ہوئی کہ یہ تو از روئے حدیث جواب ہوا اب جزئیہ فقہاء بھی دیکھنا چاہیے تو چند کتب میں بندہ نے اس مسئلہ کو مصرح پایا چنانچہ لکھتا ہوں اُسی مائۃ مسائل سوال پنجاہم میں بحر الرائق سے نقل کیا ہے؛

وقید بالزکوٰۃ لان النفل یجوز للغنی کما لہاشمی۔	یعنی قید صدقہ زکوٰۃ کی اس لیے ہے کہ نفل صدقہ جائز ہے غنی کو جس طرح جائز ہے مرد ہاشمی النسب کو۔

اور قہستانی کی فصل معروف الزکوٰۃ میں ہے؛

سوق الکلام مشیر الیٰ جواز صدقۃ التطوع الی الغنی۔	کلام چلانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نفل صدقہ غنی کو دینا جائز ہے۔

اس کا بھی خلاصہ وہی نکلا۔ اور ہدایہ کے فصل صدقہ میں ہے،

قد یقصد بالصدقۃ علی الغنی الثواب یعنی اغنیاء کو کھلانا جس طرح ان کی رضاجوئی اور اپنی کاربراری وغیرہ وجوہ دنیوی کے لیے ہوتا ہے، اسی طرح کبھی بارادہ حصول ثواب بھی ہوتا ہے اور مجمع البحار جلد دوم میں ہے؛

الصدقۃ ما تصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعہا کذلک فانہا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف یعنی صدقہ وہ ہے جو

فقراء کو دیا جائے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اکثر صدقے ایسے ہی ہوتے ہیں ورنہ صدقہ بیشک غنی کو بھی دینا جائز ہے اس پر ثواب ملتا ہے بلا خلاف انتہٰی

اگر کوئی یہ کہے اغنیاء کا دینا ہبہ اور ہدیہ ہوتا ہے، تو جواب یہ ہے کہ ہدیہ اور ہبہ مسلمانوں کو کرنا بھی معروفات شرعیہ اور موجبات ثواب میں ہے پس ثواب ضرور ملے گا گو بہ نسبت فقراء کے کم ہو۔

چوتھی دلیل منع چہلم وغیرہ پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول جو وصیت نامہ میں فرماتے ہیں:

و بعد مردن من رسوم دینوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسیتی ہیچ نکنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نداشتہ اند الی آخرہ	میرے مرنے کے بعد دینی رسوم مثلاً دسواں بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ ماتم کرنے کو جائز نہیں رکھا الخ

واضح ہو کہ کھانا للہ کھلانا امور دین سے ہے اور قاضی صاحب نے رسوم دینوی کو منع فرمایا ہے وہ یہ کہ عورتیں جمع ہو کر ان ایام میں رویا پیٹا کرتی ہیں اور یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے خود قاضی صاحب کی دلیل اپنے منہ بول رہی ہے یعنی منع چہلم وغیرہ کی دلیل یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن سے زیادہ ماتم کرنا جائز نہیں فرمایا اس سے یہ ثابت ہوا کہ چھماہی برسی چہلم وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے بھی تذکیر الاخوان میں لکھا ہے جو عورت ماتم پرسی کو آتی ہے وہ بھی ان کے پیٹنے چلانے میں شریک ہوتی ہے پھر کسی کے یہاں تین دن کسی کے سات دن کسی کے دس دن کسی کے چالیس دن کسی کے

چھ مہینے تک کسی کے برس روز تک کسی کے دو برس تک یہی بات جاری رہتی ہے
جتنے دنوں جس قدر یہ نوحہ زیادہ ہو اُسی قدر آپس میں اُن لوگوں کی تعریف ہو
اور اگر نہ ہو تو طعن کرتے ہیں کہ فلانے کے ہاں میّت کی کچھ قدر نہ ہوئی اور مرد
جو جاتے ہیں تو صرف دستور رواج کے موافق اُن لوگوں کے دکھلانے کو کچھ فاتحہ
وغیرہ پڑھتے ہیں اور اُس فاتحہ سے مُردے کے واسطے ثواب منظور نہیں ہوتا۔

یہ عبارت ملخص تذکیر الاخوان کی ہے، پس قاضی صاحب کا اشارہ ان امور
کی طرف ہے ورنہ وُہ خود اسی وصیّت نامہ میں فرماتے ہیں :

واز کلمہ و درود و ختم قرآن و استغفار و	کلمہ، درود، ختم قرآن، استغفار کے
از مال حلال صدقہ لفقرا باخفا امداد	ذریعے اور حلال مال سے فقراء پر مخفی
فرمایند انتہیٰ۔	صدقہ کے ذریعے میری امداد کرنا انتہیٰ

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ختم کلمہ قرآن وغیرہ سب قاضی صاحب کے نزدیک
درست ہے اور صدقہ کو جو پوشیدہ فرمایا وہ اس لیے کہ اپنے ورثہ میں کچھ طریق
نمود اور نمائش وغیرہ کا دیکھا ہو گا جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں اس واسطے اخفا
کا حکم دیا ورنہ صدقہ ظاہر کرنا شرع میں درست ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

کھلی دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر آشکارا
کنید خیرات را پس نیکو چیز است۔

اور ظاہر کر کے دینے میں ایک نفع اور بھی ہوتا ہے تاکہ اور آدمیوں کو
ہدایت ہو وہ بھی صدقہ کریں۔

پانچویں دلیل منع چہلم وغیرہ کے لیے یہ لکھتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا ہے:

طعام المیت یمیت القلب وطعام المریض یمرض القلب و در نوادر ہشام آمدہ کہ مکروہ است اجابت کردن طعامے کہ بجہت روح مُردہ کردہ باشند۔ یعنی میت کا کھانا دل کو مُردہ کر دیتا ہے اور مریض کا کھانا دل کو بیمار کر دیتا ہے اور نوادر ہشام میں آیا ہے کہ مکروہ ہے قبول کرنا اس کھانے کا جس کو رُوحِ میت کے واسطے کیا ہو انتہٰی کلامہ

ہم کہتے ہیں کہ اگر اس حدیث کو صحیح رکھو گے تو دوسری حدیثیں جو ترغیبِ خیرات میں میت کی طرف سے آئی ہیں اور باجماعِ اُمت وہ مقبول ہیں ان کا کیا جواب دو گے؟ اور اس حدیث کی اسناد بھی معلوم نہیں، نہ صحابی کا نام کہ کس صحابی نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اور نہ مابعد صحابی کے اور راویوں کا حال معلوم کہ پھر کس صحابی سے کن کن راویوں نے اس کو روایت کیا اور نہ کتابِ حدیث کا نام مرقوم کہ صحاح ستہ میں یا کسی اور کتابِ حدیث میں یہ حدیث موجود ہے، اور قطع نظر ان امور کے پیش کرنا اس حدیث کا واسطے ممانعت فاتحات مخصوصہ معینہ سیوم و دہم و بستم و چہلم کے فقط صحیح نہیں اس میں مطلق طعامِ میت کی نہی موجود ہے تو صدقہ لا علی التعین بھی ندارد ہوا جس کو تم جائز کہتے ہو اور جب اُس دعوت کا قبول کرنا مکروہ ہوا مطلقاً بلا قید غنی و فقیر تو وہ جو حکم صدقہ کا میت کی طرف سے فقہ و حدیث میں ہے اُس دعوت کو قبول جنات کریں گے یا جنگل کے وحوش وطیور؟ منکرین ایسی سند کتاب اربعین سے لائے جس سے اپنے پاؤں پر خود تیشہ مار گئے۔

چھٹی دلیل منع کی یہ کہ مسائل اربعین میں لکھا ہے:

در نوادر الفتاوی آوردہ اند کہ اجابت — نوادر الفتاوی میں مذکور ہے ایسی دعوت

کردن طعامیکہ از بہر مردہ ساختہ باشند مکروہ ست سہ روزہ ہفتہ و ماہیانہ و سالیانہ و آں طعام علماء و فضلا را مکروہ است انتہیٰ

کو قبول کرنا جو مُردوں کے ایصالِ ثواب کے لئے ہو مکروہ ہے مثلاً سوم، ساتواں، ماہانہ اور برسی۔ ایسا طعام علماء اور فضلاء کو مکروہ ہے انتہیٰ

اس عبارت سے یہ معلوم ہُوا کہ برسی، تیجہ اور چہلم وغیرہ کا کھانا مکروہ علما و فضلا کے واسطے ہے اوروں کو مکروہ نہیں، اگر سب کو مکروہ ہوتا تو عالموں کا نام لینا کیا ضرور تھا! خیر اگر یہ لوگ اسی قدر لکھ دیں کچھ مضائقہ نہیں اس واسطے کہ علما و فضلا تو خود اس کھانے میں کم جاتے ہیں اکثر اور آدمی کھاتے ہیں، اگر اوروں کو جائز ہوا یہ بھی غنیمت ہے اور صحیح یہی ہے اس مسئلہ میں بڑی شہرت مولوی اسمٰعیل صاحب کی ہے کہ وہ رئیس المانعین ہیں ان تعینات کو مکروہ و حرام کہتے ہیں۔ صورت اس کی یہ ہے کہ اُن کے نزدیک محض باعث ممانعت کا یہ ہے کہ ان کو اپنے ہمعصروں میں یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ خالصاً للہ نہیں کرتے بلکہ لوگوں کے دکھانے کو کرتے ہیں اور جبراً کرتے ہیں۔ چنانچہ صراطِ مستقیم مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۲۷ میں لکھتے ہیں:

و در تقسیم طعام سوم و چہلم بسبب خوف مطعون شدن وسعت و کشادگی می کنند انتہیٰ

طعنہ زنی کے ڈر سے سوم اور چہلم کے کھانوں میں فراخی اور وسعت اختیار کرتے ہیں انتہی

اور صفحہ ۳۷ میں ہے:

ورنہ پندارند کہ نفع رسانیدن باموات باطعام و فاتحہ خوانی خوب نیست چہ ایں معنی بہتر و افضل غرض آنست کہ

اور یہ بھی گمان نہ کریں کہ مردہ لوگوں کو طعام کے ذریعے فائدہ پہنچانا اور ان کے لئے فاتحہ خوانی کرنا درست نہیں

مقید برسم نباشد بے تعین تاریخ و روز
وجنس وقسم طعام ہر وقت وہر قدر کہ
موجب اجر جزیل بود بعمل آرد وہرگاہ
ایصال نفع بمیّت منظور دارد موقوف
برا طعام نگزارد اگر میسر باشد بہتر است
والا صرف ثواب فاتحہ واخلاص بہترین
ثوابہا است در تعین تاریخ و روز وقسم
ووضع طعام ضیق پیش می آید انسان را
خواہ نخواہ انچہ کردن دشوار می بود
سرانجام آں ضرور مے افتد الی آخرہ

کیونکہ یہ کام تو بہت بہتر و افضل ہے
ہماری غرض یہ ہے کہ ایسے اعمال کو
رسم کے ساتھ مقید نہ کیا جائے، تاریخ ،
دن ، طعام کی جنس وقسم کو متعین کیے بغیر
جس وقت اور جس قدر وہ موجب ثواب
ہو ایسا عمل بجا لائے اور جب میت کو
نفع پہنچانا منظور ہو تو اسے صرف کھانا
کھلانے پر موقوف نہ سمجھا جائے اگر کھانا میسر
ہو تو بہتر ہے ورنہ صرف سورۃ فاتحہ اور
سورۃ اخلاص کا ثواب میت کے حق میں
بہتر ہے اور تاریخ، دن اور طعام کی قسم اور وضع کو متعین کرنے سے تنگی پیش آتی ہے اور انسان کو
خواہ مخواہ دشوار کام کا بھی انتظار کرنا پڑتا ہے الخ

اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سوم اور چہلم وغیرہ کا کھانا تعینِ ایام کے سبب منع نہیں جیسا کہ بعض علماء فی زمانہ خیال کرتے ہیں بلکہ اس میں قباحت مولوی اسمٰعیل اور سید احمد صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ انسان کے پاس کچھ ہوئے یا نہ ہوئے پابندی تواریخ ایام سے خواہ مخواہ اس کو کرنا پڑتا ہے اس میں تنگی اور مصیبت پیش آتی ہے پھر اگر یہی بات کسی کو پیش آئے اس کے حق میں ہم بھی منع کریں گے لے بھائی تو اپنے مقدور کے موافق کر دے حوصلہ سے زیادہ نام آوری کے طور پر جس کا سنبھالنا تجھ کو مشکل ہو اس طرح مت کر خالصاً للہ جس قدر تیرے پاس موجود ہے اسی قدر کر دے اور جو کچھ بھی نہیں تو خالی فاتحہ پڑھ دے۔

سوال : تعینِ ایام کی حاجت کیا ہے ؟

جواب : صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں خود شوق تھا کسبِ خیرات وحسنات کا، وہ اپنے ولولۂ عشق دلی سے امورِ صالحہ کرتے تھے اُن کو نہ کسی تاکید کی حاجت تھی نہ تعیین کی نہ یاد دلانے کی۔ جب وہ دَور گزر چکا لوگوں کے دلوں میں بے رغبتی امورِ صالحہ کی پیدا ہوگئی اس کے لئے علمائے دین نے بنظرِ اصلاحِ دین فتویٰ احکام پیدا کیے مثلاً قرآن شریف کی تعلیم پر اُجرت لینا حدیث سے منع تھا اُس وقت میں لوگوں کے دل راغب تھے اللہ کے واسطے تعلیم کرتے تھے جب دَور قرونِ صالحہ کا تمام ہوگیا لوگوں کے دل ویسے نہ رہے قرآن شریف کا پڑھنا پڑھانا بند ہونے لگا تب علمائے دین رحمہم اللہ تعالیٰ نے حکم دیا جواز کا یعنی تعلیم قرآن پر دینا اُجرت کا جائز ہے اور لینا بھی جائز۔ چنانچہ فقہاء لکھتے ہیں :

ولو لم یفتح لھم باب الاجر لذھب القرآن۔	اگر نہ کھول دیا جائے اُن کے لیے یعنی معلمانِ قرآن کے لیے دروازہ اُجرت کا تو اُٹھ جائے دنیا سے قرآن۔

اور ہدایہ میں ہے :

لا نہ ظھر التوانی فی امور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القرآن وعلیہ الفتویٰ۔	جائز ہے قرآن پڑھانے کی (اُجرت) اس واسطے کہ ظاہر ہوگئی سُستی امور دین میں، پھر اگر منع کریں اُجرت کو

تو اس میں ضائع کرنا ہے قرآن کا، اور اسی پر یعنی جوازِ اجرتِ قرآن پر فتویٰ ہے ۱۲

اور اذان کے بعد تثویب یعنی الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ پکار کر کچھ کہنا تاکہ نمازی جلد آکر جماعت میں شریک ہوں۔ متاخرین علمائے نے مستحسن قرار دیا۔ چنانچہ کتاب ہدایہ میں ہے :

والمتاخرون استحسنوه فی الصلوٰۃ کلہا لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ۔

علمائے متاخرین نے پسند کیا ہے تثویب کو سب نمازوں میں بسبب ہونے سستی کے امور دینیہ میں ۱۲

یہ مسئلہ تثویب کا فتاویٰ عالمگیری میں بھی ہے اس قسم کی بہت نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں جو ڈھونڈے گا پائے گا،

بہتیرے حکم بدل جاتے ہیں زمانہ بدل جانے سے اور یہی معنی ہیں اس کے جو مجمع البحار اور شامی اور فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہ چند کتب معتبرہ مقبولہ میں یہ بات مندرج ہے کہ:

کم من احکام یختلف باختلاف الزمان۔

یعنی بہتیرے حکم بدل جاتے ہیں زمانہ بدل جانے سے ۱۲

ایک وہ وقت تھا کہ قرآن کے اندر زیر و زبر جائز مطلق وقف لازم وغیرہ لکھنا علماء جائز نہیں رکھتے تھے مکروہ کہتے تھے چنانچہ متقدمین کی کتابوں میں مندرج ہے، اور ایک وقت وہ آیا کہ لوگوں کا ڈھنگ بگڑ گیا جہالت طاری ہوگئی تب علمائے حکم دیا کہ قرآن شریف میں زیر و زبر وغیرہ لکھنا واجب ہے۔ چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں تصریح ہے کجا مکروہ کیا واجب ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اور اسی طرح مساجد کی زینت اور بلند کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے لیکن علماء بباعث مصلحت کے مستحب فرماتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مجمع البحار نے لفظ زخرف کی تحقیق میں لکھا ہے کہ جب لوگ اپنے گھر بہت عمدہ عمدہ بنانے لگے اب اگر مسجد کو کچی اینٹوں سے اونچے اونچے مکانات کے پاس بنا دیں گے اور بہتیرے گھر کافروں کے بھی اس کے پاس بلند ہوتے ہیں تو البتہ مسجد نظروں میں حقیر ٹھہرے گی انتہیٰ کلامہ۔

مجموع ان امثال و روایات سے معلوم ہوا کہ اگر زمان و مکان میں یا کسی ہیئت اور وضع میں بباعث کسی مصلحت کے کسی قسم کی تعینات واقع ہوں تو وہ جائز ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رسالہ انتباہ کے شروع میں فرماتے ہیں:

اگرچہ اوائل امت را با اواخر امت در بعض امور اختلاف بودہ باشد اختلاف صور ضرر نمی کند ارتباط سلسلہ ہمہ ایں امور صحیح ست و اختلاف صور را اثرے نیست انتہیٰ کلامہ

تلخیصاً ان عبارتوں سے یہ فائدہ نہایت اہتمام سے محفوظ رکھنے کے قابل پیدا ہوا کہ اگر علمائے متاخرین میں کسی قسم کا تعین مخالف وضع علماء متقدمین کے پیدا ہوا ہو تو یہ ضرور نہیں کہ اس کو رد کیا جائے اس لیے کہ مصلحت زمانہ متقدمین میں وہ تھی جو انہوں نے حکم دیا اور متاخرین کے وقت میں بباعث تغیر اوضاع و طبائع امت کے دوسری طرح پر امتحان ظاہر ہوا اور درحقیقت یہ اختلاف نہیں کہ دونوں فرقے متقدمہ و متاخرہ اصلاحِ دین پر متفق ہیں ان کے وقت میں اصلاح اس میں تھی ان کے وقت میں اصلاح دوسری طرح۔ چنانچہ یہی وجہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے مرشد برحق سید احمد صاحب کو پیش آئی کہ صراطِ مستقیم میں انہوں نے ایک باب جدا واسطے تجدید اشغال کے مقرر کیا، صفحہ ۸ میں لکھتے ہیں:

مصلحت وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود انتہیٰ

اور اسی کتاب کے آخر ورق میں مولوی اسمٰعیل صاحب اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں:

بعد از اں در تعلیم و تلقین طریقۂ چشتیہ بازوے ہمت کشادند و تجدید اشتغالیکہ ایں کتاب مستطاب براں محتوی گردیدہ فرمودند انتہیٰ کلامہ

یہ عاجز، مؤلف اس انوار ساطعہ کا، کوئی بات اپنی طبیعت سے نہیں کہتا کہ تا فی الحال الزام دیا جائے بلکہ جو کچھ خلاصہ کلام ہے وہ عطر پھانٹا ہوا انہی حضرات مانعین کی مسلّم الثبوت کتابوں سے ہے۔ جب یہ مسئلہ متحقق ہو گیا تو سمجھنا چاہیے کہ صحابہ سابقین بالخیرات تھے ان کے لیے تعینِ زمان ایصالِ ثواب وغیرہ کے لیے کچھ حاجت نہ تھی بلکہ وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پوچھ کر خیرات اپنے اقربا کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قصہ سعد[1] کا گزرا، اب اگر کسی کو ثواب کا رستہ بتاتے ہیں تو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتا ہے غرض کہ جب لوگوں میں سستی واقع ہوئی تب فرق پڑنے لگا خیرات میں، اور موتی کا حال دیکھا تو وہ ہے جو حدیث میں وارد ہے کہ جس طرح کوئی ڈوبتا ہوا آدمی سہارا تکتا ہے کوئی میرا ہاتھ پکڑ لے میرے ہاتھ میں کوئی رسّی کوئی چیز آجائے کہ اس کو پکڑ کے بچ جاؤں، اسی طرح مُردہ آسرا کرتا ہے اپنے زندہ اقربا کا، اور اقربا کا یہ حال ہو گیا کہ اُن کے حق فراموش کرنے لگے تب کھڑے ہو گئے بزرگانِ دین تعیینِ ایّام پر، اور معیّن کیا اس کو متفرق وقتوں پر مثلاً دسواں بیسواں وغیرہ متعیان کر دیا تاکہ وارثوں کو بھی بتدریج انتظام سہل ہو اور موتی کو یہ فائدہ ہو کہ مدد کا سلسلہ منقطع نہ ہو کچھ آج فائدہ پہنچا کچھ پھر اس کے بعد کچھ پھر اس کے بعد، اور یہ بڑا فائدہ ہے کہ تعیّن کے سبب یاد رہتا ہے آدمیوں کو

---

[1] ان کی والدہ مر گئی تھیں تو حضرت سے پوچھا تھا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا: پانی۔ تب انہوں نے اپنی والدہ کی طرف سے کنواں کھدوا دیا تھا ۱۲

اور خیال دل پر چڑھا رہتا ہے، چنانچہ جو لوگ مصلحتِ تعیّن کے پابند ہیں اُن کے گھر سے کچھ نہ کچھ خیر ہو جاتی ہے اور طرف ثانی جو بعضے وقت ان لوگوں کی بہ نسبت کہتے ہیں کہ اس تعین کے ساتھ کام کرنے سے نہ کرنا اچھا، اس میں ان کو نمود ہوتی ہے سو یہ کہنا اُن کا صحیح نہیں اس لیے کہ ہر کوئی تو نمود ہی کے واسطے نہیں کرتا، اور اگر نمود کے واسطے کرتا ہوگا تو اس کو بھی ہم منع نہ کریں گے اگر اس کے حق میں نمود ہے تو کسی غریب کا ایک وقت پیٹ بھرے گا یہ تو کام اچھا ہے ہماری غرض یہ نہیں کہ لوگ ریا اور نمود اری کے واسطے کیا کریں حاشا وکلا عمل وہ ہی بہتر ہے جو اخلاص سے ہو، لیکن یہ اس لیے کہا کہ اگر کسی ایک نے نمونہ کے طور پر عمل کیا اس کے سبب سے منکرین سند پکڑ کے سب کو منع کرنے لگیں اُن کے جواب میں بطریق ولو سلمنا کہا جاتا ہے کہ یہ بھی کچھ نہ کچھ خیر سے خالی نہیں، حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ تنبیہ میں فرماتے ہیں:

لا یترك العمل لاجل الریاء یقال فی المثل ان الدنیا خربت منذ مات المراؤن لانهم کانوا یعملون اعمال البر مثل الرباطات والقناطیر والمساجد فکان للناس فیه منفعة وان کانت للریاء فربما ینفعه دعاء احد من المسلمین۔

یعنی عملِ خیر کو ریاء کے سبب نہ چھوڑنا چاہیئے، کہتے ہیں جب سے نمود اری کے کام کرنے والے مر گئے ہیں دُنیا اُجڑ گئی اس لیے کہ وہ پہلے نیک کام کرتے تھے سرائیں پل مسجدیں بنواتے تھے، لوگوں کا اس میں بھلا تھا اگرچہ کام ریاء کا اس کرنے والے کو نفع نہیں دیتا لیکن کبھی کوئی مسلمان اس ریاء کی چیز سے نفع پاکر دُعا دیتا ہے تو اُس کو اُسی دُعا سے نفع ہو جاتا ہے انتہی

غرضکہ فعلِ خیر کا نتیجہ خیر ہوتا ہے۔ اب اصل بیان پر آئیں کہ جب

بباعث بے رغبتی اور سستی آدمیوں کے تعین کی حاجت ہوئی تو ایک کھانا اور فاتحہ سالیانہ کا یعنی برسویں دن ٹھہرایا اور ایک نصف اس کا یعنی ششماہی پھر اس کا نصف سہ ماہی پھر اس کا نصف پینتالیس دن۔ لیکن اکثر امور میں عددِ چلّہ کا اختیار کیا گیا ہے اس لیے پینتالیس میں سے پانچ کم کرکے چالیسواں دن مقرر کردیا گیا اور عددِ چہل کا شمار جو شرع میں وارد ہے اس کے چند مقامات ذکر کئے جاتے ہیں:

اوّل جب خمیر حضرت آدم علیہ السلام کا ہوا چالیس برس تک وہ خمیر اُسی حالت میں پڑا رہا، پھر اس کا سڑنا شروع ہوا چالیس برس تک وہ سڑا کیا جس طرح گارا یعنی مکانات کا سڑایا جاتا ہے، پھر خشک ہونا شروع ہوا تو چالیس برس میں خشک ہوا جس طرح ٹھیکرا مٹی کا بجانے سے ٹن ٹن بجتا ہے بجنے لگا، اسی طرح آدمی کی پیدائش میں بھی چالیس دن وہ نطفہ رہتا ہے اور پھر چالیس دن خون بستہ، پھر چالیس دن گوشت کے ٹکڑے بوٹیاں بن جاتے ہیں۔ غرضکہ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس دن میں حال بدل جاتا ہے۔ اسی غرض سے صوفیہ کرام نے عددِ چلّہ اپنی ریاضتوں میں مقرر کیا کہ اتنے دنوں کی ریاضت میں حالت نفس کی بدل جائے گی۔ اور حدیث میں آیا کہ:

جو چالیس دن اخلاص اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھے گا اُس کے دل سے چشمے رحمت کے پھُوٹ کر زبان سے جاری ہوں گے۔

یہ حدیث تفسیر عزیزی میں ہے اور نقل کیا امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں کہ:

جو کوئی چالیس دن تکبیرِ اولیٰ امام کے ساتھ پائے گا اللہ تعالیٰ اس کو دو باتوں سے بری کردے گا ایک نفاق سے اور دوسرے عذابِ نار سے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ چالیس رات اعتکاف کرو اُس وقت ہم تم کو شریعت یعنی توراۃ عنایت کریں گے یعنی اتنے دنوں میں حالات نفس وقلب وغیرہ بدل جائیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ:

واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلۃ۔

اور بیہقی نے انس رضی اللہ عنہ سے بابت ارواحِ انبیاء علیہم السلام کے یہ روایت کی ہے:

ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ ولکنھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔

معنی اس حدیث کے زرقانی نے یہ لکھے ہیں کہ چالیس روز تک اُس جسدِ مدفون فی القبر سے رُوح بہت پیوستہ رہتی ہے بعد ازاں وہ روح قربِ الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے اور متشکل بشکلِ جسد ہوکر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے انتہیٰ

اور یہ عوام میں مشہور ہے کہ چالیس دن تک ہر کسی کی رُوح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے یہ حدیث شاید کہیں آئی ہوگی، ارواحِ انبیاء کی بہ نسبت تو حدیث بیہقی کی دیکھی عام ارواح کی نسبت نظر سے نہیں گزری لیکن ہم لوگ بہ نسبت علماء سابقین کے کم مایہ اور سامان کتب علم کا قلیل ہماری نظر سے نہ گزرنا دلیل اس کی نہیں کہ درحقیقت یہ حدیث آئی نہیں البتہ ہم نے دقائق الاخبار میں جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے یہ حدیث تو دیکھی ہے ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے:

اذا مات المؤمن یدور روحہ حول دارہ شھرا۔

یعنی جب مرجاتا ہے مومن پھرتی ہے روح اُس کے گھر کے گرد ایک مہینہ۔

وینظر الیٰ ما خلفه من ماله کیف یقسم ماله وکیف یودی دینه۔

یعنی دیکھتی ہے وہ رُوح کس طرح تقسیم ہوتا ہے مال اس کا، کس طرح ادا کیا جاتا ہے قرض اس کا۔

فاذا تم شهراً ینظر الیٰ جسده ویدور حول قبره سنة فینظر من یدعو له ومن یحزن علیه۔

جب مہینہ پُورا ہوتا ہے دیکھتی ہے اپنے بدن کو اور پھرتی ہے گرد قبر کے ایک برس تک، دیکھتی ہے کون میرے لیے دُعا کرتا ہے، کس کو میرا غم ہے۔

فاذا تمت سنة رفعت روحه الی حیث یجتمع فیه الارواح الیٰ یوم ینفخ فی الصور۔

یعنی جب پُورا برس ہو جاتا ہے اٹھائی جاتی ہے رُوح جس جگہ دوسری روحیں جمع ہیں وہ وہاں رہتی ہیں قیامت تک انتہیٰ۔

لیکن یہ یاد رہے کہ رُوحیں انبیاء اور مؤمنین کی کسی جگہ رہیں لیکن قبر سے سب کو ایسا علاقہ رہتا ہے گویا وہ اسی قبر کے پاس موجود ہیں یہ اتفاق ہے اہل سنت وجماعت کا، گفتگو مسلسل کہیں سے کہیں پہنچی، کلام اس میں تھا کہ عدد چالیس کا اکثر مقامات میں آیا ہے اور اس عدد میں یہ دلالت کل مقامات میں پائی گئی کہ پچھلا حال بدل جاتا ہے، چنانچہ خمیر آدم اور خمیر نطفۂ انسانی اور چلۂ صوفیہ وغیرہ امثلہ مذکورہ سے یہ بات ظاہر ہے پس لابد ہے کہ چالیس روز میں میت کی بھی ترکیب جسمی اور تعلق رُوحی میں جو دنیا کے ساتھ ہے کچھ فرق اور تغیر ہوا ہوگا، جیسا ارواح انبیاء میں صریح وارد ہوا ہے۔ پس اُس تغیر کے وقت بھی امداد شائستہ کا دستور ٹھہر گیا تاکہ ترقی عروج اُس کا ایک درجہ سے

دوسرے درجہ کو عمدہ زادِراہ کے ساتھ ہو یعنی فاتحہ چہلم کو مقرر کیا گیا پھر وہی قاعدہ
تنصیف کا جو سالیانہ سے ششماہی اور ششماہی سے سہ ماہی میں جاری کیا تھا چہلم
میں کیا گیا یعنی چہلم کا نصف بیسواں اور بیسویں کا نصف دسواں، غرضکہ اسی دستور
پر قاعدہ فاتحات کا ٹھہر گیا۔ اور حاشیہ خزانۃ الروایات اور بعض رسائل میں اس
عاجز کی نظر سے یہ روایت مجموع الروایات کی گزری ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے حضرت حمزہ کے لیے تین دن اور دسویں اور چالیسویں روز اور چھٹے مہینے اور
برسویں دن صدقہ دیا۔ اگر یہ حدیث کسی قدر قابلِ اعتماد ہے تو یہ سب رسمیں گویا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہوگئیں۔ یہ مجموع الروایات پرانی کتاب ہے
خزانۃ الروایات میں بھی اس مجموع الروایات سے بعضے مسائل اخذ کئے ہیں پس
یہ جو قدیم الایام سے بزرگانِ دین میں تعینِ فاتحہ متفرق ایام میں ایک امرِ متوارث
چلا آتا ہے بلاشبہ یا تو اس حدیث یا کسی اور حدیث سے اُنھوں نے استخراج کیا ہوگا
یا بنا بر مصلحت یہ طریقہ خود مقرر کیا ہوگا، بہرکیف اگر انھوں نے خود بھی مقرر کیا تو وہ
بھی صحیح ہے، حدیث شریف میں آگیا ہے:

من سنّ فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا۔

علامہ شامی شارح درِمختار نے اس حدیث کے معنی لکھے ہیں یعنی جو کوئی
دین میں نیا طریقہ نیک نکالے گا اس کو اجر اور ثواب ملے گا۔

واضح ہو کہ امرِ دین میں جو طریقہ نیک ایجاد ہو اور مخالف قرآن و حدیث کے
نہ ہو وہ درست ہے۔

نماز کی نیت زبان سے کرنے کو جو ایجادِ علماء ہے اور دُرِمختار اور اس کے
شارح نے اس کو سنّتِ علماء قرار دیا ہے اور اسے جائز رکھا ہے۔ اس کی بحث
سابق میں (صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ پر) گزر چکی اور معلوم رہے کہ یہ بھی ہم کو لازم ہے

کہ ہم سلف صالحین کے قواعد اور اعمال پر اعتراض نہ کریں بلکہ اُس کا اتباع کریں یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ ہر دَور والا اپنے پہلے دَور کی اطاعت کرے۔ چنانچہ قلب ربانی امام شعرانی کتاب المیزان میں لکھتے ہیں:

فکما ان الشارع بین لنا بسنۃ ما اجمل فی القرآن فکذلک الائمۃ المجتہدون بینوا لنا ما اجمل فی احادیث الشریعۃ ولولا بیانہم لنا ذلک لبقت الشریعۃ علی اجمالہا وھکذا القول فی اھل کل دور بالنسبۃ للدور الذی قبلھم الیٰ یوم القیامۃ فان الاجمال لم یزل ساریا فی کلام علماء الامۃ الی یوم القیٰمۃ ولولا ذلک ما شرحت الکتب ولا عمل علی الشروح والحواشی انتھٰی۔

یعنی جس طرح شارع نے بیان کی اپنی حدیث سے ہمارے لیے وُہ چیز جو قرآن میں مجمل تھی اسی طرح مجتہدوں نے بیان کیا ہم کو جو حدیث میں مجمل رہ گیا تھا جو وُہ بیان نہ کرتے شریعت مجمل گول مول بے بیان رہ جاتی اور یہی قول ہے ہر دور میں بہ نسبت اپنے دور سابقہ کے قیامت تک اس واسطے کہ اجمال ہمیشہ سے جاری ہے اور رہے گا قیامت تک، اور جو یہ بات نہ ہوتی تو کتابوں کی شرحیں اور حاشیے نہ لکھے جاتے۔ تمام ہوا کلام قطب ربانی کا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ عقد الجید مطبوعہ فاروقی صفحہ ۳۶ میں فرماتے ہیں:

ان الامۃ اجتمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفۃ الشریعۃ فالتابعون اعتمدوا فی ذلک علی الصحابۃ وتبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وھکذا فی کل طبقۃ اعتمد العلماء من قبلھم والعقل یدل علیٰ حسن ذلک، الیٰ آخرہٖ۔

یعنی اُمت جمع ہوگئی اس بات پر کہ اعتماد کریں سلف پر معرفت شریعت میں، تابعین نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا، اور اسی طرح ہر طبقہ میں اعتماد کرتے آئے ہیں علماء اپنے سے پہلے علماء پر، اور عقل دلالت کرتی ہے اس کی خوبی پر۔

اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی گفتگو بھی قریب اس کے ہے کہ شروع پارہ سیقول میں فرماتے ہیں:

پیغمبر بر کمالِ شما گواہی دہد و شما بر کمال تابعین ھلم جراً الی یومنا ھذا پس صدر اول این اُمت مرتبہ متوسط دارند درمیان نبوت و امت محض کہ من وجہ کار پیغمبری می کنند و من وجہ کار امتاں و ہکذا الی یوم القیمۃ فی کل طبقۃ متقدمۃ بالنسبۃ الی الطبقۃ المتاخرۃ انتہیٰ۔

کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہارے کمال کی گواہی دیں گے اور تم تابعین کے کمال پر گواہی دوگے یونہی یہ سلسلہ قیامت تک کے لوگوں میں جاری رہیگا پس اس اُمت کا صدر اول درمیان نبوت اور اُمت محض کے متوسط مرتبہ رکھتے ہیں بر اعتبار سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام سرانجام دیتے ہیں اور ایک اعتبار سے امتیوں کا کام سرانجام دیتے ہیں یہ سلسلہ اسی طرح طبقہ متقدمہ میں بنسبت طبقہ متاخرہ کے قیامت تک جاری رہے گا۔

اب ہم مولانا عبدالعزیز صاحب کا ایک کلام جامع کہ بظاہر مختصر اور فی الواقع اس میں یہ سب تفصیلات مروجہ اہل اسلام داخل ہیں لکھتے ہیں اور یہ بزرگ اس فرقہ کے مسلم الثبوت علماء میں ہیں۔ پارہ عم والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں لکھتے ہیں، بطورِ خلاصہ ان کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتا ہوں:

اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ و الفت تعلق بدن و دیگر معروفان

پہلی حالت محض روح کا جسم سے جدا ہونا ہے اس حالت میں فی الجملہ سابقہ زندگی کا اثر، بدن کی الفت اور دیگر اپنی جنس کی

از ابنائے جنس خود باقی است و آں
وقت گویا برزخ است کہ چیزے ازاں
طرف و چیزے ازیں طرف مدد زندگاں
بمردگاں دریں حالت زود تر می رسد
و مردگاں منتظر لحوق مدد ازیں طرف
می باشند صدقات و ادعیہ و فاتحہ
دریں وقت بسیار بکار آدمی آید و ازیں
است کہ طوائف بنی آدم تا یک سال
علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں
نوع امداد و کوشش تمام می نمایند انتہیٰ

اشیاء کا تعلق اور رابطہ باقی رہتا ہے
گویا یہ وقت دنیاوی زندگی اور قبر کی
زندگی کے درمیان آڑ ہے کہ ایک چیز
دنیاوی زندگی کی موجود ہے اور ایک چیز
قبر کی زندگی کی حاصل، زندوں کی مدد ایسے
وقت میں مُردوں کو جلد پہنچتی ہے، اور
مُردے اُن کی طرف سے صدقہ، دعا اور
فاتحہ کے ذریعے مدد کے منتظر ہوتے ہیں
. ایسے وقت میں آدمی کے بہت سارے
کام فائدہ دیتے ہیں اسی وجہ سے آیا ہے کہ
بنی آدم موت کے بعد ایک سال تک گھر کا طواف کرتے ہیں اور بالخصوص ایک چلہ (۴۰ دن) تک۔ امداد
اور کوشش کا پہنچنا اس نوع سے ہے۔ انتہیٰ

جس کا دل چاہے تفسیر عزیزی فارسی نکال کر دیکھ لے یہ مضمون معہ بعض
مضامین زائد اُس میں پائے گا اب اربابِ انصاف جنبہ داری کو برطرف کر کے
خیال فرمائیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان ایام مروجہ کی
امداد طعام وغیرہ کے لیے کیا علتِ شرعی پیدا کی کہ مُردہ کا دل اُن ایام میں کچھ اِدھر
ہوتا ہے کچھ اُدھر، اور زندوں کی مدد ان ایام میں جلد پہنچتی ہے پھر اس علتِ صحیحہ
پر مرتب کیا یہ حکم کہ اسی سبب سے یہ بات ہے کہ آدمی اپنے اموات کی ایک برس
تک اور خاص کر ایک چلہ تک مدد کرتے ہیں۔ دیکھیے برس دن تک کی امداد میں یہ
رسمیں مروجہ اہلِ اسلام یعنی سویم دہم بستم چہلم ششم سالینہ سب داخل
ہیں، پھر شاہ صاحب نے اس رواجِ اسلامی کو رد نہیں کیا بلکہ اس کی تصدیق
فرمائی یعنی اپنے مدعا پر اس امر مروجہ کو دلیل لائے پس بطور دلیل لانا شاہ صاحب کا

اس امر معین مقرر رواجی کو، اور نہ رد کرنا اس کو کسی وجہ سے دلیل صریح اس پر ہے کہ یہ فعل جو عام طور پر طوائف بنی آدم میں رائج ہے حق ہے اور صحیح ہے اور طوائف بنی آدم میں جو قدیم الایام سے ہندوستان میں مروّج چلا آتا ہے وہ یہی دہم بستم چہلم وغیرہ ہے کما ہو مشاہد اس کا انکار بدیہیات کا انکار ہے۔

لمعہ سادسہ نصائح درباب اموات

نصیحت ۱: جب کسی کا کوئی عزیز قریب مرجائے تو چاہیے کہ صبر کرے اس کی موت پر، تاکہ مستحقِ اجر و ثواب ہو۔ طبرانی اور ابن مندہ نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں یہ بھی بیان ہے کہ ملک الموت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کہ میں آدمی کی رُوح قبض کرتا ہُوں جب اس کے لواحق رونے لگتے ہیں میں دروازہ پر کھڑا ہو جاتا ہُوں اُس رُوح کو لیے ہُوئے، اور کہتا ہُوں کہ اے رونے والو! قسم اللہ تعالیٰ کی ہم نے اس آدمی پر ظلم نہیں کیا ہے، وقت سے پہلے جلدی نہیں کی اور رُوح قبض کرنے میں کچھ ہماری خطا نہیں، اگر تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہو گے ثواب پاؤ گے اور بُرا مانو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے اور ہم کو تمہاری طرف پھر آنا ہے ہوشیار رہو الی آخرہ۔

نصیحت ۲: بعد دفن کسی قدر قبرِ میّت پر ٹھہرنا چاہیے کچھ پڑھیں اور میّت کے لیے دُعا کریں۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں جوہرہ نیرّہ سے نقل کیا ہے،

ویستحب اذا دفن المیت ان یجلسوا ساعۃ عند القبر بعد الانفراغ بقدر ما ینحر جزور و یقسم لحمہا یتلون القرآن و یدعون للمیت۔

اور درمختار میں ہے: ویستحب جلوس ساعۃ بعد دفنہ

للدعاء وقراءة بقدر ما ينحر الجزور ويفرق لحمه۔

یعنی دونوں عبارتوں کے یہ ہوئے کہ مستحب ہے بعد دفنِ میّت اس قدر بیٹھنا کہ اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہو جائے، پڑھتے رہیں قرآن اور دعا کریں میّت کے لیے۔ انتہیٰ

اور مسلّم رکھا اس حکم کو شامی نے رد المحتار میں، اور نقل کیں اس پر دو حدیثیں، ایک سنن ابی داؤد سے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا فرغ من دفن الميت وقف على قبره وقال استغفروا لاخيكم واسئلوا الله له التثبيت فانه الآن يسأل۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فراغت پاتے تھے دفنِ میّت سے، ٹھہرتے اُس کی قبر پر، اور فرماتے کہ مغفرت مانگو اپنے بھائی کی اور دعا کرو کہ اللہ اس کو ثابت اور قائم رکھے جواب دہی میں، کیونکہ اب اُس سے منکر و نکیر کا سوال ہوگا۔

اور دوسری حدیث فقیہ شامی نے وہ نقل کی جو مشکوٰۃ میں بروایت مسلم موجود ہے:

وعن عمرو بن العاص قال لابنه وهو في سياق الموت اذا انا مت فلا تصحبني نائحة ولا نار فاذا دفنتموني فشنوا على التراب شنا ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى استانس بكم واعلم ماذا اراجع به رسل ربي۔ رواه مسلم

یعنی روایت ہے عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) صحابی سے کہ فرمایا انہوں نے اپنے بیٹے سے، جب وہ حالتِ نزع میں تھے کہ جب میں مر جاؤں نہ ہو میرے ساتھ کوئی عورت نوحہ کرنے والی اور نہ آگ، پھر جب دفن کر دو مجھ کو

ڈالو مٹی آہستہ، پھر کھڑے ہو جاؤ میری قبر کے گرد اگرد، اور اتنی دیر ٹھہرو کہ ذبح کیا جائے اُونٹ اور تقسیم ہو جائے گوشت اُس کا، تاکہ آرام اور اُنس پکڑوں تمہارے ساتھ، اور جان لوں کہ کیا جواب دُوں اپنے پروردگار کے فرشتوں کو۔ روایت کیا اس کو مسلم نے۔

دیکھئے یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اور افتاء مفتیانِ دین سے بہت صحیح اور معتمد طور پر ثابت ہے۔ معلوم نہیں لوگوں نے کیوں اس کو ترک کر دیا، چاہیے کہ اہلِ اسلام اس کی تعمیل کریں اگر سب آدمی نہ ٹھہر سکیں بباعث کسی ضرورت اور کاروبار کے، تو میّت کے دوست آشنا و اقربا میں سے چند آدمی ٹھہریں اور پڑھتے رہیں قرآن اور استغفار وغیرہ، اور دُعا کریں میّت کے لئے، والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

نصیحت۳: آدمی کو چاہیئے کہ اپنی موت کو ہمیشہ یاد رکھے، ایک حدیث میں آیا ہے، لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شہیدوں کے درجے میں کوئی اور بھی ہوگا؟ فرمایا: ہاں، جو کوئی اپنی موت کو بیس مرتبہ ہر روز یاد کریگا۔

نصیحت۴: آدمی کو چاہیئے کہ موت کے لئے تیار رہے اور اپنا وصیت نامہ لکھ کر ساتھ رکھے جب کسی کا قرض ذمہ میں ہو اور جو کچھ نماز روزہ حج زکوٰۃ اُس کے ذمہ ہو یا قسم توڑنے کا کفارہ ذمہ پر ہو وہ سب اُس کاغذ میں لکھ دے اس لیے اس لیے کہ کیا خبر ہے موت اس کی کس وقت آجائے اور مرتے وقت زبان سے وصیت نکلے یا نہ نکلے اُس کاغذ کو وارثانِ میّت دیکھ کر تعمیل کر دیں گے۔

نصیحت۵: جب کوئی آدمی مر جائے اور کوئی شخص اس کا عزیز و اقارب اپنے خاص مال میں سے اُس کے لئے فاتحہ کرے اس میں کسی فقیہ و محدّث کو

کلام نہیں اور خاص میّت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اُس میں یہ شرط ہے کہ اُس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مرنے مورث کے مِلک وارثوں کا ہوجاتا ہے، پس اگر وارث بالغ ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہوگیا، اگر کوئی وارث ان میں غائب تھیں سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دے دی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میّت کے لیے صرف کر دیں اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میّت سب ان کی مِلک ہوگیا، اُس کا صرف کردینا میّت کے ایصالِ ثواب میں جائز نہیں، نہ کپڑا نہ کھانا نہ روپیہ نہ پیسہ فقط تجہیز و تکفین میں جو اُٹھے وہی درست ہے، اور بس۔ اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی نابالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اُس کا صرف کرنا بھی ایصالِ ثواب کے لئے جائز نہیں۔ فتاویٰ عالمگیریہ کی جلد خامس میں ہے:

وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذا کانت الورثۃ بالغین فان کان فی الورثۃ صغیر لم یتخذ وا ذلک من الترکۃ کذا فی التاتارخانیۃ۔

اگر تیار کریں کھانا فقیروں کے لئے بہتر ہے جبکہ ہوں وارث سب بالغ، اور اگر وارثوں میں کوئی چھوٹی عمر کا بھی ہے، تو نہ تیار کریں کھانا اُس ترکہ میں سے، یہ تاتارخانیہ میں ہے ۱۲

اور یہ حکم کچھ طعام فاتحہ کے واسطے ہی خاص نہیں بلکہ اس قسم کے ترکہ کی چیز لباس یا طعام یا نقد نہ مسجد میں دی جائے نہ کسی مدرسہ میں نہ کسی فقیر کو نہ عالم کو، ہاں البتہ اگر موافق قاعدہ شریعت کے تقسیم واقع ہوجائے اور صغیر وارث کو اُس کا حصہ دے کر ورثہ بالغین اپنے حصہ سے خرچ کر دیں یا عورت اپنے مہر کے دعوٰی میں وارث ہوکر اپنے حصہ مملوکہ سے صرف کر دے

یہ جائز ہے خواہ مدارس و مساجد میں دیں خواہ فاتحہ کریں اور مساکین کو کھلا دیں۔ یہ مسئلہ بہت ضروری اہتمام سے یاد رکھنے کا ہے۔

نصیحت ۶: جب کوئی وارث اپنے مورث کی طرف سے کھانا کھلا دے نمود اور بڑائی ظاہر کرنے کے لیے نہ کرے۔ حدیث شریف میں آیا ہے:

من سمع سمع اللہ بہ۔

یعنی جو کوئی سُنوا دے لوگوں لوگوں کو اپنی تعریف سخاوت اور داد و دہش کی، یعنی اپنی شہرت اور فخر چاہے اللہ تعالیٰ اس آدمی کو ذلیل کرے گا سب کے سامنے۔ پس اس صورت میں مُردہ کو ثواب پہنچا تو کیا ممکن وہ شخص خود عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ وہی مثل ہو جائے گی: محنت برباد گناہ لازم۔ اور کھانے والوں کو بھی چاہیئے اگر یہ معلوم کریں کہ یہ کسی کے مقابلہ میں کھانا فخریہ کرتا ہے۔ فلاں شخص نے کیا کھانا کیا میں اُس سے بڑھ کر کرتا ہُوں تو ایسی دعوت نہ قبول کریں خواہ وہ کھانا غمی اور ماتم کا ہو یا شادی اور خوشی کا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

جب دو آدمی ایسے ہوں کہ ایک کی ضد میں دوسرا بڑائی حاصل کرنے کو کھانا زیادہ کرے اگر وہ دعوت کریں تو قبول نہ کی جائے ان کی دعوت، اور نہ کھایا جائے اُن کا کھانا۔ کذا فی المشکوٰۃ۔

نصیحت ۷: یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ قرضدار آدمی کو صدقات کا کرنا خواہ اپنے لیے کرے خواہ میّت کے لئے، شرع میں مستحسن نہیں۔ صاحب مجمع البحار لفظ ظہر کی تحقیق میں لکھتے ہیں:

خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی۔	بہترین صدقہ وہ ہے جو غنی کی پیٹھ سے ادا ہو۔

پھر دوسری سطر کے بعد لکھتے ہیں :

ولا صدقۃ کاملۃ عن ظہر غنی	غنی کا صدقہ غنی کی پیٹھ پیچھے کامل نہیں
وھو رد علیہ ای شئ المتصدق	وہ اس پر لوٹایا جائے گا یعنی صدقہ
بہ غیر مقبول لان قضاء الدین	کی شئ غیر مقبول ہے کیونکہ قرض دینا
واجب ۔	واجب ہے ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ طریق اچھا نہیں علی الخصوص جبکہ قرض سود دے کر بہم پہنچائے یہ نہایت قبیح وشنیع ہے ایسا آدمی محض الحمد اور سورتیں پڑھ کر بخش دیا کرے ۔

نصیحت : اگر وارثانِ میت بشروطِ مذکورہ کھانا کھلا دیں تو مناسب یہ ہے کہ غریب رشتہ داروں اور ہمسایوں اور اہلِ محلہ کو مقدم رکھیں ۔ فقہا ر باب الزکوۃ میں لکھتے ہیں :

لا تقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ	آدمی کا صدقہ قبول نہیں کیا جاتا جبکہ
محاویج حتی یبدأ بہم لیستد	قریبی رشتہ دار محتاج ہوں حتی کہ پہلے
حاجتہم ۔	انھیں دے تاکہ ان کی حاجت پوری ہو ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثل مشہور " اول خویش بعدہٗ درویش " اسی حدیث کا ترجمہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قصبات کے شرفاء میں جو رواج ہے کہ برادری کے آدمی بھی کھانا میت کا تیجہ وچہلم وغیرہ میں کھاتے ہیں وہ بھی شاید اسی روایت پر مبنی ہوگا کہ رشتہ دار اور ہمسایہ اور اہلِ محلہ مقدم ہیں دوسرے آدمیوں پر ۔ اور ظاہر ہے کہ قصبات کے شرفا میں فراغت اور وسعت کم ہے اکثر لوگ غریب ہیں وہ آدمی کہ زکوٰۃ ان پر واجب ہو یا یہ کہ اپنے مکان اور نفقہ اہل وعیال سے فارغ ہو کر بھی اُن کے پاس کچھ مالیت زائد فاضل رہے ایسے آدمی داخل فقراء ہیں بنائً علیہ بزرگوں نے اُن کو کھانا بہ نسبت اور سائلوں کے

مقدم سمجھا کہ ہمسایگی اور محلہ داری اور قرابت بھی ادا ہو جائے اور چیز اپنے موقع پر بھی
صرف ہو جائے پھر اگر سو آدمیوں غربار برادری میں کوئی آسودہ صاحب زکوٰۃ
بھی شامل کر لیا تو اس میں یہ حکمت کہ ان لوگوں کے دلوں میں یہ نہ پیدا ہوا کہ ہم کو
حقیر کنگال سمجھا پس ایک یا دو باآبرو آدمی کے شامل ہونے سے اُن کی دلی ندامت
بھی دفع ہو جاتی ہے علاوہ برآں اغنیا کا کھانا بھی ثواب سے خالی نہیں اگرچہ
اس میں فقراء کے کھانے سے کم ثواب ہے پس اگر یہی نیت اس زمانہ میں بھی
ہے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر اہلِ محلہ اور رشتہ داروں کو اس نیت سے
کھلائیں کہ آج میں اس کو کھلا دوں تو کل یہ مجھ کو کھلا دے گا، اس صورت
میں ثواب ندارد ہوگا اس لیے کہ ارادہ معاوضہ لینے کا ہے، پھر ثواب
کہاں فلیکن ھذا آخر ما اردنا ایرادہ فی ھذا الباب واللہ ھو
الھادی المصدق والصواب۔

نورِ سوم

اس میں نو لمعے ہیں :

لمعہ اولیٰ ، اثبات محفل مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فرمایا حق سبحانہٗ نے : واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ۔

اس آیہ کریمہ میں منعم حقیقی اپنی نعمتوں کے ذکر اور یادگاری کا حکم دیتا ہے کہ "ذکر کرو اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے"

اور اس میں شک نہیں کہ پیدا ہونا اور تشریف لانا صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک بڑی نعمت ہے ۔ قال اللہ تعالیٰ :

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایٰتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ ۔

شاہ ولی اللہ صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں :

"ہر آئینہ نعمتِ فراواں داد خدا بر مؤمناں آنگاہ کہ فرستاد درمیان ایشاں پیغامبرے از قوم ایشاں میخواند بر ایشاں آیات خدا و پاک میسازد ایشاں را و می آموزد ایشاں را کتاب و علم" انتہیٰ

اور شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں :

"اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا اُن میں رسول انہی میں کا

الی آخرہ"

ثابت ہوا کہ وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نعمت ہے کہ جس کا احسان حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے اور آپ کے اسمائے مبارکہ جو ایک ہزار تک محدثین نے شمار کیے ہیں اُن میں ایک نام نامی آپ کا نعمۃ اللہ بھی ہے جیسا کہ امام قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور سیدنا محمد سلیمان جزولی نے بھی دلائل الخیرات میں آپ کا یہ نام مبارک لکھا ہے۔

اور فرمایا حضرت سہل ابن عبداللہ تستری نے تفسیر آیہ کریمہ وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا میں کہ وہ نعمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہیں یعنی اس لیے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور آپ کے سبب جو منافع و فوائد حاصل ہوئے شمار سے خارج ہیں، زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب آپ ہی کے وجود باجود کا طفیل ہے پھر اس کی شمار کہاں تک ہو۔

اور زجاج اور سُدی تفسیر آیہ کریمہ یعرفون نعمۃ اللہ ثم ینکرونھا میں فرماتے ہیں کہ نعمۃ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی کفار آپ کو نبی جانتے ہیں معجزات ظاہر دیکھ کر پھر انکار کرتے ہیں عناداً۔

اور سید المفسرین ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بخاری وغیرہ نے تفسیر آیہ کریمہ الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا میں روایت کی ہے قال ھم واللہ کفار قریش و محمد نعمۃ اللہ تعالیٰ یعنی قسم اللہ کی وہ لوگ نعمت کو ناشکری سے بدلنے والے کفارِ قریش ہیں اور نعمۃ اللہ تعالیٰ کی محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

زرقانی شرح مواہب صفحہ ۲۲۱ میں یہ تینوں تفسیریں مرقوم ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نعمتِ الٰہی ہونا کلامِ مفسرین و محدثین سے ثابت ہو گیا

تو آپ کی یادگاری اور تذکرہ نا منطوق آیہ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم میں لعموم الفاظ اچھی طرح داخل ہو گیا۔

اور اسی طرح فرمایا حق سبحانہ نے کہ واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون یعنی شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو اور اس کو معبود جانتے ہو اور اسی کے عبد بنتے ہو۔ اس آیہ کریمہ میں حق سبحانہ اپنے بندوں کو شکر گزاری کا حکم دیتا ہے اور اوپر ثابت ہو چکا کہ نعمتوں میں بڑی نعمت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باجود ہے پس شکریہ اس نعمت کا بجالانا اور سرور کرنا اور تذکرہ کرنا اہلِ ایمان کو بحکمِ خداوندی ضروری ٹھہرا۔

اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے التحدث بنعمۃ اللہ شکر و ترکہ کفر یعنی اللہ کی نعمت کا بیان کرنا شکر ہے اور نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ یہ حدیث شیخ محی السنہ نے معالم میں روایت کی ہے مع الاسناد تحت آیہ واما بنعمۃ ربك فحدث (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو) پس نعمت وجودِ باجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کرنا شکر گزاری انعام رب العزت اور چھوڑ دینا اس کا کفرانِ نعمت ٹھہرا۔

اور فرمایا حق سبحانہ نے وذکرھم بایام اللہ یعنی یاد دلا ان کو دن اللہ کے۔ لکھا امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے کہ مراد دِنوں سے واقعاتِ عظیمہ ہیں جو اُن دنوں میں واقع ہوئے۔

پھر اہلِ ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے بڑھ کر کونسا واقعہ ہے جس میں ایوانِ کسریٰ کا شق ہونا اور بتوں کا سر کے بل گر جانا اور آتش خانہ فارس کا بجھ جانا اور رود خانہ سماوہ کا جاری ہونا اور آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکرِ الٰہی بجالانا ایسے ایسے بہت واقعات کو شامل ہے

پلیس یاد دلانا یومِ میلاد کا سب ایّام کے یاد دلانے سے اہلِ ایمان کے نزدیک بڑھ کر ہے۔ اور تفسیر رُوح البیان میں یہ تفسیر بھی بعض مفسرین سے نقل کی ہے:

ذکّرھم بالائی اللّٰہ ای ذکرھم بنعمائی لیؤمنوا بی یعنی یاد دلا ان کو میری نعمت تاکہ ایمان لائیں وُہ مجھ پر انتھٰی۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نعمت ہیں اور آپ کا تذکرہ موجبِ ازدیادِ رونقِ ایمان ہے۔

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک یعنی فرمایا اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، تحقیق بلند کیا ہم نے ذکر تیرا یعنی تم کو نبی بنایا اور مشہور کیا زمین اور آسمان میں، اور پھیلا دیا ذکر تمہارا دنیا کے انتہا کناروں تک اور تمہارا ذکر دلوں میں محبوب و مطلوب کر دیا۔ امام رازی نے یہ سب مطلب لکھ کر بعد اس کے یہ لکھا:

کان اللّٰہ تعالیٰ یقول املاء العالم من اتباعک کلھم یثنون علیک ویصلون علیک۔

یعنی یہ جو اللہ تعالیٰ نے رفعنا لک ذکرک فرمایا اس کے یہ معنی ہیں گویا اللہ تعالیٰ یُوں فرماتا ہے کہ ہم بھر دیں گے عالم کو تمہارے فرمانبرداروں سے، وہ سب تمہاری تعریف کیا کریں گے اور درود پڑھا کریں گے تم پر انتھی ما فی تفسیر الکبیر۔ خیال کرنا چاہیئے کہ یہ معنی بخوبی صادق آتے ہیں محفلِ میلاد شریف پر، بیشک یہ محفل قدس منزل مضمون آیہ ورفعنا لک ذکرک میں داخل ہے اس لیے کہ اس محفل میں کثرت ہوتی ہے درود شریف کی اس قدر کہ نہیں ہوتی کسی اور مجالس وعظ و تدریس میں، اور بیان ہوتا ہے حضرت کے نور کا اور ظہور معجزات و کرامات کا جو وقت ولادت اور رضاع اور قبلِ نبوت اور بعد نبوت ظاہر ہوئے اور بیان ہوتا ہے حلیہ شریف کا، یہ سب ثنا اور صفت ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، پس

مضمون یثنون علیک و یصلون علیک خوب صادق آیا اس پر اور آواز بلند اور پاکیزہ سے ایک مقام بلند مثل منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنے سے ایک اور ہی شان رفعت ورفعنالک ذکرک کی ظاہر ہوتی ہے اور جو کچھ معجزات و فضائل حضرت سید الکائنات کے بیان کیے جاتے ہیں وہ روایتیں ہیں کہ ان کو صحابہ نے مجالس تابعین میں اور تابعین نے مجالسِ تبع تابعین میں بیان فرمایا، اسی طرح طبقہ بعد طبقہ ذکر ہوتا ہم تک پہنچا، اگر یہ قصّہ اور ذکر ممنوع ہوتا صحابہ اوّل طبقہ میں زبان اس سے بند کر لیتے، نہ ہم تک وہ فضائل پہنچتے نہ ہم مجالس اور محافل میں اُن مدائح اور مناقب کو لفحوائے آیہ کریمہ ورفعنالک ذکرک آفاق میں منتشر اور مشتہر کرتے۔

خلاصہ یہ کہ ذکر ثابت الاصل ہے، عہدِ صحابہ میں تقاضا کر کے وصف حضرت کا سنتے تھے اور اس میں دل لگاتے تھے:

○ ترمذی نے شمائل میں روایت کی ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوال کیا ہند بن ابی ہالہ سے وکان وصافا عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ بہت وصف کیا کرتے تھے حلیہ شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وانا اشتھی ان یصف لی شیئا اتعلق بہ اور میں یہ چاہتا تھا کہ وہ مجھ کو وصف سنائیں کچھ صورت مبارک کا اور دل لگاؤں میں اس سے الی آخرہ۔

اب دیکھیے یہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نواسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقتِ وفاتِ حضرت سات برس کے تھے اتنی عمر والا اپنے اقربا کی صورت بھولا نہیں کرتا حالانکہ یہ صاحبزادے رضی اللہ عنہ تو کمال ذہین اور متین اور قوی الحفظ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حفظ کر کے

روایت فرماتے تھے۔ چنانچہ صحاح ستہ کے چند ائمۂ حدیث نے قنوت وتر کی حدیث ان سے روایت فرمائی ہے اور اسماء الرجال میں انکو صحابہ میں شمار کیا ہے، پس ظاہر ہے کہ ایسا صاحب حفظ ایسے پیارے نانا جان کی صورت جو ہر دم گود میں رکھتے تھے کندھے پر چڑھا لیتے تھے نہیں بھولے تھے بلکہ مزہ لینے کے لیے کہ تذکرہ حضرت کا موجب سرورِ قلب ہو اور خوب سُن کر دل میں اچھی طرح منضبط کریں اس لیے ہند ابن ابی ہالہ سے سوال کیا کہ سُنا وہ مجھ کو وصف شکل مبارک کا، پس بیان کیا ہند ابن ابی ہالہ نے۔ وہ حدیث طویل ہے شمائل میں مذکور ہے، اور ہند ابن ابی ہالہ کی نسبت جو یہ لفظ آیا کان وصّافاً عن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لفظ "وصّافاً" صیغہ مبالغہ کا ہے اور مبالغہ کثرت سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ کثرت سے بیان فرماتے رہتے تھے حلیہ شریف۔

○ اور اسی طرح دارمی وغیرہ محدثین ابو عبیدہ سے کہ وہ تابعی اور مقبول بین المحدثین ہیں روایت کرتے ہیں کہ ابو عبیدہ نے پوچھا مسماۃ رُبیع صحابیہ سے کہ وصف سنا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ وہ بولی:

لو رایتہ لقلت الشمس طالعۃ۔

جو دیکھتا حضرت کو تو بول اٹھتا یہ سورج نکلا ہوا ہے۔

○ اور اسی طرح بیہقی نے روایت کی کہ ابو اسحٰق جو ایک تابعی جلیل القدر ہے اس نے ایک عورت صحابیہ سے پوچھا کہ بیان کر مجھ سے کہ کیسے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟

قالت کالبدر لیلۃ القمر لم ار قبلہ لا بعد مثلہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ وسلم۔

(اس نے کہا: حضرت ایسے تھے جیسا چاند چودھویں رات کا، میں نے حضرت کی طرح کا حسین وجمیل نہ حضرت سے پہلے دیکھا اور حضرت کے بعد، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲)

غرضکہ اس قسم کی بہت روایتیں موجود ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین میں بہت تذکرہ آپ کے اوصاف کا رہتا تھا عہدِ صحابہ اور اس زمانہ میں بس اسی قدر فرق ہے کہ اُس وقت میں مختصر طور پر روایتیں بیان ہوتی تھیں اب تفصیل اور تطویل سے ہوتی ہیں جس طرح علمِ حدیث کا حال ہے حضرت شاہ ولی اللہ انتباہ میں لکھتے ہیں کہ صدرِ اوّل میں حدیث لکھنے کا دستور نہ تھا یعنی صحابہ میں حدیث کا تذکرہ اور یادگاری زبانی ہوتی تھی بعد ان کے حدیثیں لکھی جانے لگیں اور ایک صدی کے بعد بہت اہتمام کتابت کا ہوا، پھر دوسری صدی کے بعد پوری طرح پر کامل تصنیفیں ہونے لگیں انتہٰی

غرضکہ یہ جو کتب احادیث میں اب ہے کہ ایک قسم کی حدیثوں کا باب الگ، نماز کی جس قدر حدیثیں ہیں وہ محدثوں نے ایک جگہ جمع کردیں، اور زکوٰۃ کی ایک جگہ۔ یہ بات پہلے نہ تھی۔ پس اس طرح وہ جو روائتیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کی بابت اور وقائع میلاد و رضاع وغیرہ کی بابت صحابہ میں منتشر متفرق تھیں، ایک وقت وُہ آیا کہ محدثین کے دل میں آیا ان کو ایک جگہ جمع کردیا جائے۔ تب محدثین نے ان کو جمع کیا وہ رسالے بن گئے۔ سینکڑوں رسائلِ میلادیہ تصنیف ہوگئے ازانجملہ مولد شریف حافظ شمس الدین محدث دمشقی کا ہے مورد الصادی فی مولد الہادی، اور لکھا محمد بن عثمان لولوی دمشقی نے الدر المنظم فی مولد النبی الاعظم، اور لکھا امام القراد والمحدثین ابن جوزی نے عرف التعریف فی مولد الشریف، اور لکھا مجد الدین صاحب قاموس نے نفحات العنبریہ فی مولد خیر البریہ سب کا نام

لکھنا طول کو پہنچاتا ہے، غرضکہ علاّمہ سخاوی اور ابنِ حجر وغیرہ محدثین ہر کسی نے شریک ہونا اس خیر میں اور جمع کر دینا اس قسم کی روایات کا ایک الفاظ پاکیزہ اور ترکیب نفیس میں نظماً و نثراً اپنی مایۂ سعادت سمجھا اور پڑھے جانے لگے وہ رسائل محافل میں، پھر فارسی زبانوں سے فارسی زبان میں، اور بلادِ رومیہ میں ترکی زبان میں، اور ہندوستان میں ہندی زبان میں ترجمہ ہو کر پڑھے جانے لگے، اور یہ ذکرِ پاک بسکہ موجبِ فرحت و سرور تھا اس میں بعض سامانِ سرور مثل زینتِ مجلس اور استعمال بخور اور عطریات اور اطعام طعام و شیرینی و اجتماع اخوان و خلان بھی داخل اور شامل ہو گئے، ان امور کے شامل ہونے کو علمائے دین نے جائز رکھا۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی[1] (متوفی ۹۱۱ ھ) نے حسن المقصد میں اور ملّا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ ھ) نے مورد الروی میں علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے:

واما ما یھتم من السماع واللھو وغیرھما فینبغی ان یقال ماکان من ذلک مباحا بحیث یعین السرور بذلک الیوم فلاباس بالحاقہ وماکان حراما او مکروھا فیمنع۔	اور جو شامل ہو محفل مولد شریف میں سماع اور لہو وغیرہ تو یہ کہنا چاہیئے جو چیز مباح ہے اور خوشی اس سے زیادہ ہوتی ہے اُس کا شامل کر محفل میں کچھ ڈر نہیں اور جو حرام یا مکروہ ہیں ان کو شامل نہ کریں

اس سے معلوم ہوا کہ لہو یعنی مزامیر تو شریک نہ کریں کیونکہ وہ منع ہیں اور سماع سادہ یا اور چیزیں مباح اگر شامل ہوں تو کچھ حرج نہیں۔

---

[1] امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ عالمِ بیداری میں بالمشافہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مستفیض ہوئے۔ (کتاب المیزان للامام الشعرانی ج ۱ ص ۴) محمد شریف گل

اور اس عمل کو تخصیص دی گئی ساتھ مہینہ مبارک ربیع الاوّل کے ہر چند وہ تذکرہ رواں آسا تو قدیم یعنی وقتِ صحابہ سے چلا آتا تھا لیکن یہ سامانِ فرحت و سرور کرنا اور اس کو بھی مخصوص شہرِ ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بارھواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا یعنی چھٹی صدی کے آخر میں اور اول یہ عمل ربیع الاول میں کرنا تخصیص اور تعین کے ساتھ شہر موصل ہوا کہ ایک شہر ہے ملک عراق میں، وہاں ایک متقی دیندار شیخ عمر جو صلحاءِ روزگار تھے اُنہوں نے یہ عمل ایجاد کیا۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سات سو برس سے مولد شریف نکلا ہے، اُس کے یہ معنی کہ بعض خصوصیات کے ساتھ اتنے دنوں سے ہے ورنہ اصل تذکرہ مولد شریف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے چلا آتا ہے' اور بادشاہوں میں اول بادشاہ ابو سعید مظفر نے مولد شریف تخصیص و تعین کے ساتھ ربیع الاول میں کیا، غرض کہ اس بادشاہ نے شیخ عمر مذکور کی پیروی اس فعل میں کی ہر سال ربیع الاول میں تین لاکھ اشرفی لگا کر بڑی محفل کیا کرتا تھا اُس کے زمانے میں ایک عالم ابوالخطاب بن دحیہ جو دحیہ کلبی صحابی کی نسل اور اولاد میں تھا جس کی بابت شرح علامہ زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ) اور دوسری تواریخ عربی میں لکھتے ہیں کہ وہ (ابو الخطاب بن دحیہ) علم حدیث میں بڑے مبصر پختہ کار تھے علم نحو اور لغت اور تاریخِ عرب میں کامل تھے، بہت ملکوں میں پھر کے اُنہوں نے علم حاصل کیا تھا، اکثر شہروں ملک اندلس میں اور مراکش اور افریقہ اور دیارِ مصر اور شام و دیارِ شرقیہ و غربیہ و عراق و خراسان و مازندان وغیرہ میں علم حدیث حاصل کرتے اور دوسروں کو فائدہ دیتے پھرے، انجام کار ۶۰۴ھ میں وہ شہر اربل میں آئے یہاں سلطان ابو سعید مظفر کے لئے مولد شریف تصنیف کیا اُس کا نام رکھا "کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر"، اور خاص آپ نے

اُس کے سامنے پڑھا، ایک ہزار اشرفی انعام میں سلطان سے پائی۔ منکرین لوگ اس عالم محدّث کو بباعث مولد شریف لکھنے اور پڑھنے کے دشمن جانتے ہیں اور ان کی بُرائی لکھتے ہیں حالانکہ کتب معتبرہ میں ان کی تعریف مندرج ہے۔ اور اسی طرح سلطان مظفر کو بھی بُرا کہتے ہیں اس کے پلٹنوں میں طبل غازی بجتا تھا اس بات سے منکرین نے اس پر مزامیر سُننے کا عیب لگایا حالانکہ وہ آلات تہیہ جہاد میں داخل تھا اس قسم کے طبل وغیرہ چیز دیگر ہیں اور مزامیر لہو ولعب چیز دیگر، اور محفل میں مدائح مصطفویہ سُن کر شدّت سرُور سے اس کو وجد ہوتا تھا اس لئے اس کا نام ان بھلے مانسوں نے رکھا کہ وہ محفل میں ناچتا تھا اور لکھا کہ اس کی محفل میں خیال گائے جاتے تھے یہ خاکا اڑایا اس کا کہ یہ اشعار نعت پڑھے جاتے تھے اور اشعار کی تعریف خود کتابوں میں تصریحاً لکھی ہے کہ اشعار مقدمات خیالی کو کہتے ہیں، پس کہاں تو یہ خیال اور کہاں وہ پٹا اور خیال تواریخ عربی میں طومار کے طومار اس کی تعریف میں بکھرے ہوئے ہیں یہ موقع طول کا نہیں اس لیے ایک مختصر عبارت علامہ زرقانی شارح مواہبہ کی لکھتا ہُوں کہ اُنہوں نے علامہ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) کی تاریخ سے نقل فرمائی ہے:

کان شھما شجاعا بطلا عاقلا عادلا محمود السیرۃ۔

تھا وہ بادشاہ بہادر، جوانمرد، دلیر، عقلمند، منصف۔ تعریف کی گئی خصلت اور عادت اس کی ۱۲

الحاصل اس بادشاہ کے وقت میں دُھوم سے محفل ہونے لگی اور شامل ہونے لگے اس میں بڑے بڑے علما اور مشائخ صوفیہ۔

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے:

وکان یحضر عندہ فی المولد اعیان

اور اس کے پاس مولد شریف میں

العلماء والصوفيه ۔ بڑے بڑے علماء اور مشائخ صوفیہ شامل ہوتے تھے

اور جلال الدین سیوطی نے فتویٰ حسن المقصد میں لکھا ہے :

احدثه ملك عادل عالم وقصد به التقرب الى الله عز وجل وحضر عنده فيه العلماء والصالحون من غير نكير۔

یعنی جاری کیا اس عمل کو ایک بادشاہ عادل عالم نے اور ارادہ کیا اس میں اللہ عز وجل کی نزدیکی کا اور حاضر ہوئے اس میں علماء اور صالحین، اور کسی نے اس میں انکار نہ کیا ۱۲

مولد شریف پر بلا نکیر اجماع ہونے کے پچاس برس بعد فاکہانی پیدا ہوا

اس سے معلوم ہوا کہ بلا انکار سب علماء وصلحاء کا اس پر اجماع ہو گیا لیکن اس اجماع کے پچاس برس بعد تاج الدین فاکہانی مغربی پیدا ہوا ۔ کیونکہ ولادت اس کی ۶۵۴ ھ میں ہے اور اول محفل ابوسعید مظفر کی ۶۰۴ ھ میں ہوئی ، اور انتقال اس بادشاہ مظفر کا ۶۳۶ ھ میں۔ غرضکہ اس اجماع کے بعد اور وفات شاہ مظفر کے بعد بھی اس عالم فاکہانی نے مخالف جمہور ہو کر عدم جواز مولد شریف میں فتویٰ لکھا، سو فقہا و محدثین نے اس کو رد کیا اور بدستور قدیم جاری رہا یہ عمل مستحق التعظیم اور رائج ہو گیا تمام بلادِ اسلامیہ میں شرقاً وغرباً جنوباً وشمالاً ۔ چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی وقسطلانی وغیرہ نقل کرتے ہیں :

ثم لا زال أهل الاسلام فى سائر الاقطار والمدن الكبار يحتفلون فى شهر مولده ويعتنون بقراءة مولده الكريم ويظهر عليهم من

پھر ہمیشہ کرتے رہے اہلِ اسلام تمام اطراف میں بڑے بڑے شہروں میں محفلیں شہرِ مولد یعنی ربیع الاول میں اور دل لگا کر پڑھتے رہے مولد شریف اور ظاہر

برکاتہ کل فضل عمیم۔ ہوتے ہیں اُن لوگوں پر برکات مولد شریف سے ہر طرح کا فضل عام ۱۲

اور علی قاری نے کل ملکوں میں مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے جس کا جی چاہے ان کے رسالہ مورد الروی میں دیکھے، وہ لکھتے ہیں یہ بات کہ "حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً اور ملک مصر اور ملک اندلس اور ممالک مغربی اور ملک روم اور ملک عجم اور ملک ہندوستان وغیرہ میں کمال اہتمام اور احتشام سے ہوتی ہیں محفلیں مولد شریف کی۔" اور یہ بھی لکھا ہے:

ومن تعظیم مشائخھم وعلمائھم ھذا المولد المعظم والمجلس المکرم انہ لایاباہ احد فی حضورہ رجاء ادراک نورہ۔

ضمیر غائب لفظ ھم راجع ہے جمیع مذکورین دیار و امصار مذکورہ بالا کی طرف پس معنی یہ ہوئے کہ اس محفل اور مجلس کی تعظیم ان سب ملکوں کے مشائخ طریقت اور علمائے شریعت اس قدر کرتے ہیں کہ کوئی اس میں حاضر ہونے سے انکار نہیں کرتا انتہی کلامہ

پس مقبولیت اور شہرت اور کثرت اس عمل پاک کی کلام ملّا علی قاری وغیرہم سے ظاہر ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء و مشائخ میں کوئی انکار نہیں کرتا تھا، اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جو کوئی ایک دو آدمی اِدھر اُدھر انکار کرتا رہا وہ مخالف ہزاروں بلکہ لاکھوں کا اور خلاف سوادِ اعظم سمجھ کر ہر دور اور ہر عہد میں غیر مقبول اور متروک العمل رہا۔

اور کلام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ ثم لا زال اھل الاسلام فی سائر الاقطار والمدن الکبار یعملون المولد جو سیرت حلبی میں منقول ہے، اور اسی طرح کلام ابن الجزری ولا زال اھل الاسلام یحتفلون شھر مولدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو مواہب لدنیہ مؤلفہ شیخ شہاب الدین قسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) میں منقول ہے

ان میں لفظ لاتزال اھل الاسلام اجماع جماہیر اہل اسلام اور استمرار اس عمل مقبول انام کا فائدہ دے رہا ہے۔ چنانچہ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں زمانہ قدیم سے اب تک، اور ملک روم وشام اندلس اور ممالک مغربی وغیرہ تمام بلاد اسلامیہ میں ہمیشہ سے اس وقت تک اسی استحباب اور استحسان محفل مولد شریف پر عمل ہے سوائے اس خطۂ پاک حضرت ہندوستان کے کہ اس میں طرح طرح کے انکار پیدا ہو گئے اور زمانہ قدیم میں ہندوستان میں بھی علماء ہند کے مقبولین معتمدین متقدمین مثل شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور ملا محمد طاہر صاحب مجمع البحار استحباب عمل مولد کے قائل تھے اور نیز بعض قصص وحکایات ہمایوں وغیرہ بادشاہان دہلی سے اور نیز کلام حافظ ابو الخیر سخاوی سے ملک ہندوستان میں رائج ہونا اس عمل پاک کا یقینی طور پر معلوم ہے انتہا یہ کہ اس وقت میں جو حکام فرمانروا انگریزی ہیں کہ ان کو کچھ علاقہ تعظیم وآداب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بایںہمہ انہوں نے بھی اپنی کچہری اور محکمہ میں جا بجا اہل اسلام کے لیے مثل عید اور بقر عید اور شب برات کی ایک دن چھٹی اور تعطیل کا واسطے خوشی میلاد حضرت خیر العباد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارھویں تاریخ ربیع الاول کو مقرر کر رکھا ہے افسوس صد افسوس کہ حکام انگریز اپنے کاروبار ضروری میں حرج منظور کریں اور اپنے حقوق خدمت اور کارگزاری کو اس روز واسطے بجا آوری مراسم فرحت وسرور تعظیم حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے موقوف کریں یہ لوگ اس کے مقابل میں زبان مبارک سے فرمائیں۔ معاذ اللہ منہا کہ یہ فعل بدعت ہے اور ضلالت ہے اس دینداری اور خوش عقیدتی پر افسوس خیر انکار کرنے والے انکار کریں اگر ان کو یہی توفیق ہے کنارہ کیا کریں محفل پاک ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، مگر ہم اس وقت تک کا ثبوت کامل دے چکے کہ مشرق سے مغرب تک کل ممالک اسلامیہ میں اہل اسلام اس پاک عمل کو محمود

اور مستحسن جانتے ہیں۔ پس کافی ہے ہم کو حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ فرماتے ہیں: ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسنٌ۔

یعنی جس چیز کو اہلِ اسلام اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔

اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں مرفوعاً روایت کی ہے:

سألت ربی ان لا تجتمع امتی علیٰ ضلالۃ فاعطا نیھا یعنی میں نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو، سو پورا کیا پروردگار نے میرا سوال۔

اور ابن عمر سے مرفوعاً روایت ہے:

ان اللہ لا یجمع ھذہ الامۃ علیٰ ضلالۃ ابدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہ کرے گا۔

اور یہ معلوم ہو چکا کلام سیوطی سے کہ سنہ چھ سو چار (۶۰۴ھ) سے علماء وصلحاءِ اُمّت کا اجماع بلا نکیر اس عمل کے استحسان پر ہے پس مجتمع ہونا علماءِ امت کا دلیل لاثانی ہے از رُوئے حدیث اس بات پر کہ یہ عمل ضلالت نہیں۔

اور فاکہانی مغربی نے جو بعد مدتِ دراز پیدا ہو کر مخالفت کی یہ خود ان کی خطا ہے آیہ[1] مَن یتبع غیر سبیل المؤمنین سے اندیشہ کرنا ضروری تھا، پس فاکہانی کی مخالفت اتفاقِ علماءِ سلف کے خلاف ٹھہری والعمل علی الخلاف خرق الاجماع قاعدہ مسلّمہ ہے یعنی اتفاقِ اُمت کے خلاف عمل کرنا اجماع کا توڑ دینا ہے، اور یہ بڑی خطا ہے، اور فاکہانی کے بعد جو بعض آدمی انکار میں اس کے تابع ہُوئے وہ خلاف کی پیروی ہے جو ناجائز ہے، اصطلاحِ شرع میں

---

[1] اور جو مسلمانوں کی راہ سے جُدا راہ چلے ہم اُسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے۔ (پ ۵، س النساء، آیت ۱۱۵)

اس کو اختلاف نہیں کہہ سکتے اگر کوئی اس کو اختلاف ہی قرار دے اور کسی ناحیہ کے دس پانچ مولوی ایک جرگہ باندھ کر اور اس عمل پاک کا انکار کر کے صورتِ اختلاف ظاہر کریں تب بھی کلامِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تصفیہ صاف ہے۔ ابن ماجہ و دارقطنی وغیرہ محدثین حضرت انس سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے:

اذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم۔

یعنی جب تم علمائے اُمت میں اختلاف دیکھو تو جس بات پر سوادِ اعظم (بڑی جماعت) ہو اس کی پیروی کرو۔

سوادِ اعظم سے مراد اکثر مسلمین ہیں

اور جو لوگ سوادِ اعظم کے معنی میں ہیر پھیر کر کے طرح طرح کی باتیں پیش کرتے ہیں وہ قابلِ التفات نہیں جمہور محدثین کے نزدیک اس کے معنی وُہ ہیں جو مولانا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم نے اپنی مطبوعہ مشکوٰۃ میں شرح ملا علی قاری سے نقل کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

یعبر بہ عن الجماعۃ الکثیرۃ والمراد ما علیہ اکثر المسلمین۔

یعنی سوادِ اعظم سے مراد جماعتِ کثیر ہوتی ہے یعنی تم پیروی اس کی کرو جس پر اکثر مسلمان ہوں۔

اور اسی طرح مولانا اسحٰق صاحب کے خلیفہ و شاگرد رشید نواب قطب الدین خاں صاحب نے مشکوٰۃ کے ترجمہ مظاہر الحق میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے جو اعتقاد اور قول و فعل اکثر علماء کے ہوں اُن کی پیروی کرو۔

باقی رہی یہ بات کہ مراد اکثر علماء سے کس فریق کے علماء ہیں، اس کو علمِ اصول

کی کتاب توضیح میں واضح کردیا کہ وہ اہل السنت والجماعت سے ہونی چاہیے،
عبارت یہ ہے:

والسواد الاعظم عامة المسلمين ممن هو امة مطلقة اهل السنة والجماعة۔

(سوادِ اعظم امت مطلقہ کے تمام مسلمان اہلسنت و جماعت ہیں)
اور یہ بھی علمِ اصول میں معلوم ہوچکا کہ جس عمل پہ مدتِ دراز سے اتفاق علماء محققین کا ہووے وہ شرع میں حجت اور دلیل حقیقت ہے مسلم الثبوت کے آخر تتمہ میں ہے:

ان اتفاق العلماء محققين على ممر الاعصار حجة كالاجماع۔

(کسی چیز کے متعلق مدتِ دراز سے محققین علماء کا اتفاق اجماع کی حجت ہے)
اور شارح بحر العلوم نے اس مقام پر تحت قولہ المحققین یہ لکھا کہ:
وان كانوا غير مجتهدين۔ (اگرچہ وہ علماء غیر مجتہد ہوں)
مطلب یہ نکل آیا کہ اتفاقِ علماء اہلِ تحقیق کسی امر پہ جو مدتِ دراز سے چلا آتا ہو اگرچہ وہ علماء مجتہد بھی نہ ہوں تب بھی حجت ہے مثل اجماع اب دیکھنا چاہئے کہ علماء مجوزین مولد شریف مثل ابو شامہ و ابن حجر و ابن جزری و سیوطی و علی قاری وغیرہم جن کے نام نامی لمعہ تاسعہ میں درج ہوں گے سب اہل سنت و جماعت ہیں کسی نے معاذ اللہ ان کو اہلِ بدعت میں شمار نہیں کیا اور یہ لوگ محققین بھی ہیں بناءً علیہ عمل مولد شریف پر ان سب کا اتفاق حجت ٹھہرا مثل اجماع و الحمد للہ علی ذلک۔

لمعہ ثانیہ میں یہ بیان کہ خاندان عزیزیہ کے مشائخ کرام شاملِ محفلِ مولد شریف ہوئے ۔ اور جناب مرشدی و مولائی حضرت حاجی

امداد اللہ صاحب علم فیوضہم بھی شریکِ محفل ہوتے ہیں۔ بیانِ مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ آپ نے علی محمد خاں صاحب رئیس مراد آباد کے نام جو خط رقم فرمایا ہے عبارت اس کی ملخصاً یہ ہے:

در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد مے شود اول کہ مردم روز عاشورا یا یک دو روز پیش ازیں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ قریب ہزار کس و زیادہ ازاں فراہم می آیند و درود می خوانند بعد ازاں کہ فقیری مے نشیند و ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان می آید و انچہ در احادیث اخبار شہادت ایں بزرگان وارد شدہ نیز بیان کردہ میشود بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیت خواندہ بر ما حضر فاتحہ نمودہ می آید پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر جائز نمی بود اقدام برآں اصلاً نمی کرد باقی ماند مجلس مولود شریف پس حالش اینست کہ بتاریخ

سال کے اختتام پر فقیر کے گھر میں دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، ایک محفلِ خاص یوم عاشورا کو ہوتی ہے لوگ عاشورا کے دن یا ایک روز قبل جمع ہو جاتے ہیں جو تقریباً چار یا پانچ سو آدمی بلکہ ہزار گیارہ سو کے قریب ہوتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں، اس کے بعد فقیر (شاہ عبد العزیز) بیٹھتا ہے اور حدیث شریف میں وارد شدہ فضائلِ حسنین بیان کرتا ہے اور وہ جو احادیث مبارکہ میں ان بزرگوں کی شہادت کی خبریں وارد ہوئیں وہ بھی بیان کرتا ہے اس کے بعد ختم قرآن اور پانچ آیات پڑھی جاتی ہیں' و طعام ما حضر پر فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ پس اگر یہ چیزیں

دوازدہم شہر ربیع الاول ہمیں کہ مردم موافق معمول سابق فراہم شدند و در خواندن درود شریف مشغول گشتند وفقیر می آید اولاً بعضے از احادیث و فضائل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذکور میشود بعد ازاں ذکرِ ولادت باسعادت و نبذی از حال رضاع و حلیہ شریف و بعضے از آثار کہ دریں اوان بظہور آمد بمعرض بیان می آید پس برما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس میشود۔

فقیر (شاہ عبدالعزیز) جائز نہ سمجھتا تو ان کو بجا بھی نہ لاتا۔ باقی رہی دوسری مجلس مولد شریف، اس کی کیفیت کچھ یوں ہے ۱۲ ربیع الاول کو بھی حسب معمول لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود شریف پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں اور فقیر (شاہ عبدالعزیز) بھی محفل میں بیٹھتا ہے اور اولاً بعض احادیث و فضائلِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذکر کرتا ہے اس کے بعد ذکرِ ولادت باسعادت، آپ کی رضاعی زندگی حلیہ شریف میں بعضے وہ آثار (نشانیاں) جو ان وقتوں میں ظاہر ہوئے بیان کرتا ہے اس کے بعد طعام ماحضر یا شیرینی پہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور اس طعام یا شیرینی کو حاضرینِ مجلس میں تقسیم کیا۔

یہ شاہ عبدالعزیز صاحب وہ ہیں کہ شہرہ ان کا زبان زد جمیع صغار و کبار ہے اور زمرۂ منکرین کے نزدیک بھی سلسلۂ سندِ حدیث ان تک پہنچ جانا کمال درجہ مایۂ افتخار ہے، سو جس طرح ہم ان کی تحریرات سے ثبوت وجود بدعت حسنہ ثابت کر چکے ہیں اور صدقات مروجہ اموات میں بھی ان کی سند دے چکے اب انہی کے کلام سے بدعت حسنہ کی اس فرد خاص ذی اختصاص مروجہ فیما بین اہلِ اخلاص یعنی محفل مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند گزار دی اور تبعاً فاتحہ بر طعام کی بھی اس میں تائید ہو گئی۔

اب بیان حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سنیئے۔ یہ جناب

شاہ عبدالعزیز موصوف الصدر کے باپ اور استاد اور پیر تھے، آپ نے اپنا حال کتاب فیوض الحرمین میں لکھا ہے عبارت یہ ہے:

كنت قبل ذلك بالمكة المعظمة فى مولد النبى صلى الله عليه وسلم فى يوم ولادته والناس يصلون على النبى صلى الله عليه وسلم ويذكرون اوصافه التى ظهرت فى ولادته ومشاهدته قبل بعثته فرأيت انوارا سطعت دفعة واحدة لا اقول انى ادركتها ببصر الجسد ولا اقول ادركتها ببصر الروح فقط والله اعلم كيف كان الامر بين هذا وذلك فتاملت الانوار فوجدتها من قبل الملئكة الموكلين بامثال هذه المشاهدة بامثال هذه المجالس ورأيت يخالط انوار الملئكة انوار الرحمة انتهى۔

یعنی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس سے پہلے مکہ معظمہ میں تھا مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بروزِ ولادت یعنی بارھویں تاریخ ربیع الاول کی اور آدمی درود پڑھتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ذکر کرتے تھے وہ کرامتیں جو وقتِ ولادت شریف ظاہر ہوئیں اور وہ حالتیں جو قبلِ نبوت وقوع میں آئیں تب میں نے دیکھا کہ یکایک بلند ہو گئے انوارِ غیبی، میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے یہ واقعہ ظاہری آنکھ سے دیکھا یا باطنی اور بصیرتِ روحی سے، اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ کیا عالم تھا درمیان ظاہر و باطن کے، غرض میں نے تامل کرکے غور سے اُن انوار کو دیکھا تو وہ اُن فرشتوں کے انوار تھے جن کو حق تعالیٰ نے معین کر رکھا ہے اس بات پر کہ ایسے ایسے مقامات میں اور ایسی ایسی مجلسوں میں حاضر ہوا کریں، اور یہ بھی میں نے دیکھا کہ انوارِ ملائکہ کے ساتھ انوارِ رحمت کا خلط ملط ہو رہا تھا انتہیٰ

یعنی ایک تو ملائکہ خود اجسام نوری ہوتے ہیں دوسرے انوار رحمت حاضرینِ مجلس کے لیے نازل ہوتے۔ یہ دونوں انوار مل کر مجلس نورٌ علیٰ نور ہو رہی تھی جس کو تعبیر کیا ہے اس عبارت سے فرأیت انواراً سطعت دفعۃً دیکھئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایسی مجالس ذکر ولادت شریف میں ورودِ ملائکہ اور نزولِ رحمت اپنے مشاہدہ سے ثابت کر رہے ہیں۔ اب حال ان کے والد بزرگوار کا جو شریعت و طریقت میں بھی ان کے رہنما تھے، یعنی **حضرت شاہ عبدالرحیم** رحمۃ اللہ علیہ کا حال سنیئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو چالیس حدیثیں عالم رؤیا کی نقل فرما کر اس کا نام الدر الثمین فے مبشرات النبی الامین کیا ہے اس کی بائیسویں حدیث میں نقل کیا ہے:

اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع فی ایام المولد طعاماً صلۃً بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی سنۃ من السنین اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فرأیتہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین یدیہ ھذہ الحمص متبھجا بشاشا۔

فرماتے ہیں شاہ ولی اللہ کہ مجھ کو میرے سردار یعنی میرے باپ نے خبر دی کہ میں ایامِ مولد شریف میں کھانا کیا کرتا تھا تاکہ مجھ کو اتصال ہو اُس کے سبب ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سال مجھ کو کچھ ہاتھ نہ آیا جس سے کھانا پکواتا صرف چنے بھنے ہوئے موجود تھے وہی لوگوں میں بانٹ دئے، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کے آگے وہ چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ ایسے خوش ہیں کہ چہرہ پر بشاشت ظاہر ہے۔

اب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پیرانِ پیر کا حال جو چھ طبقہ اُوپر اُن کے مشایخِ طریقت اور مشائخ حدیث یہ ہیں یعنی **مولانا جلال الدین**

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ شروع کتاب لمعۂ رابعہ میں رسالہ انتباہ سے ان کا سلسلہ نقل کیا گیا ہے سُنئے وہ فرماتے ہیں حُسن المقصد فے عمل المولد میں :

یستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ علیہ السلام بالاجتماع والاطعام وغیر ذلك من وجوہ القربات والمسرات۔

یعنی مستحب ہے ہم کو کرنا شکر میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ جمع ہونے اہلِ اسلام اور کھانا کھلانے کے اور اس کے سوا امورِ مستحسنہ اور خوشحالیوں کے ساتھ۔

یہ عبارت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی روح البیان اور سیرت شامی وغیرہ کتب معتبرہ متداولہ میں بھی سنداً نقل کی ہے۔

اب حال سُنئے شیخ القراء والمحدثین حضرت شیخ الاسلام شمس الدین ابو الخیر ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ کا جو حضرت شاہ ولی اللہ کے نویں طبقہ اُوپر مشائخ حدیث ومشائخِ طریقت میں منسلک ہیں کتاب عرف التعریف بالمولد شریف میں فرماتے ہیں :

فما حال المسلم الموحد من امتہ علیہ السلام یسرُّ بمولدہ ویبذل ما تصل الیہ قدرتہ فی محبتہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمری انما یکون جزاءہ من اللہ الکریم ان ید خلہ بفضلہ العمیم جنات النعیم۔

یعنی کیا حال پُوچھتے ہو اس مسلمان موحد کا جو امتی ہے آپ کا، خوش ہوتا ہے آپ کے مولد سے' اور جہاں تک پہنچتا ہے اُس کا دسترس خرچ کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں، قسم ہے مجھ کو کہ اس کی جزا خدائے کریم کی طرف سے اور کچھ نہیں سوا اس کے کہ اپنے فضل عام سے

اس کو نعیم میں داخل فرمائے۔

اور مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مورد الروی فی مولد النبی میں ایک نقل حضرت ابو الخیر شمس الدین ابن الجزری کی تحریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

قال ابن الجزری رحمۃ اللہ علیہ ولقد حضرت فی سنۃ خمس وثمانین وسبعمائۃ لیلۃ المولد عند الملک الظاھر برقوق رحمۃ اللہ علیہ بقلعۃ الجبل فرأیت ما سرنی وحزرت ما انفق فی تلک اللیلۃ علی القراء والحاضرین من الوعاظ والمنشدین وغیرھم بنحو عشرۃ آلاف مثقال من الذھب مابین خلع ومطعوم ومشروب ومشموم وشموع وغیرھا وعددت ذلک خمسا وعشرین حلقۃً من القراء الصبیین۔

یعنی فرمایا ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے کہ میں حاضر ہوا واقعہ تاریخ سنہ سات سو پچاسی (۷۸۵ھ) رات کے وقت مولد شریف میں بادشاہ مصر ملک ظاہر برقوق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہاڑ کے قلعہ پر جو سلاطینِ مصر کا تخت گاہ تھا میں نے وہ باتیں دیکھیں جنھوں نے مجھ کو خوش کیا میں اندازہ کرتا ہوں کہ اُس رات جمیع قاریوں اور واعظوں اور شعر خوانوں وغیرہم حاضرین پر دس ہزار مثقال طلا خرچ کیا ہوگا خلعت دینے اور کھانے پلانے میں اور خوشبوؤں اور روشنی وغیرہ میں، اور میں نے شمار کئے تو مجلس میں پچیس حلقے لڑکوں نو آموز قاریوں کے تھے تمام ہوا ملخصاً جو مورد الروی میں ہے۔

اور اسی طرح بعینہٖ یہ حال ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا نور الدین ابو سعید بورانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مولد فارسی زبان میں نقل کیا ہے۔

تبصرہ اس وقت عمل مولد شریف میں دو فریق ہیں :
ایک وہ ہیں جو کراہت وحرمت ثابت کرتے ہیں اول پیشوا اُن کا تاج الدین فاکہانی مغربی ہے جس کا قول رسالہ مورد فی الکلام علی المولد میں یہ ہے :

هو بدعة احدثها البطالون وشهوة نفس اعتنى بها الاكالون

اور اس کی چند سطر بعد لکھا :

لم يأذن فيه الشرع ولا بقية الصحابة ولا التابعون -

پھر اس کی دو تین سطر بعد لکھا :

وحينئذ يكون الكلام فيه فى فصلين احدهما ان يعمله رجل من عين ماله لاهله واصحابه وعياله لايجاوز فى ذلك الاجتماع على اكل الطعام ولا يقربون شيئا من الأثام وهذا الذى وصفناه بانه بدعة مكروهة وشناعة والثانى ان يدخله الجناية وهذا لايختلف فى تحريم اثنان انتهى ملخصا -

یعنی یہ عمل مولد جاری کیا ہے بطال آدمیوں نے ، یہ شہوتِ نفس کی بات ہے ، اہتمام کیا اس کا بڑے کھاؤ آدمیوں نے ، نہیں اجازت دی اس کی شرع نے اور نہ صحابہ وتابعین نے اس میں کلام یہ کہ اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ آدمی اپنے مال سے کرے اور اپنے بال بچّوں اور دوستوں اور کنبے کے آدمیوں کو کھلائے اور کچھ بھی نہ کرے سوا اس کے کہ سب کو جمع کر کے کھانا کھلائے اور وہ لوگ کوئی گناہ کی بات نہ کریں تو یہ طریق وہ ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ بدعتِ مکروہہ ہے اور بُرا فعل ہے اور دوسرا طریق مولد کا یہ ہے کہ اس میں گناہ کی باتیں داخل ہوں وہ تو ایسا حرام ہے کہ ہرگز اس میں دو آدمی اختلاف نہیں کر سکتے کہ ایک بھی اُن میں اُس کو درست کہہ دے ۔

اور دُوسرا فریق وہ ہے جو کہتے ہیں کہ صحابہ و تابعین سے کسی فعل کا منقول نہ ہونا مُوجب حُرمت و شناعت نہیں ہوتا اگر مولد امورِ مباحہ و مستحسنہ پر شامل ہوگا تو عروض ہیئت جدیدہ اور اجتماع امور مباحۃ الاصل سے ہرگز حرمت یا کراہت لازم نہیں ہوسکتی پس یہ عمل مباح و مستحسن ہے یہ مذہب ہے سواد اعظم جم غفیر و جماہیر محققین و صالحینِ اُمّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سلفاً و خلفاً یہاں تک کہ وہ مشایخ کرام جن کو ہمارے وقت کے منکرین بھی محقق اور متورع اور اپنا پیشوا سمجھتے ہیں وُہ بھی اسی طرف ہیں چنانچہ ابھی ان کے افعال و اقوال شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت امام القراء والمحدثین ابن جزری قدس سرہ تک نقل کیے گئے۔

اے ہمارے دیس کے رہنے والے مسلمان بھائیو! تم غفلت میں بغیر سمجھے بُوجھے کدھر چلے گئے جمہور اہل سنت و جماعت سے منہ موڑا اپنے خاندان عزیزیہ کے پیشواؤں کو چھوڑا اور اتباع کیا تو کن کا، تاج الدین فاکہانی مغربی کا! العجب العجب! امام المحدثین ابن جزری اہتمام و احتشام مولد شریف پسند فرمائیں، علامہ سیوطی مجدد مائۃ تاسع اُس کے استحباب کا حکم لگائیں، شاہ عبدالرحیم سال بسال بلا ناغہ مولد شریف میں کھانا تیار کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہشاش بشاش پائیں اور ہمارے ہمعصر منکرین قولِ فاکہانی اپنا دستور العمل بنا کر ان سب مشایخ کبار کے افعال و اقوال کو بقول فاکہانی شہوت نفس و بدعت و کراہت و شناعت اور شاہ عبدالرحیم کے ہر سال کھانا تیار کرنے کو احدثہا البطالون و الاکالون میں شامل ٹھہرائیں، معاذ اللہ

اے بھائیو! آؤ اب بھی خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ ہو کر جمہور علماء و اصفیاءِ اُمت اور اپنے خاندانِ عزیزیہ کے مقبولین ذی کرامت

کو اس مغربی کی تقبیح و شناعت سے بچاؤ، اور اگر کوئی یہ وسوسہ لائے کہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بعض علمائے خلف نے حضرت مولانا کا خلاف کیا ہے سو معلوم رہے کہ یہ بالکل خلاف ہے کیونکہ ان کے شاگرد جانشین اور خاص نواسہ مشہور آفاق جناب مولینا محمد اسحٰق صاحب مرحوم کتاب مائۃ مسائل کے جواب سوال پانزدہم میں لکھتے ہیں:

وقیاس عرس بر مولد شریف غیر صحیح ست زیرا کہ در مولد ذکر ولادت خیر البشر است و آں موجب فرحت و سرور است و در شرع اجتماع برائے فرحت و سرور کہ خالی از منکرات و بدعات باشد آمدہ و برائے اجتماع حزن و شرور ثابت نشدہ و فی الواقع فرحت ولادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در دیگر امر نیست پس دیگر امر بریں قیاس صحیح نخواہد شد و معہذا در مولود ہم اختلاف است زیرا کہ در قرون ثلٰثہ مشہود لہم بالخیر است ایں امر معمول نبود بعد قرون ثلٰثہ ایں امر حادث شدہ بنا بریں علماء در جواز و عدم جواز آں مختلف شدہ اند چنانچہ تفصیل و بسط در کتاب سیرت شامی مذکور است من شاء فلینظر فیہ۔

اس عبارت میں چند امور مطلب مخالفین کے مخالف موجود ہیں۔

اول یہ کہ ہمارے عصر کے منکرین دعوٰی کرتے ہیں کہ عمل مولد شریف بالاتفاق ضلالت ہے، یہ کہنا ان کا رد ہو گیا مائۃ مسائل کی اس تقریر سے کہ علماء در جواز و عدم جواز آں مختلف شدہ اند۔ اس عبارت سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر کسی نے منع کیا ہے تو دوسرے علماء جواز پر بھی گئے ہیں پس مولانا اسحٰق صاحب جو تیرھویں صدی میں تھے ان کی تحریر تک بھی منع پر اتفاق نہ ہوا تھا بناءً علیہ دعوٰی اتفاق منع باطل رہا۔

ثانی یہ کہ سیرت شامی کا حوالہ دے کر ظاہر کر دیا کہ اس اختلاف علمائیں مذہب صحیح عمل مولد شریف کا استحباب ہے اس واسطے کہ شامی نے کثرت سے علمائے مجوزین مولد شریف کے اقوال نقل کر کے جواز و استحباب ثابت کیا ہے اور اقوالِ منکرین کو مرجوح و مغلوب و غیر معتمد علیہ رکھا ہے اور آپ نے شیخ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا وہی قول نقل کیا جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں

فیستحب لنا اظہار الشکر لمولدہ الخ

اور نیز نقل کیا شامی نے قول امام القراء ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا استحسانِ مولد میں، اور یہ دونوں محدث بواسطہ شاہ ولی اللہ صاحب مولانا اسحٰق صاحب کے مشایخِ حدیث میں ہیں پس حوالہ دینا مولانا اسحٰق صاحب کا عبارت کتاب شامی پر گویا تصریحاً یہ بیان فرمانا ہے کہ ہمارے مشائخ اور اساتذہ کے نزدیک یہ محفل مبارک مستحسن ہے۔

ثالث یہ کہ جو عمل قرونِ ثلثہ میں نہ پایا گیا ہو لیکن اُس کی اصل شرع میں موجود ہو تو وہ عمل باتفاق فریقین صحیح و درست ہوتا ہے پس مولانا اسحٰق صاحب نے اس عمل کی اصل بیان فرما دی کہ در مولود ذکر ولادت خیر البشر است و آں موجب فرحت و سرور ست و در شرع اجتماع برائے فرحت و سرور کہ خالی از منکرات و بدعت باشد آمدہ۔ اس عبارت سے صاف واضح ہو گیا کہ یہ اجتماع عمل مولد میں اسباب سرور کے ساتھ بشرطیکہ منہیاتِ شرعیہ سے خالی ہو از روئے شرع شریف جائز ہے، اور یہی ہمارا دعویٰ ہے،

مولانا اسحاق صاحب کا شریک ہونا محفلِ میلاد میں

اور مولانا اسحٰق صاحب محفلِ مولد شریف میں برابر شریک ہوتے تھے

چنانچہ مولوی نورالحسن صاحب کے مجموعہ رسائل عشرہ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی کے صفحہ ۴۰ سطر ۱۵ میں یہ مضمون موجود ہے اور راقم نے بذات خود جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب صوفی صافی فقیہ و محدث کافی ساکن گنج مراد آباد ملک اودھ سے جو شاگرد رشید مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے ہیں بذریعہ خط دریافت فرمایا تو آپ نے بسبیل ڈاک یہ جواب تحریر فرمایا (ما ہمراہ حضرت مولانا محمد اسحٰق رفتہ ایم در میلاد آنحضرت) علاوہ اس کے جناب مولانا مشہور زمن ماہر فن جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم سہارنپوری شفاء الصدر مطبوعہ لاہور مورخہ پانزدہم دسمبر ۱۸۸۵ء کے صفحہ ۱۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

ومن جاء مجلس الميلاد فله ان يقوم ان قاموا والا فلا وهكذا يقول المولوى احمد على المحدث المرحوم تبعا لاستاذه مولانا محمد اسحق المغفور۔

یعنی جو کوئی آوے مجلسِ مولود شریف میں اس کو چاہیے کہ کھڑا ہووے جب سب کھڑے ہو ویں اور اگر نہ کھڑے ہوں اہلِ مجلس یہ بھی نہ کھڑا ہووے ایسا ہی کہتے تھے مولوی احمد علی صاحب محدث مرحوم سہارن پوری تابع ہو کر اپنے استاد مولانا محمد اسحٰق صاحب مغفور کے، انتہی

یہاں ان دو محدثوں یعنی مولانا فضل الرحمٰن صاحب و مولانا احمد علی صاحب جو کہ شاگرد ہیں مولانا محمد اسحٰق صاحب مرحوم کے، شامل ہونا ان کا محفل میلاد میں اور مستحسن سمجھنا ثابت ہوگیا۔ پس مخالف نہ ٹھہرے یہ حضرت اپنے نانا اور استاد شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے۔

اب بیان کریں ہم شاہ عبدالعزیز صاحب کے دوسرے شاگرد رشید کا، یعنی حقایق و معارف دستگاہ جناب مولانا شاہ سلامت اللہ

صاحب مرحوم کا، آپ مولد شریف دائم کرتے تھے اور اثباتِ میلاد میں دلائل قاطعہ قایم کرتے تھے نظماً و نثراً اس محفل قدس کی ترغیب دلاتے اشعار دلکش اس باب میں ارشاد فرماتے از انجملہ دو شعر جو اُن کے رسالہ موسومہ 'خدا کی رحمت' میں ہیں رقم کرتا ہوں:

پیدا ہوا جس دن سے محمد سا نبی ہے
یہ شادیٔ میلادِ رسولِ عربی ہے
تعظیم کھڑے ہو کے بجا لاؤ ادب سے
اس کام کا انکار بڑی بے ادبی ہے

سید احمد صاحب کے سامنے مولد شریف کا ہونا

اب سُنیے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ طریقت جناب سید احمد صاحب کا، جو مرشد اور رہنما تھے مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کے، اُن کے حالات میں اُن کے مرید خاص مولوی سید محمد علی صاحب نے ایک کتاب مسمی بہ مخزن احمدی بزبانِ فارسی لکھی ہے جس کو نواب محمد علی خاں صاحب والیِ ٹونک نے مطبع مفید عام آگرہ میں واقعہ ۱۲۹۹ھ میں طبع کرائی ہے اس میں سید احمد صاحب کا سفر عرب جس مقام پر لکھا ہے یوں رقم کیا ہے صفحہ ۸۰:

مقدار مدت ہیچو فصل بہار در گلزار کلکتہ ابواب ہدایت مفتوح داشتہ بعزم سفر یازدہ جہاز بطریق کرایہ مقرر فرمودہ دوازدہ ہزار روپیہ نول آں مقرر کردہ مراکب را بر اہل قافلہ تقسیم فرمودہ و بر ہر مرکب شخصے را امیر ساختہ و برائے زادِ راہ ایں سفر وسیلۃ الظفر بقیمت دوازدہ ہزار روپیہ غلجات از قسم گندم و برنج وغیرہ خرید فرمودہ بر ہر جہاز تقسیم نمودہ فرستادند جہاز موسوم

بدریا بقے کہ ناخدائیش سید عبدالرحمٰن حضرموتی بود و معلم آں داؤد ساکن بندر سورت برائے مسکن خود مقرر ساختند و باناث و ذکور ذوی القربیٰ خویش کہ با طفال و جواری قریب بچہل کس میرسند بر جہاز مذکور جا گرفتند و باقی اہل قافلہ بر مراکب خود ہا نیز بنشستند و بمدت دو شبانہ روز مراکب را در گنگا ساگر جریان نمودہ روز سیوم مقدار یکپاس روز برآمدہ در بحر ذخار در معبرے کہ مشہور بگیلا کاچھی است داخل گردیدند۔

اس کے بعد جہازوں کا کلی کوٹ اور ملیبار جانا بعد ازاں سنگلدیپ پھر وہاں سے لنکا جس کو عرب قلعۃ العفاریت کہتے ہیں پہنچنا لکھا وہ مقام ہولناک تھا اس کا بیان ان الفاظ سے لکھا ہے صفحہ ۸۵ میں:

و بر ہر کس از شما امروز وقت شب یاد الٰہی و تسبیح و تہلیل نامتناہی استغفار از جمیع جرائم و مناہی واجب و متحتم است چوں شب در آمد آں حضرت بعد از نماز عشائین حزب البحر مذکور امشب سہ بار خواندند و می فرمودند کہ عفاریت و شیاطین اگر زہرۂ تقابل بایں گروہ قلیل میدارند اینک گوئے و اینک میداں و در آں شب تاریک آں حضرت اکثر بیدار می بودند و مانند پاسبانان در درسیر گاہ بالا دگاہ زیر مرۃ بعد اخریٰ و کرۃ بعد اولیٰ در تمام جہاز می فرمودند تا آنکہ شب بپایاں رسید و صبح صادق بدمید و جہاز از مکان خوف و ہولناک بخیریت تمام بدر آمد و ہرگاہیکہ روز روشن شد ناخدائے چند طبق حلوائے از حجرۂ خویش بیروں آوردہ مجلس مولد شریف منعقد کردہ بعد از اختتام قصائد مولود بہ شیرینی تقسیم نمود انتہی بلفظہٖ۔

دیکھئے اس بیان سے صاف واضح ہوا کہ مولد شریف بڑی برکت کی چیز ہے جو ایسے مواقع خطرناک میں کہ خود جناب سید احمد صاحب کو بھی رات بھر

تردد رہا تھا پڑھا گیا اور خاص اُس جہاز میں کہ جس میں خاص سید احمد صاحب اور اُن کا کنبہ اور متعلقین خاص تھے غیر کا اُس میں دخل بھی نہ تھا یہ محفل فیض منزل منعقد ہوئی اور یہ امر جو اوپر مذکور ہوا کہ سید احمد کے چالیس آدمی ایک جہاز میں سوار تھے اُس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جہاز دخانی مروجہ حال کی طرح کلاں نہ تھے بلکہ وہ مرکب ہوائی چھوٹے تھے الحاصل خاص سید صاحب کے جہاز میں مولد شریف و قصائد کا پڑھا جانا اور شیرینی کا تقسیم ہونا ثابت ہو گیا وکفیٰ بہ حجۃ۔

مولوی اسمٰعیل اور شاہ عبدالغنی سے ثبوتِ مولد شریف

اب باقی رہے سید صاحب کے مرید خاص **مولوی اسمٰعیل** صاحب دہلوی، سوہم کو اُن کا شامل ہونا محض مولد شریف میں نہیں پہنچا البتہ ایک تقریر اُن کی ایسی پہنچی ہے کہ ضمناً مولد شریف کا اثبات اُن کے منہ سے صاف ثابت ہے وہ یہ ہے جناب مولٰنا رشیدالدین خاں صاحب مرحوم دہلوی نے چودہ سوال مولوی اسمٰعیل صاحب سے کیے تھے اس میں تیرھویں سوال کا جواب جو رقم فرمایا ہے اُس کی عبارت بعینہا جس طرح شان امانت ہی لکھی جاتی ہے:

سیزدہم آنکہ اعرابِ قرآن بدعت است یا نہ اگر ہست حسنہ است یا سیئہ و ایں جمع قرآن بحکم قرآن بود یا بکدام حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بحکم ہر دو نبود پس بدعت است یا نہ ہمچنیں ہر حکمے کہ از نص قرآن شریف یا ظاہر احادیث متیں نبود بدعت ست یا نہ؟

جواب از سیزدہم آنکہ اعرابِ قرآن بدعتِ حسنہ است کہ صحت قرأت عجمیاں بل عربیاں حال برآں موقوف ست لیکن جمع قرآن ظاہراً بحکم

کدام آیت قرآنی ست و نہ بحکم کدام حدیث نبوت پس بدعت باشد لیکن بدعت حسنہ چراکہ مقصود ازاں ضبط و حفظ قرآن ست از ضیاع و غلط و در حسن بودن بعضی بدعات شبہ نیست و اثبات آں از اکثر احادیث میتواں نمود مثل مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عملها وتقیید بدعت مردود بہ بدعت ضلالہ چنانکہ در حدیث ست من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها الله ورسوله الحدیث و حدیث من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد چہ ازاں مردود بودن بدعتے ثابت مے شود کہ تعلقے بدیں نداشتہ باشد پس بدعتے کہ اصل ازاں شرع ثابت باشد مثل اخذ تسبیح و تراویح حسنہ باشد پس حکمی از نص صریح قرآن و حدیث ثابت نباشد بر دو قسم ست یکے بدلیل شرعی دیگر مثل اجماع و قیاس ثابت شود یا اصل شرعی داشتہ باشد آں خود ہرگز بدعت سیئہ نیست بلکہ چوں بدلیل شرعی و بحکم آیہ کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم قواعد استنباط و غیر آں در دین داخل ست در سنت یا بدعت حسنہ کہ در معنی سنت است داخل باشد بلکہ بعمل آوردن بعضے بدعات حسنہ فرض کفایہ چنانکہ در کتب بسیار مصرح است منجملہ آں فتح المبین شرح اربعین امام نووی ست از شیخ ابن الحجر ہیتمی کہ در شے در شرح حدیث خامس گفتہ قال الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما احدث و خالف کتاباً او سنةً او اجماعاً او اثراً فهو البدعة الضلالة وما احدث من الخير ولم يخالف شيئا من ذلك فهو البدعة المحمودة والحاصل ان البدعة الحسنة متفق على ندبها وهي ما وافق شيئا مما مر ولم يلزم من فعله محذور شرعي و منها ما هو فرض كفاية كتصنيف العلوم و نحوها مما مر قال

الامام ابو شامہ شیخ المصنف رحمۃ اللہ علیہ و من احسن ما ابتدع فی زماننا ما یفعل کل عام فی الیوم الموافق لیوم مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من الصدقات و المعروف و اظہار النعمۃ والسرور فان ذلک ما فیہ من الاحسان الی الفقراء مشعر بمحبتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و تعظیمہ و جلالہ فی قلب فاعل ذلک وشکر اللہ تعالیٰ علی ما من بہ من ایجاد رسولہ الذی ارسلہ للعالمین رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم انتہی بحروفہ۔

دیکھیے مولوی اسمٰعیل صاحب اس مقام پر ذکر بدعت حسنہ میں وہ عبارت ابوشامہ محدث کی لائے جس میں صاف صریح استحسان محفل مولد شریف کی ہے اور سوائے اُن کے اور اکابر علماء دہلی مثلاً مولانا محمد کریم اللہ صاحب مرحوم جامع علوم عقلیہ و نقلیہ اور استاذنا مولانا و مولی العالمین مفتی محمد صدرالدین خاں صاحب صدر العلماء والفضلاء اور جناب مولنا احمد سعید صاحب دہلوی عارف و محدث و فقیہ استحباب محفل مولد شریف کے قائل تھے ان کے فتاوی مہری راقم الحروف کے پاس موجود ہیں اور جناب مولنا شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی زبدۃ متورعان روزگار عمدہ محدثین کبار جن سے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی کچھ پڑھا ہے بزم میلاد شریف کے معتقد تھے قیام کرتے تھے۔ اور ایک عبارت مختصر آپ کے رسالہ شفاء السائل میں جو ایام اقامت ہندوستان میں تصنیف فرمایا تھا موجود ہے وہ یہ ہے:

حق آنست کہ نفس ذکر ولادت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و

سرور فاتحہ نمودن یعنی ایصالِ ثواب بروحِ پُرفتوح سید الثقلین از کمال سعادت انسان است چنانچہ شیخ ابن حجر مکی و شیخ عبد الحق دہلوی وغیرہما تصریح نمودہ اند آرے چیز ہائے دیگر اگر مقترن شدند کہ خلافِ شرع ہستند پس البتہ ممنوع خواہد بود مثل مراثی و سرود خوانی الیٰ آخرہ۔

دیکھیے اس مختصر میں آپ سب کچھ فرما گئے یعنی جب کوئی شخص ممنوع باتیں خلاف شرع مثل مرثیہ و سرود خوانی کرنے لگے گا اس کو منع کیا جائے گا

اور اگر یہ نہیں تو آپ کا یعنی طعام یا شیرینی ایصال ثواب کے واسطے مسلمانوں کو دینا اور کھلانا اور آپ کی ولادت شریف کا سرور کرنا انسان کی کامل سعادت ہے۔ جب سرور کرنا کمالِ سعادت ہوا تو جمیع سامان سرور مثل اجتماع و احباب و اخوان استعمال خوشبو و تقسیم شیرینی و اطعام طعام اور ذکر ولادت کے وقت غلبہ محبت و جوش فرحت و سرور میں کھڑا ہو جانا اظہاراً للفرحۃ و السرور بمولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور درود و سلام پڑھنا سرور کرنے میں داخل اور موجبِ سعادتِ انسانی ٹھہرا اور شاہ صاحب موصوف اس بارہ میں دو علماء ربانی کا حوالہ دیتے ہیں ان میں سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی خود صراحۃً عمل مولد کو معہ سامان سرور و تعیینِ یوم ماثبت بالسنۃ وغیرہ تصنیفات میں درست مان رہے ہیں دوسرے ابن حجر مکی وہ بھی امور مذکورہ و قیام مذہب کو اپنی تصنیف مولد کبیر وغیرہ میں صراحۃً لکھ رہے ہیں پس شاہ صاحب نے ان دونوں بزرگوں کا نام عبارت مذکورہ بالا میں لکھ کر ہر ذی عاقل کے لیے کامل اشارہ فرما دیا کہ جس طرح علماء مجوزین کا فریق اس عمل کو مستحسن مان رہا ہے میں بھی مانتا ہوں اور فی الواقع آپ اسی طرح صراحۃً زبانی ارشاد فرمایا کرتے تھے اور یہی آپ کا خود دستور العمل تھا جس کو شک ہو آپ کے مقبول تلمیذ اور

اور شاگرد عزیز جناب مولانا **محمد عبدالحق** صاحب سے جو بالفعل حرمین شریفین
زادہما اللہ شرفاً و دیگر بلادِ اسلامیہ میں دُور دُور تک معروف و مشہور ہیں
دریافت کرے افسوس ہے کہ وہ حضرات کاملین مسبوق الذکر اب موجود نہیں
انتقال فرما گئے لیکن ہم ان کے انتقال و وفات پر صبر کر کے پھر بھی اُس منعم حقیقی
کا شکر بجالاتے ہیں کہ اب بھی حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً میں ہمارے ہندوستان
کے دو رکن رکین حامیِ دین مؤیدِ شرعِ متین قبلہ اربابِ یقین موجود ہیں یعنی استاذی
ملجائی و ملاذی شیخ العلماء حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب عمت فیوضہم و مرشدی و
مولائی و ثقتی و رجائی الحافظ المہاجر مولانا امداد اللہ نفعنا اللہ بانوارہ و اسرارہ
یہ دونوں حضرات بابرکات اس محفل اقدس کو موجبِ خیر و برکت فرماتے ہیں جو کوئی
صاحبِ محفل آپ کو بلائے برغبت اُس کے گھر تشریف لے جاتے ہیں غرضکہ مسلک
آپ کا مشربِ صدق و سداد ہے قیام کی بابت یہ ارشاد ہے کہ نہ اس میں یہ افراط
و غلو چاہیئے کہ اس کو فرض و واجب کہا جائے نہ اس قدر تفریط کہ حرام اور بدعت
ضلالت ٹھہرایا جائے صراطِ مستقیم اور طریقہ بین بین یہ کہ موافق فتوائے علمائے
حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و مطابق تحقیق علماء روم و شام و یمن اس کو
مستحب و مستحسن تسلیم کیا جائے اور یہی اس راقم السطور کا مشرب ہے ربنا افتح
بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین۔

واضح ہو کہ اگرچہ ثبوت محفلِ میلاد شریف راقم نے سلف سے خلف
تک کامل طور سے ثابت کر دیا لیکن چونکہ بعض شبہات مانعین اِدھر اُدھر
قلوبِ مومنین میں وسوسہ اندازی کر رہے ہیں بناءً علیہ اب اُن وساوس و
اعتراضات کا جواب قلمبند کرتا ہوں واللہ ولی التوفیق۔

مولد شریف میں نہ کنھیا کے جنم کا تشبّہ ہے نہ نصارٰی کا

لمعۂ ثالثہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لوگ ہر سال محفل کرتے ہیں یہ مشابہت کرتے ہیں کنھیا کے جنم کی اور نیز اس میں تشبّہ ہے نصارٰی کے بڑے دن کا نعوذ باللہ من ہذا القول والاعتقاد۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اگر فقط ہندوستان میں یہ فعل ہوتا تو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ مسلمانوں نے ہندوؤں سے یہ بات سیکھ لی ان کی مشابہت کا قصد کرتے ہیں۔ تم اصل حال سُن چکے کہ اول یہ عمل عراق کے شہر موصل میں ایجاد ہوا وہ لوگ تو خود کنھیا کو نہیں جانتے کہ کس چیز کا نام ہے اور اس کے جنم کی مشابہت کا قصد کرنا تو درکنار بھلا اگر ہندوستان کے مسلمان جنم کنھیا کی مشابہت کرتے ہیں تو بیان کرو کہ روم شام کے مسلمان اور حرمین شریفین کے علماء جو یہ عمل کرتے ہیں وہ کس کے جنم کی مشابہت کرتے ہیں نعوذ باللہ منہا۔

پس خوب سمجھ لو کہ ہم اس عمل میں تابع ہیں دستور العمل سلاطینِ روم اور فرمانروایانِ ملکِ شام اور ملوک ممالک مغربیہ اور اندلس اور مفتیانِ عرب کی سلمہم اللہ الیٰ یوم الدین۔

اب سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح جنم کنھیا کی اس میں مشابہت نہیں اسی طرح نصارٰی کی مشابہت بھی نہیں اس کی کئی وجہ ہیں:

ایک تو یہ کہ اگر خدانخواستہ مسلمان لوگ نصارٰی کے بڑے دن کو اُن کی طرح کے افعال کرنے لگتے تو جو شعار اُس قوم کا ہے اُس میں شرکت لازم آتی ہے اور مانند اُن کے ہوجاتے اُس وقت میں اُن پر صادق آتا من تشبّہ بقوم فھو منھم کیونکہ تشبّہ کے معنی ہیں مانند ہونا اور یہاں یہ بات تو ہرگز

نہیں پھر اعتراض کیسا!

دوسری وجہ یہ کہ ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجتماع اہلِ اسلام اور استعمال عطریات وحلویات وغیرہ ہرگز شرع میں مذموم یعنی بُری بات نہیں کیونکہ یہ چیزیں شعارِ اہلِ کفر سے نہیں بلکہ اصولِ شرعیہ سے ان کا ثبوت ہے اور پیدا ہونا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا رحمت ہے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں اور رحمتِ الٰہی پر فرحت وسرور کرنے کو حقتعالیٰ امر فرماتا ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا یعنی فرما دیجئے اہلِ اسلام سے کہ ساتھ فضل اور رحمتِ الٰہی کے فرحت وسرور کریں اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ سے پوچھا گیا سبب استحباب پیر کے دن روزہ رکھنے کا جو آپ رکھتے تھے ارشاد فرمایا: میں اس دن میں پیدا ہوا، اسی میں وحی اُتری۔

پس ولادت شریف کی فرحت اور اس کا شکر ادا کرنا اہلِ اسلام نے اصولِ شرعیہ سے ثابت کیا ہے کفار سے نہیں لیا ہے۔ اور تشبہ اس امر میں مکروہ ہوتا ہے جو مذموم شرعی اور شعارِ کفار ہو۔ چنانچہ دُرمختار اور بحرالرائق وغیرہ سے عبارتیں ذکر فاتحہ سیوم میں ہم نقل کر چکے ہیں اور یہی جواب ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے جو تشبہ بالنصاریٰ کا اعتراض ان پر کیا ہے اور اُن کی طرف سے دوسرا جواب یہ بھی ہے کہ پہلے اہلِ اسلام میں تیراندازی تھی جب اہلِ اسلام کے کفار سے مقابلے ہوئے اور ان کے پاس توپ اور بندوقیں تھیں اہلِ اسلام کے لشکر مجاہدین اور غزوات میں بھی یہی آلات تجویز کئے گئے، چنانچہ تیراندازی کو فقہاء لکھتے ہیں: وفی زماننا استغنی عنہ بالمدافع یعنی اب ہمارے زمانہ میں اس کی حاجت نہ رہی بباعث توپوں کے اور جس طرح قواعد حرب پلٹن اور رسالہ وغیرہ کے اُن کے ہاں تھے اس طرف بھی اُسی طرح کر کے مقابلہ کیا گیا، اس کو تشبہ نہیں کہتے یہ آیت فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ

بمثل ما اعتدیٰ علیکم کی تعمیل ہے اس آیۂ کریمہ کے ذیل میں صاحبِ روح البیان لکھتے ہیں :

ای بعقوبة مماثلة لجنایة اعتدائه ۔

یعنی تم بھی اس کو ویسا ہی عذاب دو جیسی انہوں نے زیادتی کی ہے ۔

پس جیسا فریقِ ثانی توپ و بندوق سے مسلمانوں کو بھوننے لگے یہ بھی جواب میں اسی طرح پیش آنے لگے ۔ الحاصل ممالک مغربی وغیرہ کہ حدود اقوام نصاریٰ سے ملحق ہیں جب وُہ لوگ اپنے پیمبر مسیح کی یومِ ولادت میں احتشام و شوکت ظاہر کرکے فخر دکھلاتے تھے اور ضعفاءِ اہلِ اسلام وہ ظاہری شوکت دیکھ کر افسردہ خاطر خستہ دل ہوتے تھے تب ملوکِ مصر و اندلس و مغربی نے جو اہلِ اسلام تھے قومِ نصاریٰ سے بہت زیادہ رونق جلال کے ساتھ اعلاءُ کلمۃ الحق اور اظہارِ شانِ اسلامی کے لیے اپنے نبی مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روز میلاد ماہِ ربیع الاول میں تزک اور احتشام ظاہر کیا ہے تاکہ شوکتِ اسلامی اُن کے مقابل میں بخوبی ظاہر ہو ، طرح طرح کے معجزات کا پڑھنا شروع کیا تاکہ عمدہ طور پر حضرت کے جاہ و جلال و کمال کل عالم پر ہر طرف مشہور و منتشر ہو ۔ یہ تشبہ نہیں ، درحقیقت یہ پست کرنا ہے مخالفین کا اور فروغ دینا ہے شعائرِ دین کا ۔ چنانچہ کلام حافظ ابوالخیر سخاوی میں تصریح ہے اس امر کی ، نقل کیا علی قاری نے اپنے رسالہ مورد الروی میں :

واما ملوك الاندلس والمغرب	لیکن ملک اندلس اور مغرب کے بادشاہ
فلهم فيه يعني في ربيع الاول	نے خاص کر رکھی ہے ربیع الاول میں
ليلة تسير بها الركبان ويجتمع	ایک رات جس میں آدمی دُور دُور
فيه ائمة العلماء الاعيان من	سے آتے ہیں سوار ہو ہو کر اور جمع ہوتے

کل مکان و یعلو بین اہل الکفر کلمۃ الایمان۔

ہیں بڑے بڑے علماء جو وقت کے امام ہیں ہر طرف سے اور بلند ہوتا ہے اہل کفر کے بیچ میں کلمہ ایمان کا ۱۲

اور اسی طرح ابو سعید بورانی نے لکھا ہے:

علماء از اطراف عالم جمع آیند و در تعظیم آں شب یعنی شب میلاد شریف ارغام اہلِ کفر و ضلال نمایند۔

اور خود کلام ابن جزری میں اس کی تصریح ہے:

لو یکن ذلك الا ارغام الشیطان و سرور اهل الایمان۔

یعنی کہا ابن جزری نے کہ نہیں ہے محفل مولد شریف میں مگر ذلیل کرنا شیطان کا اور سرور اہلِ ایمان کا۔

تماشہ یہ ہے کہ کسی دَور میں کفار اس محفل سے جلتے تھے اس دور آخری میں بعضے مسلمان جلتے ہیں۔

اور تیسرا جواب اور بھی ابن جزری کی طرف سے ہو سکتا ہے کہ یہ دستور ہے جو کسی نیک کام کی طرف لوگوں کو ترغیب دیتے ہیں تو ادنیٰ کا ذکر کر کے اعلیٰ کا شوق دلاتے ہیں۔ مثلاً گاؤکشی وغیرہ مقدماتِ دینیہ میں جب اہلِ اسلام کو بے رغبت دیکھیں تو ان کو یہ کہا جائے کہ قوم ہنود باوجودیکہ مذہب ان کا باطل ہے وہ تو باطل پر جانفشانی کریں تم حق پر ہو کے کچھ نہ کرو تم کو ان سے زیادہ عرق ریزی اور جاں نثاری چاہیئے اس کو کوئی عاقل تشبّہ کفار نہ کہے گا۔ اسی قاعدہ پر نازل ہُوا قرآن میں:

ان تکونوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون و ترجون من الله ما لا یرجون[1]۔

---

[1] اگر تم دُکھ پاتے ہو وُہ بھی دکھ پاتے ہیں تم دکھ پاتے ہو اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کی تفسیر دیکھنی چاہیئے اور اسی درجہ میں ہے قول محمد بن مسعود کازرونی کا کردہ لکھتے ہیں:

جب بادشاہ یا امیر ذی اقتدار اپنے گھر میں لڑکا پیدا ہونے کی خوشی میں طرح طرح کے تکلفات و ضیافت کرے حالانکہ وہ ابناء دنیا سے ہے پھر میلاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی میں کیوں نہ کیا جائے کہ سببِ نجات ہے۔ پس اسی قبیل سے قول ابن جزری کا محفلِ میلاد میں واقع ہوا ہے کہ جب نصاریٰ اپنے پیغمبر کی میلاد کی ایسی خوشی کریں ہم تو ان سے زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے نبی کی خوشی کریں اور اسی درجہ میں قول ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی واقع ہوا ہے کہ یہودی نے جب کہا کہ ہم روزۂ عاشورا شکریہ نجاتِ موسیٰ کا رکھتے ہیں آپ نے فرمایا:

انا احق بموسیٰ منکم۔

یعنی تم یہود ان کا شکریہ ادا کرو تو میں زیادہ مستحق ہوں اس کا، کیونکہ مجھ کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وہ جو امید نہیں رکھتے ہو وہ۔

تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ حجت قائم فرمائی کہ لڑائی میں دُکھ اٹھانا تو مشترک ہے تم بھی اٹھاتے ہو وہ بھی اٹھاتے ہیں، پھر وہ تو لڑائی سے باز نہیں آتے تم تو اُن سے زیادہ مستحق ہو اس بات کے کہ لڑائی سے باز نہ آؤ اور خوب کوشش سے لڑو۔ انتہیٰ

اب دیکھنا چاہیئے کہ یہاں بھی تشبہ ہو گیا کہ مومنین کو ارشاد ہوا تم بھی کفار کی طرح لڑائی میں جاندہی کرو تو ایسا تشبہ تو منع نہیں ۱۲

زیادہ مناسبت ہے موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے۔

اور ایک خوبی یہاں اور ہے کہ اگر ابن جزری یہ مقولہ فرما کر محفل میلاد شریف کی بنا ڈالتے تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اسی دلیل پر یہ عمل مبنی ہوا ہے انہوں نے یہ عمل نصاریٰ سے سیکھا ہے حالانکہ یہ عمل اس کلام سے دوسو برس پہلے بہ تخصیص وتعیین روز میلاد شریف ایجاد ہوچکا تھا اور علماء دین اُس کی اصل ونظیر شریعت سے نکال کر فتویٰ دے چکے تھے پس بے سمجھے بُوجھے اس شیخ معظم مرحوم پر تشبۃ نصاریٰ کا الزام نہ لگانا چاہیئے خیر یہ ذکر ودّا اعتراض اس شیخ کا اتفاقی آگیا تھا اب ہم رجوع کریں اصل کلام کی طرف اور بیان کریں واسطے ابطال وجہ تشبہ کے۔

تیسری وجہ وُہ یہ ہے کہ نصاریٰ کا بڑا دن اور ہندوؤں کا جنم کنھیا معین ہے وُہ لوگ اسی ایک دن میں جو کچھ کرنا ہے کرتے ہیں اور اہلِ اسلام کے یہاں یہ بات نہیں کہ خاص بارھویں تاریخ ربیع الاول کے سوا کسی اور دن محفل سرور میلاد شریف منعقد نہ کریں ربیع الاول کی کل تاریخوں میں مولد شریف ہوتا ہے، کسی نے کسی دن کیا کسی نے کسی دن، بلکہ علاوہ ربیع الاول کے اور مہینوں میں بھی اہلِ اسلام مولد شریف کرتے ہیں، اور ہنود اور نصاریٰ میں نہیں ہوتا مگر اُسی دن میں، اور یہ مثال ہم اول دے چکے ہیں کہ صومِ عاشورا میں اور اہلِ کتاب شریک ہیں لیکن ایک روز اول میں جو ہم رکھ لیتے ہیں اتنے میں تشبۃ اہلِ کتاب کا جاتا رہتا ہے، اور ہمارا فعل اُن سے جُدا گنا جاتا ہے فقہ اور حدیث کی کتابوں سے معلوم کرو۔ پس جب اس قدر مخالفت کرنے سے تشبہ باطل ہوگیا حالانکہ ہم اُن کی اصل فعل میں یعنی صوم یوم معین عاشورا میں شریک ہیں پھر کیا خیال کرتے ہو نصاریٰ کے بڑے دن اور کنھیا کے جنم میں کہ اُن کے اُن دونوں دنوں میں اُن کے افعال کے شریک نہیں اور ہم جو محفلِ میلاد شریف کرتے ہیں اس کا آئین اور ترتیب جُدا اور اُن کی رسوم وقواعد جُدا، نہ دن میں شرکت نہ

کاروبار میں مشابہت، استغفر اللہ، یہ چوتھا جواب مجوا ابنِ جزری کی طرف سے۔

خلاصہ یہ کہ امام القراء والمحدثین علامہ ابنِ جزری اور جمیع اہل سنت و جماعت کا مشرب نہایت صاف اور تشبیہاتِ کفر سے یہ بالکل پاک ہے، ہاں یہ حضرت ایسی تشبیہات جنم کنہیا وغیرہ کی محفل پاک کی نسبت پیدا کر کے کچھ اپنی عاقبت بخیر ہونے کا سامان کر رہے ہیں اگرچہ مجھ کو اکثر مبتدعین کی تکفیر میں سکوت ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہو گئے تو اللہ بس ہے اُن کی تعذیب کو میں کیوں مُنہ اپنا آلودہ کروں ہاں البتہ بعض اہلِ علم تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی تشبیہ دینے سے اور محفل ذکر پاک سید الابرار کو اس قسم کی اہانت اور استحقار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے پس اہلِ اسلام کو بہت ضرور ہے کہ ایسے الفاظ خطرناک سے پرہیز کریں وما علینا الا البلاغ۔

مساجد کی زینت میں تشبہ نصاریٰ ہے پھر بھی جائز ہے

فائدہ: چونکہ ابن جزری وغیرہ علماء کبار تک یہ لفظ تشبہ بالہنود والنصاریٰ کا پہنچایا ہے اس لیے ہم شرع سے ایک نظیر پیش کرتے ہیں تاکہ وہ ابرار اس دھبے سے پاک نظر آجائیں وہ یہ ہے کہ اگر کسی کام میں بظاہر تشبہ معلوم ہوتا ہو لیکن مسلمانوں کی غرض قصد تشبہ نہیں بلکہ کوئی مصلحت اور اعلاء شان اسلام مقصود ہے تو وہ فعل مکروہ نہیں رہتا۔ دیکھئے مساجد کی زینت اور تجمل میں حدیث وارد ہوئی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

ما امرت بتشیید المساجد۔

قال ابن عباس:

لتزخرفنہا کما زخرفت الیہود والنصاریٰ۔

یعنی مشکوٰۃ میں بروایت ابوداؤد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ کو حکم نہیں دیا گیا مسجدوں کے بلند بنانے اور چونہ گچ وغیرہ سے سجانے کا۔

فرمایا ابن عباس نے کہ جس طرح یہود و نصارٰی نے اپنی عبادت گاہوں کو نقوش زریں و دیگر تکلفات سے سجایا ہے البتہ تم بھی اسی طرح مساجد کو سجاؤ گے۔

اور ابن ماجہ میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اراکم ستشرفون مساجدکم بعدی کما شرفت الیہود کنائسہا وکما شرفت النصارٰی بیعہا۔

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں کہ تم میرے بعد مسجدوں کی عمارتیں عالی کرو گے جیسی یہود نے عالی شان بنایا اپنی عبادتگاہوں کو اور نصارٰی نے بنایا اپنے معابد کو۔

دیکھئے یہاں خود کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لفظ تشبہ وارد ہے جس سے یہ ثابت ہے کہ اگر مسلمان اپنی مساجد کو بلند بنائیں یا تکلفات نقوش وغیرہ کے ساتھ سجائیں تو یہ فعل یہود و نصارٰی کے مشابہ ہے لیکن باایں ہمہ جائز رکھا اس کو محققینِ اہلسنت و اجتہاد و فتاوٰی نے۔ ہدایہ میں ہے:

لاباس بان ینقش المسجد بالجص والساج وماء الذہب۔

یعنی کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں کہ مسجد میں نقش کئے جائیں چونہ سے یا ساج کی لکڑی یا سونے کے پانی سے۔

اور اسی طرح درِمختار میں لکھا ہے، اور فتح القدیر میں ہے:

مسجد کی زینت کرنے میں تین قول ہیں:

ہمارا مذہب یہ ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں، عبارت یہ ہے:

والاقوال ثلثۃ وعندنا لاباس بہ۔

اور بحر الرائق سے طحطاوی نے نقل کیا ہے:

واصحابنا قالوا بالجواز من غیر کراھۃ۔

یعنی ہمارے اصحاب قائل ہوئے ہیں کہ زینت دینی مسجد کو جائز ہے بلا کراہت۔

اور اُن تین قول میں دُوسرا قول یہ ہے کہ مستحب ہے زینت دینا مسجد کو۔ یہ قول بھی ہدایہ اور شامی وغیرہ میں ہے۔ عبارت شامی یہ ہے:

وقیل یستحب لما فیہ من تعظیم المسجد۔

اور تیسرا قول یہ ہے کہ مساجد کا تجمل و تزئین مکروہ ہے۔ سو یہ قول ضعیف مرجوع ہے۔ علامہ عینی نے شرح ہدایہ میں قرار دیا ہے کہ مانعین کی حجت ضعیف ہے اس لئے سمجھو جیسا کہ ہم اوپر قولِ سخاوی کتاب علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کر چکے کہ یجتمع ائمۃ العلماء الاعیان من کل مکان ویعلو بین اھل الکفر کلمۃ الایمان یعنی جمع ہوتے ہیں مولد شریف میں بڑے بڑے علماءِ دین ہر طرف سے اور بلند ہوتا ہے درمیان اہلِ کفر کے کلمۂ ایمان۔

یہ فائدہ ہم نے بطور تنزل لکھا ہے یعنی درحقیقت اس میں تشبہ نہیں اور اگر تشبہ بھی ہوتا تب بھی یہ عمل بباعث ایک دوسری خوبی کے کہ اس میں بلند ہوتا ہے کلمۃ الحق مستحب اور مستحسن ہوتا جیسا کہ مساجد کی زینت میں گو تشبہ یہود و نصاریٰ کا موجود ہے لیکن بباعث دوسری خوبی کے کہ تعظیم نکلتی ہے خانۂ خدا کی، مستحب اور مستحسن ہے۔

لمعہ رابعہ

یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر تشبہ کفار اس میں نہیں پھر بھی یہ محفل بدعت سیئہ ضرور ہے کیونکہ قرون ثلثہ میں نہیں پائی گئی۔

جواب مولوی اسمٰعیل صاحب اپنی تصنیفات تذکیر الاخوان وغیرہ میں لکھتے ہیں کہ جو عمل ایسا ہو کہ زمانۂ نبوت میں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور تین زمانہ ما بعد یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں وہ عمل بعینہ نہ پایا جاوے اور نہ اُن چاروں زمانوں میں اس کی نظیر اور مثل پائی جاوے وہ عمل بدعت ہے اور جو کچھ مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے انتہی

اصل مولد شریف قرآن و حدیث و صحابہ و دیگر دلائل سے

پس اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ عمل مولد شریف بدعت نہیں اس کی اصل بھی پائی گئی اور اس کی نظیر اور مثل بھی اصل وجود تو یہ ہے کہ نصوص قرآنی بحث مولد شریف میں ہم لکھ چکے ہیں اُن کو دیکھنا چاہئے۔ علاوہ اس کے فرمایا حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے کہ باجماع جمیع مسلمین کعبۃ اللہ کو زینت دی گئی اس طرح سے کہ اندر سے سنہرا کام کیا گیا اور باہر سے غلاف زیبا اس پر چڑھایا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلاف چڑھایا اور مسجد کی زینت میں لوگوں کو رغبت ہوتی ہے مسجد میں آنے کی یہ تکثیر جماعت کا سامان ہے اور تعظیم ہے اس میں خانہ خدا کی انتہی کلامہ۔

اور مجمع البحار کی تقریر ہم اوپر لکھ چکے ذکر چہلم وغیرہ میں کہ لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے۔ اگر مساجد کی زینت کیجائے تو خانۂ خدا کی تحقیر لازم آتی ہے انتہی

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں یہی مضمون رقم فرماتے

ہیں، عبارت یہ ہے کہ :

مردم خانہائے مشید و مزخرف و مطلا میسازند اگر ما مسجد با بخشت و گل سادہ بنا کنیم شاید کہ در نظر عوام خوار نماید و حقیر در آید انتہیٰ۔

خلاصہ یہ ہے کہ مکروہ سمجھنے پر محققین کا عمل نہیں بلکہ عالم میں پھر کر دیکھو جمیع اہلِ اسلام چونہ اور گچ وغیرہ سے خوب صورتی پیدا کرتے ہیں تعمیر مساجد میں، اور جن کو مقدور ہے وہ فروش و قنادیل و نقوش وغیرہ سے زینت دینے میں حتیٰ کہ مؤلف براہین قاطعہ گنگوہی نے بھی اس مقام پر اسی طرح لکھا ہے صفحہ ۱۳۳ سطر ۵ زینت مساجد کی بوجہ ازالہ شین اسلام کے ہے اور رفع شین اسلام کا فرض ہے۔ الیٰ آخرہ۔

بھائی جب وہ تشبہ جو منصوص حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے کسی غرض دین کی کراہت سے نکل کر منصب عالی فرضیت پر بمذہب مؤلف براہین قاطعہ پہنچ گیا اور حسب اقوال علماءِ سلف مستحب اور مباحات ہو گیا تو کیا غفلت کا پردہ پڑ گیا مانعین کی فہم پہ مولد شریف میں کیوں نہیں سمجھتے کہ بالفرض اگر تم کو تشبہ اس میں نظر آتا ہے تو اس کو بمقتضائے تبدیل کیفیت زماں اب مستحب

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم۔

یعنی بیشک آیا ہے تمہارے پاس رسول تمھیں میں سے، بھاری ہے اُس پر جو تم تکلیف اٹھاؤ حرص رکھتا ہے تمھاری ہدایت پر، مسلمانوں پر شفقت رکھنے والا مہربان۔ انتہیٰ

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کے آنے کا ذکر فرمایا اس کے بعد آپ کی صفتیں بیان فرمائیں مولد شریف میں بھی یہی ہوتا ہے آپ کے آنے کا

ذکر کرتے ہیں کہ آپ پیدا ہوئے یعنی عالم غیب وبطون سے عالم شہادت وظہور میں تشریف لائے اور بیان آپ کی صفت کا کیا جاتا ہے نظماً اور نثراً ، اور اس سے بھی واضح تر سنو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی عند اللہ مکتوب خاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینۃ و ساخبرکم باول امری دعوۃ ابراھیم و بشارۃ عیسیٰ و رؤیا امی التی رات حین وضعتنی وقد خرج لھا نور ضاء لھا منہ قصور الشام۔

یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق میں لکھا ہوا تھا اللہ کے نزدیک ختم کرنے والا نبیوں کا اس حال میں کہ تحقیق آدم پڑے ہوئے تھے زمین پر اپنی مٹی گندھی ہوئی میں، اور خبر دیتا ہوں تم کو اپنے اول امر کی کہ وہ دعا[1] ہے ابراہیم کی اور خوشخبری[2] ہے عیسیٰ کی اور عجائبات دیکھنا میری والدہ کا جب جنا مجھ کو

---

[1] پارہ الم کے رکوع[15] میں وہ دعا مذکور ہے:

ربنا و ابعث فیھم رسولا الخ

یعنی اے رب ہمارے بھیج ان میں پیغمبر انہی میں کا ان پر آیتیں تیری پڑھے روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی، غیب سے آواز آئی تیری دعا قبول ہوئی وہ آخر زمانہ میں ہوں گے ۱۲

[2] قولہ پارہ ۲۸ سورۂ صف میں ہے کہ کہا عیسیٰ علیہ السلام نے:

و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

یعنی میں خوشخبری سنانے والا ہوں اس پیغمبر کی جو میرے بعد آئیں گے نام ان کا احمد ہے ۱۲

اور تحقیق نکلا واسطے اُس کے ایک نور کہ چمک گئے اس سے محل شام انتہیٰ ۔
یہ روایت مشکوٰۃ کے باب فضائل سیّد المرسلین میں موجود ہے اور کہا قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے مواہب لدنیہ میں کہ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد اور بیہقی اور حاکم نے اور کہا حاکم نے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور کہا زرقانی نے شرح مواہب میں کہ روایت کیا اس کو ابنِ حبان نے بھی اپنی صحیح میں ۔

دیکھیے حدیث صحیح الاسناد سے ثابت ہے کہ آپ نے خود ذکر اپنی اولیت اور سابقیت اور ولادت باسعادت کا بیان فرمایا اور جماعت صحابہ حاضرین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سُنا جن کو حضور نے مخاطب کر کے فرمایا تھا ساخبرکم باول امری ۔

اب دوسری روایت ہم وہ بیان کریں جس میں یہ بات ہے کہ ایک صحابی جلیل القدر نے مجمع عام صحابہ میں رضی اللہ عنہم اجمعین نے ایسے اشعار پڑھے جن میں ولادت شریف کا ذکر ہے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے برضا و رغبت سُنا، مواہب لدنیہ و نیز دیگر کتب میں بروایت حاکم و طبرانی و دیگر محدثین روایت ہے کہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس آئے اول مسجد میں تشریف لائے وہاں آپ نے مجلسِ عام میں اجلاس فرمایا جیسا کہ کعب ابن مالک سے صحیح میں روایت کی ہے پھر عباس ابن عبدالمطلب نے اجازت چاہی آپ نے دعائے خیر دے کر ان کو اجازت فرمائی انہوں نے یہ اشعار پڑھے : ؎

من قبلها طبت فی الظلال و فی	مستودع حیث یخصف الورق
ثم هبطت البلاد لا بشر	انت ولا مضغة ولا علق
بل نطفة ترکب السفین وقد	الجم نسرا واهله الغرق

تنقّل من صالب الی رحم | اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما | فی صلبه انت کیف یحترق
حتی احتوی بتیك المهیمن من | خندف علیاء تحتها النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض | وضاءت بنورك الافق
فنحن فی ذلك الضیاء و فی | النور وسُبل الرشاد نخترق[1]

اب دیکھئے اس میں حال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت کا اور پھر منتقل ہونا ایک صلب سے دوسرے صلب میں اور حضرت ابراہیم اور نوح علیہ السلام کا نجات پانا آپ کی برکت ہے کہ آپ کا نور اُن کے ساتھ تھا پھر بعد نقلیات صلبی و رحمی انجام کار پیدا ہونا اور اُس وقت نور کا نکلنا پھر اس نور سے

---

[1] آپ قبل ولادت شریف کے ایک عمدہ حالت میں تھے صلبِ آدم میں جہاں پیوند لگائے جاتے تھے یعنی جنت میں پھر اُترے آپ زمین پر یعنی صلبِ آدم میں آدم کے ساتھ نہ اُس وقت آپ بشر تھے نہ ٹکڑا گوشت کا نہ خون جما ہوا بلکہ صلبِ سام بن نوح میں آپ نطفہ تھے سوار کشتی میں اس حال میں کہ ڈبویا بُت نسر کو اور اس کے پُوجنے والے کو غرق طوفان نے آپ منتقل ہوتے رہے ایک پشت سے ایک رحم میں، جب گزر چکا ایک عالم ظاہر ہوا دوسرا طبقہ، آپ نازل ہوئے آتشِ خلیل میں صلب میں خلیل کے چھپے ہوئے، پھر وہ کس طرح جلتے۔ آپ منتقل ہوتے رہے اصلابِ کریمہ میں، یہاں تک کہ شامل ہوا آپ کا شرف نسب بزرگی کی اولاد اخنداف بلند نسب سے کہ بیچ اس کے اور طبقات تھے اور جب آپ پیدا ہوئے چمک گئی زمین اور اطرافِ شام روشن ہو گئے آپ کے نور سے، اب ہم اسی روشنی اور نور میں ہیں اور ہدایت کے رستوں پر چل رہے ہیں ۱۲

تمام عالم کا روشن ہو جانا جو کچھ محفل مولد شریف میں تفصیل ہوتا ہے اس جلسہ میں بالاجمال وہ سب مذکور ہوا ہے پس مردود ہوا قول اُن لوگوں کا جو کہتے ہیں بالاستقلال یہ ذکر نہ کرے اگر وعظ کے اندر ذکر میں یہ بھی کر دے درست ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تنہا پڑھ لے تو جائز ہے مجمع میں نہ پڑھیں اب لوگوں کو آنکھ کھول کر دیکھنا چاہیے کہ اس مجلس میں کل قصیدہ حضرت عباس رضؓ کا بالاستقلال اسی ذکر میں ہے اور نہیں اس کے اول و آخر میں پند و موعظت اور عین مجمع میں پڑھنا ہے اور اسی طرح روایت سابقہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بالاستقلال یہ ہی ایک ذکر مجمع عام میں بیان فرمایا تو ثابت ہو گئی مجلس ذکر میلاد مبارک کی اصل اصیل اب ثابت کریں ہم دوسری بات یعنی اس کی نظیر اور مثل بھی ثابت ہے بیان اس کا یہ ہے کہ مجلس میلاد شریف شکریہ ہے نعمت خداوندی کا کہ ایسا ہادی حق سبحانہٗ نے ہماری ہدایت کے لیے بھیج دیا جیسا کہ کلام امام نووی کی اسناد میں تصریح اس مضمون کی موجود ہے :

لقد منّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا الآیۃ

بے شک احسان کیا اللہ نے اہلِ ایمان پر جو بھیج دیا ان میں رسول۔

پس نظیر اور مثل اس کی جلسۂ شکریہ صحابہ میں بھی ہوتا تھا چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حلقۂ صحابہ میں تشریف لائے، پوچھا تم کیوں بیٹھے ہو؟ کہا ہم بیٹھے ہیں اللہ کی یاد کرتے ہیں اور شکر اس کا ادا کرتے ہیں

علی ماھدانا اللہ الاسلام و من بہ علینا۔

یعنی اس بات کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ خدا نے ہم کو ہدایت فرمائی اسلام پر اور احسان کیا ہم پر اس بات کا راہِ راست پر لگا دیا۔

تب فرما دیا حضرت نے: تم کو قسم اللہ کی، تم محض شکریہ کے لیے بیٹھے ہو۔

انہوں نے عرض کی، قسم اللہ کی، ہم اسی لیے بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تم کو اس لیے قسم نہیں دی کہ تم پر یہ گمان ہو کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ میرے پاس جبریل آیا اور اس نے یہ خبر دی کہ:

ان اللّٰہ عز وجل تباہی لکم الملئکۃ۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تمہارا فخر ظاہر کرتا ہے کہ دیکھو میری نعمت کا شکر کرتے ہیں۔

دیکھئے صحابہ نے نعمتِ اسلام کا شکریہ ادا کرکے وہ درجہ پایا مجلس میلاد میں اُس نعمتِ عالی کا شکر ہے کہ جو دینِ اسلام کا اصل مبدا ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ملائکہ میں بانیان محفل میلاد اقدس کا بھی فخر ظاہر فرمائے کیونکہ علت وہی شکر نعمت ہے جب معلوم ہوا کہ مجلس ذکر مولد شریف کی اصل اور نظیر ومثل دونوں ثابت ہیں، پھر بدعت سیئہ کہنا اس کا باطل ہوا، اب اگر کوئی امور بالائی مروجہ مجلس میں بحث کرے تو جواب اس کا یہ ہے کہ امور مروجہ محافل مثل فروش وچوکی یا منبر واستعمال عطریات وتقسیم شیرینی یا طعام وغیرہ سب امور مباحات شرعیہ سے ہیں جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا اور بعض مباحات کا منضم ومجتمع ہونا بعض مباحات کے ساتھ کسی اصولی کے نزدیک موجبِ کراہت وحرمت نہیں۔

ابنِ عمر نے جو چھینک کے جواب میں "السلام علیک یا رسول اللّٰہ" کو منع کیا اس کا جواب

اور یہ اعتراض پیش کرنا کہ ایک آدمی ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی برابر میں چھینکا اور یہ کہا:

الحمدُ للّٰہ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ۔

ابنِ عمرؓ نے فرمایا میں بھی کہتا ہوں الحمد للہ و السلام علی رسول اللہ، لیکن ایسے موقع میں ہم کو ایسا تعلیم نہیں فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم فرمایا ہے کہ کہا کریں؛

الحمد للہ علیٰ کل حال۔

اس حدیث سے یہ سند ہوئی کہ جو شرع میں ثابت ہوا اس پہ زیادہ کرنا منع ہے۔

جواب مختصر طور پر یہ ہے کہ دُرِّ مختار کی کتاب الذبائح میں ہے:

موطنان لا اذکر فیہا عند العطاس وعند الذبح۔

یعنی دو جگہ میرا ذکر نہ کرنا چاہیئے چھینکنے اور ذبح کے وقت۔

پس السلام علیٰ رسول اللہ کہنا اُس کا مقابل نہی کے واقع ہوا تھا پھر الحاق امرِ منہی عنہٗ کو کس طرح وہ رضی اللہ عنہ منع نہ فرماتے امورِ منہیہ کو ہم بھی منع کرتے ہیں اور براہین قاطعہ میں ہے کہ ایک شخص نے چھینک کر کہا السلام علیکم۔ حضرت ابن عمرؓ نے اس پر بھی انکار کیا انتہیٰ۔

ہم کہتے ہیں وُہ انکار اس لئے تھا کہ وظیفہ معیّنہ شرع کا جو الحمد للہ تھا اس نے چھوڑ کر تحیّت ملاقات کا وظیفہ اُس کی جگہ قائم کیا تھا یہ تشریع جدید اور تبدیل دین ہے، مولد شریف کو اس سے کیا علاقہ، امورِ خیر کا اضافہ ایجاد فحوائے من سنّ فی الاسلام سنّۃً حسنۃً کی تعمیل ہے، نہ یہ تبدیلِ دین ہے نہ تشریعِ جدید۔

التحیات کے درود میں "سیّدنا" زیادہ بڑھا دینا درست ہے

اب ہم پیش کرتے ہیں یہ تقریر کہ زیادہ کر دینا کسی امرِ مستحسن یا مباح کا جو پیشتر نہ تھا جائز ہے، اس کی دو نظیریں لکھتا ہوں باقی جس شخص کی نظر فتاویٰ پر ہوگی

وہ اور نظیریں نکال لے گا:

⭘ نظیر اوّل یہ کہ سب جانتے ہیں کہ صحاح ستّہ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا درود تعلیم فرمایا ہوا واسطے جلسہ التحیات کے یہ ہے:

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد الیٰ آخرہ۔

لیکن اگر کوئی آدمی اس میں لفظ سیّدنا زیادہ کرے واسطے آداب وتعظیم کے یعنی یُوں کہے: اللّٰھم صلّ علیٰ سیّدنا محمد۔ اس کو صاحبِ درمختار نے افضل اور مندوب لکھا ہے:

وندب السیادۃ لان زیادۃ الاخبار الواقع عین سلوک الادب فھو افضل من ترکہ۔

مستحب ہے سیّد کا لفظ کہنا کیونکہ واقعی خبر کا زیادہ کرنا عین ادب کا رستہ چلنا ہے تو پڑھنا اس کا افضل ہے چھوڑنے سے۔

⭘ دوسری نظیر یہ کہ فقہاء زیارت مدینہ منورہ میں زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً یُوں لکھتے ہیں:

وکل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنہ۔

افعال واعمال سے جو چیز زیادہ ادب اور اجلال میں داخل ہو وہ بہتر ہے۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہُوا کہ روایت اس بات کی کرنی جو سلف سے منقول ہے وہی ہو اور ایک بات بھی زیادہ نہ ہو یہ کچھ ضرور نہیں بلکہ اپنی طرف سے جو کچھ حرکات وسکنات مؤدبانہ کرے گا سب بہتر ہیں ان تعظیمات میں زائر مخیر ہے۔

خلاصہ یہ کہ حدیثِ عطاس میں اُس شخص کا زائد کرنا لفظ السلام علی

رسول اللہ مقابل نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھا اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو منع کیا اور مولد شریف میں جو بعض امور ملحقہ ہیں اُن کی نہی شرع میں وارد نہیں، پس قیاس کرنا اور غیر منہیہ کو منہیہ پر صحیح نہیں

مدرسوں کے امورِ محدثہ کا بیان اور مؤلف براہین کا سنت کہنا سب کو۔

آجکل کی کیفیتِ مروجہ مدارس کو خیال نہیں فرماتے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تعلیمِ دین ہوتی تھی اور اب بھی مدارسِ اسلامیہ میں ہوتی ہے لیکن اس قدر فرق ہے کہ اول شروع اس بات کا تھا کہ استاد پڑھتے تھے شاگرد سُنتے تھے، چنانچہ بخاری ومسلم وابو داؤد وغیرہ سب محدث لکھتے ہیں کہ ہمارے استادوں نے یہ حدیثیں ہمارے سامنے پڑھیں اور ہم کو تعلیم کیں جابجا لفظ حدثنا اس پر شاہد ہے اور امام احمد اور ابن مبارک اور یحیی رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک لفظ اخبرنا بھی مثل حدثنا وھی سماع عن الاستاذ کے معنی میں ہے مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً میں اب تک تیرہ سو برس ہو چکے وہی دستور جاری ہے کہ استاد پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں، جو شبہ ہوتا ہے استاد سے دریافت کر لیتے ہیں۔ اور ہندوستان کے مدارس کا یہ طریق ہے کہ شاگرد پڑھتا ہے استاد سنتا ہے جو سلف میں بکثرت تھا اب بالکل یہاں متروک ہے اور تعمیر مدرسہ کی نہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ابوبکر نہ عمر نہ عثمان نہ علی سے رضوان اللہ علیہم اجمعین، اور پہلے صحابہ اور تابعین حتی کہ امام اعظم اور امام محمد و ابو یوسف تک بھی تعلیم علمِ دین کی اُجرت نہ لیتے تھے اب علمِ دین کے پڑھانے پر تنخواہیں معین ہیں اور آئین تعلیم میں صرف ونحو وغیرہ کے حدود مقرر ہیں کہ فلاں فلاں کتاب تک ہو پہلے یہ نہ تھا اور علاوہ اس کے منطق اور

ہیئات و ہندسہ وغیرہ جن کا سلسلہ یونانیوں تک پہنچتا ہے اور صحابہ کی جوتیوں تک کو ان علوم کی گردنہ لگی تھی اب تحصیل میں داخل ہیں اور پہلے جو کوئی روپیہ دیتا تھا مخفی طور پر دینے کو خالی ریا سے جانتا تھا اب چندہ دینے والوں کی نمائش ہوتی ہے اُن کے نام سال بسال کتابوں میں چھپتے ہیں ۔ چندہ والا اگر دینے میں کچھ تامل کرے تو ایک پیادہ متقاضی اس پر معین کیا جاتا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ اس زمانہ کے طور پر تعلیم مدارس کو کہاں تک بیان کروں کم سے کم علم والا آدمی بھی تامل کرے گا تو معلوم کرے گا کہ بیشک مدرسہ تعلیم دین کا اس ہیئت کذائی اور ہیئتِ مجموعی کے ساتھ ہرگز قرونِ ثلثہ میں پایا نہیں گیا لیکن باینہمہ جائز رکھتے ہیں اس کو فقط اس بات پر نظر کرکے کہ گویا یہ عوارض اور لوازم بالائے سلف سے نہیں لیکن اصل تعلیم دین کو ثابت ہے ان عوارض سے اس کی اصلیت باطل نہیں ہوتی اور یہ نہیں کہتے کہ یہ تعلیم جو اس ہیئت کذائی سے ہے بدعت اور ضلالت ہے علیٰ ہذا القیاس عارض ہونے اس ہیئت کذائی سے محفل مولد شریف بھی سنت ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی اور بدعتِ ضلالت کہنا اس کا لغو اور ضلالت ہے ۔

فائدہ : اس مقام پر مؤلف براہین قاطعہ گنگوہی نے مدرسہ مروجہ حال کو بجمیع وجوہ سنت ثابت کیا ہے صفحہ ۱۸۵ تعمیر مدرسہ کے لیے لکھا صُفّہ کو جس پر اصحاب صفّہ طالب علم دین و فقراء مہاجرین رہتے تھے مدرسہ ہی تو تھا نام کا فرق ہے لہذا اصل سنت وہی ہے اور عمال کو یعنی جو زکوٰۃ وصول کرتے تھے ان کو عمالہ یعنی اجر ملتا ہے سو وہ ہی اب تنخواہ مدرسین کی ہے یہ بھی امر دین پر لینا ہے صفحہ ۱۸۲ اور چندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لیا ہے غزوۂ تبوک میں صفحہ ۱۸۷ بیشک تھوڑے علم والا بھی جانتا ہے کہ مدارس کے سب امور

سنت ہیں قرونِ ثلٰثہ میں موجود تھے انتہیٰ کلامہ تلخیصاً

محفل میں استعمالِ عطر و شیرینی و طعام و فروش کا جواز

ہم کہتے ہیں امور مندرجہ محفل میلاد کا ثبوت [illegible]ں سنت سے بہت اعلیٰ طور پر ہے
ذکرِ ولادت یہ تو ثابت بالاصل جس کا ذکر اوپر گزر چکا اور **فروش و استعمال عطر** اور **کھانا** اور **شیرینی دینا** یہ خاطرداری اور ضیافت مہمانوں کی ہے،

صحیحین کی حدیث ہے:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلیکرم ضیفہ

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کمال تاکید سے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان ہے اُس کو چاہیئے کہ خاطرداری اور تواضع کرے اپنے گھر آئے ہُوئے کی۔

پس فرش زیبا پر اُن کو بٹھانا اور عطر لگانا مہمانوں کی تعظیم و اکرام ہے اور مجلس کرنے والوں سے پُوچھ لیجئے کہ اُن کی زینت بیشک یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ ہم نے تیار کیا ہے شیرینی یا کھجور وغیرہ وہ سب صاحبوں کو جو ہمارے گھر آئیں گے کھلائیں گے۔ اور شریعت سے یہ بات معلوم کیجئے کہ ضیافت شرع میں کس چیز کا نام ہے، چیز کھانے کی خواہ تھوڑی ہو یا بہت، جب اس کے لیے آدمیوں کو بلایا جائے گا وہ شرع میں ضیافت کہلائے گی۔ صحابی روٹی کا ٹکڑا یا کھجور جو ہوتا پیش کرتے۔ اور حدیث میں ہے:

لو دعیت الی کراع لاجبت۔

یعنی ایک پارچہ بکری کے لیے بھی کوئی دعوت کرے تو میں قبول کروں۔
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اخلاق عالی تھا اُس سے اہلِ ضیافت کا خوش

کر دینا منظور ہوتا تھا اپنا پیٹ بھرنا منظور نہ ہوتا، اور یہ ہی اُمت کو ارشاد فرمایا جیسا کہ بخاری میں ہے:

ان دعیتم الی کراع فاجیبوا۔

یعنی اگر کوئی تم کو ایک پارچہ بکری پہ دعوت کرے تو قبول کرو۔

اور فقہا بھی یہی حکم دیتے ہیں فتاوی برہنہ میں ہے:

ازجہت بعد فقراع نیارود وقصد نکند حاجت شکم را بلکہ نیت کند اقتدائے سنت وادخال سرور در دل مسلم۔

پس اگر کوئی متمول ذی مقدور شکم سیر کھانا کھلائے محفل مولد شریف میں یا کم مقدور والا محض شیرنی اور کھجور رما حضر کے لیے اہلِ اسلام کو تکلیف دے اس کو شرع میں ضیافت کہتے ہیں۔ اور ہدایہ میں ہے:

من لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم۔

یعنی جو مسلمان دعوت کیا ہوا بغیر عذر نہ آیا اس نے نافرمانی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

افسوس وہ لوگ تعمیلِ سنت کے لیے آئیں قلیل وکثیر پہ نظر نہ کریں اور منکرین اُن عاملانِ سنت پہ طعن کریں اور اس بات کا خیال نہ کریں کہ سنت کے استہزاء میں زوالِ ایمان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اور یہ جو طعنہ دیتے ہیں **مٹھائی کے لالچ سے آتے ہیں** اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ **مٹھائی بانٹنے کی کیا اصل ہے؟**

یہ اعتراض بھی صحیح نہیں شاہ عبدالعزیز صاحب رسالہ ما اھل بہ لغیر اللہ مطبوعہ محمدی کے صفحہ ۴۲ میں لکھتے ہیں:

وتقسیم طعام وشیرنی امر مستحسن خوب است باجماع علماء۔ انتہی بلفظہ فتاوی۔

خزانۃ الروایات کی فصل ضیافت اور روح البیان کی جلد دوسری میں لکھا ہے ؛

فی بطن المومن زاویۃ لا یملاءھا الا الحلواء۔

یعنی مومن کے پیٹ میں ایک گوشہ ہے جس کو نہیں بھرتی کوئی چیز سوا مٹھائی کے، انتہیٰ۔

اب خیال کرنا چاہیے کہ گوشۂ شکم مومن جو کہیں سے نہیں بھرتا مٹھائی سے اس کا خلو رفع کرنا کیا کچھ اجر کی بات ہوگی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ؛

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

یعنی نہیں پہنچو گے تم نیکی کی حد کو جب تک نہیں خرچ کرو گے وہ چیز جس کو دوست رکھتے ہو۔

اور حدیث سے معلوم ہوا ہے جن چیزوں کو مومن دوست رکھتا ہے اُن میں مٹھائی بھی ہے۔ چنانچہ خزانۃ الروایات اور نیز تفسیر روح البیان میں آیا ہے ؛

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ان المؤمن حلو یحب الحلاوۃ۔

فرمایا علیہ السلام نے بیشک مومن شیریں ہے دوست رکھتا ہے شیرینی کو۔

پس جو چیز خود قاسم مومن اور نیز مومنین مقسوم علیہم کو محبوب ہو امید ہے کہ آدمی اس کے تقسیم کرنے میں نیکوکاری کی حد کو پہنچے اور کچھ شک نہیں کہ اسی طرح کے وجوہات سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کو مستحسن اور خوب باجماع علماء لکھا ہے۔

منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ منبر پہ کھڑے ہو کر خود حضرت کے سامنے اشعار پڑھتے تھے، یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے تداعی یعنی بلانا آدمیوں کا، اس کی دو شکلیں ہیں: یہ بلانا تناول ما حضر کے لیے ہے یہ خود سُنت دعوت ہے یا بلانا اس لیے ہے کہ وہ آکر سیرت وصفات نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سنیں یہ بھی سنت ہے اس لیے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی صحابہ کو خبر بھیج کر بُلاتے اور جمع کرکے اُن کو کچھ فرماتے۔ آپ کا زبان سے کچھ فرمانا حدیث ہے پس سنت ہوا اسماعِ حدیث کے لیے بلانا اور اصطلاحِ دین میں حدیث شامل ہے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل وتقریر وصفات وشمائل وفضائل و حلیہ وغیرہ کو اور موضوع علم حدیث ذاتِ رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور غایت اس کی حصولِ سعادتِ دارین، اور شک نہیں کہ محفل مولد شریف میں بیان ہوتے ہیں افراد علم حدیث تو اعلام کرکے بلانا گویا حدیثِ رسول اللہ کے لیے بلانا ہے اس تداعی کو مکروہ وحرام کہنا عجیب بات ہے یہ لوگ آیۂ کریمہ ادع الی سبیل ربک سے بھی اگر اپنی تسلی کرلیں یہ بھی ممکن ہے تعجب ہے کہ مدرسہ کے لیے اس قدر دُور دراز فکر کو دوڑایا کہاں عُمالہ عاملین کہاں تنخواہِ مدرسین کہاں صُفّہ کہاں مدرسہ، کہاں جہاد کا چندہ کہاں مدرسہ کا چندہ! اور ہمارے دلائل درباب مولد شریف جو مدلولات دعاوی پر صریح الدلالت ہیں اُن کی طرف خیال بھی نہیں فرماتے اس کو بدعت ٹھہراتے ہیں اللہ اللہ کمال بوالعجبی کا مقام ہے!

جب سب چیزیں الگ الگ مباح ہیں تو جمع ہو کر مباح رہیں گی

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ چیزیں فرادی فرادی بیشک جائز لیکن ہم ان کا

جمع ہونا جائز نہیں جانتے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ مدرسہ کی ہیئت مجموعی بھی قرونِ ثلثہ سے ثابت نہیں، اس کے اثبات میں بھی فرادی اجزا کا ثبوت دیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہی قبول کرنا چاہیئے۔

ثانیاً یہ کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

فان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذلک المجموع مباحا ومهما انضم مباح لم یحرم الا اذا تضمن محظورا لا تتضمنه الاحاد

بیشک جدا جدا مباح جب جمع کر لیے جائیں گے وہ مجموعہ مباح ہوگا اور جب ایک مباح مل جاتا ہے دوسرے مباح سے نہیں حرام ہوتا مگر جب اس مجموعہ میں کوئی ممنوع شرعی ہو جائے جو جدا جدا میں نہ تھا۔

پس مجتمع ہونے مباحات و مستحسنات سے یہ محفل ممنوع نہ ہوگی اور براہین قاطعہ صفحہ ۶۰ میں جو اعتراض اس قاعدہ مسلمہ سلف پر کیا ہے اور یہ لکھا ہے (تمر اور پانی دونوں کا نبیذ بنایا جائے بعد کف دینے کے جو ہیئت حاصل ہوئی حرام ہو گیا)

جواب اس کا یہ ہے کہ جب تک محض تمر اور پانی تھا اس وقت تک مباح تھا اب طول مدت اور تاثیرِ زماں سے ایک شے ثالث حادث ہوئی جو نشہ آوری کا سبب ہو گیا پس موجب حرمت یہ شے ثالث مذموم شرعی ہے نہ وہ اشیاء مباح ورنہ تعلیل مؤلف براہین کے موافق تو اجتماع مباحات سے قطع نظر ایک چیز منفرد بھی حرام ہو جائے گی اس لیے کہ شیرۂ انگور بعد سکر خود شراب بن جاتا ہے تو چاہیئے منفرد چیز کو بھی حرام کہا جائے اور یہ صحیح نہیں احکام شرعیہ میں تامل درکار ہے بناءً علیہ صحیح وہی ہے کہ اگر اجتماع مباحات

میں کوئی محظور شرعی لازم نہ آتا ہو وہ درست اور مباح ہے۔ اس سے وہ دوسرے دو اعتراض مخالفین کے بھی رد ہو گئے جو کہتے تھے کہ قرآن دیکھ کر پڑھنا سنت تھا اور نماز سنت تھی مجموعہ مل کر مشابہ با اہل کتاب ہو گیا اور رکوع مشروع اور قرآن مشروع، جمع دونوں کا مکروہ ہوا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ صورت اول میں محظور شرعی یہ لازم آیا کہ تشبہ اہل کتاب سے ہوا، اور صورت ثانیہ میں یہ کہ حدیث شریف کے مخالف یہ فعل ہو گیا جو فرمایا ہے:

الا انی نهیت ان اقرء القرآن راکعا او ساجدا۔

آگاہ ہو کہ میں روکا گیا ہوں اس سے کہ پڑھوں قرآن رکوع یا سجدہ میں۔

ذکر مولد شریف میں امور مذکورہ بالا شریک ہوئے ہیں نہ تشبہ اہل کتاب سے ہے جیسا کہ لمعہ ثالثہ میں اس کا ابطال بخوبی ہو چکا اور نہ کوئی نہی شرعی انضمام مباحات میں وارد ہے بناءً علیہ یہ مجلس مع انضمام امور مباحہ و مستحسنہ مروجہ درست اور مستحسن رہے۔

دوسری تقریر امور مذکورہ کے جواز پر یہ ہے کہ فرمایا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کے چوتھے رکوع میں:

قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبات من الرزق۔

یعنی تو کہہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کس نے حرام کر دیا اللہ کی زینت کو جو پیدا کی ہے اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی۔

اول یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ آیات کا نزول خواہ کسی موقع میں ہوا ہو لیکن

حکم ان کا مفید بہ شانِ نزول نہیں ہوتا بلکہ جہاں تک دلالت الفاظ جاری ہوتی ہے وہاں تک حکم جاری کیا جاتا ہے یہ علماء اصول قرار دے چکے ہیں، چنانچہ توضیح وغیرہ میں مندرج ہے :

العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب۔

یعنی اعتبار عام ہونے لفظ کا ہوتا ہے نہ سبب خاص کا۔

یہ بات ہماری کل آیات استدلالات میں یاد رکھنا چاہئے پس یہ آیہ کریمہ گو موقع خاص میں نازل ہوئی لیکن جمیع مفسرین و اصولیین و فقہاء اس آیۃ کو عام لیتے ہیں جس کی نظر در مختار اور تفسیر بیضاوی و رازی وغیرہ پہ ہوگی اُس سے یہ بات مخفی نہیں کہ فروش بچھانا اور محفل کا سجانا اور عطریات سے لباس بسانا، چوکی اور منبر اور مسند لگانا یہ سب زینت اللہ میں داخل ہے اور جو کچھ حاضرین کو کھلایا جائیگا پان، الائچی، چائے، کھجور، شیرینی یا کھانا اس کو لفظ طیبات من الرزق شامل ہے علامہ بیضاوی نے آیۃ مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے :

فیہ دلیل ان الاصل فی المطاعم والماکل والملابس وانواع التجملات الاباحة

بناءً علیہ اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ سب کھانوں اور کپڑوں اور طرح طرح کی آرائشوں میں اصل حکم یہ ہے کہ مباح ہے۔

یہ سب چیزیں ازروئے قواعد اصول وحسب تصریح مفسرین فحول جائز اور مباح ہوئیں، منع کرنے والا ان کا خطر عظیم میں ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے :

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

کہ مانعین اندیشہ کریں اس سے کہ وہ معتدین میں شامل نہ ہو جائیں

جن کو اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا۔

تیسری تقریر جمیع امور مجلس میلاد کے لئے یہ ہے کہ دلیل پکڑنی چاہیئے اس آیہ کریمہ سے جو سورۂ یونس کے چھٹے رکوع میں ہے:

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔

(تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں وہ ان کے سب دھن دولت سے بہتر ہے)

بارہ برس گزرے بہ تحیف اس آیہ کو اپنی کتاب بہار جنت میں درج کر چکا ہے لیکن عام آدمیوں کو جب تک تشریحاً نہ سمجھا جائے اصل مدعا کو نہیں پہنچتے بناءً علیہ اب اس کی تفسیر کرتا ہوں واضح ہو کہ حق سبحانہ اس آیہ ہدایت پیرایہ میں حکم دیتا ہے اہل ایمان کو کہ وہ اللہ ہی کے فضل اور اللہ ہی کی رحمت سے فرحت اور سرور کریں۔ امام رازی اور بیضاوی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں کہ یہاں ایک فعل فلیفرحوا محذوف ہے اور آیہ مذکورہ یعنی اہل ایمان کو چاہیئے اللہ کے فضل و رحمت پر خوشی کریں، پھر فرمایا دوبارہ کہ چاہیئے اسی پر خوشی کریں اور تکریر امر تاکید کے لیے ہے اور لفظ فبذٰلک مفید حصر ہے یعنی واجب ہے انسان پر کہ فرحت خاص اللہ ہی کے فضل و رحمت پر کرے کیونکہ جو لذات جسمانی و نفسانی اور نعیم دنیاوی ہیں یہ سب فانی ہیں یہ چیزیں قابل فرحت و سرور نہیں اور فضل و رحمت خداوندی کو فرمایا ھو خیر مما یجمعون یعنی وہ بہتر ہے اُن سب لذات و نعماء فانیہ سے جو دُنیا میں جمع کرتے اور سمیٹتے ہیں۔ اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوا فرحت و سرور کرنا ساتھ فضل و رحمت خداوندی کے، اور شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی رحمت اور فضل ہیں۔

علامہ ماوردی نے آیۂ لولا[1] فضل اللہ علیکم و رحمۃ لا تبعتم الشیطان الا قلیلا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فضل اللہ رسولِ خدا ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور رحمت بھی وہی ہیں، ذکر کیا اس کو زرقانی شرح مواہب نے۔

اور تفسیر رُوح البیان میں سورۂ نساء تحت آیۂ مذکورہ لکھا ہے وفی الحقیقۃ کان النبی علیہ السلام فضل اللہ و رحمتہ یدل علیہ قولہ تعالیٰ ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا الی قولہ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء، و قولہ تعالیٰ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اسی واسطے کتبِ احادیث و سِیَر میں منجملہ اسماء مبارک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل اللہ اور رحمۃ للعالمین و رحمۃ مہداۃ و رحمۃ الامۃ و رسول الرحمۃ بھی شمار کیے ہیں جیسا کہ زرقانی اور قسطلانی وغیرہ محدثین نے لکھا ہے۔ پس ثابت ہوا فرحت و سرور کرنا آپ کے وجودِ باجود کا۔ اور جب فرحت کرنا ثابت ہو گیا تو فرحت کے جس قدر اسباب مباح ہیں وہ سب ثابت ہو گئے کہ اذا[2] ثبت الشئ ثبت بلوازمہ قاعدہ مسلمہ ہے پس اجتماعِ اخوان و تزئینِ مکان اور شیرینی کے اخوان و جمیع مباحات مروجہ زمان حتی کہ وقت ذکر ولادت شریف جوشِ فرحت و سرور میں کھڑا ہو جانا اور شکر الٰہی اس فضل و رحمت مہداۃ کی بابت بجالانا سب منطوق فلیفرحوا سے ثابت ہو گیا اور آیہ اشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون سے بھی یہ امور ثابت ہو سکتے ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت تو تم شیطان کے پیچھے جاتے مگر تھوڑے ۱۲

[2] جب کوئی شئے ثابت ہو تو جمیع لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

بڑی نعمت ہیں اور شکر ادا ہوتا ہے طرح طرح کے افعال واعمال سے مثل قرأت آیات وتلاوت احادیث معجزات درود وسلام واطعام طعام وغیرہ اور لمعہ خامسہ میں بھی تقریر امور ملحقہ آئیگی

اور اگر مانعین اس محفل میں ایسی نظیر شرعی جس میں چند سُنن موجود ہیں طرح کی نظیر اور مثل

طلب کرتے ہیں کہ ایسا جلسہ مسنونہ بتاؤ جس میں چند سنتیں مثل جلسہ مولد شریف کے مجتمع ہوں تو اس کی بھی نظیر شرع میں موجود ہے مثلاً شادی عروسی کہ اس میں اجتماع ہے مومنین کا، اور ذکر اللہ بھی اس میں ہے اس لیے کہ خطبہ نکاح کا جو سنت ہے جلسہ نکاح میں پڑھا جاتا ہے بعد ازاں خرما وغیرہ تقسیم کر دیا جاتا ہے یا حاضرین کے ہاتھوں لٹا دیا جاتا ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

لا باس بنثر السکر والدراہم فی الضیافۃ وعقد النکاح۔

(کچھ مضائقہ نہیں شکر لٹا دیا روپیہ ضیافت میں اور مجلس نکاح میں)

اور مولوی اسحٰق صاحب نے مسائل اربعین میں لکھا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں لوگوں کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب وقبول کیا چھوہارے لٹائے اور نیز جس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت ام حبیبہ سے نجاشی بادشاہ حبشہ نے اپنے ملک حبش میں کیا تو حضرت جعفر اور جمیع مہاجرین کو جمع کر کے خطبہ پڑھا ایجاب وقبول کیا بعد ازاں سب کو کہا کہ ابھی سب بیٹھے رہو یہ سنت پیغمبروں کی ہے کہ بعد نکاح کے کچھ کھانا کھلائیں، تب کھانا منگا کر سب کو کھلایا یہ بھی مسائل اربعین میں ہے۔

اب دیکھئے اگر نکاح میں عقد نکاح کا سرور ہے یہاں یعنی مجلس میلاد شریف میں اس سے کہیں زیادہ بڑی نعمت یعنی وجود باعث ایجاد عالم کا سرور ہے وہاں خطبہ

میں توحید اور اقرار رسالت ہے یہاں بھی وہ مضمون بہ تفصیل و شرح موجود وہاں تقسیم شیرینی و خرما و اطعام ہے یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس یہ باتیں موجود ہیں اور اگر سال بسال دائمی ہونے کی مثلیت مطلوب ہو تو محدثین صوم عاشورا کی نظیر دے چکے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی نجات کا شکر یہ سال بسال کب سے چلا آتا ہے غرضکہ میلاد شریف کی اصل بھی شرع میں موجود ہے اور نظیر اور مثل بھی بتا، علیہ موافق قول مولوی اسمٰعیل صاحب کے یہ محفل بدعت نہیں۔

موافق تقریر مولوی اسمٰعیل صاحب کے سنت ہونا محفل مولد شریف کا

اب ایک اور تقریر سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ محفل سنت ہے مولوی اسمٰعیل صاحب تذکیر الاخوان میں مجتہدوں کی نکالی چیز کو سنت میں داخل کرتے ہیں اور مجلس میلاد اگرچہ بدیں ہیئت مجموعی کسی مجتہد مطلق نے خود ایجاد نہیں فرمائی لیکن مجتہدان مطلق نے ایسے عمدہ قاعدے کلیے ایجاد کئے کہ یہ مجلس اُن قاعدوں میں داخل ہوگئی مثلاً حضرت امام مالک حدیث کی تعظیم اس طرح کرتے تھے کہ اول غسل کرتے تھے پھر فرش ہوتا چوکی و مسند بچھتی عود لوبان وغیرہ بخور خوشبو سلگتی پھر منبر پر بیٹھ کر کمال تعظیم سے بیان فرماتے، لوگوں نے پوچھا: یہ اہتمام کیوں کرتے ہو؟ فرمایا: تعظیم کرتا ہوں حدیث رسول اللہ کی۔ تب کسی نے اعتراض نہ کیا اور چپ ہو گئے۔ امام مالک خیر القرون تبع تابعین میں تھے اور مجتہد تھے اُن کے فعل سے یہ آداب ثابت ہوئے پھر جس نے ان پر اعتراض کیا وہ ان کی دلیل معقول سن کر چپ ہوا کہ واقعی حدیث رسول کی تعظیم ہے۔ پس دوسروں کا سکوت کرنا بعد اعتراض کے یہ بھی قول امام مالک کو مؤید ہوگیا علاوہ بریں اس وقت سے آج تک جمیع کتب حنفیہ مالکیہ شافعیہ میں دستور العمل مکتوب ہوگیا کہ حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مکان عالی پر بیٹھنا خوشبو لگانا تعظیم و نظر رکھنا مستحب ہے مدارج النبوۃ اور شرح مواہب وغیرہ سے یہ بات ظاہر ہے اور معلوم ہے سب کو یہ بات کہ محفل مولد شریف میں احادیث و معجزاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اُس میں اس قسم کے آداب کئے جاتے ہیں پس یہاں تک تو محفل مولد شریف فعل خیر القرون میں داخل اور سنّت میں شامل ہے ——— باقی رہا درود وسلام و مدح کھڑے ہو کر پڑھنا تعظیماً اس کی اصل بھی مجتہدوں سے ثابت ہے یعنی احمد بن حنبل کے استاد یحیٰی بن سعید منارۂ مسجد سے پُشت لگا کر بیان کرنا شروع کرتے تھے اور بڑے بڑے عالم مجتہد محدث مثل علی ابن مدینی اور ابن خالد اور امام احمد وغیرہ کھڑے رہتے تھے اور تحقیق کرتے حدیثیں اور کوئی ان کی ہیبت اور جلال سے بیٹھ نہ سکتا تھا یہ حال فتاویٰ برہنہ میں موجود ہے ان محدثوں اور مجتہدوں کے فعل سے ثابت ہو گیا اگر کوئی شخص ذکرِ رسول کھڑا ہو کر کرے صحیح ہے اور حضرت حسان منبر پر کھڑے ہو کر اشعار پڑھا کرتے تھے اور فخر بیان کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا، لیکن قاری اور سامعین اول سے آخر تک کھڑا رہنے میں مشقت سمجھ کر کہ ہر کسی کو کھڑا رہنا دشوار ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا پس اسی قدر میں کھڑے ہو جاتے ہیں جس میں اصل ولادت شریف کا ذکر ہوتا ہے کہ یہ جلسہ اسی کی فرحت وسرور کا ہے۔

الحاصل امور مندرجہ مجلس میلاد کا ثبوت مجتہدین مطلق کے قواعد واعمال سے ہو گیا اور جس وقت ملک ابو سعید مظفر نے محفل مولد شریف کا سامان کیا اور مفتیانِ دین میں اس مسئلہ کا ۶۰۴ھ میں اعلان کیا اُس وقت اگرچہ کوئی مجتہد مطلق موجود نہ تھا لیکن مجتہدین کے چند طبقہ میں اُن میں سے ایک مجتہد فی المسائل ہوتے ہیں کہ قوتِ نظریہ اُن کی قوی ہوتی ہے اور اپنے امام کی اصل پر

نظر کر کے مسائل غیر منصوصہ میں بنظر اجتہادی حکم دیتے ہیں اس قسم کے مجتہد شافعی و مالکی وغیرہ موجود تھے تو اریخ سے ثابت ہے کہ اس وقت جمیع علماء نے محفل مولد شریف کو مع امور مروجہ اطعام طعام و تعین یوم میلاد وغیرہ جائز رکھا پس ان خصوصیات کی اسناد بھی مجتہدین تک پہنچ گئی اور مولوی اسمٰعیل صاحب نے تذکیر الاخوان کے باب تقلید میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ اکثر عالم دیندار متقی اس مسئلہ کو قبول کرلیں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے انتہٰی

دیکھیے یہاں اجتہاد کی بھی قید ندارد ہے اب ہم کہتے ہیں کہ اس محفل کو اکثر علماء دیندار متقیوں نے معتبر رکھا ہے اور استحباب کا فتویٰ دیا ہے اور ابو سعید مظفر کے عہد میں علماء بڑے عالی درجہ صحیح النظر جامع فروع واصول تھے قوت اخذ مسائل غیر منصوصہ اپنی عقل اور ادراک میں رکھتے تھے علاوہ بریں امام شافعی کے قاعدہ میں جو کہ مجتہد فی الشرع تھے محفل مع جمیع خصوصیات و تعینات مروجہ اہل اسلام داخل ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ امام شافعی سے بیہقی نے یہ روایت کیا ہے کہ نئی بات اگر ایسی ایجاد ہو کہ قرآن اور حدیث اور اجماع کے حکموں کو نہ مٹاتی اور نہ رد کرتی ہو وہ بدعت حسنہ اور محمود ہے اس کو برا نہ کہنا چاہیے۔ پس محفل میلاد اس مجتہد کے قول میں داخل ہوگئی کیونکہ یہ کسی قرآن و حدیث و اجماع کو رد نہیں کرتی اور اگر رد کرتی ہے بیان کرو من ادعی فعلیہ البیان الحاصل ہر نہج سے سب کی اسناد مجتہدین تک پہنچتی ہے خواہ تصریحاً خواہ استنباطاً پس یہ محفل سنت میں داخل ہے اور بدعت نہیں موافق قاعدہ مقررہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے

کسی امام کے مسئلہ پر اگر ہمارے قواعد کے خلاف نہ ہو عمل درست ہے

سوال: تم ساکنان ہندوستان حنفی المذہب ہو امام مالک اور شافعی سے

کیوں استدلال کرتے ہو؟

جواب: جو مسئلہ ہمارے امام سے تصریحاً بیان نہ ہوا اور دوسرے اماموں نے اُس کی تصریح کی ہو اور وہ ہمارے قواعد کے مخالف نہ ہو، پس تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ ہمارے مذہب حنفیہ ہیں، اس کی نظیریں ناظرِ کتبِ فقہ کو مل جائینگی بالفعل ایک مثال لکھتا ہوں، دُرِمختار میں ہے:

واما تقبیل الخبز فجوز الشافعیة انه بدعة مباحة وقیل حسنة۔

یعنی کہا دُرِمختار نے کہ روٹی کو چُومنا یعنی بوسہ دینا جائز رکھا ہے شافعیوں نے کہ یہ بدعت مباح یا مستحب ہے۔

یہ مذہب شافعیوں کا لکھ کر صاحبِ دُرِمختار جو مذہب کے حنفی ہیں لکھتے ہیں کہ:

قواعد نا لا تاباہ یعنی ہم حنفیوں کے قاعدے کچھ اس سے مخالفت نہیں رکھتے۔

پس ثابت ہوا کہ غیر اماموں کے مذہب میں جو بات ایسی ہو کہ ہمارے مذہب میں اس کا ذکر نہ ہو اور ہماری مخالفت بھی نہ ہو اُس کا لے لینا درست ہے، چنانچہ تقسیم بدعت حسنہ اور سیئہ کی ہماری کتب فقہ شامی وغیرہ میں برابر مثل مذہب امام شافعی کے مندرج ہے اور اسی طرح قرأۃ حدیث میں لوبان وغیرہ سلگانا خوشبو لگانا اونچی جگہ پر بیٹھنا باقتدار امام مالک کتب حنفیہ میں موجود ہے۔

یہ محفل بارہ[۲] مہینے جائز ہے بہ تحقیق ادلۂ شرعیہ

لمعہ خامسہ: اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ محفل کبھی کبھی کرنی جائز بھی ہو تو خیر لیکن خاص

ربیع الاول کی بارھویں تاریخ میں کرنا اس کا' اور وہ بھی ہر سال دائرہ کریں تو کوئی دلیل نہیں ہے۔

جواب، محفل مولد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص تاریخ ربیع الاول کی اور پھر جائز نہ ہو، یہ کسی عالم اہلسنت نے تصریح نہیں فرمائی بلکہ اہلِ ایمان جب کر سکیں کریں، عبارتیں فتاوٰی متقدمین کی صریح موجود ہیں۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مورد الروی میں ہے :

بل یحسن فی ایام الشھر کلھا و لیالیھا۔

(بلکہ بہتر ہے مہینہ کے کل دنوں اور راتوں میں)

اس کے بعد ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے :

کان یقول لو تمکنت عملت بطول شھر کل یوم مولداً۔

یعنی ابن جماعہ کہتے تھے اگر مجھ کو مقدور ہوتا مہینہ بھر تک ہر روز مولد کیا کرتا۔

اور سیرت شامی میں علامہ ظہیر الدین ابن جعفر کا فتوٰی یہی ہے :

بدعۃ حسنۃ اذا قصد فاعلھا جمع الصالحین والصلوٰۃ علی النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم و اطعام الطعام للفقراء و المساکین وھذا القدر یثاب علیہ بھذا الشرط فی کل وقت۔

یعنی مولد شریف بدعت حسنہ ہے جب ارادہ کرے ارادہ کرنے والا جمع کرنا صالحین کا اور درود پڑھنا نبی امین صلی اللہ علیہ وسلم پر اور کھانا کھلانا فقراء و مساکین کو اور ثواب ملتا ہے اس قدر امور پر بشرط مذکور ہر وقت یعنی جب کرے گا ثواب ملے گا۔

اور اصل تحقیق اس میں یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں :

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم۔

یاد کرنا نعمت اللہ کی جو تم پر ہے۔

اور اسی طرح:

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا۔

تُو کہہ فضل خدا اور اس کی رحمت کی سو چاہیے اس پر خوشی کریں۔

اور اسی طرح:

واشکروا نعمۃ اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔

شکر کرو اللہ کی نعمت کا جو تم اس کی عبادت کرتے ہو۔

پس شکریہ نعمت وجود باجود حضرت رحمۃ للعلمین ہم پر فرض ہوا، اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہُوا کہ نعمتِ خداوندی پر فرحت و سرور کرو، اور ظاہر ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ شانہٗ نے اس فرحت و سرور اور شکریہ کو موقت کسی وقت کے ساتھ نہیں فرمایا بناءً علیہ حضرت کی ولادت کا فرحت و سرور دائمی ہوا، اسی واسطے جمیع اہلِ اسلام جمیع بلاد اسلامیہ میں شرقاً و غرباً بارہ مہینہ جب کسی سے بن پڑتا ہے مولد شریف کرتے ہیں، اور اسی طرح شکر ولادت نبی کریم علیہ التسلیم جمیع افراد عبادت میں عام رہا اور یہ بات علمائے اصول سے مخفی نہیں کہ فرضیت امر الٰہی کسی فرد میں پائے جانے سے ادا ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن قدر مفروض مشروع سے زیادہ کرنا تکمیلِ فرض کے لیے جہاں تک بوجہ مشروع ہو سکے مستحب اور مطلوب ہے اور شرعاً جب یہ بات معلوم ہو چکی تو ثابت ہو گیا کہ شکریہ و فرحت و سرور وجود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم دائمی ہے جب ہو سکے اور جس فرد میں ہو سکے عمل میں لائے خواہ اطعام طعام یا تقسیم شیرینی اہلِ ایمان خواہ قراءت قرآن و تلاوت معجزات و انشاد شعر پڑھنا) مدائح و محامد و مناقب بہیئت آداب

تعظیم کرے خواہ ان سب باتوں کو جمع کرے پھر شہر ربیع الاول کی بارھویں تاریخ یہ افعال و اعمال بجا لائے یا کسی اور تاریخ اور کسی مہینہ میں سب جائز ہے۔ اس تقریر سے مطلق کے سب فرد جائز رہے اگر کوئی یہ ذکر نعمت اللہ بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے اور جو مقید قیود آداب مستحسنات سے کرے جن کا ذکر لمعہ رابعہ میں گزر چکا وہ بھی جائز ہے اور یہ بالبداہت معلوم ہے کہ جس قدر مستحسنات و مستحبات شرعیہ محفل میں زیادہ ہوں گے خیر و برکت زیادہ ہوگی اسی وجہ سے اکثر آدمی اس ذکر اقدس کو جہاں تک ہو سکے تعظیم و احترام و زیب و احتشام سے کرتے ہیں کہ اجتماع افراد مستحسنات سے حسنِ معنوی کا تضاعف اور زیب و زینت ظاہری سے شانِ اسلام کا تجمل ظاہر ہو، یہ نہیں جو مانعین کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک بغیر امور مروجہ محفل ذکر اقدس منع ہے حاشا وکلاّ جب جی چاہے خالی قیود سے بھی مدح و قصائد میلاد وغیرہ پڑھتے ہیں بناءً علیہ اُن پر کوئی غبار نہیں، ہاں مانعین ایک اندیشہ عظیم میں ہیں زیب و تجمل اور تقسیم شیرینی اور اجتماعِ مومنین کو منع کرتے ہیں گویا انہوں نے مطلق کو مقید کر دیا کہ اس ہیئت تجمل کے ساتھ نہ ہو اس کا نام شرع میں نسخ ہے۔ معاذ اللہ!

اس اعتراض کا جواب کہ تم صحابہ سے بھی بڑھ گئے انھوں نے یہ اہتمام نہ کیا

اور یہ اعتراض کہ صحابہ نے اس تجمل کے ساتھ کیوں نہ کیا؟

جواب یہ ہے کہ ان کے وقتوں میں چند مصارف ایسے پیش تھے کہ صرف ہونا روپیہ کا اُن میں قرینِ مصلحت تھا اور اپنی زینت اور تکلف طعام و لباس میں بھی نہ لگاتے جو کچھ پاتے انہیں مواقع میں اُٹھاتے لیکن پھر بھی اصل و سرور ذکر نبی میں ہمارے شریک تھے تجمل سے جلسہ گو نہ کیا اصل عمل تو اُن میں پایا گیا فرحت و سرور

وشکر یہ مفروضہ ایک فرد میں بھی ادا ہو سکتا ہے جیسا افراد کثیرہ میں ادا ہوتا ہے
اور بہت صحیح طور پر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہم کو پہنچ چکا ہے اپنی
اُمت کو ارشاد فرمایا ہے:

قسم اُس ذاتِ پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میرے
صحابہ کی وہ شان ہے کہ اگر تُم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ
میں لٹا دو گے تب بھی اُن کے تین پاؤ جَو[1] کے برابر ثواب نہ ملے گا
اور نہ ڈیڑھ پاؤ کے برابر۔

یہ حدیث صحیحین میں ہے اس صورت میں اہلِ اسلام بنظرِ تحقیق دیکھیں کہ حضرت عباس
کا وہ قصیدہ در باب ذکر مولد خوشی خوشی حضوری حضرت سید الکائنات صلی اللہ علیہ
وسلم میں پڑھ دینا اور حضرت حسان کا اشعار فخریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
مواجہہ میں اکثر پڑھنا اس تمام ہیئت مجموعی کے افراد کثیرہ کی خیر و برکت سے
کہیں زیادہ ہوگا جب اُن کا ڈیڑھ پاؤ جَو خرچ کیا ہوا ہمارے پہاڑ کے برابر سونے سے
زیادہ نہ ہو تو یہ اعتراض لغو ہو گیا جو کہتے ہیں کہ تم صحابہ سے بھی بڑھ گئے ہو کہ انہوں نے
یہ تجل نہ کیا تم کرتے ہو، وجہ لغو ہونے کی یہ کہ اُن کا ایک ذکر فرحت اور سرور قلبی سے
کرنا ہمارے بہت سے سامانِ فرحت و سرور سے افضل ہے از روئے حدیث،
پھر ہم کہاں بڑھ گئے ان سے، ہاں صحابہ اصل اس تذکرہ اور فرحت و سرور
وجود باجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارے شریک ہیں بنائً علیہ ہمارا سلسلہ
ان سے ملا ہوا ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دیباچہ انتباہ میں
فرماتے ہیں:

---

[1] جَو کا لفظ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لکھا ہے اس حدیث میں ۱۲

باید دانست کہ یکے از نعم خدا تعالیٰ بر اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات آنست کہ تا امروز سلسلہا۔ ایشاں تا حضرت پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و ثابت است و اگرچہ اوائل امت را با و اخرامت در بعض امور اختلاف بودہ است پس صوفیہ صافیہ ارتباط ایشاں در زمن اول بصحبت و تعلیم و تادب و تہذیب نفس بودہ است نہ بخرقہ و بیعت و در زمن سید الطائفہ جنید بغدادی رسم خرقہ ظاہر شد و بعد ازاں رسم بیعت پیدا گشت و ارتباط سلسلہ بہمہ ایں متحقق است و اختلاف صور ارتباط ضرر نمیکند الیٰ ان قال و علماء کرام ارتباط ایشاں و زمن اول باستماع احادیث و حفظ آں در دعائے قلب بُود بعد ازاں تصنیف کتب و قراءۃ و مناولۃ و اجازت آں پیدا شد و ارتباط سلسلہ بہمہ نوع ایں امور صحیح است و اختلاف صور را اثری نیست بناءً علیہ۔

اگر فرحت و سرور در مدح خوانی میں ہمارے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے مابین کچھ ہیئت کا اختلاف ہو تو ہرگز مضر نہیں جب اصل امر ہم میں اور ان میں مشترک ہے۔

اگر کوئی خاص ۱۲ ربیع الاول کو اور ہر سال محفل کرتا رہے

باقی رہی تحقیق تعیین تاریخ سوم اور اُن لوگوں کی یہ نہیں کہ بارھویں ربیع الاول سے غیر دنوں میں جائز نہیں بلکہ اُس میں ایک قسم کی مناسبت سمجھ کر اُس میں زیادہ تر یہ محفل پاک کرتے ہیں اور دلیل شرعی اس پر بھی موجود ہے وُہ یہ ہے کہ شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے جس روز کسی نعمتِ عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اُسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف میں اس تعیینِ یوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اگر آسمان سے ہمارے

لیے خوان کھانے کا اُترے تب عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے یہ فرمایا:

اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیدا لاولنا وآخرنا۔

کہا امام رازی نے تفسیر کبیر میں کہ اس کے یہ معنی ہیں:

یا اللہ! اتار ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہ ہو جاوے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے یعنی جس دن وہ مائدہ اُترے اُس کو ہم عید بنا لیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں۔

اُس دن کی تعظیم جاری ہے پس اُترا وہ مائدہ اتوار یعنی یکشنبہ کو اور بنا لیا نصاریٰ نے اُس کو خوشی کا دن کہ اس میں خوشی کرتے ہیں انتہیٰ

یعنی وہ لوگ اپنی عبادت گاہ میں جمع ہوتے ہیں یکشنبہ کو مثل جمع اہل اسلام کے اور اُس روز اپنے محکموں میں تعطیل کرتے ہیں، استراحت پاتے ہیں۔ دیکھئے قرآن شریف سے اصل ثابت ہوئی کہ روزِ حصولِ نعمت کو ابداً عید بنا لیا جائے۔

تخصیصِ یوم پر دوسری دلیل صومِ عاشورہ

اور حدیث سے یہ سند ہے کہ ابنِ حجر محدث نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشورا محرم کو روزہ رکھتے ہیں، آپ نے پوچھا: کیوں رکھتے ہو؟ بولے: یہ وہ دن ہے کہ اس میں ڈبو دیا اللہ تعالیٰ نے فرعون کو، بچا لیا موسیٰ علیہ السلام کو، پس روزہ رکھا موسیٰ نے شکراً: نحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ یعنی ہم اُس دن کو روزہ واسطے شکرگزاری اللہ تعالیٰ کے رکھتے ہیں۔ حضرت نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ تمہاری بہ نسبت ہم کو زیادہ مناسبت

ہے موسیٰ سے۔ تب آپ نے روزۂ عاشورا رکھا اور صحابہ کو بھی حکم دیا۔ یہ حدیث صحیح ہے، مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔

اب دیکھئے کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک وہ شکریہ اُس نعمت کا جاری ہے کہ جب روز عاشورا محرم کا آتا ہے ہر سال اہلِ اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزولِ مائدۂ عیسیٰ اور نجاتِ موسیٰ علیہ السلام سے کہیں فائق اور افضل اور اکمل ہے پس یہ دن جب ہر سال آئے کیوں اُس میں فرحت و سرور ظاہر نہ کیا جائے اور شکر الٰہی کیوں ادا نہ کیا جائے جب روز معین کا ہر سال موجب اعادۂ شکر سرور ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہو گیا تو روزِ میلادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو نہایت درجہ قابل اس کے ہے کہ اس کو یوم سرور کیا جائے۔

علاوہ ان دلائل کے اور بھی حدیث صحیح درباب تعین و قرار یابی یوم سرور بباعث ظہور نعمت علماء محققین نے مثل مفتی سعد اللہ صاحب وغیرہ نے بیان فرمائی ہے اور یہ بات تو اس قسم کی ہے کہ ابو عبد اللہ بن الحاج جن کو یہ صاحب اپنا طرفدار شمار کرتے ہیں یعنی اُن کو مانع عمل مولد شریف جانتے ہیں انہوں نے اس تخصیص افضلیتِ ماہِ ربیع الاول کو مسلّم رکھا ہے، عبارت اُن کی مدخل میں یہ ہے:

هذا الشهر العظيم الذی فضل الله تعالی و فضلنا فيه بهذا النبی الكريم الذی من الله تعالی علينا فيه بسيد الاولين و الاخرين كان يجب ان يزاد فيه من العبادة والخير شكرا للمولی علی ما أولانا من هذه النعم العظيمة ولكن اشار عليه الصلوة والسلام الی فضيلة هذا الشهر العظيم بقوله عليه السلام للسائل

الذی سألہ عن صوم یوم الاثنین فقال لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ذٰلک یوم ولدت فیہ فتشریف ھذا الیوم متضمن لتشریف ھذا الشھر۔

یعنی یہ مہینہ ربیع الاول کا بزرگ ہے، اللہ نے اس میں ہم پر احسان کیا کہ ایسا سیّد الاوّلین والآخرین پیدا کیا، جب یہ مہینہ آیا کرے ہم کو چاہئے کہ بطور شکریہ بہت زیادہ اس میں نیکیاں کیا کریں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بزرگی کی طرف اشارہ کر دیا کیونکہ آپ روزہ پیر کا رکھا کرتے تھے جب کسی نے پوچھا: کیوں رکھتے ہو؟

آپ نے فرمایا، میں اس دن پیدا ہُوا ہُوں۔

پس اس سے ثابت ہو گیا کہ جب پیر کا دن بباعث ہونے آپ کے مشرف اور مکرم ہو گیا کل دنوں کی نسبت، پس لابد وہ مہینہ بھی مکرم اور معظم ٹھہرا کل مہینوں میں۔ یہ معنی ہیں کلام ابن حاج کے۔

اور ایک اعتراض دُوسرا جو وارد ہوتا تھا کہ یہ مہینہ اگر افضل تھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیوں اس میں اظہار شکریہ وغیرہ کا نہ کیا؟

اس بات کا جواب بھی انہی حضرت ابن حاج نے مدخل میں دے دیا:

وان کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یزد فیہ علی غیرہ من الشھور شیئا من العبادات وما ذلک الا الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم بامتہ ورفقا بھم لانہ علیہ السلام کان یترک العمل خشیتہ ان یفرض علی امتہ۔

یہ عبارت پہلی عبارت سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم کو واجب ہے ربیع الاول میں زیادہ کرنا نیک کاموں کا اگرچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی بات زیادہ اس مہینہ میں نہیں فرمائی، یہ اس واسطے تھا کہ آپ بعض کام چھوڑ دیا کرتے

تھے کہ میرے سبب سے اُمت پر یہ کام فرض نہ ہو جائے۔

پس ان کے محقق مسلّم الثبوت کا کلام اعتراض تخصیص ربیع الاول کی دفعہ میں کافی و وافی ہے۔ والحمدللہ علیٰ ذلک۔

مولد علی الدوام کرنے پر دلیل احب الاعمال ادومہا

دُوسری دلیل اس عمل کی علی الدوام یعنی ہر سال کرنے کی یہ ہے کہ حدیثِ صحیح میں آگیا ہے:

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل۔

یعنی اللہ کو بہت پیارا وہ عمل ہے جو سدا کو ہووے اگرچہ تھوڑا ہو۔

پس جو شخص سال بھر میں ایک دو مرتبہ محفل کرے گا تو ظاہر ہے کہ تین سو ساٹھ دن میں ایک دن یا دو دن اس عمل پاک کے حصہ میں آئے پس یہ قلیل ہے۔ جب قلیل ہوا تو اب اس کو دائمی بھی نہ کریں تو کیا اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوگا؟ بناءً علیہ۔ طالبِ حسنات کو لازم ہوا کہ یہ عمل ہر سال کیا کرے۔

آیۂ ورہبانیۃ ابتدعوھا بھی دوامِ مولد کی دلیل

تیسری دلیل اس کے دوام کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید میں ارشاد فرمایا ہے:

ورھبانیۃ ابتدعوھا ماکتبنٰھا علیہم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا۔

اور دنیا کا چھوڑ بیٹھنا انہوں نے اپنی طرف سے نیا نکالا، نہیں لکھا تھا ہم نے ان پر، مگر نکالا انہوں نے اللہ کی رضا مندی چاہنے کو، پھر نہ نباہا اس کو

جلیسا چاہیئے تھا نبا ہنا۔

یہ آیت جس طرح بدعت حسنہ کے جواز کی دلیل ہے اسی طرح اس پر بھی دلیل ہے کہ اگر کوئی کام نیک اپنی طرف سے ایجاد کرے تو اس کا نباہ اور حق ادا کرنا بھی مناسب ہے۔ تفصیل اس کی یہ کہ جب بنی اسرائیل نے خاص اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اپنی نفس کُشی کے واسطے اپنی طرف سے یہ ایجاد کیا کہ پہاڑوں اور جنگلوں میں اکیلے جا بیٹھتے، موٹے کپڑے پہنتے، نکاح نہ کرتے، لیکن انجام کار پُوری حق گزاری ادا نہ ہوئی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ انہوں نے بدعتیں ہماری رضامندی کے لیے ایجاد کیں اور ہم نے حکم نہیں دیا تھا اُن کا، پھر اُن کو نہ نباہا جس طرح چاہیئے نباہنا۔ دیکھئے اس میں ایک تو دلیل پیدا ہوئی کہ بعض بدعتیں اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے بھی ہوتی ہیں، دوسرے یہ کہ اگر ایسی بدعت نکالی تو اس کا پُوری طرح نباہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس بات پر ملامت نہ فرمائی کہ کیوں انہوں نے یہ بدعتیں ایجاد کیں بلکہ اس بات پر ملامت فرمائی کہ انہوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا۔ جب یہ مضمون سے ثابت ہو گیا تو معلوم کرنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح تین رات پڑھ کر چھوڑ دی تھی نہ اُس میں یہ بیان ہُوا تھا کہ اول شب میں اُن کو پڑھنا چاہیئے یا آخر شب میں، اور تمام رمضان کی راتوں میں پڑھنا چاہیئے یا کسی رات میں پڑھ لینا کافی ہے، اور نہ مقدارِ قرأت کا بیان ہُوا تھا کہ ختم قرآن ہو یا نہ ہو اور نہ بیان کہ اپنے گھر میں پڑھیں یا مسجد میں، اور نہ کچھ اُس کے لیے اہتمام و انتظام جماعت کا ارشاد ہوا تھا۔ اور اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دَور میں بھی رہا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس میں اہتمام زیادہ کیا اور حکم دیا تمیم داری کو کہ عورتوں کو تراویح پڑھائے، اور اُبی بن کعب کو حکم دیا کہ مردوں کو نمازِ تراویح

پڑھائیں، اور مردوں کو مسجد میں تراویح کا حکم دیا۔ اور پہلے صحابہ اپنے اپنے گھر میں بلا جماعت پڑھتے تھے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد میں قندیل روشن کیے اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ یہ بھی حکم دیا کہ بعد عشاؑ کے شروع رات میں پڑھا کرو یعنی بطور تہجد پچھلی رات کو مت پڑھو۔ غرضکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس نماز کو کہ حضرت نے کچھ پڑھ کر چھوڑ دی تھی جاری فرمائی اور بعض خصوصیات و تعینات اُس میں زائد فرمائیں تب بباعث عارض ہوتے ہیئت کذائی جدید کے آپ نے بزبانِ خود اس کو بدعت فرمایا لیکن تعریف کے ساتھ فرمایا کہ نعمت البدعۃ یعنی یہ اچھی بدعت ہے۔ اُس وقت صحابہ میں ٹھہرا کہ دیکھو اس نماز کو تم نے اہتمام اور جماعت اور قیود کے ساتھ خود مقید کیا ہے اب اس کو ترک مت کیجیو اور خوب مداومت کے ساتھ پڑھیو ایسا مت کیجیو جیسا بنی اسرائیل نے کچھ باتیں ایجاد کر کے پھر اُس پر پورے عامل نہ ہوئے اُن کو اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا ما رعوھا حق رعایتھا کہ اُنھوں نے نہ نباہا حق نباہنے کا۔ یہ قصہ کشف الغمہ میں اور تفسیر رُوح البیان کی سورۃ حدید میں مذکور ہے:

وکان ابوامامۃ الباھلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول احدثتم قیام رمضان ولم یکتب علیکم فدوموا علیٰ ما فعلتم ولا تترکوہ فان اللہ عاتب بنی اسرائیل فی قولہ رھبانیۃن ابتدعوھا ما کتبنا ھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ

حضرت ابوامامہ فرماتے تھے کہ تم نے خود اپنے ذمہ لگایا ہے تراویح رمضان کو حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نہیں کی گئی دیکھو اپنے کیے کو سدا نباہیو اور مت چھوڑیو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عتاب کیا ہے بنی اسرائیل پر، کلام پاک میں وہ آیت یہ ہے:

فما رعوها حق رعایتہا ۔ انتہیٰ   رہبانیۃ ابتدعوہا الیٰ آخرہ ۔

جب معنی آیۃ کریمہ کے اور استدلال صحابہ کا اس آیۃ سے درباب جواز احداث بدعت حسنہ اور تاکید مداومت اُس کی سُن چکے تو اب مسئلہ میلاد شریف کا حال سُنو کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ ربیع الاول میں کوئی عمل مقرر نہیں فرمایا تھا ابن حاج رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کا عذر بیان کیا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے کہ مبادا ایسے کرنے سے اُمت پر فرض ہو جائے لیکن اشارہ اُس کی فضیلت کا کر دیا کہ میں پیر کے دن اس لئے روزہ رکھتا ہوں کہ اس میں پیدا ہوا ہوں یعنی اس میں اُمت کو اشارہ نکل آیا کہ جب ہفتہ کے سات دنوں میں یہ ایک دن محل عبادت شکریہ ہو گیا بباعث وقوع ولادت کے بس برس دن کے بارہ مہینوں میں ایک وُہ مہینہ بھی بلاشک محل عبادت شکریہ ہوگا جس میں میلاد شریف ہوا اس بنا اور اصل پر اہلِ اسلام نے اس مہینہ میں مجلس شکریہ جو مشتمل چند عبادات بدنی و مالی پر ہے ایجاد کیں' اور اکابر علماء محدثین اور فقہا جن کا نام ہم خاتمہ میں شمار کریں گے اُس کے بانی اور مجوز اور ثنا خوان ہوتے اور اولیاء اللہ جو اہلِ کشف تھے انہوں نے مکاشفات[1] اور منامات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے راضی پایا غرضکہ علماء طریقت اور شریعت کے اتفاق سے یہ عمل مستحسن ٹھہرا پس صادق آیا اُس پر وہی مضمون آیہ کریمہ ابتدعوہا

---

[1] اس عاجز نے چند اولیاء کے قصے اس قسم کے دیکھے ہیں کہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکاشفات و منامات میں عمل مولد شریف سے خوش پایا ہے یہ قصے کتابوں میں دیکھے ہیں اور اس وقت میں بھی چند صلحاء وقت کو بشارت اس محفل شریف کی ہوتی ہے ۱۲

ماکتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ اور مطابق ہوا اُس پہ قصہ صحابہ کا درباب تراویح، پس اگر ہم اس عمل پاک پر مداومت نہ کریں اور ہر سال معین طور پر ادا نہ کریں تو ہم کو بھی وہی اندیشہ ہوگا جو امام ابوامامہ باہلی کو ہُوا جس کے سبب انہوں نے فرمایا:

دُومُوا[1] علی ما فعلتم و لا تترکوہ۔

تحقیق قولِ طیبی من اصر علی مندوب وقولِ ابن عباس لا یجعل احدکم للشیطٰن

اور طیبی کا یہ قول:

من اصر علی مندوب و جعل عزما و لم یعمل بالرخصۃ فقد اصاب منہ الشیطان۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جو آدمی امر مستحب کو واجب اعتقاد کر کے ترک نہ کرے اس میں دخل ہے شیطان کا۔

علامہ طیبی نے یہ بات قولِ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پیدا کی کہ انہوں نے فرمایا:

نہ کرے کوئی تم میں سے اپنی نماز میں حصہ شیطان کا کہ اعتقاد کرے نماز میں یہ بھی واجب ہے کہ بعد سلام پھیر دینے کے نہ پھرے وہ مگر داہنے ہاتھ کی طرف سے اس واسطے کہ میں نے دیکھا ہے بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ سلام پھیر کر پھر جاتے تھے اپنی بائیں طرف سے۔ انتہٰی

اب ہم سے تحقیق اس کی سنو، نماز کے بعد دہنی طرف پھر جانے سے جو

---

[1] یعنی اب ہمیشہ کرتے رہو جو تم نے کیا ہے اور چھوڑنا مت اس کو ۱۲

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع فرمایا، اس میں دو باتیں خلافِ شرع تھیں :

ایک تو یہ کہ داہنی طرف سے پھرنا سنّت ہے، پھر اگر کوئی اس کو واجب اعتقاد کرے گا تو ظاہر ہے وہ بدل دے گا حکمِ شرع کو، دیکھو تمہارے عالم مسلّم الثبوت مولوی قطب الدین خان صاحب اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں :

"سنّت میں اعتقاد واجب ہونے کا نہ کرے" انتہیٰ کلامہ

دوسرے یہ کہ عبداللہ ابنِ مسعود نے فرمایا کہ میں نے بہت دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں طرف سے پھرتے دیکھا ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ بائیں طرف سے پھر جانا بھی سنّت ہے حالانکہ جو شخص داہنی طرف سے پھر جانا واجب اعتقاد کرے گا اُس کے نزدیک بائیں طرف سے پھرنا موافق قانونِ شرع کے مکروہِ تحریمیہ ٹھہرے گا کیونکہ واجب کا ترک عمداً مکروہِ تحریمیہ ہوتا ہے پس اُس کے اعتقاد کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا فعل یعنی بائیں طرف سے پھرنا جو کہ سنّت تھا وہ مکروہ تحریمیہ ٹھہرتا تھا ان دو قباحتوں پر صحابی موصوف نے منع فرمایا کہ تم ایسے اعتقاد کر کے شیطان کا حصہ یعنی گمراہی اپنے دین میں پیدا مت کرو۔ اس حدیث کے موافق طیبی نے فرمایا کہ من اصدر علی مندوب الیٰ آخرہ پس جو معنی اثر صحابی کے ہیں کہ سنت کو واجب اعتقاد نہ کرے۔ یہ ہی معنی کلام طیبی کے ہوئے اور اگر کوئی شخص مستحب کو مستحب جان کر مداومت کرے اُس کی برائی کلام طیبی سے ثابت نہیں ہوتی اور کس طرح ہووے جب خود حدیث شریف میں عمل کا دوام محبوب ثابت ہو چکا اور مولوی قطب الدین خاں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بسبب اس حدیث کے بُرا جانتے ہیں اہلِ تصوف ترکِ اوراد کو جیسا بُرا جانتے ہیں ترک فرائض کو انتہیٰ

ہم کہتے ہیں پس اسی طرح اہلِ مولد وظیفہ معمولی مولد کو ترک کرنا اچھا نہیں جانتے۔

اعتراضات براہین قاطعہ گنگوہی مع جواب

(۱) یکشنبہ کا عید ہونا اور نیز صومِ عاشورا بحکمِ الٰہی تھا۔

جواب: اگر بحکمِ الٰہی نہ ہوتا تو ہم اس پر قیاس بھی نہ کرتے، جب وہ حکمِ الٰہی ہوا تو خوب صحیح ہو گیا یہ استنباط کہ حصولِ نعمت کا شکریہ اور سرور ہر سال ابداً کرنا بحکمِ الٰہی ہے بناءً علیہ افرادِ سابقہ کو نظیر قرار دے کر وہی حکم نعمت وجود نبی کریم علیہ التسلیم میں جاری کیا۔

(۲) روزِ یکشنبہ کا عید ہونا منسوخ ہو چکا اور شریعتِ عیسیٰ علیہ السلام منسوخ ہو چکی۔

جواب: کچھ حرج نہیں اگر ان کے لیے وہ دن کہ جس میں مائدہ نازل ہوا تھا عید ٹھہرا تو ہمارے لیے جس رات کو مادۂ نبی کریم علیہ التسلیم شکمِ جناب آمنہ میں نزول فرما ہُوا اُس کی صبح یعنی جمعہ کا دن ٹھہرایا گیا اور صحیح تو یہ ہے کہ استقرار دُرّہ نورِ محمدیہ صدفِ رحمِ آمنہ زہریہ میں شبِ جمعہ ہوا تھا جیسا کہ مدارج النبوۃ میں ہے قطع نظر اس سے اگر پہلی ملتیں نسخ ہو گئیں تو سب ملتوں کا ہر حکم تو نسخ نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں بروز حصولِ نعمت شکریہ ابداً ادا ہونا نسخ نہیں ہوا یہ خود آپؐ کے فعل سے ثابت ہے کہ آپ نے شکریۂ نجاتِ موسیٰ میں روزہ عاشورا رکھا۔

(۳) یہود نے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا تھا نحن نصومہ فقط اب اس پر شکراً للہ تعالیٰ مؤلفِ انوارِ ساطعہ نے افتراء علی الحدیث کیا ہے براہین قاطعہ ص ۱۹۴۔

جواب: یہود کا نحن نصومہ شکراً للہ تعالیٰ کہنا خود ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے، پھر نقل کیا اُن سے جلال الدین سیوطی نے "حسن المقصد" میں طاب اللہ ثراہ اور نیز نقل کیا علی قاری نے مورد الروی میں نور اللہ مرقدہٗ ذرا کتابوں پر نظر بھی چاہیے یُوں ہی زبان اُٹھا کر مفتری کہنا اچھا نہیں، قیامت کو ہر لفظ کا محاسبہ ہوگا اور واضح ہو کہ لفظ شکراً للہ کی جگہ تعظیماً کا لفظ بھی روایت میں آیا ہے۔ یہ عبارت کہ "نحن نصومہ تعظیما لہ" بخاری اور مسلم نے صحیح میں اور حضرت غوث الثقلین نے غنیۃ الطالبین میں اور ابو اللیث سمرقندی نے تنبیہ الغافلین میں روایت کی ہے، یہ بھی وہی معنی دیتی ہے جو شکراً کی روایت دیتی ہے۔

(۴) صفحہ ۱۶۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم عاشورا شکراً وسروراً نہیں رکھا اور معنی احق بموسیٰ منکم کے یہ ہیں کہ اتباعاً لا سروراً وشکراً۔

جواب: آپ انکار فرماتے ہیں اور مذہب حنفیہ کے بڑے امام ابو جعفر طحاوی معانی الآثار میں ہمارے معنی کی تصریح فرماتے ہیں صفحہ ۳۴۳ مطبوعہ مصطفائی ففی ہذا الحدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما صامہ شکراً للہ عز وجل فی اظہار موسیٰ علیٰ فرعون پھر اکیس سطر بعد لکھا وقد اخبر ابن عباس فی الحدیث بالعلۃ التی من اجلہا کانت الیہود تصومہ انہا علی الشکر منہم للہ تعالیٰ فی اظہار موسیٰ علیٰ فرعون ان رسول اللہ صلی اللہ ایضا صامہ کذلک والصوم للشکر اختیار لا فرض۔

پس جس طرح کلام ابن حجر و سیوطی سے سمجھا گیا تھا اسی طرح امام کبیر مذہب

حنفیہ سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہود اس روزہ کو شکریہ رکھتے تھے پھر حضرت نے بھی شکریۂ رکھا، اور خود مولف براہین نے جب بیان کیا سطر ۶ صفحہ ۱۶۵ میں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہم متبع موسیٰ کے ہیں انتہیٰ

اور معلوم ہے یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام نے روزۂ شکر رکھا تھا کہ ان کو نجات ہوئی صفحہ ۱۶۴ براہین میں ہے:

فصامہ موسیٰ شکراً۔

پس حضرت کا روزہ اس تقریر سے بھی شکراً ہو گیا بعلت اتباع کیونکہ تابع و متبوع کا حکم ایک ہوتا ہے۔

اب واضح ہو کہ وہ روزہ ہم بھی رکھتے ہیں تو وہ شکریہ اب تک باقی ہے ہزارہا سال ہو چکے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت وجود باجود کا شکریہ اگر ابداً جاری رہے تو کیا بڑی بات ہے اور اس کو شروع سے کیا منافات ہے!

مولد میں قیام بدعتِ سیئہ ہرگز نہیں، حضرت کی تعظیم عبادت

لمعہ سادسہ

اعتراض کرتے ہیں کہ قیام بدعت سیئہ اور شرک ہے بچند دلائل، ایک یہ کہ ہاتھ باندھ کر کھڑا محفل میں شرک ہے اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور خاص صورت نماز کی ہے اور کرنا عبادت کا غیر اللہ کے واسطے شرک فی العبادت ہے دوسری قباحت یہ کہ لکھا نجم الدین قنوجی نے: قیام کرنے والے یوں سمجھتے ہیں گویا اسی وقت پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم شکمِ مادر سے تشریف باہر لاتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں یہ کفر اور شرک ہے۔ تیسری قباحت یہ کہ یوں سمجھتے ہیں کہ روح نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آیا کرتی ہے اور یہاں حاضر ہے ۔ یہ اعتقاد شرک ہے ۔

جواب ان امور کا یہ ہے کہ ذکر اللہ و ذکرِ رسول اگر کوئی کرے گا تین حالت سے خالی نہیں ؛ کھڑا ہو کر کرے یا بیٹھ کر یا لیٹے ہُوتے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان تینوں حالتوں کی بہ نسبت یہ ارشاد ہوا ہے ؛

فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم ۔

یعنی ذکر اللہ کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پہ لیٹے ہُوئے ۔

لیکن لیٹ کر تو وُہ اذکار ہیں جو خاص وقت سونے کے احادیث میں وارد ہوئے یا کوئی تھکا ہوا سستی چڑھا ہوا یا مریض ہو اس لیے کہ جب آدمی تندرست اور چاق ہوتا ہے تو ذکر اللہ اور ذکرِ رسول لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا ، چنانچہ نماز میں بھی قیام و قعود تو تجویز ہوا لیکن لیٹنا نہ ہوا مگر واسطے مریض کے ۔ پس عبادت کے لیے حالتِ ادب دو مقرر ہوئیں ؛ قیام اور قعود ۔ اس کی تین شکلیں ہیں ، کُل ذکر قیام میں کرے یا کُل قعود میں یا کچھ قیام میں کرے اور کچھ قعود میں ۔ یہ تینوں شکلیں مضمون کلام اللہ میں داخل ہیں اُن میں کی ایک شکل بالکل منطبق ہے جلسہ مولود شریف پر ، کیونکہ اس میں کچھ روایات و معجزات بیٹھ کر پڑھے جاتے ہیں اور کچھ درود و سلام یا مدح کھڑے ہو کر ایک مضمون ہوا منجملہ تین مضامین مندرجہ آیہ کریمہ کے اور ایک فرد ہوا افرادِ ثلثہ ثابتہ بالکتاب سے ، پس لفظِ بدعت کا اطلاق اس پر صحیح نہیں ، بدعت وُہ ہے جس کی کچھ سند نہ ہو نہ کتاب سے نہ سنّت سے نہ لفظاً نہ اشارتاً ، جیسا کہ مولوی اسحٰق صاحب نے مأتہ مسائل میں لکھا ہے : ہاں ایک وجہ خاص کے سبب کہ وہ قیام اُسی وقت کیا جاتا ہے کہ جب میلاد شریف کا ذکر آتا ہے نہ قبل اس کے اور نہ بعد اور نیز بباعث مداومت

کے کہ دائمی کیا جاتا ہے اس موقع میں اگر لفظ بدعت کا اطلاق اس پر کریں صحیح ہے لیکن بدعت موافق مذہب صحیح مفتی بہ جمہور اسلام کے دو طرح ہے ؛ سیئہ اور حسنہ ۔ سیئہ وہ جو مخالف قرآن یا حدیث یا اجماع کے ہو، سو یہ بات تو اس قیام میں نہیں، اس لیے کہ اگر کوئی آیت قرآن کی یا کوئی حدیث اس بات میں آئی ہو کہ ایسے موقع میں کھڑا ہو کر مدح اور سلام پڑھنا منع ہے یا اس بات پر علماءِ اُمت کا اجماع ہو گیا ہوتا تو اس کے مخالف یہ حکم استحباب قیام کا بدعت سیئہ ہوتا اور نہی تو ہرگز وارد نہیں اس موقع خاص کے کیا علی العموم قیام تعظیمی کے لیے شرع میں نہی وارد نہیں ہوئی سوائے قیام مروجہ عجمیوں کے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے :

پس جبکہ نہی ثابت نہ ہوئی تو موافق اصول و قواعد مقررہ مسلّمہ علماءِ فقہ کے جن کو علامہ شامی اور محقق ابن ہمام وغیرہ لکھتے ہیں کہ جمہور حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے یہ قیام مباح امر ٹھہرا اور بدعت سیئہ نہ ہوا بلکہ بباعث مقرون ہونے نیت تعظیم شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحب اور مستحسن ہو گیا بیان اس کا یہ ہے کہ نصوصِ قرآنی و تعزروہٗ وتوقروہ اور آیہ من یعظم شعائر اللہ ناطق ہیں کہ تعظیم آپ کی مطلوب ہے شرعاً اسی واسطے لکھا مجمع البحار کی جلد دوسری تحقیق لفظ صدق میں فتعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل القرب یعنی تعظیم آپ کی افضل قربات وعبادات سے ہے۔

اور شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں :

وذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالتعظیم وطلب الخیر من اللہ تعالیٰ فی حقہ آلۃ صالحۃ للتوجہ الیہ۔

یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ساتھ تعظیم اور آداب کے اور آپ کے

حق میں اللہ تعالیٰ سے خیر کا طلب کرنا عمدہ آلہ ہے آپ کی توجہ کے لیے۔

اور لکھا قاضی عیاض نے شفا میں:

واجب علی کل مؤمن عند ذکر النبی صلی اللہ علیہ ان یوقرہ

یاخذ فی قلبہ ھیبتہ واجلالہ۔

واجب ہے ہر مسلمان پر جب ذکر ہو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا، توقیر کرے اور دل میں ہیبت اور بزرگی ان کی بٹھلائے۔

جب یہ معلوم ہوا کہ توقیر و تعظیم آپ کی مطلوب ہے تو یہ قیام بھی چونکہ مفید تعظیم شان رسول ہے مطلوب ہوا بناءً علیہ اس قیام کو اگر اس سبب سے کہ خاص اس موقع میں صدر اول سے منقول نہیں بدعت کہیں گے تو بباعث داخل ہونے اس کے تحت قاعدہ شرعیہ تعظیم کے احسن اور مستحسن کہیں گے مجمع البحار اور شرح مسلم نووی کی عبارت بیانِ بدعت میں گزر چکی کہ بدعت حسنہ کی ایجاد میں ثواب ملتا ہے خواہ وہ طریقہ تعلیم علم کا ہو یا عبادت کا یا ادب کا سواء کان ذلک تعلیم او عبادۃ او ادب۔ پس یہ قیام جو ایجاد کیا گیا ہے یہ طریقہ ادب کا ہے بناءً علیہ یہ مستحسن ہوا، چنانچہ مولد کبیر ابن حجر اور سیرت حلبی اور تفسیر روح البیان و عقد الجواہر میں اس کے استحسان پر تصریح ہے اور عمل ہے اسی پر حرمین شریفین اور جمیع بلادِ اسلامیہ میں جن ملکوں کا ذکر اس رسالہ میں ملا علی قاری وغیرہ کے کلام سے نقل کیا گیا ہے بھلا جو عمل باتفاق سواد اعظم مستحب اور مستحسن ہو اس کو بدعت سیئہ اور بدعتِ ضلالت کہنا کس قدر آئین انصاف و تدین کے خلاف ہے اور شرک اور کفر کہنا اس کا تو محض فضول ہے اس لیے کہ شرح عقاید نسفی میں معنی شرک کے یہ لکھے ہیں کہ شرک اس کو کہتے ہیں کہ کسی کو خدائی میں شریک کرے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے ایسا ہی کسی دوسرے کو مستقل بالذات واجب الوجود

سمجھے یا جس طرح خدا کو مستحق عبادت جانتے ہیں دوسرے کو مستحقِ عبادت جانے انتہیٰ اور وقت ذکر ولادت شریف کھڑا مدح وسلام پڑھنے میں یہ دونوں باتیں نہیں پھر شرک کیسا، اور اگر متقدمین یعنی عقائدِ حنفی کا کلام نہیں سنتے اپنے متاخرین ہی کا کلام سُنو۔

تحقیق سجدہ لغیر اللہ

مولوی سمٰعیل صاحب تقویت الایمان کی فصل شرک فی العبادت میں کہتے ہیں : اللہ کی سی تعظیم کسی اور کی نہ کی چاہیئے اور جو کام اس کی تعظیم کے ہیں وہ اوروں کے واسطے نہ کیجئے انتہیٰ کلامہ۔

اب قیام کو دیکھنا چاہیئے کہ خاص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے یا اور کسی کے واسطے بھی ہے اور قیام دست بستہ عبادت بھی ہے یا نہیں۔ سو مولوی اسمٰعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبدالعزیز تفسیر عزیزی پارہ الم میں لکھتے ہیں :

درحقیقت چیزیکہ نماز از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں اند رکوع وسجود قیام اختصاص بنماز بلکہ بعبادت ہم ندارد انتہیٰ

اور علامہ حلبی نے لکھا ہے شرح کبیر مُنیہ میں :

والقیام لم یشرع عبادة وحدہ و ذلک لان السجود غایة الخضوع حتی لو سجد لغیر اللہ یکفر بخلاف القیام۔

اور خالی قیام شرع میں عبادت نہیں یہ اس واسطے کہ سجدہ نہایت درجہ کی عاجزی ہے کہ غیر اللہ کو کرے گا کافر ہو جائے گا بخلاف قیام کے یعنی قیام اگر غیر اللہ کے لیے کرے گا تو کافر نہ ہوگا۔

شاہ صاحب اور حلبی کی عبارتوں سے ظاہر ہو گیا کہ قیام خود فی نفسہ

عبادت نہیں اور نہ کچھ نماز اور عبادت کے ساتھ اس کو خصوصیت۔ پس اللہ کی خاص تعظیموں میں قیام کو شمار کرنا خود اپنے بزرگوں کے کلام کو رد کرنا ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز میں جو قیام عبادت گنا جاتا ہے وہ بباعث اشتمال چند قیود کے عبادت گنا گیا ہے طہارت کامل اور استقبال قبلہ کا شرط ہونا اور قرأت کا واقع ہونا اور وسیلہ لتکرار الرکوع والسجود ہونا اگر نماز میں اِن باتوں کا خیال نہ ہوتا تو نماز میں قیام مشروع نہ ہوتا بخلاف سجدہ و رکوع کے کہ یہ خود عبادت اصل مقصود ہے اور خاص خدا تعالیٰ کا حق ہے اسی لیے قرآن و حدیث ناطق ہیں اس پر کہ غیر اللہ کو سجدہ جائز نہیں۔

اب اس سجدہ کا حال کتبِ معتبرہ سے سُنیے۔ مولوی اسحٰق صاحب مائۃ مسائل کے مسئلہ سی و سوم میں لکھتے ہیں،

سجدہ کردن غیر خدا را قبر باشد یا غیر قبر حرام و کبیرا ست و اگر بجہت عبادت غیر خدا را سجدہ کند موجبِ کفر و شرک است۔ انتہیٰ

اور یہی مضمون تفسیر عزیزی پارہ الم میں ہے۔ اب دیکھیے اُن کے بزرگوار تو عین سجدہ میں بھی تفریق کرتے ہیں کہ عبادت کے لیے دوسرے کو سجدہ کرنا شرک ہے اور اگر نیت عبادت کی نہیں تو حرام ہے شرک نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی جلد ثانی کی مکتوبات کی مکتوب نود و دوم میں لکھتے ہیں:

بعضے از فقہا ہر چند سجدہ تحیت السلاطین تجویز نمودہ اند اما لائق حال سلاطین عظام آں است کہ دریں امر بحضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ تواضع نمایند انتہیٰ

اس عبارت سے معلوم ہُوا کہ بادشاہوں کے لیے بھی بعض فقہا نے سجدہ کرنا جائز لکھا ہے لیکن حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کو تواضع اور عاجزی چاہیے لوگوں سے سجدہ نہ کرائیں۔ جب عبادت مخصوصہ جو خاص خدا کا حق تھا یعنی سجدہ

بغیر نیت عبادت کے شرک نہ ہوا بلکہ بعض فقہا نے جائز بھی رکھا بقول حضرت مجدد۔ افسوس ان زبان درازوں کی تعدی اور عام مہالات پر کھڑے فقط قیام جو ہرگز اصل عبادت نہیں شرک اور کفر کس طرح ہو سکتا ہے۔ واضح ہو کہ پہلی اُمت میں سجدہ بھی دوسروں کو واسطے تعظیم کے جائز تھا یوسف علیہ السلام کے پاس جب ان کے باپ یعقوب علیہ السلام اور ان کی خالہ اور سب بھائی ملک مصر میں آئے جب ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو اس وقت کا حال قرآن شریف میں ہے:

خروا له سجدا۔

یعنی حضرت یوسف کے والد اور خالہ اور بھائی یہ سب حضرت یوسف کے آگے سجدہ میں گر پڑے تعظیماً۔

اور اسی طرح جب آدم علیہ السلام کے لیے فرشتوں کو حکم دیا سجدہ کا قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم اُس وقت سب فرشتوں نے سجدہ کیا آدم کو سوائے شیطان ملعون کے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے:

فسجدوا الا ابلیس۔

یہ ذات شریف اُس وقت غرور میں رہی سجدہ نہ کیا جہنمی بن گیا، لعنت کا طوق گلے میں پڑا۔

امام فخر الدین رازی نے پارہ تلک الرسل میں لکھا ہے:

ان الملٰئکۃ امروا بالسجود	بیشک فرشتے حکم دیے گئے سجدہ آدم
لاجل ان نور محمد علیہ السلام	کا اس لیے کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
فی جبھۃ آدم۔	آدم کی پیشانی میں تھا۔

اور شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے کہ فرشتوں نے جو سجدہ کیا آدم علیہ السلام کو اور اخوانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو۔ وہ عبادت کے لیے نہ تھا البتہ

سجدہ کبھی جائز نہیں ہوا کیونکہ یہ محرمات عقلیہ سے ہے اور محرمات عقلیہ کبھی نہیں بدلیں بلکہ وہ سجدۂ تعظیمی تھا اب اس اُمت میں وہ بھی حرام ہے انتہی ملخصاً

قبر شریف پر دست بستہ کھڑا ہو

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ سجدۂ تعظیمی اِس امت میں حرام تو ہے لیکن شرک اور کفر نہیں ہے جب عبادت خاصہ مخصوصہ باری تعالیٰ کا یہ حال ہو پھر قیام کس طرح شرک ہو سکتا ہے اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا شرک ہوتا کبھی علماءِ دین واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جائز نہ رکھتے قبر شریف کی زیارت میں صاحب جذب القلوب (شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

در وقت سلام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقوف در آنجناب باعظمت دست راست را بر دست چپ بہ نہد چنانچہ در حالت نماز کرمانی کہ از علماء حنفیہ است تصریح بایں معنی کردہ انتہیٰ۔

اور ملا علی قاری نے بھی کرمانی سے یہ ہاتھ باندھنا مثل نماز کے نقل کیا کتاب در المفیہ میں۔ اور مدینہ جانے والے خوب جانتے ہیں کہ وہاں اسی پر عمل ہے اور اس کے خلاف پر کہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونے کو منع کریں ہرگز عمل نہیں اور علامہ محمد بن سلیمان مکی شافعی نے کتاب حاشیہ مناسک خطیب شربینی میں لکھا ہے:

فالاولی لہ وضع یمینہ علی یسارہ کالصلوٰۃ کما اقتصر علیہ فی الحاشیۃ واقرہ ابن علان وآخر کلامہ فی الجواھر یشیر الی المیل الیہ انتھی۔

بہتر ہے زیارت کرنے والے کو وقت زیارت داہنا ہاتھ رکھنا بائیں ہاتھ پر نماز کی طرح، یہی ایک بات لکھی ہے حاشیہ میں اور مان لیا اس کو ابن علان نے اور آخر کلام اس کا جواہر میں اشارہ کرتا ہے کہ میلان اس کا اسی بات پر ہے یعنی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا چاہیے۔

اور فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے در باب زیارت قبر شریف :

ویقف کما یقف فی الصلوٰۃ۔[1]

اب دیکھئے سب علماء شافعی و حنفی نماز کے ساتھ تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ جس طرح نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اسی طرح حضرت کے روضہ مبارک کے سامنے با ادب کھڑا ہو، اب اس میں دو احتمال ہیں یا تو یہ علماء سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر با ادب کھڑا ہونا کچھ عبادت نہیں اور نہ مخصوص خدا کے ساتھ جیسا کہ کلام شاہ عبدالعزیز وغیرہم سے ہم نقل کر چکے پس جب مخصوص خدا کے ساتھ نہیں تو کیا مضائقہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واسطے اس طرح کھڑے ہوں اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اگر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو شاید یہ سمجھا ہو کہ رسول اللہ کی تعظیم میں کھڑا ہونا غیر اللہ کی تعظیم نہیں بلکہ یہ گویا خود اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ چنانچہ بعض آیات سے یہ مضمون مفہوم ہوتا ہے، قرآن شریف میں ہے :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔

اور دوسری جگہ فرمایا :

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے :

جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وہ ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے۔ انتہی

---

[1] اور کھڑا ہووے جس طرح نماز میں کھڑا ہوتا ہے انتہیٰ

اب سب صاحب خیال فرمائیں کہ نماز میں کس طرح کھڑے ہوتے ہیں دست بستہ یا فرو ہستہ۔

اور تفسیر روح البیان[1] میں ہے :

کان المقصود بالمبایعة منه علیه السلام المبایعة مع اللہ وانه علیه السلام انما هو سفیر و معبر عنه تعالیٰ وبهذا الاعتبار صاروا کانهم یبایعون اللہ وبالفارسیة آنانکه بیعت مے کنند با تو جز این نیست که بیعت مے کنند باخدائی چه مقصود بیعت اوست و برائے طلب رضائے اوست انتہیٰ کلام روح البیان۔

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کرنے سے اصل مقصود ذات باری تعالیٰ سے بیعت کرنا تھا کیونکہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفیر اور نائب ہیں اس اعتبار سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین گو ذات باری تعالیٰ سے بیعت کرنے والے ہیں، فارسی میں ترجمہ یہ ہوگا اے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے جو صحابہ کرام بیعت کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں جز نیست وہ خدائے ذوالجلال سے بیعت کا شرف حاصل کر رہے ہیں کیونکہ اصل مقصود اللہ تعالےٰ کی بیعت اور اس کی رضا کا حصول ہے انتہیٰ کلام

اور وقت بیعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لوگوں کے ہاتھ پر تھا اس کو قرآن شریف میں یوں فرمایا ہے : ید اللہ فوق ایدیھم۔ شاہ عبد القادر نے معنی اس کے لکھے کہ :

اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے۔

اور تفسیر مدارک میں ہے :

یرید ان ید رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم التی تعلو اید البایعین هی ید اللہ تعالیٰ واللہ منزه عن الجوارح وعن صفات الاجسام وانما المعنی تقدیر ان عقد المیثاق مع الرسول کعقده مع اللہ من غیر تفاوت بینهما۔

---

[1] روح البیان سورۃ الفتح ۹/۱۹

یعنی رسول اللہ کی بیعت ہے کچھ فرق نہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اگر یہ قیام دست بستہ عبادت نہیں چنانچہ مذہبِ علماء و قولِ فقہا یہی ہے تو محفل مولد شریف میں کھڑا ہونا شرک اور کفر ہرگز نہ ہوا اور اگر اس کو زبان زوری سے خواہ مخواہ علمائے دین کی عبارت قرار دیتے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ اگر یہ عبادت ہے تو بھی اللہ ہی کے واسطے ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا ہمارے لیے بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس وقت اس ظہورِ نعمت کا بیان ہوتا ہے ہم تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں بایں معنیٰ کہ اے اللہ! ہم نے تیری اس نعمت بھیجی ہوئی کو عظیم جانا اس میں دو باتیں حاصل ہوئیں:

ایک یہ کہ تعظیم نکلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیونکہ آپ کی تشریف آوری عالم دنیا کا ذکر سُن کر بہ ہیئتِ تعظیم کھڑے ہو گئے۔

دوسرے یہ کہ یہی تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہٖ تعظیم ہو گئی اللہ تعالیٰ کی کیونکہ نعمت کی تعریف خود منعم کی تعریف ہے اور نعمت کی تعظیم سراسر منعم کی تعظیم، پس یہ دست بستہ کھڑا ہونا درحقیقت منعمِ حقیقی کے سامنے ہے شکریہ عطاءِ نعمت میں۔

اب خیال فرمائیے کہ اس معنی کو شرک اور کفر سے کیا علاقہ! فماذا بعد الحق الا الضلال۔

یہ عقیدہ کسی کا نہیں کہ حضرت اس محفل میں پیدا ہوئے معاذاللہ

ایک قباحت کا جواب تو ہو چکا اب[1] دوسری قباحت کا جواب

---

[1] یعنی جو اعتراض تھا مانعین کا کہ دست بستہ کھڑا ہونا شرک ہے اس کا جواب

(باقی اگلے صفحہ پر)

سُنیے کہ تمام مولد شریف پڑھنے والے اپنی زبان سے خوب تصریح اور توضیح سے تعین یوم ولادت کی شرح کرتے ہیں۔ شاہ سلامت اللہ صاحب کے مولد شریف میں ہے:

بارھویں تاریخ ربیع الاول کی صبح صادق کے وقت پیر کے دن حضرت پیدا ہوئے اور مولد شریف غلام امام شہید میں ہے بارھویں تاریخ ربیع الاول دوشنبہ کے دن وقت صبح صادق بعد چھ ہزار سات سو پچاس برس کے زمانہ آدم سے

اسی قسم کی عبارتیں راحۃ القلوب وغیرہ رسائل میلادیہ اردو زبان میں ہیں اور عربی مولد برزنجی میں ہے:

ولما تم من حملہ تسعۃ اشھر قمریۃ ولدتہ صلی اللہ علیہ وسلم یتلألأ سناہ۔

(بارھویں ربیع الاول کو پیر کے دن جو بڑے صاحب بزرگی ہیں (یعنی سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیدا ہوئے۔

اور علامہ غرب مدنی کے مولد میں ہے:

ثانی عشر من ربیع الاول فی یوم الاثنین المفخم ذی المجدی۔

ان رسائل میں روز، شہر و سال ولادت کا صاف اقرار ہے کہ آپ اُس زمانہ میں پیدا ہوئے نہ یہ کہ اب محفل میں پیدا ہوئے نعوذ باللہ منہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تو ہو چکا اب دوسری قباحت کا جواب شروع ہوتا ہے یعنی یہ افترا کہ بانیانِ محفل یوں جانتے ہیں گویا اب اس محفل میں آپ پیدا ہوتے نعوذ باللہ منہا الف الف مرۃ۔

تردید اس کی جو اعتقاد حضورِ روح مبارک کو شرک قرار دے

اب تیسری قباحت کا جواب بہ نسبت تشریف لانے روح پُرفتوح صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سُننا چاہیئے کہ حضرت کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود شریف پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں شرک ہے ہر جگہ موجود خدا تعالیٰ ہے اللہ سبحانہٗ نے اپنی صفت دوسرے کو عنایت نہیں فرمائی۔

جواب: خدا کے حاضر ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ تم عظمت اور وسعت عرش عظیم کی اور فراخی کرسی کی خیال کرو کہ ان کے آگے سات آسمانوں کی کیا حقیقت ہے پھر کرۂ ناری اور ہوائی اور مائی کو خیال کرو کہ آسمان کے آگے ان کی کیا وسعت ہے! پھر ان کے کُرات کے آگے زمین کو دیکھو کہ اس کی وسعت کو کُرات سے کیا نسبت ہے، پھر زمین کے چوتھائی حصہ کو دیکھو جو پانی سے نکلا ہوا ہے پھر اُس باہر نکلے ہوئے میں جنگل اور پہاڑ اور بستیاں کس قدر ہیں اور آدمیوں سے آباد ہیں اور اس آبادی میں کفار کس قدر ہیں اور مسلمان کس قدر، اور مسلمانوں میں مولد شریف کرنے والے کس قدر اور نہ کرنے والے کس قدر! پس ان سب مراتب کے خیال اور فکر کرنے سے معلوم ہو جائیگا مرد منصف کو کہ اللہ تعالیٰ کا حاضر ہونا تو اِس درجہ ہے کہ عرش کرسی آسمان لوح وقلم ساتوں زمین اور جمیع جبال وبحار ویران وعمرانات وغیرہ ہر مکان ہر زمان ہر آن کی نسبت وہ حاضر اعتقاد کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے یہ اعتقاد کیا کہ وہ مواقع مولد خوانی میں تشریف لاتے ہیں تو یہ زمانہ اور وہ مواقع بہ نسبت ان تمام ازمنہ اور مقامات مذکورہ بالا کے

کس شمار اور کس حصہ میں داخل ہیں کہ بس ان مواقع میں تشریف لانے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابری لازم آگئی اور شرک ہوگیا نعوذ باللہ منہ اور عقیدہ اہلسنت وجماعت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت اسی طرح اور اسی حقیقت سے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے دوسرے میں نہیں ہوتی اور خصوصیت کے معنی یہ ہیں کہ یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ اور روئے زمین پر کل جگہ موجود ہوجانا کچھ خاصہ مضمون خدا کے ساتھ نہیں تفسیر معالم التنزیل اور رسالہ برزخ جلال الدین سیوطی اور شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے کہ ملک الموت قابض ہے جمیع ارواح جن وانس و بہائم اور جمیع مخلوقات کا، اور اللہ تعالیٰ نے کردیا ہے دنیا کو اس کے آگے مثل چھوٹے خوان کے۔ ایک روایت میں آیا ہے مثل طشت کے فیقبض من ھھنا ھھنا فی اٰن واحد یعنی اِدھر سے لے لیتا ہے جان کو اور اُدھر سے۔ اب خیال کرو کہ ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی مچھر کیڑے مکوڑے اور چرند پرند درند اور آدمی مرتے ہیں ہر جگہ ملک الموت موجود ہوتا ہے۔ اور مشکوٰۃ میں ہے:

"ملک الموت وقتِ موت میت کے سرہانے ہوتا ہے مومن کے بھی اور کافر کے بھی۔"

یہ حدیث طویل ہے۔

اور قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتیٰ میں نقل کیا ہے ایک حدیث کو طبرانی اور ابنِ مندہ سے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ:

ملک الموت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا کہ ایسا کوئی گھر نیک یا بد نہیں آدمیوں کا جس کی طرف مجھ کو توجہ نہ ہو رات دن دیکھتا رہتا ہوں اور ہر چھوٹے بڑے کو ایسا پہچانتا ہوں کہ وہ خود بھی اپنے کو اس قدر

پہچانتے نہیں۔

اور یہ بھی روایت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کی ہے کہ ملک الموت نماز والے وقت آدمیوں کو دیکھتا ہے کہ یہ ہمیشہ نماز پڑھتا رہا اُس سے شیاطین کو دفع کرتا ہے اور کلمہ طیبہ تلقین کرتا ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے دُرِ مختار کے مسائلِ نماز میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا ہے۔ بعد اس کے لکھا ہے

واقدرہ علی ذلک کما اقدر ملک الموت علیٰ نظیرِ ذلک۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے انتہیٰ کلامہ

اب عالم اجسام محسوسہ میں اس کی مثال سمجھے کوئی آدمی مشرق سے مغرب تک آبادیِ دنیا کی اگر سیر کرے جہاں جائے گا چاند کو موجود پائے گا اور سورج کو بھی پائے گا پھر اگر وہ کہے کہ ایک چاند سب جگہ موجود ہے اور ایک سورج سب جگہ موجود، تمہارے قاعدہ سے چاہیے وہ کافر ہو جائے کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے نہ کافر خاص مسلمان ہے۔

پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج سب جگہ یعنی اقالیمِ سبعہ میں موجود ہو کہ وُہ چوتھے آسمان پر ہے، روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ساتویں آسمان پر علّیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کُل زمین کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثلِ شعاعِ شمس محیط ہو جائے کیا محال اور کیا بعید ہے۔ علامہ زرقانی نے ابو الطیب کا شعر شرح مواہب اللدنیہ کی فصل زیارت قبر شریف میں نقل کیا ہے؎

کالشمس فی وسط السماء نورها یهدی الی عینك نورا ثاقبا
یغشی البلاد مشارقا ومغاربا کالبدر من حیث التفت رأیته

یعنی جس طرح سورج آسمان کے بیچ میں ہے اور روشنی اس کی پھیلی ہوئی ہے مشرق سے مغرب تک اور جس طرح چاند جہاں سے تو اس کو دیکھے اسی جگہ سے تیری آنکھوں میں نور بخشے گا انتہی کلامہ

فرق یہ ہے کہ سورج اور چاند کے دیکھنے کی آنکھ اللہ تعالیٰ نے کھول رکھی ہے اس کے ذریعہ سے بینا آدمی دیکھ کر کہہ دیتا ہے چاند ہر جگہ موجود ہے اندھا مادر زاد یوں کہے گا کہ چاند کہیں نہیں، پس اسی طرح روح نبوی کا دیکھنا موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی عنایت پر اگر وہ آنکھ باطنی کھول دے اور پردہ اٹھا دے ہر جگہ انسان جلوۂ احمدی دیکھ سکتا ہے۔ علامہ زرقانی شرح مواہب جلد ثالث میں تذکرہ قرطبی سے نقل کرتے ہیں:

ان موت الانبیاء انما هو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لا ندرکهم وان کانوا موجودین احیاء لا یراهم احد من نوعنا الا من خصه الله تعالیٰ بکرامة من اولیاء۔

یعنی موت انبیاء کی بس اتنی ہے کہ وہ ہم سے چھپائے گئے ہم کو نظر نہیں آتے اگرچہ وہ زندہ موجود ہیں پر ہم میں سے کوئی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا مگر یہ کہ کسی ولی کو خدا تعالیٰ دکھلا دے۔

امام شعرانی نے میزان میں لکھا ہے:

قد بلغنا عن ابی الحسن الشاذلی وتلمیذه ابی العباس المرسی وغیرهما انهم کانوا یقولون لو احتجبت رؤیة رسول الله صلی الله علیه وسلم طرفة عین ما عددنا انفسنا من جملة المسلمین۔

دیکھئے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک پل جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے چھُپ جائیں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں انتہیٰ۔

اور ہونا روحِ انبیاعلیہم السلام کا علیین میں ساتویں آسمان پر ہم نے بیان کیا یہ تفسیر عزیزی کے بیان علیین میں دیکھو لیکن باوجود ہونے علیین کے آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی اتصال قوی ہے ہر زائر کو جانتے ہیں کہ کون زیارت پر آیا اور سب کو سلام کا جواب دیتے ہیں قبر میں جسم مبارک زندہ ہے زرقانی نے لکھا ہے :

کما ان نبینا بالرفیق الاعلیٰ وبدنہ فی قبرہ یرد السلام علی من یسلم علیہ۔

(جیسے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے اور آپ کا بدن مبارک قبر میں ہے پھر بھی سلام کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں)

اب فکر کرنا چاہیے جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جائیں معاذ اللہ اور تماشا یہ کہ اصحابِ محفلِ میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی وغیرہ میں حاضر ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں دعویٰ کرتے ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس میں بھی زیادہ تر مقامات پاک ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے۔

ارواحِ انبیاء و اولیاء چلتی پھرتی ہیں، تصرف کرتی ہیں

اب تحقیق لکھی جاتی ہے سیرِ ارواح کے واضح ہو کہ ارواحِ انبیاء کا چلنا پھرنا فقہ اور حدیث سے ثابت ہے۔ معراج کی حدیثوں میں ہے کہ آپ ارشاد فرماتے ہیں :

میں نے اپنے تئیں انبیاء کی جماعت میں دیکھا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز پڑھتے ہیں یہ عیسیٰ پڑھتے ہیں یہ ابراہیم پڑھتے ہیں فحانت الصلوٰۃ فاممتھم یعنی اتنے میں نماز کا وقت آ گیا میں ان کا امام ہوا، روایت کیا اس کو مسلم نے۔

اور قرطبی نے ابن عباس سے یہ روایت کی ہے کہ بیت المقدس میں اللہ تعالےٰ نے آدم سے لے کر کل انبیا کو جمع کر دیا سات جماعتیں حضرت کے پیچھے تھیں، اور فتاویٰ سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں ہے:

امامۃ النبی علیہ السلام لیلۃ المعراج لارواح الانبیاء علیہم السلام کانت فی النافلۃ۔

امام ہونا صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کی رات کو واسطے ارواحِ انبیاء علیہما السلام کے نفل نماز میں تھا۔

ان روایاتِ فقہ وحدیث سے ثابت ہوا کہ سب پیغمبروں کی روحیں اپنے اپنے مقامات سے سمٹ کر بیت المقدس میں حاضر ہو گئیں اور نماز یہاں آکر پڑھی۔

اور مشکوٰۃ میں مسلم سے روایت ہے کہ ابنِ عباس فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے جاتے مکہ اور مدینہ کے بیچ میں جب ایک جنگل میں گزرے، پوچھا حضرت نے یہ کون سا جنگل ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ وادی الازرق ہے۔ فرمایا حضرت نے، گویا میں دیکھتا ہوں موسیٰ علیہ السلام کو۔ پھر حضرت نے ان کا رنگ اور بالوں کا حال بیان فرمایا کہ موسیٰ رکھے ہوئے ہیں دونوں کانوں پر انگلیاں، یعنی جس طرح اذان میں، اور آواز بلند ہے ان کے ساتھ لبیک کی، گزرتے چلے جاتے ہیں اُسی جنگل سے، کہا ابن عباس نے کہ ہم آگے چلے تو ایک پہاڑ کی گھاٹی پر پہنچے، پوچھا حضرت نے، کون سی گھاٹی کون سا پہاڑ ہے؟ صحابہ نے کہا: یہ پہاڑ یا تو ہرشا ہے یا لفت۔ آپ نے فرمایا: گویا میں دیکھتا ہوں

یونس علیہ السلام کو سُرخ اُونٹنی پر سوار پشمینہ کا جُبّہ پہنے ہُوئے اُس کی اونٹنی کی مہار پوست خرما کی ہے اسی جنگل میں چلا جاتا ہے حج کے لئے لبیک کہتا ہوا۔ روایت کی یہ حدیث مسلم نے۔

کہا شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے: چوں اتفاق است بر حیات انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی دنیاوی لیکن محجوب انداز نظر عوام پس حقیقت نمود ایشاں را بحبیب خود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و بے منام و بے مثال و بے اشتباہ و بے اشکال۔

اور قسطلانی نے بھی مواہب میں اس معنی کی طرف اشارہ کیا ہے:

وقیل ہو علی الحقیقۃ لان الانبیاء احیاء عند ربہم یرزقون فلا مانع ان یحجوا فی ہذہ الحالۃ کما فی صحیح مسلم عن انس انہ صلی اللہ علیہ وسلم رأی موسٰی قائما فی قبرہ یصلی قال القرطبی حبب الیہم العبادۃ فہم یتعبدون بما یجدونہ۔

صاحب مواہب نے دو تین معنی بیان کیے اُن میں ایک یہ کہ کہا گیا ہے کہ وہ دیکھنا حقیقی تھا کیونکہ انبیاء زندہ ہیں اپنے پروردگار کے نزدیک میں' ان کو روزی دی جاتی ہے پھر کچھ مشکل نہیں کہ وُہ حج کریں اس حالت میں جس طرح صحیح مسلم میں ہے حضرت اُنس سے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا کہا قرطبی نے کہ انبیاء کی روحوں کو عبادت پیاری ہے وُہ عبادت کرتے ہیں جو عبادت ان کو ہاتھ لگے۔

ان احادیث و عبارات محدثین سے معلوم ہُوا کہ ارواحِ انبیاء حج اور نماز وغیرہ عبادتیں کرتی پھرتی ہیں جو ان کے دل میں آئے' اور مشکوٰۃ کے باب المعراج میں بخاری اور مسلم کی حدیث سب کو یاد ہو گی کہ اس میں بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے آسمان پر حضرت آدم سے ملے' دوسرے پر حضرت یحییٰ

اور عیسیٰ تیسرے میں حضرت یوسف چوتھے میں حضرت ادریس، پانچویں میں حضرت ہارون، چھٹے میں حضرت موسیٰ سا تویں میں حضرت ابراہیم۔ اب دیکھئے آسمان پر جانے سے پہلے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ارواح کل انبیاء کی بیت المقدس میں ملی تھیں اور نماز حضرت کے پیچھے پڑھی تھی اب یہ ارواح انبیاء آسمانوں میں ملیں۔ اور روایت ہے کہ جب آپ معراج کو تشریف لے جاتے تھے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا قبر میں نماز پڑھتے ہیں پھر انہوں نے بیت المقدس میں آپ کے پیچھے نماز پڑھی، پھر چھٹے آسمان پر ملے۔

یہ تینوں روایتیں صحیح مسلم میں ہیں زرقانی نے موضع حیات فی القبر میں اس تعارض کو یوں اٹھایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے کھانے پینے کے لیے فراغت کے مقامات ہیں جہاں چاہیں جائیں پھر چلے آئیں پھر للانبیاء مراتع ومسارح یتصرفون فیما شاؤا ثم یرجعون خیال کا مقام ہے کہ یہ کس قدر حرکت ہوئی، ہر آسمان اس قدر موٹا ہے جس قدر پانچ سو برس کا راستہ ہو اور زمین سے آسمان تک اور ہر آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو برس کا راستہ ہے، پس اس تحقیق کے موافق ایک ذرا عرصہ میں آدم علیہ السلام کی روح ایک ہزار برس کا راستہ اور یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی روحیں دو ہزار برس کا راستہ علیٰ ہذا القیاس موسیٰ علیہ السلام کی روح چھ ہزار برس کا راستہ اور ابراہیم علیہ السلام کی روح سات ہزار برس کا راستہ طے کر گئی۔ اس سرعتِ سیر کو یاد رکھیو عنقریب ہم کچھ فائدے اس پر مرتب کریں گے۔

اور لکھا شرح مواہب لدنیہ میں خاتم المحدثین علامہ زرقانی نے:

لا یمنع[1] رویۃ ذاتہ علیہ السلام بجسدہ وبروحہ وذلک لانہ

---

[1] نہیں منع یہ بات کہ نظر جائے ذاتِ پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشکل بجسد اور

(باقی بر صفحہ آئندہ)

وسائر الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ردت الیھم ارواحھم بعد ماقبضوا واذن لھم فی الخروج من قبورھم للتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی۔

یہ مضمون تنویر الحلک سے جلد اول کے شروع میں نقل کیا ہے فائدہ مؤلف براہین قاطعہ کا یہ اعتراض اور دھبہ لگانا صفحہ ۲۰۷ میں کہ مولف انوار ساطعہ نے کلام زرقانی میں لفظ والتصرف کی جگہ للتصرف بنادیا اور تصرف کے معنی عرفی بنالیے۔

یہ دونوں دعوے بالکل غلط ہیں، دیکھو مطبع میریہ مصر بارہ سو اٹھتر (۱۲۷۸ھ) کی چھپی ہوئی شرح مواہب زرقانی جلد اول ص ۱۱ کی سطر اول کہ اس میں للتصرف لکھا ہوا ہے۔ یا اللہ! جھوٹی تہمتوں سے بچائیو۔ اور دوسرے اعتراض کا یہ حال ہے کہ میں نے حاشیہ پر جو ترجمہ اس عبارت کا لکھا ہے انوار ساطعہ مطبوعہ اولی وثانیہ دونوں میں بعینہٖ لفظ تصرف نقل کردیا ہے، دیکھے جس کا جی چاہے، وجہ یہ تھی کہ تصرف جس وقت باب تفعیل کا مطاوع واقع ہوتا ہے اس وقت اس کے پھرنے کے معنی ہوتے ہیں صرفتہ فتصرف یعنی میں نے پھرایا اس کو وہ پھر گیا۔ یہ قاموس میں ہے۔ اور جب موقع مطاوعت نہیں ہوتا تو معنی یہ ہیں: تصرف دست درکاری کردن. جیسا کہ صراح اور منتخب میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

روح اور یہ اس واسطے کہ آپ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی روحیں بعد وفات پھر ان کو مل گئیں اور اجازت مل گئی ان کو کہ قبور سے نکل کر تصرف کیا کریں عالم بالا میں اور عالم ماتحت پر۔

اب جاننا چاہیے کہ ارواحِ کاملہ کی نسبت دونوں معنی ثابت ہیں بناءً علیہ تصرف کے معنی میں میں نے تصرف نہ کیا تھا وہی لفظ تصرف قایم رکھا تھا جس کا جی جس معنی کو چاہے وہ سمجھ لے۔ پس یہ اعتراض بھی غلط ہے کیونکہ میں نے تصرف کے معنی اردو نہیں بنائے اور معلوم نہیں معترض کو تصرفِ ارواحِ کاملہ میں کیوں بحث ہے، اس بات کو علماءِ معقول تک مان چکے ہیں کہ نفس ناطقہ قدسیہ جو کامل درجہ کی حکمت علمیہ و عملیہ کو جامع ہوتا ہے جب وہ بدن سے نکل جاتا ہے عقولِ مدبّرہ میں داخل ہوجاتا ہے اور اس عالم میں اپنا اثر پہنچاتا ہے ۔ شیخ الرئیس ارسطو طالیس وغیرہ کے کلام میں اس کی تصریح موجود ہے اور ہمارے حکماءِ دین بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں. علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فالمدبّرات امراً کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

او صفات النفوس الفاضلۃ حال المفارقۃ فانہا تنزع عن الابدان غرقا اے نزعا شدیدا من اغراق النازع فی القوس فتنشط الی عالم الملکوت وتسبح فیہ فتسبق الی حظائر القدس فتصیر بشرفہا و قوتہا من المدبّرات ۔

یعنی یا یہ بات ہے کہ نفوس فاضلہ کی صفتیں مراد ہیں کہ قسم ہے نفوس ناطقہ فاضلہ کی جب وہ بدن سے نکلتی ہیں خوش ہوکر عالم الملکوت میں جاتی ہیں وہاں تیرتی پھرتی ہیں اور شرف و قوت کے باعث داخل ہوجاتی ہیں مدبّرات میں یعنی اُن میں جوکہ تدبیرِ عالم کرتے ہیں ۔

اور روح البیان میں ہے :

ثم ان النفوس الشرافۃ لایبعد ان یظہر منہا آثار فی ھذا العالم سواء کانت مفارقۃ عن الابدان اولا۔

پھر دس سطر کے بعد لکھا :

بل ھو بعد مفارقۃ البدن اشد تاثیرا و تدبیرا لان الجسد حجاب فی الجملۃ۔

یعنی کچھ بعید نہیں کہ نفوس شریفہ سے اثر ظاہر ہوں اِس عالم میں خواہ وہ اپنے بدن میں موجود ہوں یا نکل گئی ہوں بلکہ مفارقتِ بدن کے بعد زیادہ تر تاثیر اور تدبیران کی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ بدن عنصری ایک قسم کا حجاب تھا وہ اُٹھ گیا۔

اور نقل کر چکے ہم نور دوم لمعہ ثانیہ جمعرات کی فاتحہ میں تذکرۃ الموتیٰ و قبور سے کہ اولیا ء حکم شہداء میں ہیں اور انبیاء و صدیقین شہدائے سے بھی افضل ہیں ان کی رُوحیں زمین و آسمان و بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اپنے دوست اور معتقدوں کی مدد کرتی ہیں، دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں انتہیٰ۔

اور انتباہ الاذکیا تصنیف علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے : النظر فی اعمال امتہ و الاستغفار لھم من السیئات و الدعاء بحشف البلاء عنھم و التردد فی اقطار الارض بحلول البرکۃ فیھا و حضور جنازۃ من مات من صالحی امتہ فان ھذہ الامور من اشغالہ کما وردت بذلک الاحادیث و الآثار۔

اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بات احادیث اور آثار سے ثابت ہے کہ آپ نظر فرماتے ہیں اعمالِ اُمت میں؛ ان کے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور دفعِ بلا کے لئے دعا فرماتے ہیں اور حدود زمین میں پھرتے ہیں برکت دیتے ہوئے اور جب اُمّت کا کوئی نیک آدمی مرے اس کے جنازے پر تشریف لاتے ہیں، یہ آپ کے اشتغال میں عالمِ برزخ میں۔

اور رُوح البیان آخر سورۃ تبارک الذی میں ہے :

قال الامام الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ و الرسول علیہ السلام و الخیار

فی طواف العالم مع ارواح الصحابة رضی اللہ عنہم لقد راہ کثیر من الاولیاء۔

اس سے معلوم ہوا کہ کچھ اس زمین کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام عالموں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع ارواحِ صحابہ پھرتے ہیں بہت اولیاء نے آپ کو دیکھا ہے۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب دُرِ ثمین کی حدیث سابع عشر میں لکھتے ہیں:

اخبرنی سیدی الوالد قال اخبرنی شیخ السید عبد اللہ القاری قال حفظت القرآن علی قاری زاھد کان یسکن فی البریة فبینا نحن نتدارس القرآن اذ جاء قوم من العرب یقدمھم سیدھم فاستمع قرأة القاری وقال بارک اللہ ادیت حق القرآن ثم رجع واجاء رجل آخر بذلک الذی فاخبرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرھم البارحة انہ سیذھب الی البریة الفلانیة لاستماع قرأة قاری ھناک فعلمنا ان السید الذی کان یقدمھم ھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال وقد رأیتہ بعینی ھاتین۔

یعنی خبر دی مجھ کو میرے والد سردار نے اور کہا انھوں نے خبر دی مجھ کو میرے پیر سید عبد اللہ قاری نے کہا سید عبد اللہ نے کہ میں نے قرآن حفظ کیا ایک قاری زاہد سے جو جنگل میں رہتے تھے ایک بار ہم قرآن پڑھ رہے تھے اتنے میں عرب کے آدمی آئے ان کا سردار آگے تھا اُس نے قاری کا پڑھنا سُن کر کہا اللہ تعالیٰ برکت کرے کہ تُو نے قرآن کا حق ادا کیا پھر وہ چلے گئے اور ایک آدمی دوسرا اُنہی عرب والوں کی وضع کا آیا اور کہنے لگا کہ کل رات کو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ ہم فلاں جنگل میں وہاں کے قاری کا قرآن سُننے جائیں گے، جب اس آدمی نے یہ بات

سنائی ہم نے جان لیا کہ وُہ سردار جو آئے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور میں نے ان آنکھوں سے آپ کو دیکھا انتھیٰ

اور نیز شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں؛

ورأيته صلى الله عليه وسلم في اكثر الامور بيدي اي صورته الكريمة التي كان عليها مرة بعد مرة فتفطنت ان له خاصية من تقويم روحه بصورة جسده عليه السلام وهذا الذي اشار اليه بقوله ان الانبياء لا يموتون وانهم يصلون في قبورهم ويحجون وانهم احياء۔

اور دیکھا میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر کاموں میں اپنے سامنے یعنی اُن کی اصل صورت میرے سامنے ہوتی تھی بار بار تو جان لیا میں نے کہ آپ کی رُوح کو طاقت ہے کہ بشکل بدن مبارک کے بن جاتی ہے اور یہ وہی بات ہے جس کی طرف حضرت نے ارشاد فرمایا ہے یعنی حدیث میں کہ پیغمبر نہیں مرتے ہیں بیشک وہ نماز پڑھتے ہیں قبروں میں اور حج کرتے ہیں اور وہ بے شک زندہ ہیں۔

اور حضرت مجدد الف ثانی جلد اول مکتوبات دویست و ہشتاد و دوم میں لکھتے ہیں؛

امروز در حلقہ بامدادی بینم کہ حضرت الیاس و حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیمات بصورت روحانیان حاضر شدند و بہ تلقی روحانی حضرت خضر فرمودند کہ ما از عالم ارواحیم حضرت سبحانہٗ وتعالیٰ ارواح ما را قدرت کاملہ عطا فرمودہ است کہ بصورت اجسام متمثل شدہ کارہائے کہ از اجسام بوقوع مے آید از ارواح ما صدور مے یابد۔

اور اسی جلد اول مکتوب دو صد و بستم میں ہے؛

دریں اثنا عنایت خدادی دررسید وحقیقت معاملہ راکماینبغی وا نمود روحانیت حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ رحمت عالمیانست دریںوقت حضور ارزانی فرمود و تسلّی خاطر حزیں نمود و امام غزالی گفتہ کہ ارباب قلوب مشاہدہ مے کنند در یقظہ ملائکہ دا ارواح انبیا را کذا فی اشعۃ اللمعات فی کتاب الرؤیا۔

اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ عبدالحق نے : از شیخ ابو المسعود کہ مصافحہ میکرد آں حضرت را بعد از ہر نماز۔

اور اسی جگہ لکھا ہے شیخ نے قصہ غوث پاک کا کہ روزے غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ عنہ برکرسی نشستہ بود و وعظ مے فرمود و قریب بدہ ہزار کس در پایہ وعظ وی حاضر و شیخ علی بن ہیتی در زیر پائے کرسیٔ شیخ نشستہ شیخ علی بن ہیتی را خوابے برد پس شیخ عبدالقادر قوم را فرمود "اسکتوا" پس ہمہ ساکت شدند تا آنکہ جز انفاس از ایشان شنیدہ نمیشد پس فرود آمد شیخ از کرسی و بایستاد با ادب پیش علی مذکور می نگریست در وی پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبدالقادر باوے کہ دیدی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم را در خواب گفت نعم فرمود ازیں جہت ادب ورزیدم با تو وایستادم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفت بملازمت من مجلس ترا پس شیخ علی گفت آنچہ من خواب در دیدم شیخ عبدالقادر در بیداری دید و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ دران روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

اس سے تین باتیں ثابت ہوئیں ؛

ایک تو رُوحِ پاک مصطفوی کا مجلس خیر میں آنا۔

دوسرے تعظیم روح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت غوث اعظم

جیسے پیر دستگیر کا کھڑا ہو جانا۔ یہ سند ہوئی استحباب قیام کی واسطے تشریف آوری ارباب فضل و اکرام کے۔

تیسری حضرت پاک کی علوِ شان اور قوتِ ادراک کہ جس کو دوسرے آدمی خواب میں دیکھیں آپ نے بیداری میں دیکھا۔

قصہ مختصر یہ کہ رُوحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر آمد و رفت فرماتی ہے اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی حضوری میں مستغرق ہے تو ان کو دنیا کی طرف کب توجہ ہوتی ہوگی ؟

جواب اس کا یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں والقمر اذا اتسق کی تفسیر میں :

و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد۔

جب اولیاء اللہ کا یہ حال ہے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حال تو بدرجہا اس سے فائق ہوگا۔ چنانچہ خاتم المحدثین زرقانی صفحہ ۳۶۵ مقصد عاشر میں لکھتے ہیں :

ولا ریب ان حالہ صلی اللہ علیہ وسلم فی البرزخ افضل واکمل من حال الملئکۃ ھذا سیدنا عزرائیل علیہ السلام یقبض مائۃ الف روح او ازید فی وقت واحد ولا یشغلہ قبض عن قبض وھو مع ذلک مشغول بعبادۃ اللہ تعالیٰ مقبل علی التسبیح والتقدیس فنبینا صلی اللہ علیہ وسلم حی فی قبرہ یصلی ویعبد ربہ ویشاھدہ لا یزال فی حضرۃ اقترابہ ای دنوہ متلذذ اسماع خطابہ وکذا کان

شانہ وعادتہ فی الدنیا یفیض علیٰ امۃ من سبحات الوحی الالٰہی مما افاضہ اللہ علیہ ولا یشغلہ ھذا الشان وھو شان افاضۃ الانوار القدسیۃ علی اُمتہ عن شغلہ بالحضرۃ الالٰہیۃ۔[1]

یعنی آپ کا قبر میں بھی یہی حال ہے اور دنیا میں بھی یہی تھا کہ امت پر فیضان جاری رہتا تھا اور خدا سے ملے رہتے تھے ادھر کی مشغولی سے اُدھر کی مشغولی میں فرق نہ آتا تھا۔

اِدھر اللہ سے واصل اُدھر مخلوق میں شامل
خواص اُس برزخِ کبریٰ میں تھا حرف مشدد کا

پس اِدھر توسّع ادراک وعلم وقوت استعداد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ادھر روح انبیاء کی سرعت سیر معلوم کہ حضرت ابراہیم معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات بیت المقدس سے ساتویں آسمان پر سات ہزار برس کا راستہ طے

---

[1] اور کچھ شک نہیں اس میں کہ حال حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم برزخ میں بڑھ کر فرشتوں سے ہے یہ حضرت ملک الموت علیہ السلام قبض کرتے ہیں لاکھ روحیں یا زیادہ ایک ہی وقت میں اور نہیں روکتا ان کو ایک روح کا قبض کرنا دوسری رُوح قبض کرنے سے اور وہ باوجود اس مشغولی کے توجہ میں لگے ہوئے عبادت الٰہی میں تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم زندہ ہیں قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اپنے پروردگار کے سامنے ہیں اس کی ہمیشہ رہتے ہیں قربت میں مزہ لیتے ہیں سن کر خطابات الٰہی کو اور یہی حال تھا آپ کا دنیا میں کہ امت پر ڈالتے تھے منور روشنیاں وحی الٰہی کی جو کچھ ڈالتا تھا اللہ تعالیٰ ان پر اور نہیں روکتی تھی اُن کو اُمت کی فیض بخشی خبرگیری اللہ تعالیٰ کی مشغولی سے ۱۲

کر کے ادنیٰ فرصت میں پہنچ گئے۔ چنانچہ ہم روایت اس کی بیان کر چکے پھر کیا اِشکال اور خلجان ہو رہا ہے منکرین کو کہ صرف چند محافل میلادیہ جو چند شہر میں منعقد ہوتی ہیں اُن میں بسرعت سیر حاضر ہو جانے کی قدرت رُوحِ پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں نہیں مانتے پیغمبر سید المرسلین ابراہیم خلیل اللہ سے اعلیٰ و افضل بالاتفاق ہیں پھر مفضول تو سات ہزار برس کی راہ طے کرے ایک دم میں اور فاضل افضل چند مقامات کی سیر نہ کر سکے بڑی ناقدر دانی کی بات ہے اور اس پر طرہ یہ کہ جو ایسا اعتقاد کریں اُن کو مشرک قرار دیں، سبحان اللہ! مشرک کے معنی بھی یہ حضرات خوب سمجھے۔

ابرار کا ایک آن میں بہت جگہ ظاہر ہونا اور حلِ مشکلات کرنا

واضح ہو کہ **نفس ناطقہ قدسیہ کا ایک آن میں ظاہر ہو جانا بہت مکانوں میں** حکما اشراقین اور ہمارے عرفا کاملین اور محققین شرع متین کے نزدیک صحیح ہے اسمٰعیل آفندی علامہ قسطلانی و زرقانی و حلبی و محدث دہلوی و مجدد الف ثانی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سب قائل ہیں۔ سیرت حلبی جلد اول میں ہے:

فالارواح متجسد یظہر فی صور مختلفۃ من عالم المثال۔

اور فرمایا جلال الدین سیوطی نے:

تعدد الصور بالتخیل والتشکل ممکن کما یقع للجان۔

ان دونوں عبارتوں کا مضمون حضرت مجدد الف ثانی کی جلد ثانی مکتوبات میں ہے:

ہرگاہ جنیان را بتقدیر اللہ سبحانہٗ ایں قدرت بود کہ متشکل باشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند ارواح اکمل را اگر ایں قدرت عطا فرمائید چہ محل تعجب است

وچہ احتیاج ببدن دیگر ازیں قبیلہ است انچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ دریک ساعت در امکنۂ متعدد حاضرہ می گردند و افعال متبائنہ بوقوع می آرند اینجا نیز لطائف ایشاں متجسد باجساد مختلفہ و متشکل باشکال متبائنہ میگردند۔

اور مدارج النبوت میں ہے:

دیدن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از موت بمثال است چنانکہ در نوم مرئی می شود و در یقظہ نیز مے نماید و آں شخص شریف کہ در مدینہ در قبر آسودہ و حی است ہماں متمثل می گردد دریک آں متصور بصور متعددہ عوام را در منام مے نمایند و خواص را در یقظہ۔

اِس عبارتِ مدارج سے بھی آنِ واحد میں بہت شکلوں میں متشکل اور متصور ہو کر ظاہر ہونا حضور کی جوہر پاک کا ظاہر ہے۔ تعجب ہے کہ مولف براہین قاطعہ نے صفحہ ۲۱ میں صور متعددہ کا لفظ عبارت مدارج میں نقل کرنے میں حذف کر دیا کہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف روحانی کی قوت نہ ثابت ہو جائے، پھر طرفہ یہ کہ اس عبارت مذکور سے آپ نے سند پکڑی کہ وہ تو مثال ظاہر ہونے کو لکھتے ہیں اور تشریف آوری حضور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں انتہیٰ

افسوس عبارت کا مضمون بھی آپ نے نہ سمجھا یعنی محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ وہ بدن جو قبر مبارک میں ہے وہ ہی خود متمثل ہو کر نظر آتا ہے عوام کو خواب میں اور خواص کو جاگتے میں، یہ نہیں کہ یہ کچھ اور چیز نظر آتی ہے مغائرہ و منافی جسم اقدس کے اُس مقام پر حدیث صحاح کی بھی یاد نہ آئی؛

من رأنی فی المنام فقد رأنی فانہ لا ینبغی للشیطان ان تمثیل بی۔

حضرت ارشاد فرماتے ہیں جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے

ہی دیکھا شیطان میری شکل نہیں بن سکتا۔

جب خواب کے دیکھنے کی تصدیق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حالانکہ خواب ایک غفلت کا عالم ہے پھر بیداری کا دیکھا ہوا بدرجہ اولیٰ آپ ہی کا جوہر مقدس ہوگا نہ کسی غیر کا بناء علیہ اس بدن مثالی کے آنے کو اگر آپ کا تشریف لانا کہا جائے تو موافق حدیث کے ہوگا نہ کہ مخالف، اور اسی واسطے حضرت مجدد بھی تمثیل الیاس و خضر کو فرماتے ہیں کہ بصورت روحانیان حاضر شدند۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

روحانیت حضرت خاتمیت حضور ارزانی فرمود۔

اور یہی قصد سید احمد صاحب کا ہے جو لفظ روح سے تعبیر فرمایا ہے کہ روح حضرت غوث الثقلین و حضرت نقشبند متوجہ حضرت ایشاں گردید۔

اور واضح ہو کہ وہ مثال کوئی شے وہم و خیال محض نہیں جیسا کہ مؤلف براہین قاطعہ نے خیال کیا بلکہ ایک شے متصرف واقعی ہوتی ہے جیسا کہ علامہ زرقانی وغیرہم رقم فرماتے ہیں لیکن اس مقام پہ ہم عبارت حضرت مجدد الف ثانی کی نقل کرتے ہیں جس کے انکار کی گنجائش فریق ثانی کو نہیں جلد ثانی مکتوبات میں فرماتے ہیں:

ایں تشکل گاہ در عالم شہادت بود و گاہ در عالم مثال چنانچہ در یک شب ہزار کس آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام را بصور مختلفہ در خواب مے بینند و استفادہا می نمایند اینہمہ تشکل صفات لطائف اوست علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بصور نہائے مثال و ہمچنیں مریدان از صور مثالی پیران استفادہا می نمایند وحل مشکلات میفرمایند۔

پہلا انبیاء علیہم السلام کا درجہ تو بہت عالی ہے حضرت مجدد تو پیروں کی صور مثالی

سے بھی حلِ مشکلات ثابت کرتے ہیں یہ امر وہمی وخیالی نہیں اور اسی مشکل کشائی حوائج الناس کی بہ نسبت اولیاء اللہ کے مفسر روح البیان نے سورۃ ملک میں لکھی ہے:

مثال اقامہ اللہ تعالیٰ علیٰ صورۃ التنفیذ ماشاء اللہ تعالیٰ من حوائج الناس وغیرھا۔[1]

اور یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ جب صورت مثالی ایک شخص کی متخیلہ میں آئی اور وہ شخص مجلس آنا مثال کا ثابت ہوا اور متعدد اشخاص کا یہ واقعہ دیکھنا دلیل ہے کہ مرغوبیت ومحبوبیت محفل کو داخل ہے اس توجہ روحانی میں اور وہ مثال خود صاحب کا جلوہ ہے علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کیونکہ آپ فرماتے ہیں:

من رانی فقد رانی۔ (جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا)

اور فرماتے ہیں:

من رانی فقد رای الحق۔ (جس نے مجھے دیکھا اس نے حق کو دیکھا)

یہ تقریر ہم اس صورت میں کرتے ہیں جب کہا جائے گا کہ وہ مثال نظر آتی ہے اور جب انباہ الاذکیا میں سیوطی رحمۃ اللہ علیہ احادیث سے ثابت کر چکے کہ آپ اطراف زمین میں پھرتے ہیں تو مثال کہنے کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ سیوطی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہمات المعارف میں لکھتے ہیں:

فنبینا صلی اللہ علیہ وسلم یتصرف ویسیر بجسدہ وروحہ حیث شاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وانہ مغیب عن

---

[1] یعنی اس ولی کی مثال اللہ تعالیٰ نے قائم کر دی ہے اس کی صورت آدمیوں کی حاجات جاری کرنے کے لیے جن کا جاری ہونا خدا تعالیٰ نے چاہا ہے۔

الابصار کما غیب الملٰئکة فاذا رفع اللہ الحجاب عمن اراد اکرامه برؤیته رآه علیٰ هیئة التی هو علیها لامانع من ذلک ولاداعی الی التخصیص برؤیة المثال انتهی ملخصا کذا فی نور العین۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تصرف کرتے ہیں اور پھرتے ہیں اپنے بدن اور رُوح سے جہاں چاہتے ہیں اطرافِ زمین اور ملکوت میں۔ اور وہ آنکھوں سے چھُپے ہُوئے ہیں فرشتوں کی طرح جس کو اللہ چاہتا ہے پردہ اٹھا کر دکھا دیتا ہے اُسی صورت مبارکہ میں جو کہ فی الواقع ہے اس میں کوئی محال نہیں اور نہ یہ ضرورت کہ یہ کہئے کہ مثال نظر آتی ہے۔ انتہیٰ ملخصا کذا فی نور العین

میں کہتا ہُوں کہ یہ قولِ سیوطی موافق مسئلہ روح اجساد و تجسد ارواح کے ہے جس کو اہلِ حقیقت مانتے ہیں یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ خود جسد پاک جو لطافت میں مثل روح قبر سے بطور اعجاز نکل کر چلتا پھرتا ہو جیسا کہ حضوری انبیا کی شب معراج بعض علما کے نزدیک باجسادھم ہوئے تھے اور بعضوں کے نزدیک بارواحھم اور بعض اولیائے اللہ مکان سے بلا فتح باب باہر نکل آتے ہیں غلبہ روحانیت کے سبب ،الحاصل کسی طرح ہو خواہ بجسدہٖ و روحہٖ خواہ بمثالہٖ رونق افروزی اُمت خستہ حال کی طرف ثابت الاصل ہے۔

اور یہ لکھنا مؤلفِ براہین کا صفحہ ۲۰۸ میں کہ مشاہدہ کے واسطے ارواح کا مشاہد کے گھر میں آنا ضرور نہیں قلبِ منور بعید سے دیکھتا ہے اس موقع پہ صحیح نہیں اس لئے کہ جب کسی نے کسی مقام خاص کو حضرت کی رونق افروزی سے مشرف دیکھا ہے وہاں جلوۂ محمدی پایا ہے اس وقت قصہ **تالاب شمسی** کا جو مقام دہلی میں گزرا ہے اور خاص بیان و نقل حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ سے فوائد السالکین میں ان کے خلیفہ صاحب جناب

شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر اجودھنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے لکھتا ہوں :

شمس والی دہلی خواست کہ حوض بنا کند یکروز سوار شد با جمیع ارکان دولت زمین ہائے راست کنانیدن حوض میدید چنانچہ رسید آنجا کہ حوض است بایستاد کہ ایں زمین بہتر است چوں دید باز گشت در قصر آمد چوں آمد دیگرے از واصلان حق بود ہمدریں نیت در آں شب ہمبراں مصلی قدری در خواب شد چنانچہ دید نزدیک چبوترہ کہ در آں حوض است مردی یا ید وگیسو کشادہ و خوبصورت کہ عفت اد نتواں کرد براسپ و چند نفر یار برابر او ایستادہ ہمیں نظر مبارک ایشاں بر من افتاد و پیش خود طلبید و فرمود کہ بیا چہ نیت داری گفتم نیت ایں دارم کہ اینجا حوض بنا کنم ہمدریں گفتگوئے کسیکہ نزدیک آں مرد استادہ بود مرا گفت ای شمس ایں رسول خدا ست عزوجل آنچہ درخواست داری باز نمائی تا آں مراد بدامن تو رساند چوں مرا اندیشہ ایں حوض بود ہمیں التماس کردم و دریائے مبارک رسول علیہ السلام افتادم بعدہٗ برخاست دست بستہ استادہ شدم ہمانجا کہ چبوترہ است اسپ رسول علیہ السلام دست بُرد آب بیروں آمد رسول علیہ السلام فرمود کہ ای شمس ہمیں جا حوض راست بکنا فی اینچنیں آب بیروں خواہد آمد کہ ہیچ شہر و مقامی لذت آں آب نباشد ہمدریں گفتگوئے بیدار شدم ہمانروز پگاہ سوار شدم چوں آں جا بیامدم کہ اسپ رسول علیہ السلام سم زدہ بود چہ بینم کہ آب بیروں آمدہ است و آنجا قرار گرفتہ ہر کس کہ برابر شمس آمدہ بود قدرے ازاں آب خوردند سوگند بر زبان راندند کہ صد ہزار شیریں از ہر چہ جمع کنند و بخورند ایں چنیں شیریں نیابند کہ لذت آں آب دارد آنگاہ آنگاہ خواجہ قطب الاسلام فرمود کہ شیرینی آں آب برکت قدم مبارک رسول علیہ السلام بود۔

اِس حکایت میں صاف ثبوت ہے اِس کا کہ جس مقام پر آپ کے گھوڑے

کاسُم دیکھنا تھا وہاں صبح کو پانی خوشگوار پایا اگر قلب منور ہے فقط دور سے دیکھتا تھا اور مکان رویت سے اُس کو علاقہ نہ تھا تو اس زمین میں پانی نکل آنے کی کیا وجہ ہُوئی اور یہ حکایت اولیاء ابرار کی لکھی ہے قطع نظر اس سے اہلِ بلی یوں ہی متوارث سُنتے چلے آئے کہ بناء تالاب شمسی کی بھی جو یہی تھی بنا دعلیہ ہم کہتے ہیں کہ جب اولیاء اللہ برابر اصحاب کشف وشہود نے رُوح یا رُوح کی مثال کو مجلس میں دیکھا تو اس مجمع اور مکان کا مشرف ہونا فیضان نور محمدی سے تسلیم کرنا چاہیے جیسا کہ محمد بن یحییٰ جو مکہ معظمہ میں مذہب حنبلی کے مفتی تھے علماء اعلام اور مقتدایانِ اسلام سے نقل کرتے ہیں کہ:

عند ذکر ولادته صلی اللہ علیہ وسلم بحضور روحانیۃ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور برزنجی کے رسالہ منظومہ اور نیز رُوح البیان کی جلد رابع وسادس میں حاضر ہونے روح مبارک کی تصریح ہے اور اِس مسئلہ کا رنگ و بو خود کلام شاہ ولی اللہ صاحب میں موجود ہے فیوض الحرمین میں اپنے مشاہدہ کے بیان میں جو مدینہ طیبہ میں جاکر حاصل ہُوا فرماتے ہیں:

ورأيته مستقرا علی حالة واحدة متوجها الی الخلق لا یسا لباس عظموت فاذا توجه الیه انسان بجهد همته و لا ارید الانسان العالی الهمم فقط بل کل ذی کبد یشتاق الی الشئ و یتوجه الیه بقصده وشوقه فانه یتدلی الیه ورأيته صلی اللہ علیه وسلم ینشرح انشراحا عظیما[1] لمن صلی اللہ علیه وسلم و مدحه ملخصا

---

[1] دیکھا میں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹھہرا ہوا ایک حالت پر متوجہ خلق کی طرف
(باقی اگلے صفحہ پر)

اس عبارت میں صاف بیان ہے کہ حضرت کا خوب دل کھلتا ہے خوشی سے جو اس کی طرف مدح پڑھے حضرت کی اور درود وسلام بھیجے اور جب کوئی مشتاق عشق دل سے ہمت لگاتا ہے اور متوجہ ہوتا ہے حضرت کی طرف، تو آپ اتر آتے ہیں اس کے پاس، یہ خلاصہ مضمون شاہ ولی اللہ صاحب کا بعینہ ان کے الفاظ میں ہے، اور جو کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو اصل کتاب فیوض الحرمین کی طرف رجوع کرلے پائیگا اس میں زیادہ تشریح اور توضیح اس مطلب کی اور **کشف والہامات اولیاءؑ** کی نسبت مؤلف براہین قاطعہ کا یہ لکھنا صفحہ ۲۰۸ میں کہ (الہام وکشف اولیاء کا مفید حکم اور حجت علی الغیر نہیں ہوتا) عجب بات ہے کیوں صاحب شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہ وغیرہ عارفین رحمۃ اللہ علیہم سے آپ ایسے بالکل غیر بن گئے کہ آپ پر ان کا کشف حجت نہیں ہوسکتا، اللہ اللہ ؎

گہے برطارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کشف والہام کی حقیقت، اور یہ بات کہ اس پر عمل بھی ہوتا ہے

اب ہم کشف اور رؤیائے صادقہ کی حقیقت بیان کرتے ہیں کشف نام اُس کا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پہنے ہوئے لباس بڑائی کا جب کوئی انسان ہمت سے متوجہ ہوتا ہے آپ کی طرف اگرچہ وہ عالی ہمت بڑے درجہ کا نہ ہو بلکہ وہ جگر والا ہو مشتاق ہے اور متوجہ ہوئے قصد اور شوق سے پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اتر آئے اس کی طرف اور دیکھا میں نے آپ کو بہت خوش ہوتے ہیں اس سے جو آپ کی مدح پڑھے ۱۲

کہ جب مردِ مرتاض کے حواس و قویٰ ظاہری شدت مجاہدات سے مضمحل ہو جاتے ہیں تو جوہر عقل قوی ہو کر مورد نورِ الٰہی ہو جاتا ہے اس نور کی تائید سے حقائق اشیاء کما ہی فی النفس الامر معلوم ہونے لگتی ہیں۔ حدیث میں ایسے شخص کی نسبت وارد ہوا ہے کہ ینظر بنور اللہ اور سچا خواب وہ ہے کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ رؤیائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

اور حدیث میں ہے :

نبوت تو ہو چکی اب مبشرات یعنی رویاءِ صالحہ باقی ہیں۔

پس کشف و منام صالحہ کو اس طرح تحقیر سے بالکل رد کر دینا صحیح نہیں ،

اب ہم بیان کریں بعض وہ مقامات کہ کشف پر عمل ہوا ہے ، خضر کو بعضوں نے نبی کہا ہے ، اور معالم التنزیل میں ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک وُہ نبی نہیں تھے پھر دیکھئے الہام و کشف پر عمل کر کے مساکین کی کشتی توڑ ڈالی اور ایک نوجوان لڑکا مار ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بالاتفاق نبی نہ تھیں انہوں نے اپنے بیٹے کو تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا یہ فعل بھی قریب ہلاک کر دینے کے ہے لیکن بالہامِ الٰہی کیا، یہ سب وقائع قرآن شریف میں موجود ہیں اگر ان کو شریعت سلف ہونے کا کوئی خیال کرے تو لیجئے اصحابِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال سُنئے ۔مشکوٰۃ کے باب الکرامات میں حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسلِ وفات کی نوبت پہنچی ، صحابہ کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ کپڑے جسم مبارک سے اتار کر غسل دیں یا مع کپڑوں کے۔ کسی کی رائے یہ ہوئی کسی کی وہ ، تب اللہ تعالیٰ نے سب پر نیند بھیج دی وہ سب سو گئے ، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ گھر کے گوشہ میں ایک بولنے والا بولتا ہے کہ غسل دو تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں سمیت۔ تب وہ لوگ نیند سے اُٹھے اور آپ کو

کُرتا پہنے ہُوئے غسل دیا۔ اس حدیث میں لفظ قاموا کا ترجمہ زرقانی شرح مواہب میں یہ کیا ہے کہ:

انتبہوا من النوم۔

جاگ اُٹھے وُہ نیند سے۔

اب دیکھئے یہ عمل بھی صحابہ نے الہامِ منامی پر کیا اور بعد صحابہ بھی بہت الہامات پر فقہاء و محدثین نے عمل کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اس کی بابت ایک سوال و جواب لکھتے ہیں مکتوبات میں:

سوال: چوں دین بہ کتاب و سنّت کامل گشت بعد از کمال بہ الہام چہ احتیاج بود و چہ نقصان ماندہ کہ بالہام کامل کرد۔

و جواب الہام مظہر کمالات خفیہ دین است نہ مثبت کمالات زائدہ در دین چنانچہ اجتہاد مظہر احکام ست و الہام مظہر دقائق و اسرار است کہ فہم اکثر مردم از اں کوتاہ است ہر چند در اجتہاد و الہام فرق واضح است کہ آں مستند بخالق است جل سلطانہ پس در الہام یک قسم اصالت پیدا شد کہ در اجتہاد نیست الہام شبیہ اعلام نبی ست کہ ماخذ سنت است چنانچہ بالا گزشت اگرچہ الہام ظنی است و آں اعلام قطعی انتہی۔

اور شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں:

اگر خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات قسم احکام سے سُنے اُس پر عمل نہ کرے لیکن اس میں یہ وجہ نہیں کہ رؤیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شک ہو بلکہ یہ سبب ہے کہ خواب دیکھنے والے کا ضبط مفقود ہے۔

پھر اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مراد ہماری احکامِ شریعہ سے وہ احکام ہیں جو قرار دادِ دین کے خلاف ہوں اور اگر وہ ایسے نہیں تو ان کے قبول کرنے میں کسی کا بھی

خلاف نہیں، عبارت یہ ہے :

و مراد احکام شرعیہ کہ مخالف قرار داد دین ست والا بعضے علوم کہ نہ ازیں قبیل باشد در قبول آں و عمل بداں خلاف نخواہد بودہ بسیارے از محدثین تصحیح احادیث کہ مروی است از حضرت وی نمودہ عرض کردہ کہ یا رسول اللہ فلاں ایں حدیث از حضرت تو روایت کردہ است پس فرمود آں حضرت نعم اولا و در رؤیت کہ در یقظہ است بعضے مشائخ نیز ہمچنیں استفادہ علوم نمودہ اند۔

اور اسی طرح مفسر روح البیان نے بھی لکھا ہے کہ بہت علمائے نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث حاصل کی ہے عالم رؤیا میں جب یہ حقیقت کشف و منامات اولیا کی ظاہر ہوئی تو معلوم کرنا چاہیئے کہ جب اہلِ مکاشفہ نے عمل مولد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش پایا اور انوار الٰہی مجلس میں دیکھے اور بعض مشرف بہ زیارت ہوئے عین مجلس میں، اور بعضوں کو منام میں فرمایا کہ ہم بھی وہاں آتے ہیں اب ہم اس کشف و منام کو جب پیش کرتے ہیں شریعت پر تو نہیں پاتے اس کو مخالف قرار داد دین متین کے اس لیے کہ مجلس کا مکان لابد کوئی ٹکڑا زمین کا ہوگا پس داخل ہوگا وہ اقطار الارض میں آپ کا چلنا پھرنا سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔ پس مضمون اس مکاشفہ کا ایک حصہ اور فرد ہوا افراد و حصص مضمون حدیث سے اور مخالف نہ ہوا کسی حکم کا احکام قرار داد دین سے اس لیے مقبولین امت محمدیہ نے اُس کو بالراس والعین قبول کیا اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھ دیا کہ جب کوئی صاحبِ دل ذوق شوق سے ہمت لگاتا ہے[۱] تو حضرت بھی اس کی طرف نزول فرماتے ہیں

---

[۱] مولف براہین کا یہ کہنا کہ یہ قصہ ملائکہ کا ہے سخت غلطی ہے اس لیے متوجہ الی الخلق

(باقی برصفحہ آئندہ)

حضرت کو علمِ غیب ہے یا نہیں اور محفل کی خبر ہوتی ہے یا نہیں

اگر کوئی کہے روح مبارک کو خبر ہو جاتی علم غیب ہے اور وہ کسی کو نہیں ہوتا سوائے اللہ تعالیٰ کے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں:

قل لا یعلم من فی السموٰت والارض الغیب الا اللہ۔

کہہ نہیں جانتا جو کوئی کہ آسمان اور زمین میں ہے غائب کو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

اور نیز حکم کیا اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اعراف میں کہ:

کہہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں سے لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء اگر جانتا میں غیب کو تو بہت حاصل کرتا میں منفعت، اور نہ پہنچتا مجھ کو نقصان۔

جواب اس کا یہ ہے اگر آپ صاحبوں کو ان آیتوں پر ایمان ہے تو مبارک ہو بہت اچھی بات ہے لیکن چاہیے کہ دوسری آیتوں کو بھی سچی جانو۔ سورۂ آل عمران میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور اسی طرح کل ذی کبد کے الفاظ ہیں اور فرمان مقدس رحمۃ للعالمین ہے اور قبر شریف کے زائر کے حالات و نیت قلبی وغیرہ پر مطلع ہونا تو علی العموم ہے جہد ہمت اور ذی کبد مشتاق کی قید کا کیا فائدہ بنا، علیہ مکاشفہ عام ہے اگر یہ کہئے کہ یہ قصہ شاہ صاحب کو مدینہ میں منکشف ہوا تو بعید نہیں ۱۲

وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ
من یشاء۔

یعنی اللہ یوں نہیں کرتا کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے
اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

اور سورۂ جن میں ہے:

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من
رسول۔ یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اپنے غیب کی بات کسی پر نہیں
کھولتا مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول۔

ان چاروں آیتوں کے ملانے سے اہل السنت والجماعت کا جو مسئلہ اعتقادی
ہے وہ کھل جاتا ہے، یعنی اصل عالم الغیب اور علام الغیوب اللہ تعالیٰ ہے زمین
آسمان میں کوئی ایسا نہیں جو یقینی طور پر کسی بات کو بلا تعلیم والہام حق جان لے۔
ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیارے برگزیدہ رسول کو جس کو چاہے خبریں غیب کی بتا دیتا ہے
پس جو شخص یوں کہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بھی غیب کی بات نہیں جانتے
وہ منکر ہوا اللہ تعالیٰ کے کلام کا، کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

چھانٹ لیتا ہے واسطے اخبار غیبی کے جس کو چاہے۔

اور نیز منکر ہوا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ مشکوٰۃ کے باب المعجزات میں
روایت ہے عمرو بن اخطب انصاری سے کہ نماز جماعت پڑھائی ہم کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فجر کی اور منبر پر چڑھ کے ہم کو نصیحت فرمائی یہاں تک کہ
ظہر کا وقت آیا تب اترے منبر سے اور نماز پڑھی پھر چڑھے منبر پہ فرماتے رہے نصیحت
پھر عصر کا وقت آ گیا پھر اترے اور نماز پڑھی، پھر چڑھے منبر پہ یہاں تک کہ چھپ گیا

سورج، اُس دن بتا دیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ہونے والا تھا قیامت تک، اب ہم میں زیادہ عالم وہ ہے جس کو اُس دن کی زیادہ باتیں یاد ہیں روایت کی یہ حدیث مسلم نے۔

اِس حدیث سے ثابت ہُوا کہ بہت خبریں غیب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں۔ اور حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے کوئی شے نہ چھوڑی قیامت تک ہونے والی جو ہم کو نہ بتائی ہو اور ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ اس عالم سے تشریف فرما ہوئے اور ہم کو بتا گئے ہر چیز اگر کوئی جانور بھی بازو آسمان میں ہلاتا ہے وہ بھی آپ ہم سے ذکر کر چکے۔ یہ امام احمد اور طبرانی نے روایت کی ہے اور فرمایا آپ نے مَیں اپنے سب امتی اگلوں پچھلوں کو جانتا ہوں جیسا کہ تم اپنے رفیق کو پہچانو اس سے زیادہ ہر آدمی کو پہچانتا ہوں رواہ الطبرانی قطع نظر اس کے اعمالِ اُمت آپ کے سامنے عرض کئے جاتے ہیں۔

روی البزار بسند جید عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال حیوتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم۔

روایت کی بزاز نے عمدہ سند سے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا: میری زندگی تمہارے لئے اچھی ہے اور میری وفات بھی اچھی ہے پیش کئے جاتے ہیں مجھ پر اعمال تمہارے پھر جو کام تمہارے اچھے ہوئے شکر کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کا اور جو بُرے ہوئے استغفار کرتا ہوں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے۔

اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی سورۂ بقرہ میں آیہ ویکون

الرسول علیکم شہیدا میں لکھتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطلع است بہ نورِ نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ الیٰ ان قال در روایات آمدہ ہر نبی را بر اعمال امتیاں خود مطلع مے سازند کہ فلانے چناں مے کند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواں کرد انتہیٰ

اور نیز علامہ اسمٰعیل آفندی اور قسطلانی اور زرقانی رحمۃ اللہ علیہم روایت کرتے ہیں :

عن سعید بن مسیّب قال لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعمال امۃ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماھم واعمالھم فلذلک لیشھد علیھم یوم القیمۃ ۔

روایت کی سعید بن مسیّب نے، نہیں کوئی دن مگر یہ کہ پیش کئے جاتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اُمت کے اعمال صبح وشام پس پہچانتے ہیں آپ اُمتوں کو ان کی علامت ونشان سے اور ان کے اعمال سے پس اسی سبب سے آپ گواہی دیں گے روزِ قیامت اپنے اُمتیوں کی۔

جب احادیث میں آچکا کہ صبح وشام ہر روز دو بار اُمت کے اعمال آپ کے سامنے پیش ہوتے ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوجانا جمیع محافل میلاد کا کونسی بڑی بات ہے۔ اور **مؤلفِ براہین گنگوہی کا یہ لکھنا** (تمام امت کا یہ اعتقاد ہے کہ جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو اور سب مخلوقات کو جس قدر علم حق تعالیٰ نے عنایت کردیا اور بتلا دیا اُس سے ایک ذرہ بھی زیادہ علم ثابت کرنا شرک ہے) عجیب قانون ہے اِس تقدیر پر ایک عالم مشرک ہوجائے گا مثلاً کسی نے اپنے استاد کو اپنے ذہن میں بڑا عالم یا اپنے مرشد کو بڑا صاحبِ کشف سمجھ لیا

حالانکہ حق تعالیٰ نے ان کو جس قدر علم اور کشف نہ دیا تھا مؤلفِ براہین کے نزدیک ذرّہ بھر زیادہ سمجھنے سے مشرک ٹھہرے گا معاذ اللہ! پھر قطع نظر اس کے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو اِس قدر ہم ثابت کرتے ہیں جس قدر شرع میں ثابت ہے نصوص اوپر گزر چکیں دیکھو اور حرکت رُوحی بھی اسی قدر ثابت کرتے ہیں جو نصوص سے ثابت ہے۔

اور پھر مؤلفِ براہین صفحہ ۵۴ میں مسئلہ دُرِمختار وغیرہ سے لکھتے ہیں داگر کوئی نکاح کرے بشہادتِ حق تعالیٰ اور فخرِ عالم علیہ السلام کے کافر ہوجاتا ہے بسبب اعتقادِ علم غیب کے فخرِ عالم کی نسبت انتہیٰ)

یہ مسئلہ بھی آپ نے صحیح نہیں لکھا اصل تحقیق اِس کی لکھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور کوئی گواہ نہ ہوں فقط اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ کر کے نکاح کرے تو وہ نکاح بالاتفاق ناجائز، اس واسطے کہ یہاں گواہ ہونے چاہئیں کہ اگر نکاح میں جھگڑا ہووے تو عدالت میں گواہی دے سکیں اور یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ تو ہر نکاح میں شاہد ہوتا ہے پھر شریعت میں علاوہ اس ذات پاک کے اور دو گواہ مطلوب ہیں وہ یہاں نہیں بناءً علیہ وہ نکاح ہرگز نہ ہوا اس پر اتفاق ہے لیکن بعض علمائے نے اس کو کافر بھی کہہ دیا جس کا ذکر مؤلفِ براہین نے کیا یہ صحیح نہیں اس واسطے کہ دُرِمختار میں اس کی تضعیف پر اشارہ کیا ہے قیل یکفر۔ قیل لفظ تضعیف ہے۔ اور فتاویٰ قاضیخاں کی کتاب النکاح میں لکھا، وبعضہم جعلوا ذلک کفرا۔ کافر ہونے کا قول بعض علماء نے بیان کیا لیکن ابھی یہ نہیں کھلا کہ خود قاضی خاں کی رائے اس کے موافق ہے یا نہیں۔ یہ بات کلماتِ کفر میں کھول دی وہاں اس طرح لکھا، قال لایکون کفرا۔ شرح منیہ وغیرہ کتب میں صراحۃً یہ اصطلاح لکھی ہے کہ لفظ قالوا فقہا ایسے موقع

میں لکھتے ہیں جہاں اپنی رائے میں وہ امر مستحسن نہیں ہوتا۔ شرح منیہ کے ذکر قنوت میں لکھا ہے کہ قاضی خاں کا لفظ قالوا لکھنا دلیل غیر مختار ہونے کی ہے یہ عبارت یہ ہے:

وکلام قاضی خاں یشیر الیٰ عدم اختیارہٖ لہ ففی قولہ قالوا اشارۃ الیٰ عدم استحسا

پس معلوم ہوگیا ان فتاویٰ سے کہ کافر کہنا ضعیف ہے۔ اب ہم واضح تر دلیل لاتے ہیں عدم کفر پہ۔ فقیہ شامی نے دُرمختار کے قول مذکور بالا پر جس کی سند براہین میں پکڑی ہے تحریر کیا ہے:

قال فی التاتارخانیۃ و فی الحجۃ ذکر فی الملتقط انہ یکفر لان الاشیاء تعرض علیٰ روح النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔

اب اس سے بھی قوی تر سنو خزانۃ الروایۃ بین مضمرات سے نقل کیا ہے:

والصحیح انہ یکفر لان الانبیاء علیہم السلام یعلمون الغیب ویعرض علیہم الاشیاء فلا یکون کفرا۔

ہم نے اس روایت اخیرہ کو قوی اس واسطے لکھا کہ اس میں تصحیح جو الفاظ فتویٰ سے ہے موجود ہے۔ یعنی اس اختلافِ علماء میں صحیح یہی بات ہے کہ کافر نہیں ہوتا۔ پس دُرمختار اور قاضی خاں کی تضعیف اور شامی اور تاتارخانیہ اور فتاویٰ حجر اور ملتقط کی تصریح اور خزانۃ الروایات اور مضمرات سے صاف ثابت ہوگیا کہ وہ کافر نہیں ہوتا، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ چیزیں عالم کی پیش کی جاتی ہیں سامنے رُوحِ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے۔ اور فتح القدیر وغیرہ میں ہے کہ جب روایت فقہ وحدیث متفق ہو ہرگز اس کو نہ چھوڑا جائے بناء علیہ، یہ حکم دیا کہ

فتاویٰ کا موافق حدیث عرض اعمال جس کو حکیم ترمذی اور بزاز اور عبداللہ بن مبارک
اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نقل فرماتے ہیں صحیح کہا، اور لکھا زرقانی نے شرح مواہب
میں کہ کل انبیاء کو اور آباء و امہات کو اُن کی امت اور اولاد کے اعمال بالاجمال
پیش کیے جاتے ہیں ہر جمعہ ' اور حضرت کو سب پر شرف دیا گیا ہے کہ آپ کو ہر جمعہ
بالاجمال اور ہر روز دو بار بالتفصیل مطلع کیا جاتا ہے انتہٰی

اب دیکھیے کہ یہ عرض اعمال علم کا بہت اچھا وسیلہ ہے اور شرعی مسئلہ ہے جس کو
مفتیانِ دین لے چکے ہیں بناءً علیہ یہ جاننا کہ روحِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو محفل کی
خبر ہو جاتی ہے ہرگز شرک نہیں پس جو کوئی محفل کرتا ہے اکثر تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دو
دن پہلے سے اُس کی اطلاع ہوتی ہے اور اس کے سامان شروع ہوتے ہیں
ورنہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اگر شام کو محفل ہو تو صبح سے کچھ انتظام شیرینی یا کھانے
وغیرہ کا ہونے لگتا ہے اور اگر صبح کو محفل ہوتی ہے تو شام سے شروع ہو جاتا ہے
اور اطلاع آدمیوں کو شروع ہو جاتی ہے۔ سمجھنا چاہیئے جبکہ ہر روز دو مرتبہ
صبح و شام حضرت کو خبر اعمالِ اُمت کی کی جاتی ہے جس کے گھر میں شام کو
محفل ہو گی جو کچھ اُس نے صبح کو سامان کیا ہو گا یا کسی کو خبر دی ہو گی وہ عمل صبح
کو حضرت کے پاس پہنچ چکا ہو گا کہ شام کو محفل ہمارے فلاں اُمتی کے گھر ہو گی
اور اگر اُس کے گھر صبح کو محفل ہونے والی ہے اور شام کو اُس شخص نے اسباب
فراہم کیا ہو گا یا کسی کے سامنے مُنہ سے نکالا ہو گا کہ میں صبح کو محفل کروں گا اس
کی بھی خبر اسی قدر قبلِ انعقادِ محفل پہنچ چکی ہو گی۔ علاوہ بریں محفل مولد شریف
میں کثرت سے درود و سلام پڑھتے ہیں اور بفحوائے حدیث ملائکہ مجلس کا درود
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو پہنچانے میں بھی ایک ذریعہ ہے کہ حضرت کو
درود خوانانِ مجلس کی اطلاع نام بنام ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ درود پڑھنے

والے کا نام لے کر فرشتے حضرت کو درود پہنچاتے ہیں اور قصائد عشق حقیقی بھی محبت اور ذوق وشوق سے محبین پڑھتے ہیں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کا مکاشفہ اوپر گزر چکا کہ جو کوئی ذوق وشوق سے متوجہ ہوتا ہے درود وسلام و مدح پڑھتا ہے تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف نزول فرماتے ہیں اس مکاشفہ کی تائید بھی حدیث سے پائی جاتی ہے۔ دیباچہ دلائل الخیرات میں ایک حدیث ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ جو لوگ آپ سے دُور اور غائب نظر سے ہیں یا بعد زمانہ آپ کے پیدا ہوں گے اُن کے درود کا کیا حال ہے؟ ارشاد فرمایا:

اَسْمَعُ صَلَاۃَ اَھْلِ مَحَبَّتِیْ وَ اَعْرِفُھُمْ وَ تُعْرَضُ عَلَیَّ صَلَاۃَ غَیْرِھِمْ عَرْضًا۔

یعنی اپنے محبت والوں کا درود خود سُنتا ہُوں اور انھیں پہچانتا ہوں اور اَوروں کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اس کے معنی شرح دلائل الخیرات میں علامہ مہدی فارسی نے اس طرح لکھے ہیں:

اسمع بلا واسطۃ صلاۃ اھل محبتی الذین یصلون علیّ محبۃ لی وشوقا وتعظیما وظاھرہ سواء صلی علیہ المحب لہ عند قبرہ او غائبا عنہ واعرفھم لتآلف ارواحھم بروحہ وتعارفھا معھا بالمحبۃ الرابطۃ والارواح جنود مجندۃ فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف و لتکرر صلاتھم علیہ واکثارھم لھا من اجل المحبۃ المقتضیۃ لذلک وتعرض علیّ صلاۃ عرضا فھو انما

اسمعها بواسطة[1] انتہی ملخصا۔

اور مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات میں ہے :

واعرفہم می شناسم اہلِ محبت را بسبب اتصال روحی و قرب

معنوی ایشاں بروحِ مقدس ع

قرب جانی چو بود بعد مکانی سہل است

وتعرض صلاۃ غیرہم عرضا یعنی فرشتگان درود غیر آنہا را

برمن عرض می کنند بواسطہ آنہا می شنوم وشنیدن بلا واسطہ

مخصوص بمحبان وعاشقانے است کہ مذکور شدند۔

دلائل الخیرات کی حدیث کو دونوں شارح نے مسلّم رکھا۔ پس معلوم ہُوا

کہ محبت بھی قربِ روحی کا سبب ہے ۔حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبین کا درود

خود سُن لیتے ہیں جس طرح مزار شریف کے قریب کا درود سنتے ہیں ، بُعدِ ظاہری

کچھ مانع نہیں۔

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا مکاشفہ ظاہر کرتا ہے کہ غیر حالتِ

---

[1] بلا واسطہ سُن لیتا ہُوں درود اپنے محبت والوں کا جو تعظیم اور شوق اور محبت سے بھیجتے ہیں ظاہر حدیث کا مطلق ہے خواہ قریب سے درود بھیجیں خواہ دور سے ہیں انھیں پہچانتا ہُوں کیونکہ رُوحوں میں باہم الفت اور جان پہچان ہے محبت کے واسطے سے اور روحیں لشکر ہیں جن میں جان پہچان ہُوئی ان میں الفت ہُوئی اور جن میں جان پہچان نہ ہُوئی اُن میں اُلفت نہ ہُوئی بلکہ اختلاف ہُوا اور پہچانتا ہوں ان اہلِ محبت کو کثرتِ درود سے جو بباعث محبت پڑھتے ہیں اور دوسروں کا درود فرشتے پہنچاتے ہیں اسکو واسطہ سے سُنتا ہوں ۱۲

درود خوانی میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاص محبین کی مدد فرماتے ہیں چنانچہ انہوں نے اپنا خال کتاب "دُرِّ ثمین" کی تیرھویں حدیث میں لکھا ہے:

لم اعطش لیلۃ من اللیالی فانھم بعض اصحابنا ان یھدی الیٰ اناء من اللبن فشربتہ ثم نمت علی الوضوء فرأیت روح النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاوما الی انی انا للذی ارسلتُ اللبن والقیت الخاطر فی قلب الرجل۔

یعنی راتوں میں سے ایک رات میں پیاسا تھا ہمارے ایک دوست کو الہام ہُوا وہ دودھ لایا میں پی کر سوگیا باوضو، تو دیکھا رُوح النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو، مجھ سے فرمایا کہ میں نے ہی دودھ بھیجا تھا، اس آدمی کے دل میں ڈال دیا تھا کہ دُودھ لے جا انتہیٰ۔

اور گزر چکی اس سے پہلے حکایت قاریِ قرآن کی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرآن سننے کو تشریف لائے۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ عرضِ اعمال بھی خبر ہوتی ہے اور اہلِ محبت کی خبر بباعث قربِ روحانی بھی ہو جاتی ہے۔

علاوہ بریں ایک تیسرا طریق اور چوتھا طریق اور بھی خبردار ہو جانے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لیکن وہ دونوں طریق دقیق ہیں عام فہم نہیں جو علی العموم ذکر کیے جائیں۔ بہرکیف اطلاع پانے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چند طریق ہیں، وہ سب خدا تعالیٰ کے دئے ہوئے ہیں تو علمِ غیب آپ کا مستقل و بالذات نہ ہوا جس سے شرک لازم آتا بلکہ آپ جس طریق سے حالاتِ اُمت و اشیاءِ عالم پر مطلع ہوں گے وُہ قدرتِ خداداد سے ہوں گے اس کا نام شرک ہرگز نہیں، دیکھو عقاید و علمِ کلام کی کتابیں، جب حدیث عرض اعمال وغیرہ وسائط سے آپ کو علم ہو جانا ثابت ہو چکا اور رُوح کا چلنا پھرنا زمین میں اور سرعت سیرِ ارواح احادیث

معلوم ہو چکی اور آپ کی توجہ خلقت کی طرف بھی معلوم، اور آیہ بالمؤمنین رؤف رحیم دلیل شفقت و رحمتِ اُمت کے لیے موجود، اور جب آپ کے لیے امتی بذل مال اور درود و سلام و مدح خوانی با ادب و تعظیم کریں تو اُس کے جواب میں آپ کی توجہ و احسان فرمانے پر آیہ کریمہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان موجود، پھر معلوم نہیں فریق ثانی شقاق و نفاق بے جا اہلِ اسلام میں ڈال کر اچھے خاصے مسلمانوں کو مشرک بنا رہے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جاہل عقیدہ شرکیہ رکھے مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علمِ غیب مستقل ذاتی سمجھے یوں نہ جانے کہ خدا تعالیٰ کا دیا ہُوا ہے معاذ اللہ تو اس کے کفر میں کس کو کلام ہے وہ شخص بالاتفاق مردود ہے۔

مؤلفِ براہین گنگوہی (رشید احمد) لکھتے ہیں مجلسِ میلاد شریف میں اکثر ایسے ہی آدمی ہوئے ہیں معلوم نہیں ان کو گھر بیٹھے کس طرح مجلس والوں کی خبر غیبی ہو گئی اور وُہ بھی ان کے دلوں کی۔

ہم نے عمر بھر میں اب تک اِس عقیدہ شرک (معاذ اللہ) کو بہت ہی بُرا کہا ہے بلکہ ہم تو جمیع منہیات شرعیہ کو بُرا کہتے ہیں، چاہئے کہ بانیِ محفل مرد با اخلاص خوش عقیدت محبت والا ہو مال میں احتیاط کرے اپنی محنت کی تنخواہ یا تجارت کا کمایا ہوا یا ہبہ و میراث وغیرہ صحیح شرعی طریق سے پہنچا ہوا طعام و شیرینی و عطر وغیرہ محفلِ مولد میں صرف کرے، فرش و ظروف وغیرہ سامانِ تجمل میں کوئی امر خلافِ شریعت نہ ہووے، روایاتِ معتبرہ بیان ہوں جن کو ثقات محدثین نے باب المعجزات میں قبول کیا ہے، اشعار وُہ ہوں جن کے پڑھنے پر مفتیانِ دین نے فتویٰ دیا ہے پھر ان امور کے بعد آداب و تسلیم شان نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدِّنظر ہو دمبدم درود و سلام کثرت سے سامعین حاضرینِ مجلس کی زبان پر ہو، فضائل و

معجزات وقصائد ذوق وشوق محبت سے پڑھیں پڑھوائیں سنیں سنوائیں۔ الحاصل
جس قدر مجلس کی صفائی میں اور امورِ منہیہ سے بچنے میں ہمت لگائیں گے اسی قدر
رضامندی حق سبحٰنہ کی اور توجہ رُوحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی طرف پائیں گے
اگر محفل قبول ہوئی ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ شخص اپنے مقصد ومراد کو پہنچے۔ اعلیٰ
درجہ یہ کہ ایک ایک قسم کے خاص جلوہ روح محمدی سے بھی مشرف ہوئے اور یہ کچھ
محفل ہی کے ساتھ خصوصیت نہیں، ہر عمل کا ثمرہ جب پائے گا کہ اسے اُس کے شروط
سے بجالائے گا۔ دیکھو نماز کے باب میں حدیث وارد ہے:

ان العبد اذا قام الی الصلوٰۃ رفع اللّٰہ تعالیٰ الحجاب
بینہ و بینہ وواجھہ بوجھہ الکریم۔

یعنی بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اٹھا دیتا ہے حجاب اپنے
اور اس کے بیچ میں سے اور سامنے اس کے کر دیتا ہے اپنی وجہِ کریم۔

اور دوسری حدیث میں ہے:

جب مسلمان وضو کرتا ہے شیطان اُس سے دُور ہو جاتا ہے زمین
کے کناروں تک بھاگ جاتا ہے اس ڈر سے کہ بندہ اپنے
بادشاہ کے پاس جانے کا ارادہ کرتا ہے جب وضو کرکے کہتا ہے
اللہ اکبر، چھپ جاتا ہے ابلیس، اور اللہ جل شانہٗ اس بندے
کے سامنے ہو جاتا ہے۔

اور حدیث میں آیا ہے:

اپنے اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تُو اس کو دیکھ رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہی نماز ہم غافل لوگ پڑھتے ہیں اور ایک اولیاء اللہ کی نماز ہے
کہ ان کو نماز میں مشاہدۂ ربانی حاصل ہوتا ہے اور مقامات طے ہوتے ہیں،

اسی طرح مقبولیتِ محافل کے درجات ہیں

نہ انجیر شد نام ہر میوہ
نہ مثل زبیدہ است ہر بیوہ

الحاصل مقبول تر وہ آدمی ہے جو زیادہ تر اخلاص و محبت سے محفل کرے۔

سوال[۱]: قیامِ مروج رونق افروزی روحِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے یا کسی اور وجہ سے ہے؟

جواب: اگرچہ اطلاع پانا آپ کا محفل پر منجملہ اعمالِ اُمت ثابت ہے اور مشتاقین کو جلوۂ خاص روحانی سے مشرف فرمانا بھی ممکن۔ لیکن ہر ایک محفل میں علی العموم قیام اس غرض اور علت پر مبنی نہیں بلکہ وجہ اُس کی اظہار فرحت و سرور شان نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے دیکھو عالم الامہ مقتدی الائمہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی مجلس میں اکابر علماء تھے ایک شعر مدح کا سُن کر کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ سیرتِ حلبی میں مذکور ہے اس میں رُوح کا آنا کچھ بھی مذکور نہیں بلکہ یہ ہے قام الامام السبکی رحمۃ اللہ علیہ وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر۔ اور اسی طرح نقل کیا اسمٰعیل آفندی نے تفسیر روح البیان میں، اور سیرتِ شامی

---

[۱] اس صورت میں جو لوگ مشرف بہ زیارت ہوئے ان کی وجہ قیام دو باتیں ہیں ایک زیارت دوسرا اظہارِ فرحت و سرور تعظیم اور باقی علی العموم سب کے حق میں قیام فقط وہی وجہ اظہار فرحت و سرور تعظیم اور صفحہ ۲۰۰ براہین قاطعہ میں بھی در صورت زیارت ہونے روح کے قیام کو صحیح مان لیا اور صفحہ ۲۰۶ میں لکھا کہ تشریف آوری کی دوام پر انکار ہے نہ امکان و وقوع احیاناً پر انتہی کلامہ ملخصاً بناءً علیہ وہ لوگ کہتے ہیں ہم اسی وقوع احیاناً کی امید میں کھڑے ہوتے ہیں جیسے ایک شب قدر پانے کیلئے عمر بھر جاگتے ہیں ۱۲

میں ہے۔

جرت عادۃ کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوموا تعظیما لہ[1]۔

یعنی کثیر محبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سنتے ہیں ذکر ولادت شریف کا اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ان کی تعظیم کو۔

یہ نہیں لکھا کہ رُوحِ مبارک کو دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور رسالہ عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر میں امام برزنجی نے لکھا ہے:

قد استحسن القیام عند سماع ذکر ولادتہ الشریفۃ ائمۃ ذوو بلا رؤیۃ روحہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اور یہ نہیں فرمایا استحسن القیام عند رؤیۃ روحہ او عند قدوم روحہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

عمل جمیع بلاد اسلامیہ کا عرب وعجم مشرق ومغرب میں اسی بات پر ہے کہ بلا رؤیت رُوح پُرفتوح بمجرد سماع ذکر ولادت شریف جمیع اہلِ محافل کھڑے ہو جاتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ اگر یہ تشریف آوری روح کے سبب نہیں تو پھر تعظیم کس بات کی ہے؟

جواب اس کا یہ ہے کہ قیام فقط تعظیم تشریف آوری پر منحصر نہیں[2] بلکہ شرع شریف

---

[1] تعظیماً لہ اس مقام میں شامی کی عبارت میں یہ لفظ بھی ہے ہذا القیام بدعۃ اصل لہا۔ تفصیل اس مجمل کی اور جواب اعتراضاتِ مانعین عنقریب آتے ہیں تمام شرح وبسط کے ساتھ۔

[2] ان لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ تم کو رُوح نظر نہیں آتی (باقی برصفحہ آیندہ)

ہیں چند مقام پر قیام پایا گیا ہے ایک آنے والے کی تعظیم میں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقت تشریف لانے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام فرماتی تھیں کذا فی المشکوٰۃ۔

دوسرا وضو کا بچا ہُوا پانی پینے کے لیے کھڑا ہونا ترمذی نے روایت کیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وضو کر چکے بچا ہوا پانی پیا کھڑے ہو کر اور یہ کہا کہ مجھ کو پسند آیا کہ دکھاؤں تم کو کس طرح وضو کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انتہیٰ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی کھڑے ہو کر پیتے ہوں گے۔

تیسرے زمزم کا پانی پینا کھڑے ہو کر۔ بخاری اور مسلم میں روایت ہے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پلایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی زمزم کا، پس پیا آپ نے کھڑے ہو کے۔

الحاصل فقہار حمہم اللہ ان دونوں پانیوں کو قبلہ رُو کھڑا ہو کر پینا مستحب اور مندوب لکھتے ہیں۔ اِس لفظ سے صاف تعظیم معلوم ہوتی ہے۔ اور بعضوں نے یہ مسئلہ ان الفاظ سے لکھا ہے: پانی کھڑے ہو کر پینا مکروہ تنزیہ ہے سوائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کیوں اُٹھتے ہو؟ جواب ہماری طرف سے یہ ہے کہ ہم تقلیداً اُس موقع میں کھڑے ہوتے ہیں جہاں اہلِ مکاشفہ کھڑے ہوتے ہیں اگر کوئی کہے کہ ہر محفل میں کیوں کھڑے ہوتے ہو؟ جواب دیتے ہیں کہ شب قدر معلوم یقینی طور پر نہیں ہوتی پھر بھی جاگتے ہیں اگرچہ شبِ قدر تو در حقیقت ایک ہی ہوگی سال بھر میں جب ہوئے۔ پس اسی طرح ہم لوگ ہر محفل میں بامید کھڑے ہوتے ہیں کہ آخر کبھی تو قیام موافق قدوم روحِ مبارک ہو جائیگا اگر عمر بھر میں موافق آپڑا غنیمت ہے۔

؎ بس بود جاہ و احترام مرا۔ یک علیک از تو صد سلام مرا۔

لہ یہ سورۂ آلِ عمران کے آخر میں صاحبِ کشاف نے روایت کی ہے۔

ان دو پانیوں کے کہ یہ مکروہ نہیں۔ اس سے بھی قیامِ تعظیمی ثابت ہو گیا۔ یعنی کھڑا ہو کر پینے کی جو کراہت شرع میں تھی وہ بباعثِ عظمت ان دونوں پانیوں کی ساقط ہو گئی اس لیے کہ زمزم کا پانی حصولِ شفاعت کا سبب ہے۔ اور اسی طرح وضو کا پانی بچا ہُوا بھی موجبِ شفا ہے۔

شامی نے لکھا ہے کہ میرے بزرگ عبد الغنی نابلسی جب مریض ہوتے تھے وضو کا باقی پانی بارادہ حصولِ شفا پیتے تھے موافق فرمان سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، پس آرام ہو جاتا تھا ان کو انتہیٰ کلام الشامی۔

یہاں ایک بات اور بھی حاصل ہُوئی۔ یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے شرع میں، لیکن جب آبِ زمزم اور آبِ بقیۂ وضو کی عظمت پر خیال کر کے کھڑا ہو کر پیئے تو قصدِ تعظیم کے سبب کراہت جاتی رہتی ہے۔ پس بفرضِ محال اگر قیام مکروہ بھی ہوتا تب بھی جو لوگ بارادہ تعظیمِ شانِ مصطفائی کھڑے ہوتے ہیں چاہیے کہ قیام ان کے لیے درست ہو جائے مکروہ یا شرک یا حرام ہونے کے لیے کیا معنی!

چوتھا کھڑا ہونا جس وقت عمامہ باندھے۔ بعض فقہا اس کو مستحسن کہتے ہیں۔

پانچواں کھڑا ہونا وقتِ سماعِ اذان کے۔ دُرِ مختار میں ہے: ویندب القیام عند سماع الاذان، و در فتاوٰی برہنہ آوردہ چوں آوازِ اذان برآید باید کہ ماشی بایستد و نشستہ زانو زند ہرچہ تعظیم نزدیک تر آں کند۔

چھٹا کھڑا ہونا واسطے تعظیم مطلق ذکر کے۔ تفسیر کشاف میں ابن عمر اور عروہ بن زبیر اور ایک جماعت سے روایت ہے وُہ سب نکلے اور گئے عیدگاہ میں، پھر وہ ذکر اللہ کرنے لگے۔ ان میں سے بعضوں نے یہ کہا کہ فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ نے یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً۔ تب وہ سب کھڑے ہو گئے

اور ذکر اللہ کرنے لگے کھڑے ہوئے۔

ساتواں کھڑا ہو کر مدائح اور مفاخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑھنے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر اشعار فخریہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھتے تھے۔

آٹھواں کھڑا ہونا دست بستہ وقتِ زیارتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے روضہ مطہرہ کے علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام الیٰ یوم القیام جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے۔

نواں جب کوئی اپنا پیشوا مجلس سے اُٹھے اُس کی معیت میں تعظیماً کھڑے ہو جانا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے جب آپ اُٹھتے ہم سب کھڑے ہو جاتے تھے اور جس وقت آپ گھر میں داخل نہ ہو جاتے ہم کھڑے رہتے تھے انتہیٰ

علاوہ ان نَو مقامات کے اور بھی مواضع میں قیام آیا ہے جس کی نظر فتاویٰ اور حدیث پر ہو گی وہ دیکھ لے گا۔

الحاصل ان نظائر سے ثابت ہو گیا کہ قیام مخصوص فقط تعظیم آنے والے کے لیے نہیں بلکہ اور بھی مناہات میں قیام پایا گیا اور قدر مشترک سب میں یہ مضمون ہے کہ قیام جس امر میں کیا جاتا ہے اُس امر کی تعظیم کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح بزرگانِ دین سے طرح طرح کے مواقع تعظیم میں قیام پایا گیا۔ از انجملہ احمد بن حنبل وعلی بن مدینی وغیرہ جلسہ تعلیم حدیث میں کھڑے رہتے تھے۔ چنانچہ ہم روایت سابقہ لکھ چکے۔ از انجملہ بہاؤ الدین ملک طاہر کا وزیر قصیدہ بُردہ برہنہ پا اور برہنہ سر کھڑا ہو کر سنا کرتا تھا اور اس کے گھر میں بہت خیر و برکت دین و دنیا کی اس سے

حاصل ہوئی۔

کشف الظنون میں درباب قصیدہ بُردہ لکھا ہے:

ولما بلغت الصاحب بہاؤ الدین وزیر الملك الظاهر استنسخها و

نذران لا یسمعها الا حافیا واقفا مکشوف الرأس وکان یتبرك بها هو و

اهل بیته ورو امن برکاتها امورًا عظیمةً فی دینهم و دنیا هم۔

ازانجملہ کھڑا ہونا ہمارے شیخ الطریقۃ امام الشریعۃ خواجہ خواجگان معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا واسطے تعظیم روضہ مرشد کے شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر اپنے پیر قطب صاحب کے ملفوظات مسموعہ مسمی بہ فوائد السالکین میں لکھتے ہیں کہ ایک بار خواجہ معین الدین قدس سرہٗ درباب سلوک وعظ فرماتے تھے جب داہنی طرف نظر پڑتی تھی کھڑے ہو جاتے تھے، ایک سو بار کھڑے ہوئے لوگ حیرت میں تھے بعد اختتام جلسہ ایک بے تکلف آدمی نے یہ عرض کیا کہ آپ کیوں بار بار کھڑے ہوتے تھے، فرمایا: جب نظر مرشد خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ پر پڑتی کھڑا ہو جاتا تھا اس لیے کہ پیر کی تعظیم حالتِ حیات و ممات میں برابر واجب ہے بلکہ بعد موت کے زیادہ۔ انتہی کلامہ

ازانجملہ جس وقت کسی صاحبِ معرفت کو عشقِ الٰہی میں وجد صادق ظاہر ہو تو جمیع حاضرین کو کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ ذکر کیا یہ مسئلہ امام حجۃ الاسلام غزالی

لہ اور جب پہنچا قصیدہ بُردہ صاحب بہاؤ الدین وزیر ملک طاہر کو، اس نے نقل کرلیا اور یہ منت مانی اور لازم پکڑا کہ نہیں سُنے گا اس کو مگر ننگے سر ننگے پاؤں کھڑا ہو کر۔ اور برکت پاتا تھا وہ اس فعل سے اور اس کے گھر والے بھی۔ اور دیکھے انہوں نے اس قصیدہ کے آداب و تعظیم پڑھنے سے اپنے دین اور دنیا میں بڑے بڑے کام ۱۲

رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں مرد منصف حق طلب کو مجموع ان احادیث و آثارِ صحابہ اور فعلِ مشائخ طریقت مشائخ حدیث سے جو کچھ ہم نے یہاں تک لکھا خوب واضح ہو جائے گا کہ بیشک قیام تعظیمی مخصوص کسی کے آنے کے ساتھ نہیں بلکہ اور امور کی تعظیم میں بھی قیام پایا گیا ہے، پھر کیا ضرور ہے کہ قیام مروجہ محفل قدوم روح مبارک ہی کے اعتقادات سے کیا جائے بلکہ اس میں تعظیم شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر رکھی جاوے اور بیان اُس کا یہ ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں :

و من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔

یعنی جو کوئی تعظیم کرے نشانیوں اللہ تعالیٰ کی یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب نے اولیاء اللہ کی محبت کو تعمیل اس آیت اور تعظیم شعائر اللہ میں شامل کیا ہے، عبارت ان کی صراطِ مستقیم میرٹھ صفحہ ۳۴ میں یہ ہے :

اگر نیک تامل کنی دریابی کہ محبت امثال ایں کرام خود شعار ایمان محب وعلامت تقویٰ اوست و لک و من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب انتہیٰ کلامہ

جب اولیاء اللہ شعائر اللہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معظم شعائر ہوئے۔ چنانچہ حجۃ اللہ میں شاہ ولی اللہ نے بھی صفحہ ۱۷ مطبوعہ بریلی میں آپکو معظم شعائر اللہ میں شمار کیا ہے، اور جب آپ معظم شعائر ہوئے تو پیدا ہونا آپ کا گویا ظہور ہے اعظم شعائر اللہ کا ہم کو چاہیے کہ اعظم شعائر اللہ کی عظمت دل میں پیدا کریں اور اس نعمتِ عظمیٰ کو بہت عظیم سمجھیں جس کو فرمایا

اللہ تعالیٰ نے وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین، اور احسان رکھا اللہ تعالیٰ نے ہماری گردنوں پر ان کے وجود باجود کا حیث قال تبارک و تعالیٰ لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا الآیۃ پس جس وقت تذکرہ آپ کا بآداب و تعظیم اور ظہور جاہ و جلال جو وقتِ ولادت آفاق عالم میں وہ انوار و آثار جلوہ گر تھے بیان ہوتا ہے دل کے رگ و ریشہ میں اُس وقت کا جلوہ سما جاتا ہے آنکھوں کے آگے نقشہ حضور ملائکہ و حور عین کا جو وقت میلاد شریف تھا سماں بندھ جاتا ہے لابد دل بھر جاتا ہے عظمت شان حضور سے اور پیدا ہوتی ہے دل میں تعظیم عظیم اُس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں سب بآداب و تعظیم، اور بدلتے ہیں ہیئت جلوس کو قیام سے۔ چنانچہ شرع شریف میں ظاہر کو عنوان باطن قرار دیا ہے اگر قلب میں توحید اور رسالت کی تصدیق ہے تو اقرار باللسان اس کی تطبیق ہے، اسی طرح اگر دل میں اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی خواہش اور حاجت ہے تو دُعا میں دونوں ہاتھ بھیک مانگنے والوں کی طرح پھیلا دینا سنت ہے تاکہ نقشہ ظاہر و باطن کا ایک ہو جائے۔ اسی طرح جویائے غوامض کو بہت مثالیں شرع شریف سے مل جائیں گی ازانجملہ چند مثالیں دافع الاوہام میں درباب زینت محفل مذکور ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس وقت اظہارِ عظمتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جو کہ دل میں بھری ہوئی ہے قیام کیا جاتا ہے تاکہ ظاہر و باطن دونوں ایک ہو جائیں جس طرح دل کے اندر حضور کی عظمت ہے اسی طرح قیام بآداب و تعظیم اس عظمت کا نقشہ اور صورت ہے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت بذاتہ آنکھوں کے سامنے مجلس میں حاضر نہ ہوں لیکن آپ کا ذکر ظہور تو موجود اور ظاہر ہے ذکرِ ظہور کی تعظیم بعینہ آپ کی تعظیم ہے۔ مولوی اسمٰعیل صاحب صراطِ مستقیم

مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۱۶ میں لکھتے ہیں :

از فروع حب منعم است تعظیم شعائر او مثل تعظیم نام او و کلام او و لباس او انتہیٰ ۔

جب آپ کی تعظیم دل میں ہوئی تو آپ کے نام اور بیان اور ذکر کی تعظیم بھی دی گئی تو یہ ذکر کی تعظیم بعینہٖ آپ کی تعظیم ہے اور آپ کی تعظیم خدا کی تعظیم ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے صفحہ ۷ حجۃ اللہ میں لکھا ہے حتی صاد تعظیمھا عندھم تعظیما اللہ یعنی ان شعائر کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے انکے نزدیک اور موافق اس مضمون کے آیتیں بھی لکھ چکے ہیں ۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ۔

الحاصل یہ قیام نہ شرک ہے نہ بدعت نہ ضلالت بلکہ مستحب مستحسن ہے بالاتفاق جمہور علماء امت ، او رقائم ہیں اس پر ادلہ از رُوئے شریعت ۔

فائدہ : اب ہم ایک قاعدہ مسلم مؤلف براہین گنگوہی کے موافق بھی اس قیام کا ثبوت دیتے ہیں وہ یہ کہ ہم نے امورِ مروجہ مجلس میلاد شریف کے لیے لکھا ہے کہ زیادہ کرنا کسی امر مستحسن یا مباح کا جو پیشتر نہ تھا جائز ہے اس کی نظیر یہ لکھی ہے کہ اگر کوئی بنظرِ آداب و تعظیم التحیات میں اللھم صلِ علیٰ سیّدنا محمد پڑھے تو دُرِ مختار میں اس کو افضل لکھا ہے حالانکہ اس درود میں لفظ سیّدنا منقول نہیں ، اس کا جواب مؤلفِ براہین صفحہ ۱۵۴ میں لکھتے ہیں ،

" زیادۃ لفظ سیّدنا کے صیغۂ درود شریف میں مگر یہ نہ سمجھا کہ جہاں کہیں اجازت زیادۃ یا تبدیل کی صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے وہاں نہی کہاں ہوسکتی ہے وہ تو خود ماورد بہ الشرع میں داخل ہے سو اجازت زیادۃ لفظ سیادۃ کی خود یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ الآیۃ میں موجود کیونکہ معنی صلوٰۃ کے تعظیم کے ہیں اور صلوا کے معنی عظموا لکھتے ہیں اور دعا کے اگر ہوں اس کی بھی

تعظیم لازم ہے کہ جس کے واسطے دُعا کی جاوے گی اس کی تعظیم و توقیر لازم ہووے گی تھوڑی سی عقل کی حاجت ہے سو ہرگاہ کہ تعظیم فخرِ عالم کی اپنے بندگان سے حق تعالےٰ طلب فرماتے ہیں تو جو لفظ و صیغہ کہ تعظیم کے معنی دیوے گا وہ خود مطلوب ہووےگا جب تک کہ اس کی نہی وارد نہ ہو، انتہٰی۔"

میں کہتا ہوں قیام زیادہ کرنے کی اجازت بھی شرع میں موجود ہے نصوص درباب وجوبِ تعظیم و توقیرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شروع بحث قیام میں ہم لکھ چکے ہیں، پس تعظیم و توقیر آپ کی مطلوب ہے شرعاً، تو یہ قیام بھی ایک فرد تعظیمی ہو کر افرادِ تعظیم مطلوبہ میں شامل ہے اور ماوردبہ الشرع میں داخل، اور یہ بھی ہے کہ وقتِ ذکرِ ولادت شریف درود و سلام بھی اُٹھ کر پڑھتے ہیں تو جیسا لفظ صلّوا بمعنے عظموا سے صیغہ تعظیم ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا ایسا ہی اس وقت درود و سلام پڑھنے کے لیے یہ ہیئت تعظیمی یعنی قیام ایجاد کیا جو پہلے نہ تھا پس قیام بھی مثل لفظ سیدنا افضل ہوگا وعلیٰ ہٰذا القیاس قولِ درِ مختار جس کو مولفِ براہین گنگوہی نے بھی سند کہا پس یہ قیام صحیح ثابت الاصل ہے از رُوئے ادلہ مسلّمہ فریقِ ثانی بھی اسی سبب سید برزنجی وغیرہ مفتیان دین استحسان قیام ہٰذا پر برابر فتوے دیتے رہے ہیں۔

اب قیام میں منکرین کے شبہات متفرقہ کا ذکر ہوتا ہے۔

جواب اس کا کہ حضرت کی حیات میں قیام نہ کرتے تھے اب کس طرح جائز ہے

اول اعتراض حضرت کے حالتِ حیات میں صحابہ واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام نہیں کرتے تھے جیسا کہ ترمذی میں ہے پھر اب قیام کس طرح جائز ہو؟

جواب: واقعی قیام نہیں کرتے تھے، لیکن اس طرح کا قیام جیسا سلاطینِ عجم میں تھا کہ جب رعایا اپنے بادشاہ کو آتے دیکھتی اُسی وقت سے کھڑی ہو جاتی اور جب تک وہ بیٹھا رہتا تخت پر اس وقت تک سب اس کے آگے بکمال تواضع کھڑے رہتے۔ ایسا قیام فی الواقع ممنوع شرعی ہے جبکہ وہ بادشاہ یا امیر حکم کرے اور پسند کرے اس قیام کو۔ سو محفل میلاد شریف میں یہ بات تو نہیں کہ اُس محفل میں منبر یا چوکی یا تخت پر کوئی بادشاہ بیٹھا ہوا ہے اور سب لوگ اس کے آگے کھڑے ہیں یا یہ کہ وہ بادشاہ حکم کر رہا ہے کہ تم میرے آگے قیام کرو۔ یہاں تو یہ بات ہے کہ قاریٔ مولد منبر پر کھڑا ہوا اور درود و سلام و اشعار و نعت و مدح پڑھ رہا ہے یہ خود فعل صحابہ سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

کان رسول اللّٰہ علیہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم۔

یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان کے واسطے منبر رکھتے تھے مسجد میں، اور اُس پر حسان کھڑے ہو کر فخرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتے تھے۔

پس میلاد شریف میں بھی قاریٔ مولد منبر پر کھڑا ہو کر فخرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کرتا ہے اور جس وقت قاریٔ مولد کھڑا ہو جاتا ہے حاضرین بھی کھڑے ہو جاتے ہیں اِس میں تعمیل دُوسری حدیث کی ہو جاتی ہے جو مشکوٰۃ کے باب القیام فصل ثالث میں ابوہریرہ سے روایت ہے رضی اللہ عنہ، فرمایا:

کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یجلس معنا

فی المجلس یحدثنا فاذا قام قمنا قیاما۔

یعنی حضرت ہمارے جلسے میں حدیث کرتے تھے پھر جب آپ کھڑے

ہوتے ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو جاتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حاضرینِ مجلس کو قیام میں موافقت کرنا چاہئے[1] پس اس قیام

میں۔ اور ترمذی کی روایت منع قیام میں جس کو مانعین سند لاتے ہیں بہت

فرق ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ کسی طرح کا قیام نہیں کرتے تھے، تو یہ

بالکل غلط ہے۔ ابھی گزرا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر شعر پڑھتے تھے

مدح و فخرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور یہ بھی گزرا جب آپ کھڑے

ہوتے تو صحابہ بھی کھڑے ہو جاتے۔ اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تشریف لاتیں تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہو جاتے تھے اور

اسی طرح وقتِ تشریف آوری حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بی بی فاطمہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کھڑی ہو جاتی تھیں، اور نیز کھڑے ہوئے صحابہ واسطے آپ کے ...

اسامہ بن شریک سے بروایت صحیح قسطلانی نے روایت کی ہے۔ اور نیز کھڑے

ہوئے آپ واسطے آنے حلیمہ سعدیہ کے ایامِ حنین میں، یہ زرقانی شرح مواہب

---

[1] اور حضرت حسان اگر ایسا کرتے کہ اول سے بیٹھ کر پڑھتے پھر کھڑے ہو کر پڑھتے

تو بالضرور ان کے ساتھ حاضرینِ مجلس موافقت کر کے کھڑے ہو جایا کرتے لیکن وہاں

ہوتا کہ حالت جلوس حاضرین میں حضرت حسان کھڑے ہو کر اول سے شروع کرتے تھے

وہ حالت مشابہ حالت خطیب کے ہوتی تھی ایسی صورت میں حاضرین نہیں اٹھا کرتے

بخلاف اس صورت کے اوّل سے جلوس میں شریک ہیں اور پھر اٹھا تو اس کے ساتھ

موافقت حاضرین کرتے ہیں یہی شکل احیاء العلوم میں قیام مجلس سماع ذکر کی ہے ۱۲

میں ہے۔ اور نیز کھڑے ہوئے آپ وقت آنے پدر رضاعی اپنے کے، یہ سیرت حلبیہ میں ہے۔ اور رد کیا مانعین قیام کا شاہ ولی اللہ نے، دیکھو حجۃ اللہ البالغہ۔

جواب اس کا کہ حضور کا نام سُن کر کھڑے ہو جائیں خدا کے نام پر نہ ہوں

دُوسرا اعتراض حضرت کا نام سُن کے کھڑے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کے نام پر کھڑے نہیں ہوتے۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ پر بھی فوقیت دے دی۔

جواب: یہ کمال کم فہمی ہے، دیکھو ہم اللہ تعالیٰ کے واسطے قیام کرتے ہیں نماز دل میں بکمال ادب رو بقبلہ اور اس سے بھی زیادہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاک پر گر جاتے ہیں سجدہ کے لیے ہر روز نمازِ فرض و نوافل میں ساٹھ ستر سے زیادہ سجدے کرتے ہیں یہ کیسی بڑی تعظیم ہُوئی کہ ماتھا زمین پر رگڑتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے صرف اس قدر کہ ذکر ولادت شریف پر تعظیماً بطور کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب خیال کرو تعظیم رسول کی خدا سے زیادہ کہاں ہُوئی۔

جواب اس کا کہ حضرت کا نام اذان اور خطبہ میں سُنتے ہیں، نہیں اُٹھتے

تیسرا اعتراض حضرت کا نام اذان اور خطبہ میں بہت جگہ آتا ہے کہیں نہیں کھڑے ہوتے سوائے مولد شریف کے اور اس میں بھی جب خاص ذکر ولادت شریف کے وقت۔

جواب: یہ مناسبت ہے کہ ولادت کے معنی یہ ہُوئے کہ آپ عالم بطون سے عالم ظہور میں آئے اور آنے والے کی تعظیم کے لیے شرع میں قیام مستحسن ہے بر مذہب جمہور فقہا و محدثین، اور یہ خوب معلوم ہے کہ شان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی عظیم ہے اور مُبرّد نے تعزّروہ و توقّروہ کی تفسیر میں لکھا ہے :

ای تبالغوافی تعظیمہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔

یعنی مبالغہ کرو حضرت کی تعظیم میں بنائے علیہ محبینِ اُمت نے بطور مبالغہ تعظیم یہ کیا کہ جو بادشاہ امیر کی عین حالت قدوم میں تعظیماً قیام کیا جاتا ہے وہ آپ کے ذکر میں قیام کیا گیا اس پر کوئی اعتراض شرعی نہیں پڑ سکتا سوا اس کے کہ ایجاد ہے اور ایجاد طریقہ آداب کا مستحب اور مستحسن ہے اس کا ذکر چند بار گزر چکا اور بدعت حسنہ کا وجود بھی شرع سے ثابت ہے۔

اگر قدوم کی تعظیم ہے تو جب سنیں کہ حضرت مسجد سے آئے یا جہاد سے آئے کھڑے ہو جائیں

چوتھا اعتراض قیام کرنے والوں کو اس بات کی تعظیم منظور ہوتی کہ حضرت کے قدوم کی تعظیم کی جائے تو وقت ولادت کی کیا خصوصیت تھی چاہیے تھا کہ جب ذکر سُنتے کہ فلاں وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تھے یا حج یا جہاد کر کے واپس آئے تھے ہر قدوم کا ذکر سُن کے کھڑے ہو جایا کرتے۔

جواب : اِن قدوموں میں اور قدوم وجودی یعنی ولادت شریف میں بڑا فرق ہے یہ سب قدوم جزئی ہیں مثلاً گھر سے جب مسجد یا مجلس میں تشریف لائے تو وہ دولت مخصوص اسی جماعت کے واسطے ہوئی دوسرے لوگوں کا اس میں کیا حصہ ہے کہ جن میں آپ رونق افروز نہ ہوئے برخلاف قدوم وجودی کے کہ وہ قدوم کلی ہے یعنی آپ کا عالم وجود میں آنا رحمت ہے تمام عالم پر، جو کوئی اس وقت دنیا میں موجود ہے یا نہیں اور جو کوئی قیامت تک پیدا ہوتا چلا جائے گا اور جو چیز زمین سے عرش تک ہے کل کے لیے آپ کا پیدا ہونا رحمت ہے وما ارسلناک

الا رحمة للعالمین پس اس قدوم اور قدومات مذکورہ میں بڑا فرق ہے اس لئے قیام کرنا اس اعلیٰ درجے کے قدوم میں اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم میں رائج ہوا جب اس قدوم کلی کا ذکر آتا ہے اسی وقت قیام کرتے ہیں بخلاف اور قدومات کے کہ وہ جزئیہ ہیں۔

جب حقیقت موجود نہ ہو تو حقیقت والا معاملہ نہ کیا جائے، پھر اسکا جواب

پانچواں اعتراض اگر یہ قیام واسطے ذکر ولادت شریف کے خاص ہُوا کہ اس میں معنی قدوم وجودی کے ہیں تو بہت وقتوں میں یہ ذکر احادیث وغیرہ میں ہوتا ہے مثلاً قرآن شریف میں ہے لقد جاءکم رسول اور حدیث میں ہے ولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مختونا۔ اس وقت کیوں نہیں کھڑے ہوتے۔ علاوہ بریں بہت مرتبہ آپ کی ولادت کا مضمون کسی شعر یا فقرہ نثر میں چلتے پھرتے زبان پر آجاتا ہے وہاں بھی کوئی نہیں کھڑا ہوتا۔

جواب: بنی آدم پر غفلت طاری ہے اللہ تعالیٰ کے نام پر کسی خاص موقع میں جب دل راغب الی اللہ ہوتا ہے وہاں تو شوق و ذوق سے کہتے ہیں جل جلالہٗ جل شانہٗ عم نوالہٗ، باقی اکثر اوقات میں دل غافل ہوتا ہے اور بے خبر ہوتا ہے سیکڑوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے جل جلالہٗ وغیرہ الفاظِ تعظیم کچھ بھی زبان پر نہیں لاتے۔ بس اسی طرح حالِ قیام ہے کہ بعض حالات میں نامِ رسول آتا ہے دل کو اس تعظیم خاص یعنی قیام سے ذہول اور غفلت ہوتی ہے برخلاف مجلس کے، نہ یہاں ہر قسم کے سامانِ آداب و تعظیم موجود ہیں خواہی نخواہی ہر سامع کی بھی آنکھیں کھل جاتی ہیں تعظیم بجالاتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم قیام کو فرض یا واجب کہتے تب یہ اعتراض پڑتا کہ کسی موقع میں بھی ترک جائز نہ ہو جب فرض نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن کہتے ہیں تو موقع محل میں کہ وہاں امورِ استحسان و آداب موجود و مہیا ہیں قیام بھی کرتے ہیں تاکہ لوازم اکرام بتمامہٖ مکمل ہو جائیں اور جہاں جمیع لوازم مروجہ منتفی ہیں وہاں یہ بھی نہ ہُوا تو کیا حرج ہے صرف درود شریف پڑھ دیا جاتا ہے یہ بھی فائدہ تعظیم کا دے جاتا ہے اور یہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ تعظیمِ مفروضہ کسی فرد میں بھی ادا ہو جاتی ہے اور تعظیم فرحتِ میلاد کو سامانِ کثیرہ اور افراد متعددہ کے ساتھ ادا کرنا درجۂ استحباب میں ہے باقی رہی یہ بات کہ تلاوتِ قرآن شریف و قرائتِ حدیث میں جو یہ ذکر آئے وہاں کیوں نہیں کھڑے ہوتے ؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ہر عمل کے خصائص ہوتے ہیں کہ وہ سب جگہ نہیں کئے جاتے ۔ اِس وقت ایک مثال لکھی جاتی ہے اور مثالیں اس کی بہت ہیں ۔ شاہ ولی اللہ صاحب قولِ جمیل میں لکھتے ہیں :

جب کوئی کسی زبردست سے ڈرتا ہو جس وقت اُس کے سامنے جائے پڑھے کھٰیٰعٰصٓ کُفِیتُ ، اور ہر حرف پر انگلی داہنے ہاتھ کی بند کرتا جائے ۔ پھر پڑھے حٰمٓعٓسٓقٓ حُمِیتُ ، اور ہر حرف پر انگلی بائیں ہاتھ کی بند کرتا جائے ۔ پھر اُس حاکم کے سامنے دونوں مُٹھیاں کھول دے انتہٰی

اب سمجھنا چاہیئے کہ مٹھی کا بند کرنا اور کھولنا خاصہ اس عمل کا ہے ، تو اگر اب کوئی کہنے لگے کہ یہ تو قرآن شریف کے حروف ہیں جب قرآن میں کوئی کھٰیٰعٰصٓ حٰمٓعٓسٓقٓ پڑھا کرے وہاں بھی انگلیاں بند کیا کرے اور کھولا کرے ۔ سب عاقل کہیں گے کہ اے بھائی ! وہ تو خاصہ اُس عمل کا ہے اُسی عمل کے ساتھ مخصوص رکھنا چاہیئے ، جب قرآن پڑھیں گے تب قرآن کے آدابِ تلاوت ملحوظ رکھنے چاہئیں ۔

بس اسی طرح جب قرأت یا حدیث بطور تعلم یا تعلیم یا موعظت جس طرح ہو وہاں
وہ آداب چاہئیں، اور جب اذان وغیرہ میں آپ کا نام آئے وہاں جو کچھ ماثورہ
ہے اس کو ادا کرے، اور جب یہ ذکر اِس جلسۂ فرحت و سرور شکر میں آئے
وہاں یہ حرکت سروری تعظیمی کہ عبارت قیام سے ہے کی جاتی ہے اور مولود شریف
باوجود شامل ہوتے مثوبات اُخروی کے ایک عمل بھی ہے واسطے خیر و برکت کے،
چنانچہ ابوسعید بورانی و ابن جزری و سخاوی و علی قاری وغیرہم نے اِس عمل کے
کرنے سے برکاتِ کثیرہ کا حاصل ہونا منافع دینی و دنیوی میں لکھا ہے اور اِس
عمل کو بہت اہلِ اسلام بلادِ اسلامیہ میں کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کسی سے
مخفی نہیں کہ مشایخِ عظام اور علماءِ کرام نے اِس عمل میں خاصتہً نزدیک ذکر
ولادت شریف کے قیام کیا ہے پس خاصتہً ٹھہر گیا یہ قیام اس عمل کا خاص اِسی
موقع میں بناءً علیہ جاری نہ کیا جائے گا یہ قیام جمیع مواقع خارجی مثل تلاوتِ قرآن
اور احادیث اور اذان وغیرہ میں جس طرح انگلیوں کا کھولنا بند کرنا کھٰیعٓص میں اس
وقت ہوگا کہ جب بہ طور عمل ہوگا قرآن شریف کے پڑھتے وقت نہ ہوگا اور اعمال کی
خصوصیات کو تعینات و تخصیصات مکروہہ فقہاء سے کچھ علاقہ نہیں مولوی اسمٰعیل
صاحب کی صراطِ مستقیم دیکھو کیا کچھ تعینات اذکار مثل یک ضربی دو ضربی سہ ضربی و
حبس نفس و خیالات وغیرہ اس میں درج ہیں علاوہ بریں ہم کہتے ہیں استحسان کرنا
علماءِ دین کا بھی ایک حجت اور دلیل ہے دلائل شرعیہ سے۔ اور علماءِ عرب و عجم
نے صدہا سال سے اِس موقع خاص میں مستحسن فرمایا ہے بناءً علیہ دوسرے موقع
میں قیام معمولی عام نہ کیا جائیگا جب تک ان مواقع پر علماءِ اُمت استحسان کا
فتویٰ نہ لگائیں امر استحسانی کو خاص موقع استحسان میں معمولی کرنا ثابت ہے نہ
علی العموم۔ دیکھو بیت اللہ سے رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں پھرتے ہیں اور

دلیل علامہ زیلعی نے یہ لکھی مقتضائے ادب یہ ہے کہ دربار شاہی سے اس طرح اُلٹے پاؤں بغیر پشت پھیرے واپس آتے ہیں یہ مسئلہ مباحث بدعت حسنہ میں (ص ۸۹ پر) ہم شرعًا فقہ سے لکھ چکے۔ الحاصل حاجی لوگ جب اپنے دیس آنے کا ارادہ کرتے ہیں اس وقت اُلٹے پاؤں وہاں سے پھرتے ہیں اور پانچوں وقت نماز پڑھ کر بیت اللہ سے نکلتے ہیں اس وقت اُلٹے پاؤں نہیں پھرتے حالانکہ وہ علت کہ دربارِ شاہی سے یوں ہی پھرا کرتے ہیں پانچوں وقت موجود ہے پس وجہ اس کی یہ کہ علماء نے اسی وقت خاص اُلٹے پاؤں پھرنے کو مستحسن کہا ہے جمیع اوقات کی بابت نہیں لکھا پھر اسی طرح اِس قیام کو سمجھو کہ علماء کا استحسان اُسی موقع میں ہوا ہے۔

قیام وقتِ وقوعِ ولادت شریف ہونا چاہیئے، اس کا جواب

چھٹا اعتراض قیام وقت وقوعِ ولادت شریف ہونا چاہیئے اب ہر روز کون سی ولادت مکرر ہوتی ہے اور اس امر کی شرع میں کہیں نظیر نہیں کہ کوئی امر فرضی ٹھہرا کر حقیقت کا معاملہ اس کے ساتھ کیا جائے بلکہ شریعت میں یہ حرام ہے لہٰذا یہ قیام حرام ہے۔

جواب: ذکرِ ولادت شریف تو کوئی امر فرضی نہیں یہ تذکرہ تو امر حسی موجود فی الخارج ہے زبانوں پر اُس کے الفاظ جاری کانوں میں اُس کی صورت طاری دلوں میں اس کا ذوق ساری۔ پس ایسی حالت میں شوق محبت سے تعظیمًا کھڑے ہو جائیں تو یہ محبوب ہے شرعًا، کیونکہ تعمیل آیہ من یعظم شعائر اللہ میں داخل ہے۔ اور یہ بات کہ بعد گزر جانے واقعہ کے معاملہ اصل واقعہ کی طرح کرنا شرع میں نہیں آیا۔ یہ غلط ہے، دیکھو صومِ عاشوراء کو، کہاں فرعون کا ڈوبنا اور موسیٰ

علیہ السلام کا نجات پانا اور اس شکریہ میں موسیٰ علیہ السلام کا روزہ رکھنا اور کہاں یہ ہمارا زمانہ کہ اب تک وہ فوروز چلا آتا ہے حالانکہ حقیقت وقوع واقعہ غرق فرعون ونجاتِ موسیٰ تو اسی دور میں ہوئی تھی اب وہ اصل حقیقت موجود نہیں لیکن معاملہ صوم کا وہی کرتے ہیں جو اصل واقعہ کے وقت کیا تھا۔

رمل حج و تصور شیخ سے

اور دوسری نظیر اور بھی ہے جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ تشریف لائے تو مدینہ میں بخار کی بیماری تھی مشرکوں نے کہا کہ ان لوگوں کو مدینہ کے بخار نے سُست و زار و نزار کر دیا ان سے طواف بھی نہ ہو سکے گا، یہ کہا اور مقامِ حجر کی طرف کو مشرک لوگ ان کا تماشا دیکھنے لگے۔ تب حضرت نے صحابہ کو فرمایا کہ ان مشرکوں کے سامنے طواف کے وقت رمل کرو۔ انہوں نے رمل کیا یعنی جس طرح پہلوان لوگ وقت لڑائی کے کودتے ہوئے اور مونڈھوں کو ہلاتے ہوئے بہادرانہ چال چلتے ہیں اسی طرح صحابہ ان مشرکوں کے سامنے چلتے تھے اور کفار یوں بول اٹھے یہ تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہیں۔ یہ روایتیں صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

خلاصہ یہ کہ رمل اس وقت تو واسطے دکھانے کفار کے کیا گیا تھا لیکن پھر بعد اس زمانہ کے جو حجۃ الوداع واقع ہوا اس وقت بھی وہی وقت رفتار رمل کے طور پر وقوع میں آئی حالانکہ اس وقت کوئی مشرک وہاں نہ تھا قطعاً، اور قائم رکھا اس وقت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس رفتار تبختر کو اور پھر قائم رکھا بعد آپ کے خلفائے راشدین نے پھر تابعین نے یہاں تک کہ اب تک کیا جاتا ہے۔ اب دیکھئے یہ معاملہ حقیقت کا سابعد منقضی ہو جانے اصل حقیقت کے کیا جاتا ہے الیٰ یومنا ہٰذا اور جاری رہے گا الیٰ یوم القیٰمۃ۔ حالانکہ اب اصلی

علت موجود نہیں یعنی اب حرم شریف میں ایک بھی کافر نہیں جس کو اپنی جوانمردی اور بہادری کی چال دکھائے۔ چنانچہ صاحبِ ہدایہ اِس معنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں ثم بقی[1] الحکم بعد زوال السبب فی زمن النبی علیہ السلام وبعدہٗ۔

اور شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے: معلوم شد کہ بعد از زوال علت نیز ایں حکم باقی ست۔

تو حضرت سلامت حقیقت کا سا معاملہ بعد انقضائے حقیقت بھی کرنے کی نظیریں بھی شرع میں موجود ہیں اور جس چیز کی نظیر پائی جائے وہ موافق قاعدے مولوی اسمٰعیل صاحب کے بدعت نہیں ہوتی۔ الحاصل جب آپ قائل ہو چکے کہ اصلی حقیقت یعنی وقوع ولادت شریف میں قیام ہونا چاہیے اور ہم کہتے ہیں کہ واقعی آپ اِس امر میں حق پر ہیں۔ چنانچہ بعض روایاتِ موالید میں آیا ہے کہ اس وقت ملائکہ اور حوریں کھڑی ہوئی تھیں آدمی کا تو وہاں گزر نہ تھا جس کا گزر تھا وہ حالتِ قیام میں تھا تو اب بھی جب ذکر آئے تو وہی قیامِ امت جاری ہے تعظیماً تو ہرگز مخالف اصل شرعی کے نہیں ہو سکتا دو اصلیں اِس تحقیق میں ابھی منقول ہو چکیں اور تماشا یہ کہ جناب معترض صاحب صُوفی بھی ہیں اور آپ کے یہاں تصورِ شیخ کا قاعدہ بھی چلا آتا ہے آپ کے بزرگوار فرماتے ہیں:

والرکن[2] الاعظم ربط القلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم وملاحظۃ صورتہ انتہٰی۔

---

[1] پھر باقی رہ گیا حکم بعد زوال سبب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی ۱۲

[2] بڑا رکن سلوک میں لگا رکھنا دل کا ہے شیخ کے ساتھ محبت اور تعظیم کی راہ سے اور تصور رکھنا اس کی صورت کا ۱۲

اور دوسری جگہ اسی رسالہ میں فرماتے ہیں :

فاحضر فی خیالك صورة شیخك فانه یرجی ببرکته تبدل التفرقة بالجمعیة ۔

یعنی سامنے رکھ خیال میں صورت اپنے پیر کی بیشک اس کی برکت سے تفرقہ بدل جائیگا جمعیت سے ۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب کے خلیفہ محمد عاشق پھلتی جن سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے بعد وفات اپنے والد کے تکمیلِ سلوک کی ہے ، اپنی سبیل الرشاد میں مرشد کلم تعلیم کیا ہوا یعنی شاہ ولی اللہ کا طریقہ لکھتے ہیں :

اگر وقت دوری شیخ کسی استفاضہ خواہد طریقش آنست کہ فارغ دل وضو ساختہ نماز گزارد وہمانجا نشستہ صورت شیخ کہ از وے فیض می جوید بجمع ہمت ودفع خطرات ملاحظہ نماید الی آخرہ

اور امام ربانی جلد ثانی مکتوبات کے مکتوب ۷ امیں کثرت تصورِ شیخ کے لیے لکھتے ہیں :

ایں قسم دولت سعادتمنداں را میسر است تا در جمیع احوال صاحب رابطہ را متوسط خود داند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشد ۔

اور مولانا مرحوم شیخ محمد محدث تھانوی جن سے مولوی رشید احمد صاحب نے کبھی کچھ حدیث پڑھی ہے انوارِ محمدی میں لکھتے ہیں :

باید کہ مرشد وے را (یعنی مرید را) بوقت پراگندگی خاطر وعدم جمعیت برائے ملاحظہ صورت خود بایں معنی امر فرمایا کہ صورت مراد اوضاع مراد اطوار مراد اخلاق مراد مثل ریش وخال وخد ولباس وغیرہ آنچناں بصورت خیالہ خود منقوش خاطر کن کہ در آن محو گردد سے الخ

خلاصہ یہ کہ جیسے مرید طالب اپنے پیر کے سامنے مؤدب بیٹھتے ہیں ویسے ہی حالتِ دُوری میں یہ تصورِ شیخ کر کے مؤدب بیٹھتے ہیں اور تعظیم مدنظر رکھتے ہیں اس سے دو فائدے پیدا ہُوئے، ایک یہ کہ جب تصورِ شیخ سے مرید کو فلاح و خیر ہُوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو ہادی سبل اور مرشدِ کل ہیں ان کا تصور غلبہ محبت کے ساتھ کیونکر نفع نہ دے گا۔ دوسرا فائدہ یہ کہ جب تعظیم مرشد تصور میں بھی ہے تو یہ حقیقت کا معاملہ عدم موجودگی حقیقت میں کیا جاتا ہے۔ پس قائم ہُوئی معترض صاحب پر یہ حجت ہماری از روئے طریقت۔ اور قایم ہوئیں دو حجتیں صومِ عاشوراء اور رَمل کے ساتھ چلنا حالتِ طواف میں از روئے شریعت والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

شامی نے خود قیام کو بدعت لا اصل لکھا، پھر اس کا جواب

ساتواں اعتراض [1] کہتے ہیں کہ شامی جو مجوزین عمل مولد شریعت میں شمار کیا جاتا ہے وُہ خود قیام کو بدعت لا اصل لکھتا ہے تو یہ قیام بدعتِ سیئہ ضلالت ہُوا اور عبارت اُس کی سیرت شامی میں یہ ہے:

جرت [2] عادة کثیر من المحبین اذا سمعوا ذکر وضعه صلی اللہ علیه وسلم ان یقوموا تعظیما له صلی اللہ علیه وسلم وهذا القیام بدعة لا اصل لها۔

---

[1] یہ اعتراض مولوی عبدالواحد وغیرہ منکرین نے کیا ہے ۱۲

[2] جاری ہے عادت بہت لوگوں کی جو محبت رکھنے والے ہیں رسول اللہ صلی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

جواب اس کا یہ ہے کہ اس عبارت سے یہ جو لوگ ضلالت اور سیئہ ہونا قیام کا نکالتے ہیں کمال بو العجبی ہے اس لیے کہ بدعت ہونا تو اس کا مسلّم کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اس کا رواج نہ تھا لیکن اس وقت رائج نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضلالت ہو تقسیم بدعت طرف حسنہ اور سیئہ کے مجتہدین اور محدثین کے قول سے ثابت چنانچہ نورِ اوّل کے لمعہ خامسہ میں ہم نقل کر چکے اور سیرۃ حلبی میں ہے :

وقد قال ابن حجر الهيتمي الحاصل ان البدعة الحسنة متفق على ندبها على المولد واجتماع الناس له كذلك اى بدعة حسنة انتهى۔

اور یہ ابن حجر قائل جوازِ اس قیام مروجہ کے ہیں چنانچہ ان کے مولد کبیر کی عبارت جوازِ قیام میں عثمان بن حسن دمیاطی شافعی نے نقل فرمائی ہے پس جبکہ یہ عمل مولد بہیئت مروجہ مع القیام بدعت حسنہ ٹھہرایا بالاتفاق اس لیے کہ اشارہ لفظ کذلک کا طرف متفق علیٰ ندبہا کے بھی ہے جس طرح بدعت حسنہ کی طرف ہے کما لا یخفیٰ تو استدلال مانعین بدعت سیئہ ہونے قیام پر جو سیرت شامی سے کرتے ہیں اس تقریر سے ساقط ہو گیا اور اگر لفظ لا اصل لها سے مانعین کو کچھ دھوکا ہے کہ اس نے لا اصل لها جو لکھا ہے اس سے سیئہ ہونا ثابت ہے، تو جواب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اللہ علیہ وسلم سے کہ جب سنتے ہیں ذکر ولادت شریف کا کھڑے ہو جاتے ہیں بہت تعظیم سے، اور یہ قیام بدعت ہے اس کا اصل وجود پایا نہیں گیا اُس عبارت میں جو لفظ کثیر تھا اس کا بیان کر دیا لفظ من سے کہ وہ کثیر کون ہیں اہل محبت ہیں۔

اس کا یہ ہے کہ یہ بات ضروری نہیں جہاں لفظ لا اصل لہا آیا کرے وہاں بدعت سیئۃ مکروہہ یا محرمہ مراد ہوا کرے۔ اس بات پر دو عبارتیں دلیل گزارتا ہوں:

(۱) مجمع البحار کے خاتمہ جلد ثالث صفحہ ۵۱۲ مطبوعہ نولکشوری میں ہے کہ صاحب مجمع نے اپنے شیخ سے مسئلہ پوچھا تھا کہ پھول یا خوشبو سونگھنے کے وقت درود پڑھنا کیسا ہے؟

تو جواب اس کا یہ لکھا ہے: اما الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلک و نحوہ فلا اصل لہا و مع ذلک کراھۃ فی ذلک عندنا الخ یعنی درود پاک پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس وقت میں اور اس کی مثل میں کچھ اصل اس کی نہیں اور باوجود اس کے کراہت بھی اس میں نہیں ہمارے نزدیک۔

اس عبارت سے واضح ہو گیا کہ لا اصل لہا ہونے کو یہ ضروری نہیں کہ وہ ناجائز ہوا کرے۔

(۲) مولوی محمد اسحاق صاحب مسائل اربعین کے مسئلہ چہاردہم میں کہ نوشہ (دولہا) کو بطریق سلامی کچھ دینا اور دلہن کو منہ دکھائی میں کچھ دینا کیسا ہے؟

تحریر فرماتے ہیں جواب: در شریعتِ محمدیؐ اصل این چیز ہا یافتہ نمیشود مگر ظاہر حال این چیز ہا کہ دادن سلامی و رونمائی است مباح باشد الیٰ آخرہٖ۔ یعنی شریعت محمدی میں ایسی چیزوں کی کوئی اصل نہیں ملی مگر ایسی چیزوں کا ظاہر بتاتا ہے کہ سلامی دینا اور منہ دکھائی دینا مباح ہے الخ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی چیز بدعت ہونے اور عہدِ رسالت

میں اصل وجود نہ پائے جانے سے حُرمت وکراہت لازم نہیں آتی پس سیرۃ شامی میں بدعت لااصل لہا کہنے سے قیام کا ضلالت اور سیئہ ہونا ثابت نہ ہوا اور جبکہ ٹوٹ گئی دلیلِ مانعین، تو اب پیش کریں ہم وہ قرائن و دلائل کلام سیرۃ شامی جو قیام کے بدعت حسنہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اُس نے یہ لفظ لکھے ہیں جرت عادۃ کثیر من المحبین۔

اوّل تو لفظ اجرائے عادۃ ایک قسم کے مستند ہونے پر دلیل ہے جیساکہ صاحبِ ہدایہ نے باب الاحرام میں لکھا ہے، وبذلک[1] جرت العادۃ الفاشیۃ وھی من احدی الحجج۔ تو عادۃ فاشیہ یعنی ظاہرہ اگر عہدِ صحابہ سے ہو تو کمال درجہ کی قوی حجت ہے اور اگر ما بعد کی عادت ہے تو بھی ایک طرح کی سند ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:
ما[2] راٰہ المؤمنون حسناً فہو عند اللہ حسنٌ۔ اور مسلمون سے صحابہ مراد رکھنا غیر مسموع ہے اس لیے کہ نصوص میں اطلاقِ لفظ لیا جاتا ہے العبرۃ لعموم الالفاظ اور حدیث میں لفظ مسلمون ہے اور مطلق لفظ میں فردِ کامل مراد ہوتا ہے، پس جس دَور کے مسلمان کامل یعنی علماء کسی بات کو اچھا فرمائیں گے وُہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہوگی۔ چند نظیریں لکھتا ہوں:

مجمع البحار جلد سوم ص ۷۰ میں ہے: اٰن محبۃ قلوب العبادۃ علامۃ محبۃ اللہ وما راٰہ المسلمون حسناً فہو عند اللہ حسن، یعنی جن کو بندگانِ خدا

---

[1] اور ساتھ اس کے جاری ہوئی عادت ظاہرہ وہ ایک دلیل ہے دلیلوں شرعیہ سے ۱۲

[2] جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھی ہے ۱۲

محبوب رکھیں اور قبول کریں یہ علامت ہے کہ وہ محبوب خدا ہے جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عنداللہ اچھا ہے۔

اور فقیہ شامی نے لکھا ہے کہ اذان وتکبیر کے درمیان لوگوں کو مطلع کرنا تیاریٔ نماز کے لیے کسی عمل متعارف کے ساتھ مستحسن ہے۔ دلیل اس کی ماراٰہ المؤمنون حسنًا فھو عند اللہ حسنٌ۔

اور چند مؤذن جمع ہو اذان کہنے کی بھی یہی سند گزاری ماراٰہ المسلمون حسنا الخ

اور درمختار میں ہے: لانّ[1] التعامل یترك به القیاس لحدیث ماراٰہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن۔

اس کے ذیل میں فقیہ شامی نے لکھا ہے: وظاھر مامر فی مسئلة البقرة اعتبار العرف الحادث فلا یلزم کونه من عهد الصحابة، یعنی تعامل میں کچھ صحابہ کی قید نہیں عرف حادث بھی مثل نص کام دیتا ہے اور دلیل اس کی ماراٰہ المسلمون الیٰ آخرہ پس منحصر صحابہ پر رکھنا حکم ماراٰہ المسلمون حسنا کا مخالف ہے فتاویٰ وشروع ومتون وتصانیف اکابر مفتیانِ دین کے جو انہوں نے اس روایت سے سند پکڑی ہے استحسان امور مروجہ مابعد صحابہ پر جن کو علمائے دین نے مستحسن رکھا ہے اور نیز مفتیانِ دین جابجا الفاظ فتوے میں لکھتے ہیں: علیه العمل و علیه المعلمون و به جری التعامل وھو المتوارث (اس پر عمل ہے اور اس پر عامل ہیں

---

[1] جس بات پر مسلمانوں کا برتاؤ ہوا اُس کے مقابل میں قیاس ترک کیا جاتا ہے کیونکہ جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ عنداللہ بھی اچھا ہے ۱۲

مسلمان اور اس پر جاری ہے برتاؤ اور وہی ہوتا چلا آتا ہے) غرضکہ جب مفتی لوگ کسی فتوے پر یہ لفظ لکھ دیتے ہیں وہ معتبر ہو جاتا ہے، پس عمل اور عادت مسلمانوں کی ایک دلیل شرعی ٹھہری نص کے برابر کام دیتی ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ قیام کی تحقیق میں جلد دوم احیاء العلوم میں لکھتے ہیں : ولکن یثبت فیہ نہی عام فلانزی بباس فی البلاد التی جرت العادۃ فیہ باکرام الداخل بالقیام (لیکن چونکہ نہیں ثابت ہوئی قیام میں کوئی نہی عام پس نہیں جانتے ہم اس میں کچھ مضائقہ اِن شہروں میں کہ جاری ہو گئی ہے یہاں عادت قیام کی واسطے تعظیم آنے والے)

دوسرا قرینہ کہ یہ شامی نے عادۃ لکھی تو کثیر کی عادت لکھی اور گروہِ کثیر اہلِ اسلام کا ایک عمل پر قائم ہو جانا یہ بھی ایک سند ہے۔ شامی شارح درمختار نے لکھا ہے، والاعتماد علیٰ ما علیہ الجم الکثیر (بھروسا اور اعتماد اس پر ہوتا ہے جس پر جماعتِ کثیر ہوتی ہے)

اور حدیث شریف میں ہے کہ اتبعوا السواد الاعظم (بڑی جماعت کی پیروی کرو) پس عمل سوادِ اعظم کا ہونا یہ بھی دلیل استحباب کی ہے۔

تیسرا قرینہ یہ کہ وہ کثیر جن کا عمل ہے وہ کون ہیں محبین۔ اور یہ بات ظاہر ہے احادیثِ صحیحہ سے کہ اہلِ ایمان میں بڑے کامل وہی ہیں جن کو محبت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے :

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین۔

(ایمان کامل نہ ہوگا تم میں کسی کا جب تک میں اُس کو پیارا نہ ہو جاؤں اس کے بیٹے سے اور باپ سے اور سب آدمیوں سے)

جبکہ ایمان کامل انھیں کا ہوا جو اہلِ محبت ہیں اور اہلِ محبت کا عمل اس قیام پر ہوا تو بڑی نادانی کی بات ہے جو فعل ایسے مومنین کاملین کے گروہِ کثیر کا ضلالۃ یا سیئہ قرار دیں۔

چوتھا قرینہ یہ کہ شامی نے وجہ اُن کے قیام کی کہہ دی کہ کوئی غرض نفسانی یا ہوائے شیطانی کے لیے قیام نہیں کرتے بلکہ خاص واسطے تعظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے اور یہ بات سب اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم شرع میں مطلوب ہے یا نہیں اور یہ کہ بہ نیت ادب کھڑا ہونا مفید تعظیم ہے یا نہیں، پھر جبکہ قیام ان کا مبنی ہو التعظیم پر بالضرور مستحب اور مستحسن ٹھہرایا۔

لہ سیرت شامی میں جو یہ وجہ قیام کی بیان کر دی کہ تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں اس سے ایک اصل شرعی پیدا کر دی یعنی یہ بات شرع میں خود ہدایت ہے کہ جو کوئی تعظیم شعائر کی کرے یہ تقوائے قلب پر دلیل ہے اور حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعظم شعائر اللہ سے ہیں ———— اور یہ بھی شرع میں ثابت ہے کہ قیام مفید تعظیم ہے چنانچہ اس رسالہ میں چند مواقع پر قیامِ تعظیمی ثابت کیا ہے شرعاً، پس اصلِ شرعی تو پیدا ہو گئی کہ اُس قیام میں تعظیمِ رسول ہے اور تعظیم رسول امرِ محمودہ ہے لیکن چونکہ عہدِ صحابہ میں یہ خاص فرد تعظیم بہیئت کذائی پائی نہیں گئی، اس معنی میں شامی نے لکھا لا اصل لہا، اور یہ مراد شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ہرگز نہیں کہ اس قیام کے جواز و اباحت یا استحسان پر کوئی دلیل اور کوئی اصل نہیں اس لیے کہ اس کا یہ لکھ دینا ان یقوموا تعظیما لہ خود تصریح ہے قیام کی دلیل اور اصل بیان کرنے پر ۱۲

پانچواں قرینہ یہ کہ اگر محدث شامی کو منع کرنا قیام کا منظور ہوتا تو وہ اِس قسم کے الفاظ لکھتے جو منکرینِ قیام نے لکھے ہیں، جیساکہ جونپوری صاحب فرماتے ہیں:

ما یفعله العوام عند ذکر وضع خیر الانام علیه التحیة و السلام لیس بشئ بل مکروہ۔

اور دوسرے گجراتی صاحب لکھتے ہیں: قد احدث بعض جهال المشائخ امورا کثیرۃ لا تجد لها اصلا و لا اسما فی کتاب و لا سنة منها القیام عند ذکر ولادۃ صلی اللہ علیه وسلم۔

پس یہ مانعین جن کو اِس فعل پر انکار ہے وُہ تو قیام کرنیوالوں کو محبینِ رسول نہیں کہتے بلکہ شدتِ غیظ و غضب سے ان کو عوام اور جُہّال وغیرہ الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ الحاصل یہ قرائن خاص خاص اسی ایک فقرہ کے قطع نظر قرائن عبارت ماقبل و مابعد الشامی اور قطع نظر انتظام سیاق و سباق اس کے سے دلالت صریح کرتے ہیں کہ مراد محدث شامی کی یہ ہے کہ اصل قیام کی صدر اوّل سے تو نہیں پائی گئی لیکن جماعت کثیر اہلِ اسلام کی جو کہ محبین ہیں وہ تعظیماً قیام کرتے ہیں پس یہ الفاظ فی الحقیقت ترغیب دیتے ہیں اہلِ ایمان کو کہ جس کے دل میں محبت ہو اور تعظیمِ رسول مدِّ نظر ہو تو وہ قیام کرے مطلب سمجھنے کے لیے ایک تو مادۂ علمی درکار ہے دوسری ہدایت من عند اللہ کہ قلبِ مومن میں القا ہوتی ہے، جہاں دونوں مفقود ہوں وہاں کیا کیجیے و من لم یجعل اللہ له نورا فماله من نور۔

اب دیکھیے اسی عبارت شامی کے الفاظ لا اصل له کو محدثین بیدار دل کس طرح شرح کرتے، علامہ نور الدین حلبی نے یہ عبارت شامی کی لکھ کر آگے اُس

کے لکھا ہے: ای نکن ھی بدعة حسنة لانہ لیس کل بدعة مذمومة چنانچہ یہ عبارت سیرت حلبی مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۱۴ میں موجود ہے اور علامہ حلبی نے اپنی اصطلاح دیباچہ میں لکھی ہے کہ جس جگہ سیرت الشمس کی عبارت لیتا ہوں شروع میں لفظ ای لاتا ہوں پس اس مقام میں لفظ ای کا آنا دلیل ہوا کہ صاحب سیرت الشمس بھی اِس قیام کو بدعتِ حسنہ فرماتے تو دونوں محدثین یعنی حلبی وصاحب سیرت الشمس کا اتفاق ثابت ہُوا اِس بات پر سیرت شامی کے کلام سے جو قیام بدعت معلوم ہوتا ہے وہ سیئہ نہیں بلکہ حسنہ ہے۔ پھر حلبی نے لکھا کہ بدعتِ حسنہ بالاتفاق جائز۔ پس تقریر حلبی وغیرہ سے معلوم ہوا کہ یہ قیام جائز ہے۔ چنانچہ مؤلفِ براہین قاطعہ (مولوی خلیل احمد) نے بھی اِس کو صفحہ ۲۴۲ میں مان لیا مگر یہ مغالطہ دیا کہ "وہ ذکر مطلق کے فرد کی وجہ سے قیام کرتے تھے اور تقیید مطلق کا درجہ اس قیام میں نہیں تھا اور نہ عوام کا اندیشہ تھا لہذا جائز جانتے تھے اب وہ امر نہیں رہا مکروہ ہوگیا انتہیٰ"۔ میں کہتا ہُوں کہ یہ لکھنا مؤلف کا تقیید مطلق کا درجہ اُس قیام میں نہ تھا یہ غلط ہے اس لیے کہ خود سیرت حلبی میں یہ لفظ موجود ہے: اذا سمعوا بذکر وضعہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جب ذکر سُنتے ہیں ولادت شریف کا اس وقت کھڑے ہو جاتے ہیں، پس قیام اُن کا مقید اِس قیام کے ساتھ تھا دُوسری بات یہ کہ اندیشۂ عوام نہ تھا، یہ بھی صحیح نہیں اس لیے کہ عہدِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کسی وقت میں عام لوگ صفحۂ روزگار سے غائب نہیں ہوئے اور عوام کی طرف سے کبھی مطمئن اور بے اندیشہ نہیں ہوئے ناظرین احادیث و آثار وفتوے سے یہ بات مخفی نہیں بناء علیہ یہ بات بہت لچر کہی ہے کہ حلبی کے وقت میں اندیشہ عوام نہ تھا کیوں صاحب کیوں اندیشہ نہ تھا خود تمہارے جونپوری کی عبارت

اس قیام کے بابت عنقریب گزرچکی ما یفعلہ العوام الخ اور دوسرے حضرت گجراتی کی عبارت بھی اوپر گزرچکی قد احدث بعض جہال المشائخ الخ دیکھئے آپ کے پیشواؤں نے عوام کو اور مشایخ جہال کو قیام کرتے دیکھا لیکن یہ اُن سے غلطی ہوئی کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ عوام اور جہال ہی نے یہ قیام ایجاد کیا ہے یہ اُن کو خبر نہ ملی کہ یہ بڑے بڑے علمائے محبین رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عمل کیا ہے جیسا کہ علامہ شیخ عبداللہ سراج رحمۃ اللہ علیہ مفتیِ عرب نے لکھا ہے اما القیام اذا جاء ذکر ولادتہ عند قراءۃ المولد الشریف توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام (لیکن کھڑا ہونا وقت ذکر ولادت شریف کے مولد میں، اس کو جائز رکھتے چلے آئے ہیں بڑے بڑے علماء اور امام، اور قائم رکھا اس کو بادشاہان حکام نے انتہیٰ) پس مفتی بلیغ نے کیا عمدہ عبارت لکھی ہے اس واسطے کہ اولی الامر منکم کی تفسیر بعضے تو سلاطین کے ساتھ کرتے ہیں اور بعضے علمائے دین کے ساتھ، پس جبکہ ثابت کیا اس مفتی نے کہ بڑے بڑے علماء اور امام اس کو طبقہ بعد طبقہ جائز رکھتے آئے اور سب بادشاہانِ اسلام نے اس قیام کو مقرر اور قائم رکھا تو حکمِ قیام دونوں فریق سے ثابت ہوا اور اطاعت ان دو فریق کی ہم کو بحکم قرآن شریف چاہیئے، اس قیام سے انکار کرنا ہرگز نہ چاہیئے۔

اور شیخ عبدالرحمان سراج مفتیِ مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً درباب محفل مولد شریف مع القیام تحریر فرماتے ہیں: وعلماء العرب والمصر والشام والروم واندلس کلھم راوہ حسنا من زمان سلف الی الآن الخ (اور علماء عرب اور مصر اور شام اور روم اور اندلس کے سب کے سب نے اس محفل مروجہ مع القیام کو اچھا جانا ہے زمانہ سلف سے اب تک)

الحاصل اس قیام کو یہ لکھنا مؤلفِ براہین کا کہ یہ علماء اس کو جائز جانتے تھے نہایت صحیح ہے پھر یہ شاخ لگائی کہ اس وقت اندیشہ عوام نہ تھا یا یہ کہ وہ قیام مقید نہ تھا بالکل غلط ہے۔

قیام اگر مستحب ہے تو کبھی ترک کیوں نہیں کرتے

آٹھواں اعتراض یہ لوگ اگر قیام کو مباح یا مستحسن جانتے ہیں تو واجب کی طرح دائمی کیوں کرتے ہیں حالانکہ امرِ مستحب بھی اصرار کرنے سے مکروہ ہو جاتا ہے۔

جواب: دوام امور مستحبہ کا مکروہ نہیں ہے علی العموم بلکہ بعض صور خاصہ ہیں بعض فقہاء تحریر فرماتے ہیں وہ ہمارے فحوائے کلام سے سمجھ لیجیو تحقیق اس مسئلہ قیام کی یہ ہے کہ ہم اس کو مستحسنات میں سمجھتے ہیں مذہب جمہور یہی ہے اور اسی پر عمل ہے تمام بلادِ اسلامیہ میں۔ اور منکرین میں ایک فرقہ ایسا ہے کہ اس قیام کو حرام کہتے ہیں اور بعضے اُن میں شرک قرار دیتے ہیں۔ پس اِس صورت مجوزین قیام بھی اگر ترک کرنے لگیں تو سب کے دلوں میں سما جائے یہ بات کہ یہ قیام بلا شک ممنوع ہے کہ انہوں نے ترک کر دیا تو اِس صورت میں بدل جائیگا حکم شرعی، اور ثابت کر چکے ہم دلائل شرعیہ سے اِس کتاب میں اباحت و استحسان قیام۔ پس جبکہ امر مباح و مستحسن کو لوگ شرک اور کفر یا حرام سمجھنے لگیں تو اس سے زیادہ تعدّی حدودِ الٰہیہ میں کیا ہو گی جس طرح مندوب کو واجب سمجھنے میں تغیر شرع ہے اسی طرح مباح کو حرام اور شرک قرار دینے میں تبدیل احکامِ الٰہیہ اور تغیر دین ہے بناءً علیہ مناسب سمجھا گیا کہ نہ ترک کیا کریں اِس قیام کو واسطے اس مصلحت کے، ہاں اگر یہ قیام ایسا ہوتا کہ کسی کو اِس کے استحباب میں کلام نہ ہوتا تو اس

صورت میں دوام و اہتمام اس کا بقول اُن بعض فقہاء کے نہ کیا جاتا کیونکہ ایسا امر جو سب کے نزدیک محمود بالاتفاق ہو اور کوئی اِس میں انکار نہ کرتا ہو بلکہ سب اس کو کمال اہتمام سے بجالاتے ہوں تو اس کی مداومت سے البتہ عوام کے دلوں میں شبہ وجوب یا فرضیت کا پڑ سکتا ہے وُہ خیال کر سکتے ہیں اِس امر کا کوئی منکر نہیں اور سب بالاتفاق کمال تاکید و اہتمام و التزام سے کر رہے ہیں یہ کام فرض یا واجب ہوگا۔ پس صاحبِ مجمع البحار کا کلام جس کو بعض فضلا سند میں لاتے ہیں درحقیقت وُہ ایسے ہی مندوب اور مستحب بالاتفاق کے حق میں ہے کہ المندوب ینقلب مکروھا اذا خیف ان یرفع عن رتبتہ برخلاف اس قیام کے کہ اس میں لوگوں کی کیا کیا گفتگوئیں ہیں بھلا جس چیز کے جواز و عدمِ جواز میں مباحثہ ہو رہا ہو اور مجوزینِ قیام جابجا فتوائے اقرار استحسانِ قیام کے باب میں چھاپ چھاپ کر مشتہر کر چکے ہوں کب عقلِ سلیم باور کرے گی اِس بات کو کہ اُس کی فرضیت یا وجوب شرعی کا شائبہ کسی دل میں پیدا ہوگا حاشا وکلاّ

بعض احکام بدل جاتے ہیں بہ تبدیلِ زمان — قلب الدلیل ہم کہتے ہیں

کہ جس طرح مندوب کا مکروہ ہو جانا صاحبِ مجمع البحار سے نقل فرمایا ہے یہ بھی تو مجمع البحار میں لکھا ہے کہ بعض احکام بدل جاتے ہیں بہ تبدیلِ زمان، اور مسجد کی زینت کو لکھا صاحبِ مجمع البحار نے کہ ممنوع ہے۔ لیکن جب لوگ اپنے مکانات عمدہ عمدہ بنانے لگے تو اب اگر مسجد کو زینت نہ دیجئے تو تحقیرِ مسجد کی لازم آئے گی،

قبورِ مشائخ و علماء پر قبّہ بنانا

اور جلد دوم مجمع البحار ذیل تحقیق معنی شرف میں قبر پر تعمیر کو لکھا کہ منع ہے پھر لکھا کہ علمائے سلف نے بباعث بعض مصلحت جائز رکھا وقد اباح السلف ان

یبنی علی قبور المشایخ والعلماء المشاهیر لیزارهم الناس و یستریحون بالجلوس فیہا (اگلے بزرگوں نے جائز رکھا ہے کہ بڑے مشائخ اور مشہور علماء کی قبر پر تعمیر بنائی جائے تاکہ لوگ آکر ان کی زیارت کریں تو آرام پائیں وہاں بیٹھ کر)

اور صاحب روح البیان (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ متوفی ۱۱۳۷ھ) نے شیخ عبد الغنی نابلسی کے رسالہ کشف النور سے نقل کیا ہے : ان البدعة الحسنة الموافقة لمقصود الشرع یسمی سنة فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا کان القصد بذلك التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر (یعنی بدعت حسنہ جو موافق ہو مقصود شرع کے اُس کو سنّت کہتے ہیں ، پس بنانا قبوں کا علماء اور اولیاء وصلحاء کی قبروں پر جائز ہے جب ارادہ تعظیم صاحبِ قبر کا ہو کہ عوام نظرِ حقارت سے اس کو نہ دیکھیں)

اور اسی طرح شیخ عبد الحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادۃ میں لکھا ہے ۔

اکثر چیزیں اس وقت اچھی گنی جاتی ہیں جو صحابہ کے نزدیک مکروہ تھیں

اور روح البیان جلد ثانی میں احیاء العلوم سے نقل کیا ہے کہ اکثر معروفات ھذہ الاعصار منکرات فی عصر الصحابة یعنی اکثر باتیں جو اس وقت عمدہ گنی جاتی ہیں وُہ صحابہ کے وقت میں بُری گنی جاتی تھیں ۔

اس کے بعد لکھا کہ اب مساجد میں فرش عمدہ بچھانا اچھا جانتے ہیں اور پہلے آدمی مسجد میں بوریوں کا بچھانا بھی پسند نہ کرتے تھے یُوں کہا کرتے تھے کہ ہمارے

اور زمین کے بیچ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ یہاں تک کہ فقہائے نے لکھا ہے کہ زمین پر بلا حائل نماز پڑھنا افضل ہے تمام ہوا کلام صاحبِ روح البیان کا۔

عوام کے سامنے وہ بات نہ کہے جو وہ نہیں سمجھتے، فاتحہ اموات و مولد کو بدعت نہ کہا جائے

اور خزانۃ الروایات میں ہے کہ رمضان میں جمع ہو کر دُعا مانگنا ختم قرآن کے وقت بدعت اور مکروہ ہے۔ لیکن ابو القاسم صفار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر شہر کے آدمی یُوں نہ کہنے لگتے کہ یہ عام دعا کو منع کرتا ہے تو میں ان کو منع کر دیتا ھٰذا شئ لا یفتی بہ لانہ لا ینبغی ان یقال للعامۃ شیئا لم یفھموا یعنی یہ بات ایسی ہے کہ اس پر فتویٰ نہ دینا چاہئے کیونکہ وہ بات عام میں نہ کہنی چاہئے جس کو وہ نہ سمجھیں۔ اور اسی طرح فتاویٰ سراجیہ میں بھی ہے لیکن باختصار۔

اب سننا چاہئے کہ اوّل تو فاتحہ اموات کے لیے تعینِ ایام اور اسی طرح امورِ مروّجہ محفل مولد علیہ السلام مع القیام ہم دلیل شرعی سے ثابت کر چکے اب تنزل کر کے بطور الزام کہتے ہیں کہ اگر بالفرض والتقدیر یہ امور مکروہ بھی ہوتے بقول تمہارے کہ قرونِ ثلٰثہ میں نہیں پائے گئے تب بھی اب یہ تبدل زمان حسبِ منشا مجمع البحار و دیگر تصریحات مذکورہ بالا جائز ہونی چاہئیں کیونکہ اس زمانہ پُر آشوب میں تمام آدمی غیر مذاہب اپنی اپنی کفریات کے اعلان جابجا کر رہے ہیں تو اب مسلمانوں کو چاہئے کہ مجالس منعقد کر کے حضرت کے فضائل معجزات عالم میں پھیلائیں، پڑھیں، پڑھوائیں، سنیں، سنوائیں، اور چونکہ اب ہر ہر بات میں تکلیف اور زینت ابناءِ زمان میں چل گئی ہے تو مواقع دین کو بے آرائشی سے ناپیراستہ رکھنا موجبِ تحقیر ہے اور تعظیم نبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بجالانے

قلوبِ مومنین میں توقیر واقع ہوتی ہے اور کفار کی نظر میں شوکتِ اسلام ہوتی ہے اور
فاتحہ اموات میں یہ بات کہ باوجود پابندی تعین ایام کے بھی ثواب میت کو پہنچ
جاتا ہے مساکین کا پیٹ بھر جاتا ہے اور کھانا بھی ان کو باوجود تعین ایام بھی جائز ہے
چنانچہ براہین قاطعہ میں ان باتوں کو مان لیا ہے اب باقی رہی ہماری تمہارے
نزدیک کراہتِ تعین اُس کھلانے والے کے اُوپر تو قطع نظر کر لو اُس سے یہ سمجھ کر
کہ پابندی ایام کی یاد دہانی میں تو خیرات ہو بھی جاتی ہے جب یہ اتفاقاً اٹھ گیا
تو پھر کون صدقہ کرتا ہے خیرات بند ہو جائے گی، مساکین اِس دورِ عسرت میں
کثرت سے مارے پھرتے ہیں کہ سہارا نہیں پاتے ان کی حاجت براری پر نظر
چاہیئے اور ان باتوں کو منع کرنے سے جا بجا کہنے میں آتا ہے کہ یہ لوگ خیرات اموات
کو اور تعظیمِ رسول اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منع کرتے ہیں بنا ٔ علیہ بقول
امام ابو القاسم صفار جو علمائِ حنفیہ کے ائمہ کبار میں گزرے ہیں ہرگز فتویٰ نہ دینا
چاہیئے جس طرح انہوں نے نہ دیا گفتگو الزاماً کرتے ہیں اور تحقیقی ثبوت وُہ ہیں
جو اِس رسالہ میں جا بجا تحریر کئے گئے ہیں۔

قیام کے منکر پر تارکِ فرض کی طرح ملامت کرتے ہیں

نواں اعتراض بانیانِ محفلِ میلاد شریف منکرینِ قیام پر ایسی ملامت کرتے ہیں جیسے تارکِ فرض و واجب پر۔

جواب: سبب اس کا یہ ہے کہ جو لوگ قیام نہیں کرتے اکثر ان میں سے ایسے
ہیں کہ ان کے عقاید وہابیہ نجدیہ کے طور پر ہیں اور وہ قیام کو کفر اور شرک اعتقاد
کرتے ہیں پس اس میں ایک تو یہ بات ہوئی کہ اس شخص کے نزدیک فاعلینِ قیام مشرک اور
کافر ٹھہرتے ہیں اگر کسی کو اس بات پر غیظ آ جائے کہ ہاتھ یا زبان

سے کچھ سرزد ہو کچھ بعید نہیں دوسرے یہ بات کہ اس ایک حرکت سے اس کے دوسرے عقائد خبیثہ کا بھی خیال آجاتا ہے تیسری یہ کہ اس فریق کو دیکھتے ہیں کہ یہ سیکڑوں باتیں خوراک و پوشاک اور معاملات میں خلاف صحابہ و خلاف قرونِ ثلٰثہ کرتے ہیں اور فقط قیام کرنے اور مولد شریف کی محفل میں یہ گفتگو کہ قرونِ ثلاثہ میں نہیں ہوئی کرتے ہیں اور باہم عناد و فساد پیدا کرتے ہیں۔ اس وجہ سے محبینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ان مفسدوں پر غیظ آجاتا ہے البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ اُس شخص کے سب عقائد عمدہ ہیں اور کرنے والوں کو بھی برا نہیں جانتا تو اُس شخص کو ہرگز کوئی آدمی زجر و توبیخ نہ کرے گا ہاں یہ تو کہیں گے کہ آدابِ محفل کا مقتضا یہ تھا کہ سب کے ساتھ آپ بھی قیام کرتے تو بہتر ہوتا چنانچہ امام غزالی نے لکھا ہے باب السماع میں کہ یہ بات آداب حقوق الصحبت کے خلاف ہے کہ کھڑا ہونے میں موافقت نہ کرے۔ پس اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ غصہ آجانا تارک قیام پر اور سبب سے ہوتا ہے اس سبب سے کہ قیام فرض و واجب جانتے ہیں یہ تو بالاتفاق فتاوٰی میں مفتیانِ دین تصریح فرما چکے ہیں کہ فرض و واجب نہیں بلکہ مستحسن اور آداب کی بات ہے اور غور سے دیکھئے تو بعض اوقات میں یہ تارکِ قیام نصِ قرآنی کا مخالف بن جاتا ہے، اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

یاایھا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم واذا قیل انشزوا فانشزوا۔

اے ایمان والو! جب تم کو کہا جائے کھل بیٹھو مجلسوں میں تو کھل بیٹھا کرو اور جب کہا جائے اُٹھ کھڑے ہو تو اُٹھ کھڑے ہوا کرو۔

—— اب معلوم کرنا چاہیئے کہ جب قاریِ مولد نے پڑھا : ع

اٹھو ذکرِ میلادِ حضرت ہے

یا اب اس طرح پڑھا ، ع

چاہیئے آداب سے کرنا قیام

یا یہ کہ اُن کھڑے ہونے والوں نے اُس آدمی کو اشارہ کیا کہ اُٹھ کھڑا ہو، اور اُس نے نہ یہ کیا کہ کھڑا ہو جاتا نہ یہ کیا کہ اُٹھ کے باہر نکل جاتا تو دیکھیے وہ اُس وقت میں مخالف امر خداوندی کا ہو گیا کیونکہ نزول اس آیۃ کا منشا یہی ہوا تھا کہ لوگوں کو وہ بات تعلیم کیجائے کہ آپس میں محبت پیدا ہو بغض و عناد و وحشت نہ ہو۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں اسی آیت مذکورۃ الصدر کے شروع میں لکھا ہے :

اعلم انہ تعالیٰ لما نہی عبادہ المومنین عما یکون سببا للتباغض و التنافر امرھم آلان بما یصیر لھم سببا لزیادۃ المحبۃ والمودۃ۔

(جان تو تحقیق اللہ تعالیٰ نے جب منع کیا اپنے مومنین بندوں کو اس صورت میں ایسی باتوں سے جو سبب بغض اور باہم نفرت پیدا ہونے کے تھے تو اب حکم دیا ان چیزوں کا جو سبب ہو جائیں محبت اور دوستی بڑھنے کے)

اب سب اربابِ انصاف خیال فرمائیں کہ اگر وہ شخص کھڑا ہو جاتا تو اتحاد موانست باہمی کا سبب ہو جاتا اور کھڑا نہ ہونا بغض اور نفرت کا سبب ہو گیا تو یہ فعل اس کا کس قدر منشاءِ حکم خداوندی سے بعید جا ٹھہرا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ندائے "یارسول اللہ" کی تحقیق

لمعہ سابعہ

دسواں اعتراض یہ اعتراض کہ محفل مولد شریف میں مخاطب حاضر کے اشعار پڑھتے ہیں بہ نسبت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کے حالانکہ آپ غائب ہیں نظر سے، یہ شرع میں جائز نہیں بلکہ کُفر ہے۔

جواب: یہ بات تو معلوم ہوئی ہے کہ عالم الغیب بالذات وہی ایک ہے جلّ جلالہٗ آسمان و زمین میں کہیں کوئی نہیں جو بغیر اللہ کے الہام و کشف کر دینے کے خود بخود یقینی طور پر امور غیبیہ کو جان لے اور یہ بھی کہ کوئی ایسا نہیں جو عرش سے لے کر تا تحت الثریٰ ہر مکان ہر زمان ہر آن میں اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر ناظر ہو لیکن یہ معلوم نہیں ان لوگوں پر کونسی کتاب نازل ہوئی ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ غائب کی نسبت الفاظ حاضر بولنا کفر ہیں،

التحیات میں السلام علیك کہنے کی تحقیق

ہم اس بات میں جزئی خاص پیش کرتے ہیں

قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے:

ومنہا ان المصلی یخاطبہ بقولہ السلام علیك ایہا النبی والصلوۃ صحیحۃ ولا یخاطب غیرہ۔

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ نمازی عین نماز میں خطاب کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حاضر کا لفظ بولتا ہے حالتِ تشہد میں کہ السلام علیك ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ یعنی سلام ہو تم پر اے نبی، اور اس خطاب کرنے میں نماز صحیح ہے اور دوسرے کو نماز میں خطاب نہیں کر سکتا اگر کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے انتہیٰ۔

اور بعضے آدمی یہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقل نکالتے ہیں قصّہ معراج میں خطاب حضرت کا مراد نہیں، سو رد ہو گیا ان کا قول اِس عبارت سے، کیونکہ اس میں صریح لفظ

یخاطبہ موجود ہے۔ علاوہ ازیں شامی نے بھی رد کیا ہے :

لا یقصد[1] الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج۔

اور دُرِّ مختار میں بھی رد کیا ہے :

ویقصد[2] بالفاظ التشھد الانشاء کانہ یسلم علی نبیہ۔

اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے السلام علیك ایھا النبی کی اس طرح شرح کی ہے کتاب تنبیہ میں :

یعنی یا محمد علیك السلام۔

صاحبِ احیاء العلوم (امام غزالی علیہ الرحمۃ) نماز کے بیان تفصیل ماینبغی ان یحضر فی القلب میں لکھتے ہیں :

واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم

---

[1] نہ ارادہ کرے نمازی یہ کہ میں خبر دیتا ہوں یا حکایت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج میں اس طرح فرمایا تھا کہ السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ ——————

دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس کی طرف سے نقل کا ارادہ کرے گا تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا بلکہ خدا کا سلام ہوگا یہ نقال ہوگیا اور ایک فقط سلام ہی کیا ہے التحیات رسول اللہ کی طرف سے ہو جائے گی اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ فرشتوں کی طرف سے نقل جا ٹھہرے گی ، نمازی خالی نقال ٹھہرا ۱۲

[2] الفاظ تشہد میں یہ ارادہ کرے کہ میں اب سلام بھیجتا ہوں اپنی طرف سے انتہی مؤلف کہتا ہے کہ یہ حق صریح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تو شبِ معراج میں فرمایا تھا اب تو نمازی اپنی زبان سے کہتا ہے السلام علیك پھر اب تو اسی کا سلام ہے ۱۲

وقل السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته ' یعنی موجود کر اپنے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور آپ کے وجودِ گرامی کو اور عرض کر السلام عليك ايها النبي الیٰ آخرہ

اور میزان الشعرانی میں ہے کہ اس واسطے شارع نے امر کیا ہے نمازی کو سلام اور درود کے لیے التحیات میں تاکہ آگاہ کرے غافلوں کو کہ جب پروردگار کے سامنے تم بیٹھے ہو اس دربار میں تمہارے نبی موجود ہیں فانه لا يفارق حضرة الله تعالیٰ ابدا فيخاطبونه بالسلام مشافهةً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم درگاہِ الٰہی سے کبھی جُدا نہیں ہوتے پس نمازی خطاب کرتے ہیں لفظ سلام کے ساتھ آپ کو رُوبرُو۔

بیوتِ اہلِ اسلام میں رُوحِ مبارک حاضر ہونے کے معنے

شفاء میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عمرو بن دینار نے جو کبار تابعین و فقہاء مکہ سے ہیں، فرمایا:

جب تم داخل ہو گھروں میں اور وہاں کوئی نہ ہو تو کہو السلام على النبي ورحمة الله وبركاته الیٰ آخرہ۔

اس کی شرح میں مُلا حسن حمزاوی لکھتے ہیں:

لان روحه حاضر في بيوت اهل الاسلام ۔یعنی آپ کی روح حاضر ہے اہل اسلام کے گھروں میں انتہیٰ

اور مولوی عبدالحیٔ صاحب نے بھی علی قاری کی شرح شفاء سے مضمون حاضر ہونے روح مبارک کا اسی طرح نقل کیا ہے۔ اصل حقیقت کو حق سبحانہٗ جانتا ہے جو کچھ عقل ناقص مؤلف میں آتا ہے لکھتا ہوں کہ رُوحِ مبارک آپ کی ابُ الارواح

ہے، اور حدیث شریف میں ہے :

المؤمنون من فیض روحی یعنی مومنین میرے فیض روح سے پیدا ہوئے ہیں ۔ یہ رُوح البیان اور کلام مجدد الف ثانی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین میں موجود ہے ۔ اور یہ بھی کلام محدث دہلوی وغیرہ میں ہے کہ آپ کی رُوح اُس عالم میں مربیِ ارواح تھی ۔

اور قرآن شریف سورۃ احزاب میں ہے : النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم یعنی نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ ۔ اور اس آیت میں بعد لفظ انفسھم یہ قرات بھی ہے وھو اب لھم یعنی وہ مومنین کے باپ ہیں ۔

علامہ بیضاوی اور مفسر روح البیان اِس مقام پر لکھتے ہیں کہ جب آپ مربی اور مومنین کے باپ ٹھہرے تو اسی واسطے یہ ٹھہر گیا کہ :

المؤمنین اِخوۃ یعنی ایمان والے آپس میں بھائی ہیں ۔

اور یہ بھی ہے کہ اُمت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اور درود اُمت کا آپ کو نام بنام پہنچتا ہے اور یہ سب وجوہ دلیل ہیں اس پر کہ آپ کو اہل اسلام کے گھروں سے تعلق اور ارتباط شدید ہے اور یہ بھی ہے کہ اہلِ اسلام کے گھروں میں نماز بھی جاری ہے بچے اور عورتیں اور کبھی مرد بھی جو مسجد نہ گئے تو گھر میں پڑھ لیتے ہیں غرض کہ سب مرد و زن التحیات میں پڑھتے ہیں السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تو اہلِ اسلام کے گھروں سے برابر سلام آپ کو پہنچتا ہے بناءً علیہ آپ کی رُوح کو تعلق ہے بیوتِ اہلِ اسلام سے ۔ پس اول خلقت ارواح سے لے کر اس وقت تک برابر تعلق آپ کا ثابت ہے اور روح مبارک اگرچہ ملاءِ اعلیٰ میں ہے لیکن اس کا اشراق ادھر بھی ہے اور تعلق

ہے عالم خاک سے بھی، مثلاً قبر شریف میں بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہے کہ اس
تعلق اور ربط سے بدن مبارک زندہ حساس و دراک ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور نیز اذن دیا گیا آپ کو اطرافِ زمین میں پھرنے کا اور اعمال امت میں نظر کرنیکا'
جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اسی طرح تحریر حسن حمزاوی و علی
قاری رحمہا اللہ کو سمجھنا چاہیئے کہ آپ کی روح کو تعلق اور ربط اہل اسلام کے
گھروں سے ہے۔ یہ مسئلہ اس مقام پہ بباعثِ ذکر السلام علیک ایہا
النبی کے لکھا گیا الحاصل تشہد کے سلام میں نقل وحکایت مراد رکھنا اور
اپنی طرف سے سلام نہ بھیجنا نہایت ناصواب ہے، تحقیق یہ ہے کہ نمازی اس
سلام میں ارادہ کرے کہ میں خود حضرت پر سلام بھیجتا ہوں کہ سلام ہوجیو آپ پر
اے نبی اللہ کے، ورنہ کم نصیب تعمیل حکم الٰہی سے جو لفظ سَلِّمُوْا قرآن میں ہے
محروم رہے گا کیونکہ تو داس سے سلام مطلوب تھا اُس نے خود نہ کیا بلکہ معراج کی
حکایت سمجھ لی۔

خطاب یارسول اللہ صحابہ سے چودھویں صدی تک

امرِ عجیب بعض دشمنانِ خطاب یہاں تک غلو کر گئے کہ کہتے ہیں نماز میں السلام علیک ایہا النبی نہ پڑھنا چاہیئے کہ صحابہ نے چھوڑ دیا تھا

ل مسلم اور بخاری کی احادیث کی شرح میں جو امام نووی اور صاحبِ مجمع نے لکھا ہے
وہ یہ ہے کہ بعض صحابہ نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ اللہ تعالیٰ
نے ہم کو حکم دیا ہے یعنی صلّوا وسلّموا، تب آپ نے درود تعلیم فرمایا اور سلام کو یہ
فرمایا کہ سلام کا طریق تم پہلے جان چکے یعنی تم التحیات میں پڑھا کرتے ہو السلام علیک
ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور بعض صحابہ نے درود اس طرح پوچھا یارسول اللہ
درود پڑھنا بتائیے کس طرح پڑھے ۱۲

اس عاجز نے ایک رسالہ مستقل مسمی بالقول النبی فی تحقیق السلام علیک
ایہا النبی لکھا ہے اس میں اس قول کو بیخ و بن سے مستاصل کیا ہے یہاں طول
کو گنجائش نہیں مختصر یہ ہے کہ تشہد یعنی التحیات کی روایت منقول ہے عبد اللہ
ابن عباس اور عمر بن الخطاب اور ابن عمر اور جابر بن عبد اللہ اور ابو موسیٰ
اشعری اور عبد اللہ ابن مسعود صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سب میں لفظ
خطاب موجود ہے سو عبد اللہ بن مسعود کی اور ان کا بھی یہ حال کہ روایت کیا ان
سے چند راویوں نے یعنی شقیق و علقمہ و اسود و ابوالاحوص و ابو عبیدہ و عبد اللہ بن
سنجبرہ نے سو یہ بات کہ بعد وفات خطاب السلام علیك ترک کیا کسی نے روایت
نہیں کی سوائے ابن سنجبرہ کے، اور ان سے آگے دو راوی ہیں ایک اعمش دوسرا
سیف بن سلیمان۔ سو اعمش کی روایت میں یہ فقرہ نہیں سیف بن سلیمان
میں ہے اور وہ اگرچہ ثقہ تھا لیکن وہ بدعت قدر کے ساتھ تہمت کیا گیا ہے
پس جبکہ جمیع صحابہ سے طبقہ بعد طبقہ اس وقت تک وہی تعلیم خطاب ہوتی
چلی آئی ہے حتی کہ ابن مسعود سے بھی سوا اس روایت کے جو بخاری میں سیف
بن سلیمان سے ہے بناءً علیہ اس روایت پر عمل نہ کیا جائے گا اور کیونکر عمل
کیا جائے حالانکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہم کو صحیح طور سے بھی تعلیم خطاب
پہنچی ہے ہم مذہب حنفی رکھتے ہیں اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ
کو اسی طرح بصیغۂ خطاب تعلیم ہوئی پھر ہم کو اسی طرح اُن سے پہنچی اور
استاد ہمارے امام اعظم کے یہی وہ فرماتے ہیں کہ میرا ہاتھ پکڑا حماد نے اور
سکھایا مجھ کو تشہد اور کہا حماد نے کہ میرا ہاتھ پکڑا ابراہیم نے اور سکھایا مجھ کو
تشہد اور کہا ابراہیم نے کہ میرا ہاتھ پکڑا علقمہ نے اور سکھایا مجھ کو تشہد اور کہا
علقمہ نے میرا ہاتھ پکڑا عبد اللہ ابن مسعود نے اور سکھایا مجھ کو تشہد اور کہا

عبداللہ ابن مسعود نے میرا ہاتھ پکڑا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور سکھایا مجھ کو تشہد جس طرح کہ قرآن کی سورت سکھائی تھی پھر وہ تشہد سکھایا ہُوا آپ کا کتب حنفیہ فتاویٰ وشروح ومتون میں موجود ہے اس میں لفظ خطاب کی تعلیم ہے اور سوا اس کے دیگر مذاہب یعنی حنبلی اور مالکی اور شافعی مذہب کی کتابیں بھی دیکھی گئیں سب میں یہی خطاب کی تعلیم موجود ہے۔ اللہ رے عناد دیکھو جمیع صحابہ کی روایتیں اور خود عبداللہ ابن مسعود کی روایتیں سوائے ایک روایت کے اور ائمہ مجتہدین اربعہ کے فتاویٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات مطلقہ یعنی بلا قید حیات ووفات وقرب وبُعد مکانی زمانی علی العموم یہ فرمانا اذا اصلی احدکم فلیقل التحیات الخ اور اذا قعد احدکم فلیقل التحیات الی آخرہ فاذا جلستم فقولوا التحیات ان سب روایات میں خطاب موجود حتی کہ مولوی اسحٰق صاحب کی مأتہ مسائل سوال بست وچہارم میں بھی اقرار موجود (درالتحیات خطاب برائے رسانیدن سلام وارد شدہ) پھر ان سب احادیث وآثار وفتاویٰ واجماعِ اُمت محمدیہ شرقاً وغرباً وجنوباً وشمالاً ونیز قول مولوی اسحٰق صاحب کہ جن کو اپنا مقتدا اور پیشوا جانتے ہیں چھوڑ کر ایک روایت غیر معمول بہا پیش کرنی کیسی بے انصافی ہے! اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب کرے۔

الحاصل اجماع امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات پر ہے کہ سب چھوٹے بڑے عورت مرد پڑھتے ہیں السلام علیك ایھا النبی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غائب نظر سے ہیں پھر بھی خطاب آپ کو حاضر کا ہورہا ہے نماز میں۔ بعضے کہتے ہیں یہ امر تعبدی ہے منقول اسی طرح ہوا ہے۔ جواب یہ ہے کہ امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ غائب کو خطاب کا لفظ بولنے کی حُرمت اور کراہت

پر کون سی آیت یا حدیث سے پیش کرو، عقلی یا گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کرو اور یہ سمجھو کہ جب عبادت میں شریک کرنے کا حکم نہیں پھر خاص اُسی زمانہ میں خطاب آپ کا شریک کیا گیا تو باہر منع ہونے کی کیا دلیل! اب ہم سے جواز کی سندیں سُنو، شاہ ولی اللہ صاحب واسطے پڑھنے اورادِ فتحیہ کے انتباہ میں لکھتے ہیں:

فریضۂ نماز بامداد گزارد و چوں سلام دہد باوراد فتحیہ خواندن مشغول شود کہ از برکات انفاس ہزار و چہار صد ولی کامل شدہ است الخ

حالانکہ اِس اورادِ فتحیہ میں جس کا دل چاہے شمار کرے سترہ بار ندائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِن الفاظ سے ہے:

الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ یا حبیب اللہ یا خلیل اللہ الیٰ آخرہ۔

علاوہ اس کے خود مولوی اسحاق صاحب مأتہ مسائل[1] میں لکھتے ہیں: اگر کسے یا رسول اللہ بگوید برائے رسانیدن درود یا سلام جائز است انتہیٰ

دیکھیے یہ علماء باہر نماز کے بھی خطاب کرنا رسول اللہ کو جائز لکھتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب تو خود امر کرتے ہیں۔ لیکن ابھی تک مانعین کو گنجائش ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خطاب تو درود و سلام کے ساتھ ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں، اس لیے ہم ایسی **نظیر پیش کرتے ہیں** جس میں درود و سلام کے بھیجنے کی نیت سے خطاب نہیں بلکہ وسیلہ پکڑنا ہے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کشف حاجت میں ابن ماجہ قزوینی باب صلوٰۃ الحاجت میں روایت کرتے ہیں:

---

[1] یہ عبارت مولوی اسحٰق صاحب کے مأتہ مسائل کے سوال بست و چہارم میں ہے وہاں التحیات کا خطاب بھی لکھا ہے ۱۲

عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے کہ ایک اندھا آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی میری آنکھوں کے لیے دُعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہے اسی طرح رہنے دے یہ تجھ کو اچھا ہے اور اگر چاہے دُعا کرانا تو دُعا کروں۔ اُس نے کہا دُعا فرمائیے۔ آپ نے حکم دیا: اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ اور یہ دُعا پڑھ:

اللهم انی اسألك واتوجه اليك بمحمدٍ نبي الرحمة
یا محمد انی قد توجهت بك الیٰ ربّی فی حاجتی
هذه لتقضیٰ لی اللهم فشفّعهُ فیّ۔

اِس مقام پر زرقانی شارح مواہب نے لکھا ہے کہ اس دُعا میں اوّل سوال اللہ تعالیٰ سے ہے کہ وُہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شفاعت کا اذن بخشے، پس کہا حاجت مند نے کہ (یا اللہ! میں اپنی حاجت مانگتا ہُوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا ہُوں تیری طرف وسیلہ پکڑ کے حضرت محمد کا جو نبی رحمت ہیں) جب اللہ سے شفاعت مانگ چکا تو متوجہ ہُوا اور مخاطب ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اور شفاعت طلب کی اس طرح (یا محمد! میں متوجہ ہوا اپنے پروردگار کی طرف آپ کی شفاعت کا وسیلہ پکڑ کے اپنی حاجت میں تاکہ یہ حاجت روا کی جائے) یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت اور آپ کے وسیلہ سے اس حاجت کو روا کرے۔ جب حاجت مند حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کر چکا اب پھر مکرر رجوع الی اللہ کر کے درخواست کرتا ہے کہ اللّٰھم فشفّعه فیّ یعنی یا اللہ! حضرت کی شفاعت میری حاجت میں قبول کیجیو۔

الحاصل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حل مشکل میں اپنی شفاعت طلبی

اور خطاب یا محمد تعلیم فرمایا ہے۔ اس مقام پر ایک تماشا ہوا یعنی
اِس خطاب اور ندا کے مٹانے کے لیے ایک بڑے عالم مشہور نے اس حدیث
کے اسناد میں اعتراض کیا اور رکھ دیا کہ اس کی اسناد میں ایک راوی عثمان
بن خالد بن عمر آتا ہے اور تقریب میں اس کو متروک الحدیث لکھا ہے۔ اس عاجز
نے ابن ماجہ اور ترمذی میں یہ حدیث نکال کر اس کے اسناد نکالے تو ان دونوں
محدثوں کے اسناد میں عثمان بن عمر نکلا اس کو تقریب میں متروک
الحدیث نہیں کہا اور عثمان بن خالد بن عمر کو بیشک متروک الحدیث لکھا لیکن وہ اور
آدمی ہے والحمد للہ علیٰ ذلک اور یہ حدیث تو محدثوں کی پڑتالی ہوئی ہے یہ
کس طرح ضعیف اور غیر معتبر ہو سکتی ہے ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح
اور نیز صحیح کہا اس کو بیہقی نے کذا فی شرح المواہب اور کہا حاکم نے کہ یہ
روایت علیٰ شرط الشیخین ہے یہ بھی شرح مواہب زرقانی میں ہے اور متن
لکھا ابن ماجہ نے قال ابو اسحٰق ہذا حدیث صحیح۔ پس روایت کیا اس حدیث کو آٹھ
ائمہ حدیث ترمذی و نسائی و ابن ماجہ و حاکم نے جیسا کہ حصن حصین اور زرقانی
میں ہے اور بیہقی اور طبرانی اور ابو نعیم اور بخاری نے اپنی تاریخ میں جیسا کہ شرح
مواہب زرقانی میں ہے۔ بھلا ایسی حدیث میں زبان زوری کر کے اگر کوئی مغالطہ
دینے لگے تو کب ہو سکتا ہے خلاصہ یہ کہ جب اُس اندھے نے نماز پڑھ کے دُعا
مانگی تو بخاری اور ابو نعیم اور بیہقی کی روایت میں ہے:

فقام وقد ابصر ببرکتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
یعنی وہ اندھا کھڑا ہوا اور آنکھ اس کی روشن ہو گئی حضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے۔

اور روایت کی طبرانی نے: کان لم بہ ضر یعنی ایسی روشن ہو گئی گویا اس

میں کچھ خلل ہی نہیں ہوا تھا۔

واضح ہو کہ یہ دُعا اور یہ نماز اور یہ خطاب یعنی یا محمد کہنا آپ کے زمانہ مبارک میں خاص آپ کی تعلیم سے ہُوا، اور شرح ابن ماجہ اور نیز جذب القلوب میں ہے کہ یہ عمل عہدِ صحابہ میں بعد وفاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بھی کیا گیا ہے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کی ہے کہ ایک آدمی کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حاجت تھی بار ہا جاتا حضرت عثمان اُس کی طرف التفات نہ فرماتے تھے اس آدمی نے عثمان بن حنیف انصاری صحابی سے شکایت کی۔ عثمان بن حنیف نے کہا وضو کر کے مسجد میں آ، دو رکعتیں پڑھ پھر یہ دعا مانگ:

اللھم انی اسألك و اتوجه الیك بنبیك محمدٍ نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الیٰ ربی فتقضی حاجتی۔

اور یہ دُعا پڑھ کے تو اپنی حاجت عرض کر دیجو۔ غرضکہ وُہ آدمی موافق تعلیمِ عثمان بن حنیف کے گیا اور وضو، نماز، دُعا جس طرح اس نے بتائی تھی پڑھی بعد ازاں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا اُس وقت دربان نے اُس شخص کا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا، حضرت عثمان نے اُس کو اپنی مسندِ خاص پر بٹھلایا اور پُوچھا کیا حاجت ہے؟ اس نے بیان کی، آپ نے پُوری کر دی اور یہ فرمایا کہ اب سے جو کچھ مشکل یا حاجت پیش آیا کرے مجھ سے آکر بیان کیا کرو۔ آدمی بہت خوش حال حضرت عثمان کے پاس سے نکلا اور عثمان بن حنیف کے پاس شکریہ ادا کرنے کو گیا اور کہا جزاك اللہ خیرا میری طرف حضرت عثمان نظر بھی نہیں فرماتے تھے اب شاید تم نے ان سے کچھ میری سفارش کی ہے عثمان بن حنیف صحابی نے جواب دیا: قسم اللہ تعالےٰ

کی میں نے حضرت عثمان سے کچھ نہیں کہا لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں ایک بار
رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس حاضر تھا ایک اندھا آیا اس نے
فریاد کی یا رسول اللہ! میری آنکھ جاتی رہی - آپ نے فرمایا ، صبر کر - وہ بولا
کوئی میرا ہاتھ پکڑ کے لے جانیوالا نہیں مجھ پر بڑی مصیبت ہے تب حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز اور یہ دعا اُس کو تعلیم کی تھی وہی قصہ ابنِ ماجہ والا
جو ہم اوپر بیان کر چکے عثمان بن حنیف نے بیان کیا الحاصل بعد وفات صلی اللہ
علیہ وسلم کے عہدِ صحابہ میں بھی اِس خطاب یعنی یا محمد کہنے پر عمل ہُوا اُس
وقت سے اب تک یہ نماز تعلیم ہوتی چلی آئی ہے ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ
اپنی کتاب حصن حصین میں فرماتے ہیں :

من کانت لہ ضرورۃ الیٰ آخرہ -

یعنی جس کسی کو ضرورت اور حاجت مشکل آپڑی یہ نمازِ حاجت اور
دُعا پڑھی -

اور کتبِ فقہ حنفیہ میں بھی اس کی تعلیم ہے ، ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح کبیر
منیہ میں جو نوافل تسلیم کئے ہیں اُن میں صلوٰۃ الحاجت دو لکھی ہیں ایک کو بیان
کیا اور لکھا کہ یہ ضعیف ہے' اور دُوسرے یہ نماز لکھی جو عثمان بن حنیف کی روایت
سے ہم ذکر کر چکے ہیں حلبی نے اس کو لکھ کر بیان کیا کہ یہ حسن اور صحیح ہے -

الحاصل آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیم اور صحابہ کی تلقین اور
محدثین کی تعلیم اور فقہا کے افتا اور تصحیح سے اب تک یہ خطاب یا محمد جاری ہے -

دیگر صیغہ ہائے خطاب

علاوہ بریں اور بھی خطاب کے صیغے ہم نقل
کرتے ہیں اشعار وغیرہ میں حضرت صلی اللہ علیہ
و آلہ وسلم کی پھوپھی صفیہ نے بعد وفات آپ کے بہت اشعار غم میں پڑھے ان

میں سے یہ ہیں : ؎

الا یا رسول اللہ کنت رجاءنا[1] وکنت بنا براً ولم تک جافیا

فلو ان رب الناس ابقی نبینا محمداً سررنا ولکن امرہ کان ماضیا

اور حضرت حسان صحابی نے آپ کی وفات کے غم میں یہ پڑھا : ؎

کنت السواد لناظری[2] فعمی علیک الناظر

من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

اسی طرح اور بھی صحابہ کے اشعار بعد وفات پائے گئے جس میں خطاب ہے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔

اور قاضی عیاض نے کتاب شفا کے باب لزوم محبت میں روایت کی ہے کہ ایک بار پاؤں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سو گیا یعنی سنسنانے لگا اور بے حس و حرکت ہو گیا، کسی نے کہا کسی ایسے آدمی کو یاد کرو جو تم کو بہت پیارا ہو تب وہ چلا اُٹھے : یا محمداہ۔ اُسی وقت اُن کا پاؤں درست ہو گیا اور قوت آ گئی انتہیٰ

یہ عبد اللہ ابن عمر کیسے جلیل القدر صحابی اور اتباعِ سنت میں نہایت عالی دیکھئے

---

[1] آگاہ ہو جئے یا رسول اللہ کہ آپ ہماری امید گاہ تھے اور ہم پر احسان کرنے والے تھے نہ کہ جفا کرنے والے، اگر پروردگار آدمیوں کا جیتا رکھتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ہم میں تو خوش ہوتے ہم، لیکن کیا کیا جائے اللہ کا حکم جاری ہونے والا ہے یعنی ٹلتا نہیں ۱۲

[2] آپ میری آنکھ کی پتلی تھے اب اندھے ہو گئے آپ کے پیچھے آ کر اب جو چاہے مرجائے مجھ کو تو آپ ہی کا ڈر تھا ۱۲

حالتِ غیوبت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلفظِ حاضر یا محمد ا کہ خطاب کرتے ہیں۔

اور فتوح الشام ص ۲۹۸ میں ہے جبکہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو بارادۂ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دے کر، اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اُس کی پانچ ہزار سپاہ تھی اور یہ لڑائی ہو رہی تھی کہ پانچ ہزار سپاہ یوقنا کی اور دوسری طرف سے مسلمانوں پر آپڑی غرضکہ دس ہزار کا مقابلہ ٹھہر گیا اُس وقت مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام اور بے چلین گرد آواز دیتے تھے اور پکارتے تھے:

یا محمد یا نصر اللہ انزل[1]

اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہتے تھے:

یا معاشر المسلمین اثبتوا انما ھی ساعۃ وانتم الاعلون[2]

یہ ایک اور نظیر ہے خطاب کی حالت غیبت میں، اور یہ کعب بن ضمرہ بھی صحابہ میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ ہو کر بھی انہوں نے جہاد کئے تھے غرضکہ صحابہ کے وقت سے یہ خطاب ندائے رسول اللہ باوجود غیوبت کے جاری رہا ہے۔

علامہ شرف الدین بُوصیری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۹۴ھ جو

---

[1] یا محمد یا مدد اللہ کی! اُتر۔

[2] اے گروہ مسلمانوں کے قائم رہو یہ ایک گھڑی ہے یعنی یہ تکلیف کوئی دم کی ہے پھر تم بالا رہو گے ۱۲

مقبولین روزگار سے تھے ان کا قصیدہ بُردہ اورادِ مشایخ میں داخل نہایت مقبول بابرکت ہے اور بہاؤ الدین وزیر کا حال ہم نقل کر چکے کہ وہ کمال تعظیم سے برہنہ سر برہنہ پا کھڑا ہو کر اس قصیدہ مقبولہ کو سُنا کرتا تھا، اور حلبی اور زرقانی اور قسطلانی سب صاحب بُردہ کے مداح ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اِس قصیدہ کو پڑھا اور اسناد حاصل کی، رسالہ انتباہ میں لکھتے ہیں:

واما قصیدۃ البردۃ فاخبرنا بہا ابو طاھر عن الشیخ احمد النخلی عن محمد العلاء البابلی الی ان قال عن ناظمہا شرف الدین محمد ابن سعید بن حماد البوصیری رحمۃ اللہ علیہ انتھیٰ۔

الحاصل اس مقبول قصیدہ میں خطاب حاضر ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جابجا ہے از انجملہ دو مقام میں تو خاص ندا بطور فریاد اور دادخواہی کے موجود ہے: ؎

یا اکرم الخلق مالی من الوذ بہ
سواک عند حلول الحادث العمم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا کرتے ہیں کہ اے بزرگ ترین خلائق! کوئی میرا نہیں جس کی پناہ پکڑوں سوا آپ کے وقت اُترنے بلائے عام کے۔

دوسرا شعر یہ ہے: ؎

ولن یضیق رسول اللہ جاھک بی
اذا الکریم تجلی باسم منتقم

اس میں رسول اللہ منادی اور لفظ ندا محذوف بقاعدہ عربیت یعنی کچھ کم نہ ہوگی شان آپ کی یا رسول میری شفاعت کرنے سے جس وقت اللہ تعالیٰ ظہور

فرمائے گا صفت انتقام سے انتہی۔

اور اسی معنی کے قریب **شیخ شرف الدین مصلح المعروف بہ سعدی شیرازی** متوفی ۶۹۱ھ جو واصلین طریقت کاملین شریعت سے تھے حضرت خضر سے ملاقات کی ساتوں ولایت پھرے بارہا پیادہ حج کیا اور یہ عالم فاضل ولی کامل خطاب حاضر کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں شعر لکھتے ہیں: ؎

چہ گم گردد اے فرخندہ پی — ز قدر رفیعت بدرگاہ حی

کہ باشند ہستی گدایان خیل — بہاں دارالسلامت طفیل

چہ وصفت کند سعدی ناتمام — علیک الصلوٰۃ اے نبی السلام

اور نیز مولانا **احمد تھانیسری** کہ امیر تیمور کے عہد میں بڑے فاضل کامل مشہور تھے صاحب ہدایہ کے نبیرہ شیخ الاسلام سے جب ایک موقع میں ان کی گفتگو ہوئی امیر تیمور نے جو دیکھا کہ شیخ الاسلام کو دبایا ان کے اظہار عظمت کے لیے یہ کہا گیا کہ یہ نبیرہ ہیں صاحب ہدایہ کے، مولانا نہ ڈرے اور یہ کہا کہ ان کے دادا نے ہدایہ میں چند محل پر خطا کھائی اگر انہوں نے اس وقت ایک خطا کھائی کیا ڈر ہے غرضکہ یہ بڑے عالم فاضل اور عارف کامل تھے قلعہ کالپی میں ان کا مزار ہے بہت لوگ زیارت کو آتے ہیں انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے اس میں سے دو تین شعر لکھتا ہوں: ؎

یا حیوٰتی ویا رُوحی ویا جسدی

ویا فوادی ویا ظہری ویا عضدی

مالی الیک بقطع البید من قبل

ولیس لی باصطبار عنک من مدد[1]

دیکھئے اس میں بھی ہندوستان سے خطاب حضرت فخرِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہو رہا ہے۔

اور نیز مولانا **نظامی** متوفی ۷۹۲ھ علوم معقول و منقول میں فاضل کامل، تارک الدنیا عارف، صاحبِ دل، سلاطین روزگار اُن سے برکت چاہتے۔ وہ کسی کے در پر نہ جاتے۔ غرضکہ یہ جامع شریعت و طریقت بھی اشعار میں خطاب حاضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ نسبت کرتے ہیں:

من از کمترین امتان خاک تو

بدیں لاغرے صید فتراک تو

نظامی کہ در گنجہ شد پائے بند

مبادا ز سلام توانا بہرہ مند

گنجہ شہر ہے ایران میں، وہاں سے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ہو رہا ہے۔

اور مولنا **عبدالرحمٰن ابن احمد جامی** متوفی ۸۹۸ھ جن کا فضل و کمال کسی سے مخفی نہیں، شرح مُلّا اور شرح فصوص الحکم، نقایہ و شرح لمعات

---

[1] یہ خطاب ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اے میری زندگی اے میری جان اے میرے جد اے میرے دل اے پشت پناہ اے میرے قوت بازو! نہیں مجھ کو آپ کی طرف جنگلوں کو کاٹ کر آنے کی طاقت اور نہیں مجھ کو آپ سے صبر کرنے کی مدد ۱۲

وغیرہ کتب مصنفہ ان کی مشہور ہیں، اپنے اشعار میں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خطاب کرتے ہیں: ؎

زمہجوری برآمد جانِ عالم   ترحّم یا نبی اللہ ترحّم
نہ آخر رحمۃ للعالمینی   ز مہجوراں چرا غافل نشینی

ملکِ خراسان میں ایک ولایت جام ہے جو وطن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو غیبوبیت میں وہاں سے ہو رہا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ مثلِ اہل کشف رُوئے مبارک حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وقتِ مناجات ان کے سامنے تھا اس لیے کہ یہ شعر بھی ان کا انہی اشعار کے ساتھ ہے: ؎

شب اندوہ مارا روز گرداں   زرویت روز ما فیروز گرداں
تو ابر رحمتی آں بہ کہ گاہے   کنی بہ حال لب خشکاں نگاہے

ازانجملہ مولانا شیخ **عبدالحق محدّث دہلوی** صوفی صافی مشرب محدث فقیہ حنفی مشرب جن کی ایک سو تیس کتابیں فارسی اور عربی تصنیف ہیں تاریخ ولادت ان کی شیخِ اولیاء اور تاریخِ وفات فخر العالم ہے اپنے قصیدہ میں جو کہ اخبار الاخیار کے آخر میں مطبوع ہے لکھتے ہیں: ؎

بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہ کرم فرما
بلطف خود سر و ساماں جمع بے سر و پا کن
محب آل و اصحاب توام کار من حیراں
بلطف خویش ہم امروز ہم در روز فردا کن

اور حضرت **شاہ ابوالمعالی** صاحب فرماتے ہیں: ؎

گر نبودی یا رسول اللہ ذات پاک تو   ہیچ پیغمبر نبودی دولتِ پیغمبری

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں قصیدہ اطیب النغم میں ؎

وصلی علیک اللہ یا خیر خلقہ

ویا خیر مامول ویا خیر واہب

ویا من یرجی لکشف رزیۃ

ومن جودہ قد فاق جود السحائب

اب اس دور آخری میں بھی جو علماء و صلحاء اہلسنت و جماعت ہیں وہ سب خطاب حاضر یا رسول اللہ کہنا جائز رکھتے ہیں، چنانچہ قدوۃ السالکین اسوۃ العارفین محی السنۃ ماحی البدعت حضرت مرشدی مولائی المشتہر بالالسنۃ والافواہ باسمہ المقدس شاہ امداد اللہ الحافظ الحاج المہاجر نفعنا اللہ بفیضہ الوافر المتکاثر فرماتے ہیں۔ قصیدہ ؎

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ

مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

کرو روئے منور سے مری آنکھوں کو نورانی

مجھے فرقت کی ظلمت سے بچاؤ یا رسول اللہ

ل آپ نے اس قصیدہ کے اول میں یہ لکھا ہے کہ جب مجھ پر صعوبت اور کرابت ہجوم کرتے ہیں ڈھونڈتا ہوں کہ کوئی مددگار بھی ہے تو سوا حضور پر نور محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے کسی کو نہیں پاتا۔ پھر اس کے بعد حضرت کے مناقب بیان کئے پھر ان دو شعروں میں یہ کہ اللہ تم پر رحمت بھیجے اے سب خلق میں اچھے اور اے اچھے امیدگاہ اور اچھی بخشش کرنے والے اور اے اچھی امید کئے ہوئے واسطہ کشف مصیبت کے اور بخشش آپ کی فائق بارشوں ابر کی بخشش سے ۱۲

اگرچہ نیک ہُوں یا بد تمھارا ہو چکا ہُوں مَیں
بس اب چاہو ہنساؤ یا رُلاؤ یا رسول اللہ

پھنسا ہُوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہو کر
میری کشتی کنارے پہ لگاؤ یا رسول اللہ

اگرچہ ہُوں ناقابل وہاں کے پَر امید ہے تم سے
کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بُلاؤ یا رسول اللہ

جہازِ اُمت کا حق نے کر دیا ہے آپکے ہاتھوں
بس اب چاہو ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو
بس قید دو عالم سے چھُڑاؤ یا رسول اللہ

یہ قصیدہ جس وقت حضور (امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ) حج کر کے ہندوستان تشریف لائے تھے تب اشتیاق میں فرمایا تھا، چنانچہ یہ مضمون ایک مصرعہ کا صاف ہے ع

کہ پھر مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ

غرضکہ یہ ندا یا رسول اللہ اور مدد مانگنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو اس قصیدہ میں ہے یہ سب ملکِ ہند سے خطاب واستمداد کیا گیا ہے اور مقبول بھی ہُوا۔ چنانچہ پھر حضرت ممدوح الصدر ہندوستان سے ملک عرب میں بلائے گئے اور زیارتِ مدینہ سے مشرف ہوئے، اور تعریف ان کی محتاجِ بیان نہیں۔ مختصر یہ کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی جن کو ہمارے وقت کے منکرین بھی سب بالاتفاق معتمد علیہ اور مسلم الثبوت مانتے ہیں وہ حضور (امداد اللہ مہاجر مکی) کی توصیف میں لکھتے ہیں **اشعار :**

بحقِ مقتدائے عشق بازاں | رئیس و پیشوائے جاں گدازاں
امامِ راست بازاں شیخِ عالم | ولیِ خاص صدیقِ معظّم
شہِ والا گہر امداد اللہ | کہ بہرِ عالم است امداد اللہ

یہ اشعار شجرہ منظومہ صابریہ میں ہیں جو قصائد قاسمی کے آخر اوراق مطبع عین الاخبار مراد آباد میں مطبوع ہوئے ہیں۔ معلوم کرنا چاہیے کہ "صدیق" کے معنی شاہ عبد العزیز (محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) نے تفسیر عزیزی میں لکھے ہیں:

"صدیق آنست کہ قوت نظریہ او را مثل قوت نظریہ اور امثل قوت نظریہ انبیاء علیہم السلام کامل باشد الخ"

پس صدیقِ معظم فرمانا مولوی محمد قاسم صاحب کا حضور (امداد اللہ مہاجر مکی) کو حجت کافی ہے ان ناانصافوں کی تردید و تشنیع میں جنہوں نے حضور (امداد اللہ مہاجر مکی) کی نسبت یہ کہہ دیا کہ معاذ اللہ آپ علمِ شریعت سے ناواقف ہیں اور ہم ان کے مرید ہیں لیکن پیر سے افضل ہیں۔ یہ نہ سمجھے کہ جس کی قوتِ نظریہ ایسی بڑھی ہوئی ہوگی وہ تو حقائقِ احکامِ شریعت سے ایسے واقف ہوں گے کہ تم اس کے عشر عشیر کو بھی نہ پہنچو گے۔ خیر آمدم برسرِ مطلب جناب مرشدی و مولائی نے خطابِ "یا رسول اللہ" جائز رکھا خود اس پر عمل کیا اور نیز مولوی محمد قاسم صاحب کے کلام میں ہم ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے خطاب و ندائے "رسول اللہ" کو جائز رکھا، چنانچہ اشعار ان کے قصائدِ قاسمی مطبوعہ مراد آباد میں یہ ہیں صفحہ ۲: ؎

ترے بھروسہ پر رکھتا ہے عزۂ طاعت
گناہ قاسمِ برگشتہ بخت بد اطوار

اور صفحہ ۸ میں ہے: ؎

اگر جواب دیا بیکسوں کو تُونے نہیں | تو کوئی اتنا نہیں جو کرے کچھ استفسار

کروڑوں جُرموں کے آگے یہ نام کا اسلام | کرے گا یا نبی اللہ کیا یہ میری پکار
بہت دنوں سے تمنا ہے کیجیے عرض حال | اگر ہو اپنا کسی طرح تیرے در تک بار
مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا | نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامیٔ کار

یہ دیکھیے خطاب اور ندا کرنا اور مدد مانگنا سب کچھ ان اشعار میں موجود ہے
اللہ ہدایت کرے منکرین کو شور و شعب بیجا سے باز آئیں اور مؤلفِ براہین کا یہ
لکھنا کہ "ان صاحبوں کا خطاب و ندا غلبۂ شوق و محبت سے تھا وہ جائز ہے اور
دوسرے آدمی جو خطاب کرتے ہیں وہ اس طرح نہیں بلکہ وہ حضرت کا علم مستقل ذاتی
سمجھ کر کہتے ہیں یہ شرک ہے"۔ نہایت درجہ بے اصل اور دعوٰی بے دلیل ہے ہم بارہا
کہہ چکے ہیں کہ کسی کا یہ عقیدہ نہیں جو علمِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ذاتی مستقل سمجھے
بلکہ سب یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کا علم اور قدرت جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا
دیا ہُوا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے ارادہ اور اذن سے ہوتا ہے۔

اب بیان کریں ہم توجیہاتِ خطاب و ندا واضح ہو کہ **بعض محبین** درجۂ عشق کو
پہنچے ہُوئے ایسے ہوتے ہیں کہ جیسے حضرت ابوالحسن شاذلی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم
اجمعین کہ اُن سے ایک دم مشاہدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فوت
نہ ہوتا تھا ایسے آدمی اگر خطاب کریں تو ان کے نزدیک تو وہ خود حاضر ناظر ہیں
حاضر کے معنی موجود ہونا ناظر کے معنی دیکھنے والا۔ جب موجود ہُوئے تو دیکھنے والے
بھی ہُوئے ایسے شخصوں کے حق میں تو خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
کچھ محلِ کلام نہیں باقی رہے دوسری طرح آدمی کہ ان کو حضوری رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی حاصل نہیں ان کے حق میں بھی خطاب کرنا درست ہے۔ قطبِ ربانی
امام شعرانی میزان میں لکھتے ہیں: "محمد بن زین ایک مداحِ رسول تھا اکثر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی حالتِ بیداری میں زیارت کرتا تھا ایک بار اس سے

ایک آدمی نے اپنے واسطے سفارش حاکم سے چاہی یہ گئے اور حاکم نے ان کو اپنی مسند پر بٹھلایا اس دن سے دیکھنا منقطع ہو گیا اُس مقام پر خاص عبارت میزان کی ہے :

فلم یزل یطلب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرؤیۃ حتی قرء لہ شعراً فتراءی لہ من بعید فقال تطلب رؤیتی مع جلوسک علی بساط الظلمۃ فلم یبلغنا انہ راہ ذلک حتی مات ۔

یعنی پھر وہ مداحِ رسول سوال کرتا رہا حضرت سے کہ اپنا دیدار مبارک دکھا دیجئے یہاں تک کہ ایک دفعہ شعر پڑھا تب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دُور سے دکھائی دیئے اور فرمایا تو دیدار کا سوال کرتا ہے اور بیٹھتا ہے ظالموں کے فرش پر۔ پھر ہم کو خبر نہیں ملی کہ اس کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر نظر آئے ہوں یہاں تک کہ وہ مرگیا انتہی

اب دیکھئے کہ محمد بن زین مداح باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی نظر سے غائب تھے اور نظر نہیں آتے تھے وہ اس حالتِ غیبت میں بھی حضرت سے سوال کیا کرتا تھا کہ صورت مبارک دکھا دیجئے انتہی۔ پس اس سے صاف معلوم ہوا کہ اگر اور آدمی جن کو حضرت نظر نہیں آتے وہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواستِ دیدار کریں اور اشعارِ ندائیہ و خطابیہ غلبۂ شوق میں ایسے مضمون کے پڑھیں جیسے حضرت مرشدی و مولائی نے بحالتِ فراق و دردِ اشتیاق ہندوستان میں پڑھے تھے ؎

ذرا چہرے سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ
مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

تو صحیح اور جائز ہے، اگر نیم مُلّا خطرۂ ایمان اس کو شرک بتادے اور یہ کہے کہ تم

رسول اللہ کو عالم الغیب جانتے ہو، کہہ دو کہ اصل عالم الغیب بالذات اللہ تعالیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو غیب کی خبر دیتا ہے تو ان کو خبر ہو جاتی ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام جو اُن کی تفسیر سورۃ بقر میں ہے:

"یاد رکھو کہ حضرت مطلع ہیں اپنے ہر اُمتی کے حال سے کیونکہ ان کو خبر دی جاتی ہے سب اُمتیوں کی۔"

اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُمت کے اعمال صبح و شام آپ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔

تبصرہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہرقل بادشاہِ روم کو نامہ رقم فرمایا تھا بروایتِ بخاری اس کے الفاظ یہ تھے:

اما بعد فانی ادعوك بدعوة الاسلام اسلم تسلم۔	لیکن بعد اس کے بیشک میں بلاتا ہوں تجھ کو ساتھ بلانے اسلام کے تو اسلام لے آ تاکہ سلامت رہے۔

اِس میں خطاب حاضر کا ہے بادشاہِ روم کو، حالانکہ آپ ملکِ عرب میں تھے اور وُہ روم میں تھا اور وہ اصحابِ کشف سے نہ تھا کہ حضرت کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چونکہ یہ بات تھی کہ قاصد اس خط کو لے جا کر اُس کے ہاتھ میں دے دے گا یہ خط اس کی نظر کے سامنے گزرے گا خطاب صحیح ہو جائے گا اِسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خطوط میں مکتوب الیہ کو الفاظِ خطاب لکھ دیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیج دو اور تاکید جانو فقط اِسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط ان کو دے دے گا تو ہمارا خطابِ حاضر لکھنا صحیح ہو جائے گا، جب قاصدوں کی چٹھی رسانی کے اعتماد پر یہ خطاب حالتِ غیبوبیت میں جائز ہوا تو مضمونِ حدیث کے اعتماد پر کہ ہمارے اعمال واقوال ہر روز دو بار صبح و شام آپ کے

سامنے پیش کئے جاتے ہیں کیونکہ خطاب جائز نہ ہو جب ہمارے اقوال مخفی نہ رہے بلکہ آپ تک پہنچائے گئے[1] تو اگرچہ آپ کو ہم سے بُعدِ مکانی ہو لیکن آپ مثلِ حاضر کے ہیں پس خطاب بِحاضر کرنا جائز ہے۔ اور اگر ضعیف الایمان آدمی اس تقریر پر راضی نہ ہوں تو تیسری توجیہ اور بھی ہے یعنی جس کو کسی کا عشق ہوتا ہے اُس کا نقشہ آنکھوں میں پھرا کرتا ہے اِس اعتبار سے حاضر کا خطاب کر دیتے ہیں اشعارِ عرب میں یہ بات کثرت سے ہے ازانجملہ دو شعر عبدالسلام ابن یوسف کے جذب القلوب سے نقل کرتا ہوں؛ ؎

علی ساکن البطن العقیق سلام　　　وان اسھرونی بالفراق وناموا

(ترجمہ: اوپر رہنے والے بطنِ عقیق کے سلام ہے اگرچہ جگایا انہوں نے مجھ کو جُدائی میں اور آپ سویا کئے)

---

[1] مؤلفِ "براہینِ قاطعہ" نے صفحہ ۲۲ میں تینوں طرح خطاب مان لیا خواہ دل کے ساتھ ہو یا اعتماد پر کہ اعمالِ اُمت آپ پر پیش ہوتے ہیں تو یہ ہمارا خطاب بھی پیش ہو جائے گا اگرچہ بغیر درود کے ہوئے، تیسرے یہ کہ غلبۂ شہادت و محبت میں پکارتا ہے یہ بھی ندا جائز ہے الحاصل جس طرح انوارِ ساطعہ میں یارسول اللہ کا ثبوت دیا گیا ہے وُہ سب مان لیا پھر یہ لکھنا مؤلف کا کہ ہم منع اس لیے کرتے ہیں کہ عوام پکار دعام کو عالم الغیب بالذات اور مستقل جانتے ہیں تو خطاب کرنے میں اس عقیدہ کی تاکید ہوتی ہے بالکل غلط ہے اس لئے کہ سب آدمی حضرت کا علم خدا کا دیا ہُوا جانتے ہیں، نہ بالذات و مستقل۔ اور جب شرع شریف نے اثنائے خطاب الحیات میں ایہام پہ نظر نہ فرمائی تو شعر اور قصیدہ میں ایہام کا وہم کیوں ڈالتے ہیں۔

حرمتم علی النوم وھو محلل　　　وحللتم التعذیب وھو حرام

(حرام کردی تم نے مجھ پر نیند حالانکہ وہ حلال تھی اور حلال کرلیا ستانے کو حالانکہ وہ حرام ہے)

اور حضرت یوسف علیہ السلام کی بی بی زلیخا کا حال جو مولوی صاحب نے لکھا ہے سب کو یاد ہوگا کہ شروع عشق میں جب تک نکاح نہ ہوا تھا کس کس طرح تصورات میں باتیں کیا کرتی تھی از انجملہ تین شعر اُس مقام کے لکھتا ہوں ؎

خیال یار پیش دیدہ بنشاند　　　ہم ازلب گوھر فشاند

کہ از پاکیزہ گوہر از چکائی　　　کہ از تو داریم ایں گوہر فشانی

دِلم بردی و نام خود نہ گفتی　　　نشانی از مقام خود نہ گفتی

یہ زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام سے عالمِ غیبوبیت میں خطاب کر رہی ہیں نہ یہ شرک ہے نہ کفر، اور خود حضرت یوسف علیہ السلام راستہ میں جب بھائیوں کی خشونت اور درشت خُوئی اور آزار اور دست درازی دیکھتے تھے جب وہ اُن کو کنویں یعنی چاہ میں ڈالنے لے چلے تھے باپ کو پکار کر فریاد کرتے تھے ——

قول الجامی قدس سرہٗ ؎

گہے درخون گہ در خاک مے خفت　　　ز اندوہ دل صد چاک مے گفت

کجائی اے پدر آخر کجائی　　　زحال من چنیں غافل چرائی

بیا بنگر مرا ترا درچہ حالم　　　بدست ایں حسودان پا یمالم

پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعار شوقیہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں بطورِ خطاب حاضر کیے ہیں وہ اس لیے ہیں چونکہ تصوّر آپ کا دل میں بند ہوا ہے غلبۂ اشتیاق میں خطاب حاضرانہ بباعث حضور فی الذہن کے کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کو ایسا تصوّر اور ایسا خیال بندھا ہوا نہیں ان کی سمجھ میں

یہ بھی نہیں آنے کا۔ کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہٖ[1]۔ کلامِ الٰہی سچّا ہے۔

یارسول اللہ کیوں کہتے ہیں اس کی وجوہ

ہم چوتھی توجیہ خطاب کی اور بتادیں قرآن شریف میں وارد ہے یا حسرۃً علی العباد۔ یہاں لفظ یا حرفِ ندا ہے جس سے مخالف حاضر کو پکارا کرتے ہیں یہ لفظ یا داخل ہو رہا ہے حسرت پر، اور حسرت ایسی چیز بے ادراک و شعور ہے کہ اس کو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ مجھ کو کوئی پکارتا ہے امام رازی کا کلام اس مقام میں ہے:

المقصود ان ذلك وقت الحسرۃ فان النداء مجاز و المراد الاخبار۔

غرضکہ سب مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ ندا ر کلامِ عرب میں شائع ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ یہ وقت حسرت کا ہے، یعنی یہ نہیں کہ حسرت پکارتے ہیں اور بلاتے ہیں اس مقام پر ندا ہے مجازاً، جب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجازاً ہوتی ہے اور مراد اس سے خبر دینا ہوتا ہے پھر اسی طرح اس مقام میں سمجھ لو جو کوئی کہتا ہے؛ ؎

تمھارے نام پہ قربان یا رسول اللہ
فدا ہے تم پہ میری جان یا رسول اللہ

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے مراد اس کی جملہ خبریہ ہے گو اس نے لفظ ندائیہ بولا ہے کیا ضرور کہ یوں کہو یہ شخص تو خدا

---

[1] جھٹلایا انھوں نے اس چیز کو جس کا انھیں علم نہیں ۱۲

کی طرح حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے ۔ ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو، حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے **کلامِ صحابہ میں غائب کو خطاب اور ندا** موجود ہے۔ روایت ہے کہ حضرت علی جب وقتِ خلافتِ حضرت عثمان میں ایک رات مسجد کی طرف آئے دیکھا چراغ مسجد میں کثرت سے روشن ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دُعا دی، اس دُعا کے الفاظ سیرت حلبی جلد ثانی صفحہ ۲۳۵ میں یہ ہیں:

"نوّرت مساجدنا نوّر الله قبرك یا ابن خطاب"

یعنی روشن کیا تُو نے ہماری مسجدوں کو، اللہ روشن کرے تیری قبر کو اے بیٹے خطاب کے۔

دیکھئے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خطاب فرماتے ہیں بعد وفاتِ عمر، اور یہاں حضرت عمر کو پکار کر اپنی طرف متوجہ کرنا یا بلانا جو فائدہ ندا کا ہوتا ہے مقصود نہیں غرض ان کی دُعا دینی ہے یعنی اللہ روشن کرے عمر کی قبر کو۔ چنانچہ بعض راویوں نے جو روایت بالمعنی کرتے ہیں معنی مقصود کو قالبِ دُعا میں ڈھال کر روایت کر دیا ہے نوّر الله قبر عمر کما نوّر مساجدنا۔

اب ایک مسئلہ فقہ کا بھی لکھتا ہوں دُرِمختار اور قہستانی وغیرہ کُتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ جس وقت اذان میں مؤذن کہے الصّلٰوۃ خیرٌ من النوم یعنی نماز پڑھنا اچھا ہے سونے سے۔ اس وقت چاہیے سامعین جواب اس کا اس طرح دیں صَدَقْتَ وَبَرَرْتَ یعنی تُو نے سچ کہا اور بھلا کہا۔ لکھا فقیہ شامی نے کہ یہ جواب دینا حدیث میں آیا ہے واضح ہو کہ یہ جواب دینا

کتبِ فقہ میں ہرگز مقید اس بات کے ساتھ نہیں کہ مؤذن کے پاس آکر جواب دیں دُور سے نہ پڑھیں، پس اسی واسطے یہ دستور ہے کہ جس وقت صبح صادق کو مؤذن اذان کہتا ہے اور آدمی اکثر اس وقت اپنی اپنی منزل اور مکانات میں ہوتے ہیں نہ ان کو مؤذن وہاں سے نظر آتا ہے غائب نظر سے اور نہ مؤذن خود ان کے خطاب کو سُن سکتا ہے بایںہمہ اس حالت غیبوبیت میں جہاں مؤذن نے کہا الصلوٰۃُ خیرٌ من النوم سب مسلمان آدمی جواب دیتے ہیں صَدَقْتَ وَ بَرَرْتَ یعنی تُو نے سچ کہا اور بھلا کہا۔ یہ غائب کو خطاب حاضر کا ہوتا ہے۔ پس چاہیئے اُن فقہا آخر الزمان کے نزدیک یہ سب جواب دینے والے کافر ہوں، حالانکہ وُہ مستحقِ ثواب ہوتے ہیں اگرچہ انہوں نے خطاب کیا لیکن مراد ان کی یہ ہے کہ مؤذن نے سچ بات کہی پس اسی طرح جو شخص کہتا ہے: ؎

ماسوائے تو یا رسول اللہ

شد برائے تو یا رسول اللہ

اگرچہ خطاب کیا ہے لیکن مراد یہی ہے کہ ہر مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے واسطے یعنی ان کے سبب پیدا کیا ہے۔ اور جو کوئی فقط یہ لفظ کہے یا رسول اللہ اس کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ شرح ملّا اور غایۃ التحقیق وغیرہ میں ہے کہ لفظِ یا بمعنی اَدعُو ہے اور ادعو کے معنی ہیں ہندی میں کہ میں پکارتا ہُوں۔ پس جس نے کہا یا رسول اللہ اس کے معنی قاعدۂ عربی سے یہ ہُوئے کہ پکارتا ہُوں رسول اللہ کو، یعنی ان کو یاد کرتا ہُوں اُن کا نام لیتا ہُوں۔ کہو اس میں کیا شرک کیا کفر ہو گیا، اور یہ بھی ضابطہ کلامِ عرب میں لفظ یا کی نسبت ٹھہر چکا ہے منادی بہا القریب والبعید یعنی پکارا جاتا ہے لفظ یا کے ساتھ نزدیک و دُور ہر طرح سے۔ الحاصل ہم خطاب کو چند

توجیہات سے ثابت کر چکے اور نیز ثبوتِ کامل دے چکے عہدِ رسالت سے اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بالفاظِ خطاب و بصیغہ حاضر یاد کرنا نماز میں اور خارج نماز دُعا اور غیر دعا میں نظم و نثر میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء علماء و صلحاء مقبولین سے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ مقبولین باوجود حالتِ غیبوبیت خطاب کرنے والے معاذ اللہ معاذ اللہ ان منکرین کے نزدیک کافر ہیں یا خود ان کی تکفیر انہی پر منقلب ہوتی ہے ہمارے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

من دعاء رجلاً بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلک

الا وعاد علیہ۔ (متفق علیہ)

یعنی صحیح مسلم اور بخاری میں ہے جو شخص کسی کو کافر یا اللہ کا دشمن کہے گا حالانکہ وُہ ایسا نہیں تو کفر اور لعنت کا کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹ آئے گا۔ انتہی

اب چاہیئے کہ مانعین اپنے ایمان کی خیر منائیں کبھی الفاظ گستاخانہ بیباکانہ زبان پر نہ لائیں۔ اور ابھی تازہ ان ایّام میں حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً سے فتویٰ جوازِ یا رسول اللہ کا آیا ہے بطور تلخیص اس کا مضمون نقل ہوتا ہے

تحریر مفتیِ مدینہ :

ما قولکم یا علماء الملة السمحة البیضاء و مقا فی الشریعة الغراء فی النداء بقول یا رسول اللہ ھل ھو یجوز ام لا وھل یکفر قائلہ ام لا۔

الجواب الحمدللہ تعالیٰ اسأل اللہ المولی الکریم ذا الطول والتوفیق والاعانة فی الفعل والقول نعم یجوز النداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والتوسل والاستغاثة فی مہام الامور فنعم الوسیلة ھو الی ربنا فی مدة حیوة فی الدنیا وبعد موتہ فی مدة

البرزخ وبعد البعث فی عرصات القیٰمة ولانعتقد تاثیرا ولاخلقا ولا نفعا ولاضرا ولا ایجادا ولا اعداما الا اللہ وحدہٗ لا شریک ولا یقول احد بحفر المتوسل به الیٰ ربه علی هذا الوجه الا من ظنونه علی فساد العقیدة طوية ولا فرق بين ان يعبر بلفظ الاستغاثة او التوسل والتشفع والتوجه وان كل منها واقع فی كل حال قبل خلقه وفی مدة حياته فی الدنيا وبعد موته فی البرزخ وفی القیٰمة قال فی المواهب اما التوسل به صلی اللہ علیه وسلم بعد موته فی البرزخ فهو اكثر من ان تحصی الخ وبالجملة فالمسألة واضحة جلیة قد افردت بالتالیف فلا حاجة الی الاطالة فان من نور اللہ بصیرته یکتفی باقل من هذا ومن طمس اللہ بصیرته فلا یغنی عنه الآیات والنذر ولم یزل السلف والخلف یتوسلون بسید الوجود ویستغیثون به وقد شذت طائفة عن السواد الاعظم منهم من یجعله کفرا واشراکا وکل ذلك باطل واللہ در الشیخ محمد بن سلیمان الکردی رحمه اللہ حیث قال فی رسالة یخاطب محمد بن عبد الوهاب حین قام بالدعوة یا ابن عبد الوهاب سلام علیٰ من اتبع الهدی فانی انصحك للہ تعالیٰ ان تحفظ لسانك عن المسلمین فان سمعت من شخص انه یعتقد تاثیر ذلك المستغاث به من دون اللہ فاعرفه الصواب واذکر له الادلة علی انه لا تاثیر بغیر اللہ تعالیٰ فان ابیٰ فکفره حینئذ بخصوصه ولا سبیل لك الی تکفیر السواد الاعظم من المسلمین وانت شاذ عن السواد الاعظم فنسبة

الکفر الی من شذ عن السواد الاعظم اقرب لانہ اتبع غیر سبیل المؤمنین قال تعالیٰ
ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر
سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم وساءت مصیرا
وانما یأکل الذئب القاصیۃ واللہ سبحنہ وتعالیٰ ولی الھدایۃ
وبہ العصمۃ والحمایۃ رقمہ الفقیر الی عفوربہ القدیر
عثمان بن عبد السلام داغستانی مفتی المدینۃ المنورۃ الحنفی ۔

عثمان بن عبد السلام داغستانی

ترجمہ بطور خلاصہ: کیا کہتے ہو اے مفتیانِ شریعت، جو آدمی یا رسول اللہ
پکارے وہ کافر ہو جاتا ہے یا نہیں، یہ پکارنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: اللہ ہی کو تعریف، مانگتا ہوں اس سے مدد اپنے قول و
فعل میں، ہاں جائز ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا پکارنا اور وسیلہ پکڑنا
اور فریاد رسی کاموں میں، وہ اچھے وسیلے ہیں جب دنیا میں تھے اور اب جو برزخ
میں ہیں اور جب قیامت میں اٹھیں گے، اور ہم نہیں اعتقاد رکھتے سوائے وحدہٗ
لاشریک کے کسی میں کہ کوئی مؤثر ہے یا خالق ہے یا نفع دے یا نقصان دے یا ہست
کرے یا نیست کرے، اور رسول اللہ کے وسیلہ پکڑنے والوں کو کافر وہی کہے گا
جس کے دل میں عقیدہ فاسد رہا ہے اور کچھ فرق نہیں حضرت کی نسبت لفظ
استغاثہ کے کہے یا توسل یا شفاعت طلبی یا توجہ کے لفظ کہے یہ سب حضرت کی
نسبت واقع ہیں قبل پیدا ہونے آپ کے اور حالتِ حیات دنیا میں اور بعد موت
برزخ میں اور قیامت میں، مواہب اللدنیہ میں لکھا ہے کہ حضرت سے وسیلہ
پکڑنا بعد آپ کی وفات کے اس قدر واقع ہوا ہے کہ شمار نہیں ہو سکتا۔ خلاصہ
یہ کہ مسئلہ صاف ہے میں نے مستقل کتاب اس میں لکھی ہے اب کیا طول دوں

جس کی آنکھ میں اللہ کا نور ہے وہ اس سے بھی کم میں بس کرے گا اور جس کی آنکھ اللہ نے بے نور کر دی ہے اس کو آیات اور دلائل مبینہ کافی نہیں اور ہمیشہ سے سلف و خلف وسیلہ پکڑتے رہے ہیں اور فریاد چاہتے رہے ہیں آپ سے، اب بچھڑ گئے سوادِ اعظم سے ایک جماعت کوئی اُن اس کو حرام کہتا ہے کوئی کفر اور شرک اور سب جھوٹ ہے واللہ کیا اچھا کہا شیخ محمد بن سلیمان کردی نے اپنے رسالہ میں محمد بن عبدالوہاب (نجدی) کو خطاب کر کے کہ میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں خدا کے واسطے اپنی زبان مسلمانوں سے بند کر اگر تو کسی سے یہ سُنے کہ وہ تاثیر اللہ تعالیٰ کے سوا اس سے اعتقاد کرتا ہے کہ جس کو وہ پکارتا ہے اس کو راہِ صواب تعلیم کر کہ تاثیر غیر اللہ میں نہیں، جب وہ نہ مانے اُس وقت خاص اس کو کافر کہہ یہ نہیں کہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو تو کافر کہنے لگے، تو خود بچھڑا ہوا ہے سوادِ اعظم سے، پس کفر کی طرف نسبت کرنا اُس کا بہتر ہے جو جُدا ہوا سوادِ اعظم سے، اس واسطے کہ اس نے وہ راہ لی جو مومنین کی نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو کوئی مخالفت کرے رسول کی جب کھل چکی اس پر ہدایت کی بات اور چلے سوائے راہ مومنین کے ہم اُس کو حوالہ کر دیں وہی طرف جو اس نے پکڑی اور ڈالیں اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بُری جگہ ہے اور بھیڑیا اس کی بکری کو کھا جائیگا جو گلہ سے دُور جا کر کھڑی ہو گی، اور اللہ پاک مالک ہے ہدایت کا اسی سے عصمت اور حمایت ہے۔ لکھا غفورِ الٰہی کے محتاج عثمان بن عبدالسلام داغستانی نے جو مفتی حنفی ہے مدینہ منورہ میں۔

عثمان بن عبدالسلام داغستانی

عباراتِ مفتیانِ مکہ معظمہ

(۱) قول القائل یا رسول اللہ بطریق الاستغاثۃ جائز کما ف

المواهب اللدنية وغيرها واللہ سبحٰنہ اعلم امر برقمہ خادم الشریعة والمنهاج عبد الرحمٰن بن عبد اللہ سراج مفتی المکة المکرمة کان اللہ لهما ۔ (یہ مفتی حنفی ہیں مکہ معظمہ میں) عبد الرحمٰن سراج

(۲) حامداً ومصلیاً ومسلّماً اصاب من اجاب ۔ محمد رحمت اللہ

یہ حضرت استادنا مولنا شیخ العلماء محمد رحمت اللہ دامت فیوضہم وہ ہیں جن کا شہرہ تمام ہندوستان اور ملکِ حجاز اور روم وغیرہ میں ہے اور حضرت سلطان اس وقت تک دوبار باعزازِ تمام ان کو بلا چکے ہیں اور اصل مولد آپ کا ملک ہندوستان ہے ۔

(۳) حامداً ومصلیاً ومسلّماً للہ در من اجاب ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم بالصواب ۔ محمد عبد الحق

یہ عالم، محدث اور صوفی بابرکت ہیں ۔

(۴) ما حررہ مفتی الاحناف ھو عین الصواب والموافق للحق بلاشک وارتیاب ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم خادم الشریعة ببلدة اللہ المحمیة ۔ ابوبکر حجی سیونی مفتی المالکیہ

(۵) قول الشخص یا رسول اللہ متضمن لندائه وتوسل به صلی اللہ علیه وسلم اما النداء فلا شك في جوازه اذا کان علی وجه التعظیم یا نبی اللہ واما التوسل به فهو ایضا جائز کما روی الطبرانی والبیهقی ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنه فی زمن خلافته فی حاجته فکان لا یلتفت الیه ولا ینظر الی حاجته فشکی ذلك لعثمان بن حنیف رضی اللہ عنه فقال ایت المیضاء فتوضأ ثم ایت المسجد فصل ثم قل اللهم انی

اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد نبي الرحمة يامحمد انى اتوجه بك الى ربك الحديث فهذا توسل ونداء بعد[1] وفاته صلى الله عليه وسلم وفى هذا القدر كفاية لمن هداه الله تعالى والله سبحٰنه تعالىٰ اعلم وكيل مفتى الشافعية بالمكة المحمة محمد سعيد بن محمد باب صيل عفى عنه۔ محمد سعيد بابصيل

(۶) اما قول يارسول الله فهو من باب التوسل به صلى الله عليه وسلم الى الله وهو انفع الوسائل عند الله تعالى والله سبحٰنه وتعالىٰ اعلم امر برقمه الحقير خلف بن ابراهيم خادم افتاء الحنابلة بالمكة المشرفة۔ راجی عفور الرحیم خلف بن ابراهیم

(۷) ما اجاب[2] به مفاتى الاسلام فوجدتها فى غاية الصواب الموافق لمذهب هداة الانام لا يخالفها الا من طمس الله بصره وبصيرته

---

[1] یہ وہی روایت ہے جو انوار ساطعہ میں ہم طبرانی کی معجم کبیر سے مفصل روایت کر چکے ہیں کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عہد عثمان رضی اللہ عنہ میں یہ خطاب وندا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد انی اتوجه اليك الی آخرہ عمل میں آیا ہے۔ مفتی شافعی بھی اسی روایت پر جسکو جواز یارسول اللہ دیتے ہیں ۱۲

[2] جو کچھ جواب دیا ہے اسلام کے مفتیوں نے میں نے اس کو نہایت صواب پایا اور موافق مذہب اُن کے جو خلقت کے ہادی ہیں اس کی مخالفت نہ کرے گا مگر وہی جس کی آنکھ ظاہری و باطنی دونوں اللہ تعالیٰ نے اندھی کر دیں، سو واجب ہے مسلمانوں پر کہ ان مفتیوں کی پیروی کریں ۱۲

فوجب علی المسلمین اتباع ما قالوہ کتبہ راجی رضاء الخبیر عبد القادر بن محمد علی خوکبیر المدرس والامام بالمسجد الحرام۔

لمعہ ثامنہ ___ اعتراضات متفرقہ

محفل میں چوکی ا، فرشِ مکلف بچھانے اور زینت کا اثبات

اعتراض اوّل: مولد شریف پڑھتے ہیں بڑی زیب و زینت کرتے ہیں، فرش مکلف بچھاتے ہیں، چوکی اور مسند لگاتے ہیں۔

جواب: یہ زیب و زینت کہ بانیِ محفل گھر میں چاندنی قالین وغیرہ جو کچھ اس کو بہم پہنچے بچھائے بفتوائے مفتیانِ دینِ متین جائز ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ کی جلد خامس، الباب العشرون فی الزینۃ میں لکھا ہے:

یجوز للانسان ان یبسط فی بیتہ ماشاء من الثیاب المتخذۃ من الصوف والقطن والکتان المصبوغۃ وغیرھا والمنقشۃ وغیرھا۔

انسان کو درست ہے کہ اپنے گھر میں بچھائے جو چاہے کپڑے بنائے ہوئے اُون کے اور رُوئی کے اور چھال کے، رنگین ہوں یا سادہ، نقشین ہوں یا بے نقش۔

اور دُرِ مختار کے مسائل شتی آخر کتاب میں ہے:

واباح اللہ الزینۃ بقولہ تعالیٰ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ الآیۃ

اور مباح کیا اللہ تعالیٰ نے زینت کو جو فرمایا ہے تو کہہ کس نے منع کی ہے زینت اللہ کی جو پیدا کی اس نے بندوں کے واسطے۔

اور چوکی اور خوشبو اور لوبان وغیرہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حلیہ وجمال ومعجزات وغیرہ کا بیان کرنا اصطلاحِ محدثین میں حدیثِ رسول اللہ ہے جیساکہ اُوپر تحقیق ہو چکا اور حدیث کے لیے استعمال امورمذکورہ کو محدثین بالاتفاق مستحب لکھتے ہیں:

ویستحب الغسل والتطیب لقراءۃ حدیثه وروایته استماعه وان یقرء علی مکان مرتفع عال۔

اور مستحب ہے غسل کرنا اور خوشبو استعمال کرنا حدیث کے پڑھنے اور روایت کرنے اور سننے کے واسطے، اور یہ بھی مستحب ہے کہ پڑھی جائے حدیث اونچے بلند مکانوں پر۔

یہ مسئلہ قسطلانی و زرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں۔

اور امام مالک غسل کرکے کپڑے نفیس پہن کر چوکی پر بیٹھتے اور جب تک حدیثِ رسول اللہ پڑھتے برابر خوشبو کی دھونی سُلگتی رہتی تھی۔ علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

ولا یزال یتجبر بالعود حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اجلالا له فانه کان یحب الرائحة الطیبة فیجعل مجلس حدیثه کمجلسه حیا صلی اللہ علیه وسلم۔

اور برابر سُلگتی رہتی عود حتی کہ وہ فراغت پاتے حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اسی واسطے کہ عظمت و جلال ظاہر ہو کیونکہ حضرت پسند فرماتے تھے خوشبو کو اسی واسطے آپ کی مجلسِ حدیث بھی ویسی ہی خوشبو دار کرتے تھے جیسی حالتِ زندگی میں آپکی مجلس خوشبودار اور مصفا ہوتی تھی۔

اور لکھا زرقانی نے کہ امام مالک جو کچھ یہ تعظیمِ حدیثِ رسول اللہ کرتے تھے کہتے ہیں یہ سب موافق عمل سعید ابن مسیب تابعی کے کرتے تھے۔ بھلا جن امور کی اسناد تابعین اور تبع تابعین سے ملتی ہو اس پر طعن کرنا کیسی کج فہمی ہے اللہ تعالےٰ نے

ہدایت نصیب کرے اور ثبوت ان امور کا ایک دوسری تقریر سے اوپر بھی گزر چکا۔

خوش الحانی سے قصائد پڑھنے اور سماع مباح کا جواز

اعتراض ثانی: قصائد و اشعار بہت خوش الحانی سے بنا کر پڑھتے ہیں۔

جواب: یہ کہ زینت دینا آواز کا شرع میں مطلوب ہے۔ زینوا القرآن باصواتکم یعنی زینت دو قرآن کو خوش آوازی سے۔ روایت کیا اس کو امام احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ اور دارمی نے۔ اور دارمی کی روایت میں ہے' فان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً یعنی اچھی آواز سے قرآن کا حُسن زیادہ ہوجاتا ہے۔ اور اس فریق کے مسلّم الثبوت عالم ربانی مجدد الف ثانی جلد ثالث مکتوبات[۲] میں فرماتے ہیں:

دیگر درباب مولود خوانی اندراج یافتہ بود درنفس قرآن خواندن بصوت حسن و درقصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیر حروف قرآن است والتزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صورت[۱] بآں طریق الحان با تصفیق[۲] مناسب آن کہ درشعر نیز غیر مباح است انتہی۔

دوسرا آپ نے مولود خوانی کے متعلق لکھا تھا کہ اچھی آواز سے صرف قرآن مجید اور نعت و منقبت کے قصائد پڑھنے میں کیا حرج ہے البتہ قرآن مجید کے حروف کو تبدیل و تحریف کرنا منع ہے اور مقامات نغمہ کا التزام کرنا، الحان کے طریق سے آواز پھیرنا اور اس کے مناسب تالیاں بجانا جو کہ شعر میں بھی جائز نہیں میلاد میں بھی منع ہے انتہی

---

[۱] تردید صوت یعنی کٹکری لگانا۔

[۲] تصفیق یعنی تالی بجانا۔

اس سے معلوم ہُوا کہ خوش آوازی سے مولود پڑھنا جائز ہے، ہاں البتہ تالی بجانا اور رعایت راگنی کے قواعد کی نہ چاہیے۔ یہ ان کا قول ہے۔ اور مواہب لدنیہ میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:

والحق ان السماع اذا وقع بصوت حُسن بشعر متضمن للصفات العلية او النعوت النبوية المحمدية عريا عن الآلات المحرمة واثار اكان من المحبة الشريفة العلية كان من الحسن فی غاية ولتمام تزكية النفس نهاية الىٰ آخره۔

حق اللہ یہ ہے گانا سننا اگرچہ اچھی آواز سے ہو اور گائیں ایسا شعر جس میں صفات عالی نعت حضرت نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں اور ہو وہ گانا خالی حرام باجوں سے اور جوش میں لائے دل کی چھپی ہوئی محبت کو تو یہ گانا انتہا درجہ کی خوبی میں ہوگا اور پُوری طرح پاک کر دے گا نفس کو نہایت درجہ پر۔ الیٰ آخرہ۔

ظاہر ہے کہ گانے سے مراد فساق کی وضع کا نہیں بلکہ خوش الحانی کے ساتھ بنا کر پڑھنا مراد ہے۔

اور نیز مولوی اسمٰعیل صاحب "صراطِ مستقیم" میں لکھتے ہیں حُبِ عشقی کے بیان میں:

از جملہ مویدات آن استماع الحان خوش و اصوات دلکش و قصص شوق آمیز و اشعار عشق انگیز ست انتہی۔

حبِ عشقی کے مویدات میں سے خوش الحانی، دلکش آواز، قصص شوق اور اشعار عشق انگیز کا سُننا ہے انتہی

اب مولوی اسمٰعیل صاحب کے دادا پیر شاہ عبد العزیز صاحب (محدث دہلوی) رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ سماع کو درست فرماتے ہیں وسیلۃ النجات یعنی دس سوالات مسئولہ شاہ بخارا کے جواب میں فرماتے ہیں:

"جواب سوال ثامن آنکہ قال السرخسی فی البدیع والسماع فی اوقات السرور

تاکیداً للسرور مباح انکان ذلک السرور مباحاً کالغناء فی ایام العید وفی العرس فی وقت مجی الغائب ووقت الولیمۃ والعقیقۃ وعند الولادۃ والختانۃ وختم القرآن"۔ یعنی کہا امام سرخسی نے بدیع میں کہ گانا سُننا خوشی کے وقت واسطے خوشی زیادہ ہونے کے درست ہے بشرطیکہ وُہ خوشی بھی درست ہو جس طرح گانا ایام عید اور نکاح میں اور پردیس سے آئے ہوئے کی خوشی میں اور ولیمہ اور عقیقہ اور بچہ پیدا ہونے اور ختنہ اور ختم قرآن میں' اور یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے تھے خوش آواز کو۔ روایت ہے کہ سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا ابی موسیٰ کا۔ فرمایا:

لقداوتی ھذا مزماراً من مزامیر آل داؤد یعنی حضرت داؤد جو کمال خوش آواز تھے ان کی آوازوں میں سے ابی موسیٰ کو آواز ملی ہے۔ جب یہ خبر ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ کو پہنچی انھوں نے عرض کی:

یارسول اللہ لو علمت انک تسمع تجرتہ لک تجیراً۔ یعنی جو میں جانتا کہ آپ سُنتے ہیں تو خوب ہی بنا کر پڑھتا۔

غرضکہ حسن صوت اور خوش الحان ہر سلیم الطبع کو پسند ہے مگر جو لوگ پلید الطبع بارد مزاج ہیں وہ اس کی قدر نہیں جانتے۔ علامہ قسطلانی نے مواہب میں لکھا ہے:

وھذا الجمل مع غباوۃ الطبع	یہ اونٹ باوجودیکہ بےشعور اور کند طبیعت
یتاثر بالحداء تاثیرا یمد عنقہ	ہے پھر بھی اثر پاتا ہے شتربان کے گانے
ویصغی سمعہ الی الحادی	پر گردن بڑھاتا ہے اور کان لگا دیتا ہے
فمن لم یحرکہ فھو فاسد	گانے والے کی طرف پھر جو ایسا ہو

المزاج بعید العلاج انتہی ملخصا کہ گانے سے اس کا دل ذرا بھی نہ ملے تو جانو کہ اس کا مزاج بگڑا ہوا ہے علاج اس کا مشکل ہے۔ انتہی ملخصا

اِسی معنی میں سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ؎

شتر بشعر عرب در حالت است و طرب
گر ذوق نیست ترا کج طبع جانورے

(ترجمہ: اونٹ عربی اشعار اور شتربان کی سُریلی آواز پر جھومتا ہے اے انسان! اگر تجھے ذوق نہیں تو کج طبع جانور کو دیکھ لے)

امردوں کا مدح پڑھنا بھی درست ہے

جب منکرین سے کسی طرح خوش آوازی رد نہیں ہو سکی تو کہتے ہیں کہ بے ریشے لڑکوں سے قصائد و مدح پڑھواتے ہیں اور براہین قاطعہ صفحہ ۹ میں لکھا ہے :

دیکھو درمختار میں امرد صبیح کی امامت کو مکروہ لکھا ہے تو مجلس میں مدح خوانی کب درست ہو وے گی انتہا ملخصا۔

الجواب : ہزاروں محافلِ میلاد ایسی ہوتی ہیں کہ جوانان صلحاء و علماء و قراء و حفاظ پڑھتے ہیں اور لڑکوں کے پڑھنے تک نوبت بھی نہیں آتی۔ منکرین ان سب کو چھوڑ کر ایسی مجلس کو زبان پر لائے کہ جس میں بعض لڑکوں کی مدح خوانی بھی ہوئی۔ سوا اوّل تو یہ امر خود قابلِ استدلال نہیں یعنی کسی مجلس میں لڑکوں کے پڑھنے سے علی العموم سب مجالسِ میلاد پر طعن نہیں ہو سکتا قطع نظر اس سے ہم یہ کہتے ہیں مانعین کے پاس کوئی سند ایسی نہیں جس میں صراحۃً یہ مذکور ہوا کہ لڑکوں بالغ یا نابالغ

کا نعت پڑھنا ناجائز ہے ناچار قیاس کی حاجت ہوئی تو امامتِ امرد کا مسئلہ پیش کیا۔ سو حقیقت اس کی سننی چاہیے۔ ابو المکارم شرح نقایہ و نیز دیگر کتبِ فقہ میں ہے کہ لڑکا جب تک ٹھیک نہ ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا یہ حال ہے:

فی النفل صح عند محمد رحمۃ اللہ علیہ ولم یصح عند ابی یوسف رحمہ اللہ۔

یعنی امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک نوافل نابالغ کے پیچھے ہو جاتے ہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں ہوتے۔

اور کافی میں ہے:

قال مشائخ بلخ جاز الاقتداء بالصبی فی التراویح والسنن المطلقۃ والنوافل۔

یعنی بلخ کے بڑے بڑے علماء نے فرمایا ہے کہ نابالغ لڑکے کے پیچھے جائز ہے پڑھنا تراویح اور مطلق سنتوں کا اور نفلوں کا۔

اور خلاصہ میں ہے:

جوزھا فی التراویح مشائخ خراسان وناخذ وعن الشافعی رحمہ اللہ انہا یجوز فی الفرائض ایضاً۔

یعنی خراسان کے بڑے علماء نے تراویح پڑھنا نابالغوں کے پیچھے جائز رکھا ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں عمل میں اور امام شافعی رحمہ اللہ سے یہ ہے کہ فرض تک بھی جائز ہیں۔

اور جو علماء ناجائز کہتے ہیں اور یہی صحیح ہے ان کی دلیل یہ نہیں کہ نابالغوں کو جہر کے ساتھ پڑھنا اور سامعین کو سننا اس کا مفسدِ صلوٰۃ ہے بلکہ بالاتفاق یہ دلیل قائم کرتے ہیں کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں اور بالغین جو اس کے پیچھے

پڑھیں گے ان پر فرض ہے بنائً علیہ فرض اپنی قوت اور شان کے سبب غیر فرض پر جو کہ ضعیف ہے بنا نہیں ہو سکتا جب دلیل منع یہ ہے تو نابالغوں کی نعت خوانی اُس پر قیاس نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ شئے دیگر ہے پس چاہیئے کہ وہ بالاتفاق جائز ہووے۔ یہ حال تو نابالغ کا تھا اور جب لڑکا بالغ ہو گیا پھر تو کسی کا خلاف نہیں بلکہ بالاتفاق اس کے پیچھے نماز فرض و نفل جائز ہیں اس لیے کہ بالغ پر احکام فرض ہو جاتے ہیں تو فرض کی بنا صحیح ہے۔ قہستانی شرح نقایہ میں ہے:

ویقتدا ببالغ غیر ملتحٍ۔

یعنی اقتدا کیا جائے ساتھ بالغ بے ریش کے۔

اور دُرمختار میں جو کراہت ثابت کی ہے تو شامی شارح درمختار نے کھول دیا: الظاھر انھا تنزیھیة۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تنزیہہ ہے۔ اور مکروہ تنزیہہ کو صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

اما المکروھة کراھة تنزیه فالی الحل اقرب۔

جو چیز مکروہ تنزیہ ہوتی ہے وہ حلال ہونے سے قریب تر ہوتی ہے۔

اور لکھا فاضل چلپی نے:

واما عند محمد فھو ما کان ترکه اولیٰ مع عدم المنع عن الفعل۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہ وُہ ہے جس کا چھوڑ دینا بہتر ہو اور یہ بھی اس کے ساتھ ہے کہ اس کا کرنا منع نہیں ہوتا۔

اور فتح القدیر وغیرہ نے بھی مکروہ تنزیہ کو خلافِ اولیٰ قرار دیا ہے بھلا جب یہ بات مانعین کے نزدیک اس درجہ کی کراہیت میں تھی کہ اگر کی جائے تو گناہ بھی نہیں بلکہ حلت کی طرف اقرب ہے، جیسا کہ صدر الشریعۃ اور چلپی سے معلوم ہوا تو ایسی

شکل میں کیوں انہوں نے جنگ و جدال و مخاصمت و نزاع باہمی پیدا کیا جو بالاتفاق حرام ہے ،

نابالغ کے امام بنانے میں اختلاف ہے

اور یہ بھی اختلاف باقی ہے کہ وُہ کراہت تنزیہ امامت امرد کی کس وجہ سے ہے بعض علماء نے لکھا اس واسطے مکروہ ہے کہ اکثر ایسی عمر والے مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور لوگ ان کی امامت سے نفرت کیا کرتے ہیں اور بعضوں نے کہا اس لیے مکروہ ہے کہ اندیشہ ہے جب امرد آگے کھڑا ہو شاید لوگوں کو شہوت پیدا ہو جائے ۔ یہ دونوں تعلیل فقیہ شامی نے بحثِ امامت میں لکھی ہیں پس شق اوّل کے موافق تو منع نعت خوانی کا قیاس بالکل جاتا رہا اور ظاہر ہے کہ اگر امرد کی آواز موجبِ کراہت ہوتی تو جہر کی نمازیں مکروہ ہوتیں اور خفیہ قراءت کی نمازیں مکروہ نہ ہوتیں ، یہ بات تو نہیں بلکہ علی العموم ہر نماز جہریہ خفیہ مکروہ ہے تو کراہت بباعث آواز کے نہ ہُوئی اس تقریر سے ان کی آواز ضابطہ منع میں داخل نہیں پھر مدح خوانی ان کی کیوں منع ہو ۔ اب باقی رہی شق دُوسری کہ کراہت بباعث احتمال شہوت پیدا ہونے مقتدیوں کے ہے اس صورت میں ہم منع کرتے ہیں قیاس علی الامامت کو اس لیے کہ مجلس کا امام ہم اس کو قرار دیتے ہیں جو قاریِ مولد شریف ہے مکان صدر یعنی منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتا ہے جس طرح امام اپنی قوم پر مقدم ہے اسی طرح وہ قاری اہلِ مجلس پر مقدم عالی مقام پر بیٹھا ہے اور جو لوگ حلقۂ مجلس میں بیٹھے ہیں وہ تشبہ صفت مقتدیوں سے رکھتے ہیں پس حلقہ مجلس میں اگر کسی بالغ یا نابالغ لڑکے نے نعت پڑھی تو اس کی نظیر یہ ہے کہ جب مسجد میں مرد اور عورتیں اور لڑکے اور

مخنث سب نماز کے لیے جمع ہوجائیں تو حکم ان کا شرع میں یہ ہے :

ویصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء ۔

یعنی حکم دے امام صف باندھنے کا اول مردوں کو پھر ان کے پیچھے لڑکوں کو پھر ان کے پیچھے مخنثوں کو پھر عورتوں کو انتہٰی ۔

دیکھیے مخنث اور عورتوں اور لڑکوں کو شرع میں مسجد سے نکال دینے کا حکم نہیں دیا گیا اگر کوئی ان کو امام بناتا تو منع کا حکم دیا جاتا ۔ جب یہ بات ٹھہری کہ امام تو وُہی ہے جو قابلِ امامت ہے باقی مسجد کے اندر صفِ اقتدار میں، جو لوگ اپنے طور پر تسبیح و تحمید و تشہد وغیرہ پڑھ رہے ہیں وہ سب حکمِ جواز میں ہیں خواہ وہ عورتیں ہیں خواہ لڑکے بالغ نابالغ ہوں، اسی طرح حلقہ محفلِ میلاد میں جس طرح سب آدمیوں کی زبان پر درود شریف وغیرہ کلمہ کلام جاری ہے اُس میں سے کسی امرد بالغ نابالغ نے نعت شریف بھی پڑھ دی تو جائز ہے اس کو امامت پر قیاس کرنا ہم نہیں تسلیم کرتے ، ہاں حالت اقتدائے مقتدیان پر جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا قیاس کرنا مانتے ہیں اور وُہ جائز ہے بالاتفاق ۔

امرد کی طرف بلا شہوت دیکھنا جائز ہے

اب ہم مسئلہ نظر بھی لکھتے ہیں واضح ہو کہ شہوت سے امرد کو دیکھنا مکروہ ہے اور بلا شہوت درست ہے یہ بھی 'درمختار' میں لکھا ہے جس سے مؤلفِ 'براہین' نے سند پکڑی، عبارت یہ ہے :

فانہ یحرم النظر الی وجہ الامرد اذا شك فی الشھوۃ اما بدونھا فمباح ولو جمیلا ۔	بیشک حرام ہے دیکھنا صورت بے ریش لڑکے کا جب شہوت کا شک ہو اور بدون شہوت کے درست ہے اگرچہ خوبصورت ہی ہووے ۔

اور اسی درمختار کے مسائل نظر میں لکھا ہے :

وینظر الرجل من الرجل ومن غلام بلغ حد الشھوۃ ولو امرد صبیح الوجہ۔	اور دیکھے ہر مرد بدن مرد کا اور لڑکے کا جو شہوت کی حد کو پہنچ گیا اگرچہ خوبصورت لڑکا ہُوا۔

اور شارح درمختار فقیہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بیانِ سترِ عورت میں لکھا ہے :

واجمعوا علیٰ جوازہٖ بغیر قصد اللذۃ والناظر مع ذلک امن الفتنۃ۔	سب علماء نے اجماع کیا ہے کہ نظر کرنا امرد کی طرف جائز ہے بغیر ارادہ لذت شہوت کے اور دیکھنے والا امن میں بھی ہو فتنہ سے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نظر بلا شہوت بالاجماع جائز ہے اور نیز شامی نے مسائلِ نظر میں لکھا :

فاما الخلوۃ والنظر الیہ لا عن شھوۃ فلا باس بہ ولذا لم یومر بالحجاب۔	امرد کو خالی مکان میں تنہا لے کر بیٹھنا اور اس کی صورت کو دیکھنا بغیر شہوت کے کچھ مضائقہ نہیں اور اسی واسطے مردوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ وہ منہ پر نقاب ڈالا کریں۔

بھلا جب خلوۃ امرد کے ساتھ جائز ہوئی تو مجمع عام میں بیٹھ جانا کیوں جائز نہ ہوگا اور بھول گئے اپنے شیخ الشیوخ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پیر شمس الدین ابوالخیر بن جزری رحمۃ اللہ علیہ کو کہ وہ فرماتے ہیں :

"میں ۷۸۵ھ (سات سو پچاسی) میں بادشاہِ مصر کی محفل مولد شریف میں شریک ہُوا ، میں خوش ہُوا پچیس حلقے نو آموز لڑکوں قاریوں کے اس میں موجود تھے۔"

اور یہ قصہ ابنِ جزری کا مُلا علی قاری نے مورد الروی میں اور ابو سعید بورانی نے مولد فارسی میں لکھا ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے مذکور ہو چکا۔

ہاں یہ بات ثابت ہے کہ متقی و محتاط لوگوں نے امردوں پر نظر کرنے سے احتیاط فرمائی ہے ہمارے پیشوا جناب امام اعظم عطر اللہ تربتہ جب امام محمد کو سبق دیتے تھے اور وُہ بہت خُوبرو اور جمیل تھے رحمۃ اللہ علیہ تب ان کو کسی ستون کے پیچھے یا پسِ پُشت اپنے بٹھلا کر سبق دیتے تھے یہ فقیہ شامی نے لکھا ہے اس سے ثابت ہُوا کہ امرد خوبرو کے ساتھ ہم کلامی اور اس کی آواز کا سننا تو منع نہیں مگر صورت دیکھنے میں احتیاط اولیٰ ہے تو مولد شریف میں اگر کوئی امرد بھی کسی گوشۂ محفل میں حاضر ہو اور پڑھے تو منع نہیں، ہاں محتاط آدمی اپنی نظر کو بچائیں تو بہتر بات ہے۔

طرفہ ماجرا یہ ہے حضرات مانعین جو امردوں کی بابت امر بالمعروف فرما رہے ہیں اپنے مکتبوں اور مدرسوں میں خوبرو جمیل امرد لڑکوں کو بھی سبق دیتے ہیں وہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ کس کو یاد آتا ہے کہ شاگرد کو آنکھوں سے جُدا کیجئے ستون کی آڑ میں یا پسِ پشت بٹھا کر سبق دیجئے کیوں صاحب آپ تو منصب تعلیم شریعت پر بیٹھ کر اس حالت میں بھی اِس تقویٰ کو یاد نہ فرمائیں اور محفلِ میلاد میں اگر کسی لڑکے نے نعت شریف پڑھ دی تو اس کا ناک میں دم لائیں۔ کیا انصاف اسی کا نام ہے (اللہ اللہ) اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم۔

یہ خوب معلوم رہے کہ مانعین جو اندیشۂ شہوت لڑکوں کی نسبت ثابت کرتے ہیں وُہ داڑھی والوں اور بدشکلوں کالے کلوٹوں میں بھی موجود ہے۔ شامی شارح درمختار فرض سترِ عورت کے بیان ہیں لکھتے ہیں؛

وهذا شامل لمن نبت عذاره بل بعض الفسقة

يفضله علی الامرد خالی العذار۔

یعنی یہ حکم کہ شہوت سے نظر عورت اور لڑکوں کی طرف منع ہے شامل ہے اس کو بھی جس کے گال پر سبزہ خط نکل آیا ہو بلکہ بعضے فاسق داڑھی والے اچھا سمجھتے ہیں ایسے لڑکے سے جس کا گال بالکل صاف ہوا۔ اس تقریر سے داڑھی والوں کو دیکھنا بھی منع ٹھہرا۔

پھر دو سطر کے بعد لکھا:

والمراد من کونه صبیحاان یکون جمیلا بحسب طبع الناظر ولوکان اسود لان الحسن یختلف باختلاف الطبائع۔

مراد ہماری خوبصورت سے یہ ہے کہ وہ دیکھنے والے کے جی کو بھلا لگتا ہو چاہے فی الواقعہ وہ بدصورت کالا ہی ہو کیونکہ حسن کا پسند آنا موقوف طبیعتوں پر ہے کسی کو کچھ پسند آیا کسی کو کچھ۔

اس تقریر سے کالے بدشکل والوں کو دیکھنا بھی حرام ٹھہرا۔

جب بعضے غلوب الشہوت ایسے بھی ہوئے کہ ان کو مستی کی دھن میں نہ داڑھی کا خیال نہ رنگ اور ہر رنگ کا امتیاز تو معلوم نہیں ایسی بہائم سیرتوں کے اندیشہ سے کہاں تک مجالس میلاد و وعظ و نکاح و مدارس و جلسہ جات دستار بندی وغیرہ مجامع کو امارد وغیر امارد کے اختلاط سے غالباً خالی نہیں ہوتے مکروہات و محرمات میں شمار کیا جائے گا الامان الامان، فقہاء و مفتیانِ دین نے یہ نہیں لکھا کہ امرد مساجد میں نہ آئیں کہ شہوت پرستوں کی ان پر نظر پڑے گی اور نہ مجالسِ نکاح میں آئیں اور نہ جماعاتِ فرائض و سنن و نوافل مثلاً تراویح و استسقاء و کسوف وغیرہ میں شریک ہوں بلکہ صرف یہ لکھا کہ ان کا امام ہونا مکروہ ہے بنا علیہ

ہم بھی ان کی امامت کو مکروہ قرار دے کر لکھتے ہیں کہ شریک ہونا ان کا مجالس میلاد شریف میں منع نہیں روایات فقہیہ اس باب میں نقل ہو چکیں اور شریک ہونا حضرت ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا ایسی مجالس میں بیان ہو چکا۔ اور خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے سب لڑکے اور جوان مرد اور عورت جا بجا خوش ہو ہو کر پکارتے پھرتے تھے:

جاء محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ اکبر جاء محمد رسول اللہ۔ (رواہ الحاکم فی الاکلیل عن البراء)

لڑکیوں کا شعر پڑھنا دف بجا کر اور اسی حالت میں چند لڑکیاں قبیلہ بنی النجار سے نکل کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں وہ دف بجاتیں اور یہ شعر پڑھتی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذا محمد من جار

یہ روایت بیہقی محدث اور ان کے استاد حاکم نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے پس جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب امارد وغیرہ امارد کا مجمع عام گلیوں اور رستوں میں دیکھا اور لڑکیوں کا یہ شعر پڑھنا سنا اور منع نہ فرمایا یہ صریح دلیل جواز ہے وہاں قدوم مبارک کی خوشی میں یہ باتیں وقوع میں آئیں یہاں یعنی مجلس میلاد میں فرحت میلاد و ایجاد وجود مسعود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خوشی میں ہو رہی ہیں۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سلامی وجوابی کی تحقیق

اعتراض ثالث۳: سلامی وجوابی مثل مجالس شیعہ کے معین کرتے ہیں۔

جواب: مجالس شیعہ میں راقم کو اتفاق نہیں ہوا کہ حال وہاں کا مفصلاً معلوم

ہوتا البتہ محافلِ میلاد شریف کے شامل ہونے ہیں بعض مواقع پر ایسا دیکھا گیا کہ قاریِ مولد نے کوئی روایت ختم کی تب بعض حاضرین نے درود وسلام پڑھا تعظیماً یا نثراً، پھر قاری نے دوسری روایت پڑھی پھر ان لوگوں نے درود و سلام یا منقبت پڑھی اگر سلامی جوابی اس کا نام ہے تو یہ بات عرب میں اور خاص حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً میں بکثرت رائج ہے اور اہلِ حرمین جس قدر شیعہ سے تنافر رکھتے ہیں محتاجِ بیان نہیں ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کہ جن سے عداوت تنفر مذہبی ہو ان سے کوئی امر لے کر اپنی عبادات میں داخل کریں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب نے یہ بات حضرت سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے استنباط کی ہے صحیحین میں انس سے روایت ہے کہ صحابہ مہاجرین و انصار خندق کھودتے اور مٹی نکالتے جاتے تھے اور زبان سے یہ پڑھتے تھے : ؎

نحن الذین بایعوا محمدا
علی الجہاد ما بقینا ابدا [1]

اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں پڑھتے تھے : ؎

اللّٰہم لا عیش الا عیش الآخرۃ
فاغفر للانصار والمہاجرۃ [2]

(کذا فی المشکوٰۃ فی باب البیان والشعر)

---

[1] ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیعت کی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس اقرار پر کہ ہم جہاد کرتے رہیں گے سدا کو جب تک جیتے رہیں گے۔

[2] یا اللہ! نہیں اچھا جینا مگر جیسا آخرت کا، سو مغفرت کیجو انصار اور مہاجرین کی ۱۲

پس یہ بات قابلِ طعن نہیں،

یعنی اہلِ فسق کے قواعد پر نہ چلیں

ہاں اگر پابندی قوانین موسیقی و اہلِ فسق کے طریق پر طعنے کرنے لگیں تو یہ بات دوسری ہے اہلِ اسلام کیوں اپنی مجالس میں اوضاع فساق پیدا کریں اور اسی طرح اگر کوئی فقط اپنی آواز کا حُسن ظاہر کرنے کو پڑھے اور اخلاص ہرگز دل میں نہ ہو یہ بھی ممنوع ہے جیسے بعض قاری خوش الحان محض نمود اری کے لیے قرآن مجامع میں پڑھنے لگتے ہیں بس اس نیت سے پڑھنا منع ہے امور خیر میں اخلاص ضروری ہے۔

وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ — اوران کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خالص عبادت کریں۔

شعر خوش آوازی سے پڑھنے و حروف قطع و وصل ہونا جائز ہے

بناء علیہ اہل ایمان کو چاہیے کہ اخلاص مدِ نظر رکھیں اور نیز اپنی خوش الحانی کو پابند قواعد یعنی اہلِ فسق کا نہ کریں کیا تھوڑا ہے ان کے لیے وہ جو فقہاء رحمہم اللہ نے جائز فرما دیا۔ مجمع البحار میں ہے:

"تحسین صوتہ و تحزنیہ" یعنی پکار کر پڑھے اور آواز کو سنوار کر اور غمزدہ لہجہ بنا کر۔ وفسر الشافعی تحسین القراءۃ و ترقیقھا اور تفسیر کیا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ اچھی طرح پڑھے نرم آواز بنا کر۔ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وانما اختلاف تلک الطریق بمد المقصورۃ و قصر — خوش الحانی سے پڑھنے میں طرق مختلف پیدا ہوتے ہیں ان باتوں سے کہ جہاں حروف

الممدودة والوقف فی اثناء الکلمات والقطع والوصل فی بعضها وهذا التصرف جائز فی الشعر ولا یجوز فی القرآن۔	پردہ نہ تھا وہاں کھینچ دیا اور بڑھایا اور جہاں تھا وہاں گھٹا دیا اور کلمات کے بیچ میں دم توڑ دیا ایک کلمہ دوسرے کلمہ سے کہیں قطع ہو گیا کہیں وصل ہو گیا سو ایسا تصرف شعر میں جائز ہے قرآن شریف میں جائز نہیں۔

یہ احیاء العلوم کے باب السماع میں ہے۔

الحاصل انصاف یہ چاہیئے کہ جو کوئی بات کلامِ علما حقانی سے کہیں تک ثابت ہو اُس میں مانعین اعتراض نہ لائیں اور فاعلین قدم آگے نہ بڑھائیں۔

یا اهل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰہ الا الحق۔	اے اہل کتاب احد سے مت بڑھو اپنے دین میں اور مت کہو خدا پر مگر سچی بات۔

روشنی کی تحقیق صحابہ سے اب تک

اعتراض رابع : محفل میں روشنی کرتے ہیں اور یہ بدعت سیئہ اور حرام ہے۔

جواب : مجمع البحار کے خاتمہ میں درباب کراہت روشنی یہ نقل کیا ہے کہ اول روشنی قوم برامکہ نے نکلی ہے وہ آتش پرست تھے جب وُہ مسلمان ہو گئے انہوں نے روشنی مساجد کی طرف کر کے مسلمانوں کے ساتھ چراغوں کی طرف سجدے کیے اور مقصد اُن کا آگ کا پُوجنا تھا انتہی کلامہ۔ میں کہتا ہُوں جن علما نے روشنی پر حکم بدعت سیئہ ہونے کا دیا ہے غالباً اسی روایت پر مبنی کیا ہے حالانکہ یہ روایت دو وجہ سے مخدوش ہے :

اوّل وجہ یہ کہ برابر علمائے اعلام اوّل روشنی کا ہونا روایت کرتے ہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وقت سے اور پھر کثرت سے قنادیل لٹکانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے اور پھر اُس وقت سے اب تک اہلِ اسلام میں موجود مشہور ہے بھلا جس کا وجود عہدِ نبوت سے اب تک موجود ہو کیونکر کہا جائے کہ وہ زمانہ قوم برامکہ سے ایجاد ہوئی یہ مانا کہ انہوں نے بھی روشنی کی ہوگی لیکن وہ موجد اوّل نہیں ہوسکتے۔

دُوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے فقہائے کرام تصریحاً لکھ رہے ہیں:

الصحیح انہ لایکرہ ان یصلی و بین یدیہ شمع اوسراج لانہ لم یعبدھا احد والمجوس یعبدون الجمر لاالنار الموقدۃ۔	صحیح یہ ہے کہ اگر شمع یا چراغ آگے نمازی کے ہو تو نماز مکروہ نہیں ہوتی کیونکہ ان کو کسی نے نہیں پُوجا اور آتش پرست انگاروں کو پُوجتے ہیں جلتی آگ نہیں پُوجتے۔

جب مسئلہ یہ ٹھہرا کہ اصلاً چراغ اور شمع اور قندیل کی کوئی آتش پرست عبادت نہیں کرتا تو کس طرح تسلیم کیا جائے کہ برامکہ نے چراغوں کو معبود و مسجود بنایا، ناچار جو علماء روشنی کو مکروہ و بدعت اِس دلیل سے کہتے تھے ان کی دلیل ناتمام رہی۔ اب وُہ دلائل جو جواز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں بیان کرتا ہُوں، یہ بات خیال کرنی چاہیئے کہ چراغوں میں زینت ہے یا نہیں، آیہ کریمہ زیّنا السماء الدّنیا بمصابیح سے معلوم ہوتا ہے کہ چراغوں کا روشن کرنا موجبِ زینت ہے، اب دیکھنا چاہیے کہ اس زینت کی حُرمت میں بندوں کے لیے کوئی نص شرعی وارد ہے یا نہیں، ظاہر ہے کہ زینتِ روشنی کی نہی ثابت نہیں ورنہ صحابہ کرام کیوں کرتے۔ اور یہ بات مفسرین اصولی قرار دے چکے ہیں کہ جس زینت کی

نہی ثابت نہیں وُہ مباح ہے اور داخل ہے آیہ قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ میں اس قدر کا اشارہ تو قرآن مجید سے نکلا اب حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم لیجئے، سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ پہلے ایسا کرتے تھے کہ جب عشا کا وقت آتا کھجور کی لکڑیاں جلا کر اجالا کر لیتے تھے جب تمیم داری مدینہ میں آئے اور قنادیل اور رسّیاں اور روغنِ زیتون لائے مسجد نبوی کے ستونوں سے قنادیل لٹکائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دُعا دی کہ تُو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھ کو روشنی بخشے ۔ اور بعض کتابوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمیم داری یہ قنادیل ملکِ شام سے لائے تھے اپنے غلام کو لٹکانے کا حکم دیا تب اس نے جمعرات کو رسّی یہاں سے وہاں تک یعنی ستونوں میں تان کر اس میں لٹکا دیئے، جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے پُوچھا کہ یہ روشنی کس نے کی ؟ حاضرین بولے کہ تمیم داری نے ۔ آپ نے ان کو فرمایا : نوّرت الاسلام یعنی تُو نے اسلام کو روشن کر دیا الحدیث ۔ اور غنیۃ الطالبین میں حضرت غوث الثقلین نے ایک روایت لکھی ہے جس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رغبت دلاتے ہیں روشنی کی طرف :

روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من علق فی بیت من بیوت اللہ قندیلا لم تزل الملئکۃ تستغفر لہ وتصلی علیہ وھم سبعون الف ملک حتی یطفأ ذلک القندیل انتہی ۔	سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا : جو شخص اللہ تعالیٰ کے گھروں میں سے کسی گھر میں قندیل معلق کر کے روشنی کرے تو فرشتے اسکے لئے استغفار و درود پڑھتے رہتے ہیں، ان فرشتوں کی تعداد ستّر ہزار ہے یہ عمل جاری رہتا ہے حتّی کہ وُہ قندیل بجھ جائے انتہی

اب آثارِ صحابہ سے ثبوت لیجئے سیرت حلبی جلد ثانی میں ہے کہ مستحب ہے لٹکانا قندیل کا مساجد میں، یہ کام اول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا، جب صلوٰۃ تراویح کے لیے لوگوں کو جمع کیا تو لٹکا دیئے بہت قندیل، جس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس طرف گزر ہوا، دیکھا کہ مسجد روشنی سے جگمگا رہی ہے دعا فرمائی :

"تو نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر کو روشن کرے اے عمر بن الخطاب !"

اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے کتاب "تنبیہ" میں اور حضرت غوث الثقلین نے "غنیہ" میں لکھا ہے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعا دی اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی دعا دی۔

دیکھیے خلفائے راشدین کا فعل اور خوش ہونا اور دعا دینا کس قدر محبوبیت اس فعل کی ظاہر کر رہا ہے اور روایت سابقہ سے جو معلوم ہوا تھا کہ تمیم داری نے اول قنادیل روشن کئے اور دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ اول یہ فعل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اس کی تطبیق علامہ حلبی نے اس طرح کی ہے کہ اولیت حقیقی اس فعل کی تمیم داری رضی اللہ عنہ سے عہدِ رسالت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم میں ہوئی بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو اول قرار دیا وہ اولیت اضافی ہے یعنی کثرت سے قنادیل روشن کرنا اول آپ سے واقع ہوا کیونکہ تمیم داری رضی اللہ عنہ کی قنادیل گو متعدد تھیں لیکن کثیر نہ تھیں۔

اب عہدِ خلفاء عباسیہ کی سند لیجئے علامہ حلبی نے نقل کیا ہے ایک عالم سے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو بادشاہ مامون نے حکم دیا کہ "لکھ دو حکم ہماری مملکت میں کہ مسجدوں میں کثرت سے روشنی کیا کریں"۔ لیکن میرے کچھ خیال میں نہ آیا

کہ کس طرح لکھ دوں، تب مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی کہ "لکھ دے روشنی کثیر کے واسطے اس لیے کہ اس میں دل لگتا ہے تہجد گزاروں کا اور مسجدیں خانۂ خدا سے دہشت اندھیرے کی دفع ہو گی"۔ جب میں نے یہ بشارت دیکھی تب میں ہوشیار ہوا اور لکھ دیا یہ حکم انتہی ۔

یہ دستور العمل بیان ہوا خلفائے عباسیہ کا ۔ اب بعض اولیاء اللہ کا حال سُنئیے :

خواجہ فرید الدین[1] عطار رحمۃ اللہ علیہ مؤلف تذکرۃ الاولیاء احمد خضرویہ قدس سرہٗ کے حال میں لکھتے ہیں :

وقتے درویشے مہمان احمد رحمۃ اللہ آمد و احمد[2] ہفتاد شمع برافروخت درویش گفت مرا ایں ہیچ خوش نمی آید کہ تکلف با تصوف نسبت ندارد احمد گفت برو وہر چہ نہ از بہر خدا برافروختہ ام

ایک مرتبہ کوئی بزرگ احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے آداب مہمان نوازی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ستر چراغ روشن کئے اس بزرگ نے کہا تمہارا یہ طریقہ مجھے پسند

---

[1] یہ حضرت عطار وہ عالی مقام ہیں کہ مولانا جلال الدین رومی ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور ان کی تصانیف کو دیکھ کر دقائق تصوف حاصل کئے اور ہمیشہ مولانا روم ان کی طرز پر تصوف میں کلام فرماتے رہے اور تصنیف اُن کی اپنے پاس رکھتے، یہ بات مولانا جامی نے نفحات میں لکھی ہے ۱۲

[2] احمد خضرویہ : یہ بڑے مقبولین خدا میں تھے ، ایک ہزار مرید ان کے ایسے تھے جو ہوا میں اُڑتے تھے اور پانی پر اس طرح بے تکلف چلتے تھے جس طرح کوئی زمین پر چلتا ہو ۱۲

بکش آن شب آن درویش تا بامداد آب و خاک بر آن شمعہا میزد یک شمع باز نتوانست نشاند۔

نہیں ہے کیونکہ یہ تکلفات تصوف کے منافی ہیں تو احمد رحمۃ اللہ نے فرمایا ان میں سے جو چراغ میں نے خدا کیلئے روشن کیا ہو وہ بجھادو۔ یہ سن کر وہ بزرگ مٹی اور پانی کے ذریعے ان چراغوں کو بجھانے لگے لیکن ایک بھی نہ بجھا سکے۔

جب دوسرا دن ہوا ستر نصاریٰ ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اس کا حال اس طرح لکھا ہے:

آن شب احمد بخواب دید کہ حق تعالےٰ گفت اے احمد از برائے ما ہفتاد شمع در گرفتی ما از برائے تو ہفتاد دل بنور ایمان برافروختیم

اسی رات حضرت احمد رحمۃ اللہ نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا: اے احمد! تو نے ہمارے لئے سات چراغ روشن کئے اسکے صلہ میں ہم نے تیرے وسیلہ سے ستر قلوب کو نور ایمان سے منور کردیا۔

غرضکہ چند مقامات پر اولیاء مقبولین مثلاً شبلی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر کاملین سے روشنی کا خالصاً للہ تعالیٰ کرنا بروایت امام غزالی و علامہ عبدالرحمٰن صفوری وغیرہ نقل کیا گیا ہے سب کی نقل میں طول معلوم ہوتا ہے۔

مسجد میں قندیل جلانے کی فضیلت

اب مومنین کا روزمرہ سنیئے کہ ہمیشہ سے روشنی کرتے رہے ہیں مساجد میں۔ فتاویٰ قاضیخان جلد اوّل میں ہے:

رجل بنی مسجدا وجعلہ للہ تعالی فھو من حق الناس بمرمتہ وعمارتہ وبسط البواری والحصیر والقنادیل۔

جس آدمی نے اللہ کے واسطے مسجد بنائی اسی کا زیادہ حق ہے اس کی مرمت اور آبادی اور بوریا وغیرہ فرش بچھانے کا اور قندیلوں کو روشن کرنے کا بہ نسبت دوسرے آدمیوں کے۔

پھر جلد ثالث میں لکھا:

یجوز الانفاق علیٰ قنادیل المسجد من وقف المسجد ذکرہ الناطفی۔	جائز ہے مسجد کی آمدنی سے خرچ کرنا قندیلوں پر۔ یہ مسئلہ ناطفی نے ذکر کیا ہے۔

اور حضرت غوث الثقلین غنیۃ الطالبین میں ختم قرآن کی دعا میں ماہِ رمضان کی فضیلت میں لکھتے ہیں:

شہر فیہ المساجد تعمر والمصابیح تزھر۔	یہ وہ مہینہ ہے جس میں مسجدیں خوب آباد ہوتی ہیں اور چراغ روشن ہوتے ہیں۔

اسی طرح چند مقام پر غنیۃ الطالبین میں مصابیح و القنادیل (چراغ اور قندیلیں) ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مصابیح و قنادیل اہلِ اسلام میں قدیم الایام سے معمول و مروّج ہیں۔

اب ہم کہتے ہیں کہ جس طرح زیادہ روشنی کرنے میں وحشت ظلمت دُور ہوتی ہے مساجد سے، جیسا کہ کلام حلبی میں منقول ہو چکا۔ اسی طرح وحشت ظلمت دور ہوتی ہے مواقع ذکر اللہ اور ذکر الرسول سے، اور جس طرح زیادہ روشنی سے انس ہوتا ہے اور دل لگتا ہے نمازیوں کا، اسی طرح اس مجلس پاک میں دل لگتا ہے کیونکہ اس میں بیان صفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے۔ پس صحیح یہ ہے کہ روشنی کا کرنا ممنوع نہیں ہے اور جن علما نے منع کیا ہے نہیں پہنچے ان کو وُہ حدیث و آثار جو صریح جواز پر دلالت کرتے ہیں ناچار انہوں نے جان لیا کہ یہ فعل قوم آتش پرست برامکہ کا ہے بناء علیہ حکم بدعت و کراہت اس پر لگا دیا۔ یا یُوں کہئے کہ فی الحقیقت قول کل کا ایک ہے جو مانع ہیں وہ حد سے زیادہ کو منع کرتے ہیں، جو جائز کہتے ہیں وہ بقدر حاجت زینت جائز رکھتے ہیں۔

روشنی کے تین۳ درجے ہیں تیسرا منع ہے

تفصیل اس کی یہ ہے کہ روشنی کے تین۳ درجے ہیں ؛

ایک بقدر حاجت ضروری لابدی وہ اس قدر میں حاصل یہ ہے کہ جیسے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شروع امر میں لکڑیاں کھجور کی جلا دیتے تھے اُس سے مسجد کا فرش اور سجدہ کا مقام اور نمازی لوگ ایک دوسرے کو نظر آجاتے تھے۔

دوسرا زینت کے لیے ، وہ فعل حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا تمام مسجد کثرتِ قنادیل سے چمک اُٹھی ۔ غنیۃ الطالبین میں ہے :

ان عُلیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجتاز بالمساجد وھی تزھر بالقنادیل والناس یصلون التراویح الخ	حضرت علی رضی اللہ عنہ مساجد کے پاس سے گزرے تو وُہ قندیلوں سے روشن تھیں اور لوگ نمازِ تراویح پڑھ رہے تھے الخ

اور تنبیہ فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ میں ہے ؛

رؤی القنادیل تزھر فی المساجد۔	مساجد میں قندیلوں کو روشن دیکھا گیا ہے۔

اسی طرح حلبی وغیرہ میں ہے ۔ غرضکہ کل روایتوں میں لفظ تزھر صیغہ مضارع موجود ہے اور وہ مشتق ہے زھور سے ، اور معنے اس کے صراح میں لکھے ہیں ؛

زھور روشن شدن آتش و بالا گرفتن آن بنار علیہ۔	زھور آگ کا روشن ہونا اور اس کا بلند ہونا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ فعل امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بلاشک قدر حاجت ضروری سے زیادہ تھا لیکن یہ بھی ہے کہ قدر حاجت زینت سے زیادہ نہ تھا۔

تیسرا وہ کہ زینت مکان تو متعدد قنادیل سے حاصل ہو چکی تھی لیکن کسی بوالہوس نے فضولی کر کے خواہ مخواہ نمود و فخر وغیرہ کی نیت سے روشنی حد سے زیادہ

بڑھادی تو مانعین کی مراد یہ اخیر وجہ ہے تو کچھ اختلاف باقی نہ رہا۔ فتاوٰی قُنیہ وغیرہ اگلی کتابوں میں منع کے واسطے اسی طرح کے الفاظ لکھے ہیں کسی نے لکھا کثرۃ الوقود زیادۃ علی الحاجۃ ، کسی نے السراج السرج الکثیرۃ لکھا ہے تو اس قدر کثیر کو کہ حاجت زینت سے بھی زیادہ ہو اگر منع کیا جائے تو کچھ بُرا ماننے کی بات نہیں ، ہاں ہمارے ہمعصر جو ایک چراغ سے دو چراغ زائد روشن کرنے کو بدعت اور ضلالت اور حرام اور اسراف کہہ دیتے ہیں یہ بڑی شوخی ہے ان کو چاہیئے کہ فعل تمیم داری اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ کا ادب کریں کہ اول فعل انہوں نے کیا زینت کے لیے قدر حاجت ضروریہ سے زیادہ روشنی کی اور مجھ کو تعجب آتا ہے کہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ جاتے ہوں گے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ نورانی کے گرداگرد جھاڑ اور فانوس اور قندیل کثرت سے اس درجہ کہ یہاں کسی کو میسر بھی نہیں آتے روشن دیکھتے ہوں گے معلوم نہیں یہ لوگ آنکھیں روشنی کی طرف سے بند کر لیتے ہوں گے یا اس کے غیظ میں زیارت ہی ترک کر دیتے ہوں گے اگر ترک کر دیتے ہیں تو ہم کو شکایت نہیں وہاں محروم رہے یہاں بھی محروم رہے لیکن اگر وہاں اُسی روشنی میں جا کر زیارت کی اور زیارت روضہ شریف کی مستحب ہے تو حضرت کے معجزات اور مدائح اور مناقب کا سُننا بھی مستحب ہے یہ بھی روشنی میں آکر سُنیں روشنی ظاہری سے ظاہر کی آنکھ اور ذکر نورانی سے باطن کی آنکھ روشن کریں وہ روضہ پُر انوار جس کی ذات اقدس کا مدفن ہے یہ محفل نورانی بھی اُنھیں کی شرح صفات کا موطن ہے ۔

آخر الامر یہ التماس ہے کہ اگر اُن حضرات کا دل روشنی کے سبب مکدر ہوتا ہے اچھا روشنی والی مجلسوں میں نہ آئیں بہت سی محفلیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں ایک دو چراغ پر بس کرتے ہیں انہی میں آئیں ایک دو چراغ بھی ناگوار ہوں تو کتنی

ہی محفلیں دن کو ہوتی ہیں ایک بھی چراغ نہیں جلتا وہاں تشریف لائیں بھلا کہیں بھلا کہیں تو اتنا قول سچا کر دکھلائیں۔

جوابِ اعتراض بانیانِ محفل نے مطلق شرع کو مقیّد کر دیا ہے

اعتراضِ خامس : بانیانِ محفلِ میلاد نے مطلق کو مقید کر دیا ہے یہ بدعت ہے۔

جواب : ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ محفل مولد شریف میں کسی کو مقید نہیں کیا یعنی روایاتِ میلاد و معجزات کا پڑھنا جس طرح ماہِ ربیع الاول میں ہوتا ہے دوسرے مہینوں میں بھی پڑھ لیتے ہیں پھر مطلق مقیّد کہاں ہوا اور جس طرح ذکر ولادت شریف کے وقت قیام کرتے ہیں اسی طرح اور بھی چند مقامات میں قیام کرتے ہیں چنانچہ وہ مواقع بیان تحقیق قیام میں کسی قدر لکھے گئے ہیں

قیام بھی مقید نہ ہوا کہ نہ ہو قیام کسی مکان اور کسی زمان اور کسی موقع میں مگر خاص مولد شریف میں، اور اسی طرح تقسیمِ شیرینی یا کھانا کھلانا اور بھی تقریبات دین و دنیا میں ہوتا ہے مثل ختم قرآن تراویح و مجلس بسم اللہ و عقدِ نکاح وغیرہ میں اور میز یا چوکی اور فرش کا بچھانا وعظ میں بھی ہوتا ہے اور مجلس نکاح وغیرہ میں بھی اور پڑھنا قصائد و مناقب جیسا مولد میں ہوتا ہے بعض غیر مجالس مولد میں بھی ہوتا ہے اور بعض آدمی تنہا بھی شوقیہ پڑھتے ہیں اب بیان فرماویں یہ صاحب کہ مقید کر دیا ہم نے کون سے مطلق شرعی کو اس طرح کہ ناجائز سمجھتے ہوں ہم اس مطلق کو کسی وقت میں بلاقید، باقی رہی یہ بات کہ اجتماع میلاد شریف میں امور مذکور کو اس نظر سے کرنا کہ جس قدر اظہارِ تعظیم و محبت اور مستحسنات شرعیہ کی کثرت ہوگی اسی قدر افزونیِ خیر و برکت ہوگی سو یہ بات ہے تقییدِ مطلق اس کا نام نہیں یہ بات ہر مردِ سلیم الطبع جان و دل سے قبول کرے گا یہ لوگ بہت اُلٹ پلٹ ہو رہے

ہیں کہ کسی طرح مغالطہ دے کر بدعتِ سیئہ ہونا اِس محفل کا ثابت کر دیں لیکن نہ ہو سکے گا۔ حق الامر یہ ہے کہ کل علمارِ محققین کے نزدیک یہ محفل مستحسن ہے کیونکہ جو علمار بدعت کی تقسیم مانتے ہیں وہ کہتے ہیں :

البدعة مالم یکن فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(بدعت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں نہ ہوا)

پھر اس کی دو قسم کرتے ہیں :

ایک حسنہ ، دوسرے سیئہ۔

پس ان کے نزدیک محفلِ میلاد شریف بدعتِ حسنہ میں داخل ہے اور مستحب ہے۔
اور جو علما تقسیمِ بدعت کے قائل نہیں وہ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں :

ما احدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہونے والے حق کے خلاف جو چیز پیدا ہو وہ بدعت ہے۔

ان علما کے نزدیک محفلِ میلاد خود سنّت میں داخل ہے کیونکہ یہ محدث ہے لیکن محدث علیٰ خلاف الحق نہیں ہے کہ کوئی حکم قرآن یا حدیث و اجماع کو بدلتی اور تغیر دیتی ہو۔ پس اصل حال تو یہ ہے کہ محفلِ میلاد شریف ہر دو طائفہ کے نزدیک مستحسن ہے باقی جو بعض علمار کو انکار واقع ہوا ہے وہ نہیں پہنچے اس رمزِ دقیق کو، اسی غلط پیچ میں یہ منکرین آگئے، حق سبحانہ ہدایت فرماوے اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ۔

ف محفل میلاد شریف بالاتفاق درست ہے۔

جوابِ اعتراض مولد شریف منبر پر پڑھتے ہیں قرآن شریف نیچے بیٹھ کر

اعتراض سادس : جب مولد شریف پڑھتے ہیں منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہمیشہ نیچے بیٹھے پڑھتے ہیں، کتاب مولد شریف کا درجہ قرآن سے بھی زیادہ کر دیا۔

جواب : یہ بات ہرگز نہیں بلکہ منبر یا چوکی پر بیٹھ کر پڑھنا اس سبب سے ہے تاکہ قاریِ مولد شریف سب اہلِ مجمع کو نظر آوے اور سب اس کو نظر آئیں اور اُوپر بیٹھنے سے بلند آواز ہر طرف پہنچتی ہے، نیچے بیٹھنے سے آواز کسی قدر دب جاتی ہے اور واعظین کا بھی یہی حال ہے کہ وُہ وعظ جس میں شعر و قصّہ و حکایات وغیرہ کیا کیا کچھ ہوتا ہے اس کو سب سے اوپر بلند جگہ پر بیٹھ کر کہتے ہیں اور خالص قرآن شریف کو واعظین نیچے پڑھتے ہیں پس منبر پر بیٹھ کر پڑھنا متقضا ہے مجمع عام کا اسی واسطے جب کوئی کتابِ میلاد شریف کو شوقیہ تنہائی میں پڑھتا ہے کچھ بھی منبر یا چوکی نہیں لگاتا۔

جوابِ اعتراض جب قرآن پڑھتے ہیں فرش نہ بچھائیں نہ سامان کریں

اعتراض سابع : جب قرآن پڑھتے ہیں نہ فرش بچھا دیں اور نہ کچھ سامان کریں مولد شریف میں کیا کیا سامان کیا جاتا ہے۔

جواب : عیدین کی نماز کے لیے جو فرض نہیں ہے نہانا، کپڑے عُمدہ پہننا، خوشبو لگانا، طرح طرح کے تکلفات ہوتے ہیں۔ پانچوں وقت کی نماز جو فرض قطعی ہے اس کے لیے کچھ بھی نہیں سوائے وضو اور استنجا کے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وُہ برس دن میں دو بار، یہ ہر دن میں پانچ بار ——— پس پنجگانہ نماز میں

عید کی طرح سے سامان کرنے میں حرج ہے اور حرج کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اُٹھا دیا۔

ما جعل علیکم فی الدین من حرج۔	نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے دین میں حرج۔

پس یہی سمجھ لو قرآن شریف کا پڑھنا روزمرہ مولد شریف کا پڑھنا روزمرہ نہیں، مولد شریف ایک آدمی برس دن میں ایک دو بار یعنی کبھی کبھی کرتا ہے اور جو بات کبھی کبھی کرنے میں ہوسکا کرتی ہے وہ روزمرہ میں نہیں ہوسکتی۔ دوسری یہ بات کہ عید کی نماز میں وہ سامان کرنا کچھ نماز کی نظر سے نہیں بلکہ اظہار فرحت یوم السرور کے لیے ہے، اسی طرح یہاں یہ سامان قرأتِ کتابِ مولد کے لیے نہیں بلکہ اظہارِ فرحت و سرور میلادِ حضرت خیر العباد کے لیے ہے اگر صرف قرأت کے لیے وہ سامان ہوتا تب اعتراض ہوتا کہ قرأتِ قرآن کے لیے وہ سامان نہ کیا۔

جوابِ اعتراض محفل میں روایات بے اصل پڑھتے ہیں

اعتراضِ ثامن: مولد شریف میں روایات موضوعہ، بے اصل اور اشعار ناجائز پڑھتے ہیں۔

جواب: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیدا ہونا اور دائی حلیمہ کا دودھ پلانا، چالیسویں سال نبوت کا ہونا اور معجزات کا واقعہ ہونا اور آپ کا سید المرسلین ہونا یہ سب کچھ مولد شریف میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ سب صحیح ہے اگر شاید فضائل میں کوئی حدیث مطعون فیہ یا موضوع بھی بیان ہوگئی یا کسی کم سمجھ نے کوئی شعر خلافِ شرع پڑھ دیا تو انصاف کی بات یہ ہے کہ خاص اُن لوگوں کو منع کرنا چاہیے کہ ایسی روایات نہ پڑھیں، یہ نہیں کہ علی العموم سب محافلِ میلاد کو حرام کہنے لگیں،

ہم نے بہت سُنا ہے کہ واعظین آج کل بہتیری روایتیں موضوع بیان کرجاتے ہیں ان کو تمیز بھی نہیں تو چاہیے بعض واعظوں کی حالت سے علی العموم کل مجالس وعظ حرام ٹھہرادیں۔

جوابِ اعتراض لباس ریشمیں خلافِ شرع پہن کر مولد میں آتے ہیں

اعتراض تاسع۹: لباس ریشمیں و زرین خلافِ شرع پہن کر محفل مولد شریف میں آتے ہیں اور بعض داڑھی مُنڈے بھی آتے ہیں اور بعض موقع میں عورت اور مرد جمع[1] ہوتے ہیں۔

جواب: یہ لوگ مجالسِ نکاح وغیرہ میں اور نیز عید کی نماز پڑھنے عیدگاہ میں بھی اُسی طرز سے بہ لباس فاخرہ اور داڑھی مُنڈے جاتے ہیں تو چاہیے کہ ان کے شریک ہوجانے سے مجالس نکاح اور مجامع عیدگاہ وغیرہ بھی محرّماتِ شرعیہ ہوجاویں اور کوئی دین دار وہاں نہ جایا کرے۔ یہ بات تو نہیں بلکہ جو خاص بات قبیح شرعیہ کہیں پیش آوے اس کو منع کرنا چاہیئے نہ یہ کہ اس کے سبب اصل جز کو منع کریں۔ یہ جواب جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے حسن المقصد میں

---

[1] ہم نے جو اکثر مقامات زمانہ میں مولد شریف دیکھا ہے تو جس طرف عورتیں ہوتی ہیں اس طرف قنات یا پردہ وغیرہ ضرور دیکھا ہے ـــــــ اس میں شرعاً ہرگز عیب نہیں مرد ایک جگہ جمع ہوئے عورتیں ایک جگہ پردہ میں ہوتی ہیں لیکن چونکہ منکرین لکھتے ہیں ایک جگہ جمع ہونا شاید کہیں ہوا ہو، سو اس کو ہم بھی منع کریں گے یعنی یہ کہیں گے کہ اجتماع اس ہیئتِ خاص سے منع ہے ۱۲

تاج الدین فاکہانی کے اعتراض کا جو اس نے اپنے رسالہ "مورد" میں لکھا تھا کہ مولد شریف میں امرد اور گانے والی عورتیں ہوتی ہیں اور ناچتی ہیں اور عورت اور مرد باہم جمع ہوتے ہیں۔ عبارت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کے جواب میں یہ ہے:

ان التحریم فیہ انما جاء من قبل ہذہ الاشیاء المحرمۃ التی ضمت علیہ لا من حیث الاجتماع لاظہار شعار المولد لو وقع مثل ہذہ الامور فی الاجتماع لصلوٰۃ الجمعۃ مثلا لکانت قبیحۃ شنیعۃ ولا یلزم من ذلک ذم اصل الاجتماع لصلوٰۃ الجمعۃ کما ھو واضح وقد رأینا بعض ہذا تقع فی لیالی من رمضان عند اجتماع الناس لصلوٰۃ التراویح السنۃ فلا تمنع من الاجتماع لصلوٰۃ التراویح لاجل ہذہ الامور التی قرنت بہا کلا بل نقول اصل الاجتماع لصلوٰۃ التراویح سنۃ وقربۃ وما ضم الیہا من ہذہ الامور قبیح شنیع وکذلک نقول اصل الاجتماع لاظہار شعار المولد

یہاں حرمت ان حرام چیزوں کے شامل ہونے سے ہوئی یہ نہیں کہ خود جمع ہونا شعار مولد کے لیے حرام اگر ایسی چیزیں جمعہ نماز میں پیش آئیں گی وہاں بھی منع ہوں گی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصل مجمع جمعہ کا برا ہو جائے ہم نے رمضان کی تراویح میں اس قسم کی چیزیں خود دیکھی ہیں لیکن ان کے سبب سے تراویح کو منع کریں گے بلکہ یوں کہیں گے کہ یہ اصل اجتماع اچھا ہے اس میں ان چیزوں کا ہونا برا ہے پس اسی طرح یہاں کہنا چاہیے کہ مولد شریف عمدہ مندوب فعل ہے اور محرمات کا اس میں شامل ہونا برا ہے۔

مندوب وقربة وماضم الیہ

من ھذہ الامور مذموم ممنوع۔

جوابِ اعتراض جو زیادہ رات تک مولد شریف ہو تو صبح کی نماز میں حرج آتا ہے

اعتراض عاشر : جب کسی کے گھر محفلِ میلاد شریف وقتِ شب ہوتی ہے اور سامعین جو زیادہ رات گئے فارغ ہو کر سوتے ہیں تو صبح کو شاید اگر کسی کی نماز میں دیر ہو گئی یا سَو آدمیوں میں ایک کی نماز قضا ہو گئی تو اس بات کو دلیل عام مذمت مولد شریف کی ٹھہراتے ہیں حالانکہ اگر یہی دلیل بُرائی کی ہے تو محفل عقد نکاح کے اہتمام میں اگر آدمیوں کی نماز پس و پیش ہو جائے اور اکثر ہو جاتی ہے اور نیز رمضان میں سحری کھانے کو اُٹھتے ہیں بعضوں کی نمازِ صبح قضا ہو جاتی ہے چاہیے اس دلیل سے نکاح اور سحری بھی علی العموم حرام ہو جاوے ہر چند یہ اعتراضات واہیہ ہمارے خیال کرنے کے قابل نہ تھے لیکن چونکہ ہم نے دیکھا کہ بعضے صاحبِ علم بھی اپنی زبان پر یہ مقالات لاتے ہیں اور بعضے نادان اُن کو کمال درجے کے حجج ساطعہ اور براہین قاطعہ سمجھتے ہیں اس لیے یہ چند الفاظ اُن کے جواب میں لکھے گئے اور عطر و لوبان و پھولوں وغیرہ کا ذکر اور زیب و زینت محفل کا بیان اور چوکی یا منبر پر بیٹھ کر پڑھنے کی اصلیت یہ سب باتیں رسالہ مختصرہ منظومہ مسمی بہ دافع الاوھام فی محفل خیر الانام میں بھی تحقیق کی گئی ہیں اس کی طرز اور ہے ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست

طالبانِ حق کو چاہیے کہ وہ رسالہ بھی اپنے پاس رکھیں اور اس کتاب انوار ساطعہ میں اطناب کلام نہ فقط فتویٰ انکاری کے سبب واقع ہوا بلکہ اور بھی چند رسائل منکرین

کے مغالطات وشبہات کا رد کرنا مدّ نظر ہوا جو شخص اس کتاب کو اور دافع الاوہام کو جمیع شقوق اور قیود سے بغور ملاحظہ کرکے ذہن میں جمائے گا امید خداوند کریم سے یہ ہے کہ وہ دھوکا اور مغالطہ نہ کھائے گا اور منکرین کے سب رسائل پُر غوائل کی تردید ان میں صراحۃً یا اشارۃً پائیگا بناءً علیہ اب یہ ضرور سمجھا گیا کہ عنان سمند خامہ کو پاشنہ کربی وادی طول تقریر سے جانب اختصار موڑ دیجئے اور جو علمار ربانی اور عرفار حقانی مجوزینِ میلاد شریف ہوئے ہیں ان کا ذکر کیجئے۔

ان علمار نامی اہلسنت کے نام جو مجوز مولد شریف ہیں

لمعہ تاسعہ — نام ذکر کیا جاتا ہے ان **محدثین وفقہار** کا جنھوں نے **عملِ مولد شریف کو مستحب و مستحسن** فرمایا ہے:

(۱) شیخ عمر بن محمد الملاّ الموصلی من الصالحین المشہورین۔

(۲) علامہ ابوالخطاب ابن دحیہ اندلسی جو دحیہ کلبی صحابی کی اولاد میں سے تھے ذکرہ الزرقانی اور علمار وصلحار سلطان ابوسعید مظفر کی محفل میں آتے تھے ان کی اسمار نگاری کہاں تک کی جاوے جن کو جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے وحضر عندہ فیہ العلماء والصلحاء من غیر نکیر (ان کے زمانہ میں علمار وصلحا ان کی محفل میں بغیر انکار کے آتے تھے)۔

(۳) علامہ ابوالطیب السبتی نزیل قوص من اجلۃ العلمار المالکیہ ذکرہ الزرقانی۔

(۴) امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسمٰعیل استاد امام نووی معروف بابو شامہ۔

(۵) علامہ ابوالفرج بن عضدی محدث فقیہ حنبلی معروف بابن طغربیک۔

(۶) امام علامہ سیف الدین حمیری دمشقی حنفی محدث معروف۔

(۷) امام القرار والمحدثین حافظ شمس الدین ابن جزری۔

(۸) حافظ عماد الدین ابن کثیر۔

(۹) علامہ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ البکری۔

(۱۰) علامہ القاسم محمد بن عثمان لؤلوی الدمشقی۔

(۱۱) شمس الدین محمد بن ناصر الدین الدمشقی۔

(۱۲) علامہ سلیمان برسوی امام جامع سلطان کشف الظنون میں لکھا ہے کہ مولد شریف ان کا تالیف کیا ہوا پڑھا جاتا ہے مجالس اور مجامع بلاد رومیہ میں۔

(۱۳) ابن الشیخ آقا شمس الدین ذکرہ صاحبِ کشف الظنون۔

(۱۴) المولی الحسن البحری۔

(۱۵) الشیخ محمد بن حمزۃ العربی الواعظ۔

(۱۶) الشیخ شمس الدین احمد بن محمد السیواسی۔

(۱۷) علامہ حافظ ابو الخیر سخاوی۔

(۱۸) سید عفیف الدین الشیرازی۔

(۱۹) ابو بکر الدنقلی۔

(۲۰) برہان محمد ناصحی۔

(۲۱) برہان ابو الصفا۔ ان کے مولد شریف کا نام ہے فتح اللہ حسبی وکفی فی مولد المصطفٰی

(۲۲) الشمس الدمیاطی المعروف بابن البساطی۔

(۲۳) برہان بن یوسف الفاقوسی۔ ان کا مولد شریف چار سو شعر سے زیادہ ہے۔

(۲۴) حافظ زین الدین عراقی۔

(۲۵) مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی شیرازی۔ صاحبِ قاموس۔ ان کے مولد شریف کا نام ہے النفحات العبریہ فی مولد خیر البریہ۔

(۲۶) امام محقق ولی الدین ابو زرعہ عراقی۔

(۲۷) ابوعبداللہ محمد بن النعمان۔

(۲۸) جمال الدین العجمی الھمدانی۔

(۲۹) یوسف الحجاز۔

(۳۰) یوسف بن علی بن رزاق الشامی الاصل المصری المولد۔

(۳۱) ابوبکر الحجاز

(۳۲) منصور بشار۔

(۳۳) ابوموسیٰ ترہونی وقیل زرہونی۔

(۳۴) الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالملک المعروف بالمخلص۔

(۳۵) ناصرالدین المبارک الشہیر بابن[1] الطباخ۔

(۳۶) امام علامہ ظہیرالدین ابن جعفر لیسینی۔

(۳۷) فاضل عبداللہ بن شمس الدین الانصاری۔

(۳۸) الشیخ الامام صدرالدین موہوب الجزری الشافعی۔

(۳۹) علامہ ابن حجر عسقلانی۔

(۴۰) شیخ جلال الدین سیوطی مجدد مائتہ تاسعہ۔

(۴۱) محمد بن علی الدمشقی مصنف سیرت شامی۔

(۴۲) شیخ شہاب الدین قسطلانی۔ صاحبِ مواہبِ لدنیہ شارح صحیح بخاری۔

---

[1] ابن طباخ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے جب کوئی خرچ کرے اس رات میں اور جمع کرے آدمیوں کو اور کھلاوے ان کو کچھ اور سنواوے ان کو، جائز ہے سننا، اور دے سنانے والے کو یعنی قاریِ مولد کو لباس واسطے سرور مولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، یہ سب درست ہے جب نیت نیک ہو فاعل کی۔

(۴۳) نورالدین علی حلبی شافعی، مصنف سیرت حلبی۔

(۴۴) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی۔ شارح مواہب وغیرہ کتبِ احادیث۔

(۴۵) علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ مُلا علی قاری، انہوں نے اپنے مولد شریف میں ثابت کیا ہے عملِ مولد شریف تمام ملکوں مصروشام و روم و اندلس و مغرب و بلاد ہندوستان و مکہ و مدینہ زادہما اللہ شرفاً جمیع بلاد اسلامیہ سے پس درحقیقت یہ ایک کتاب گویا اقالیم سبعہ کا ثبوت ہے، اور لکھا اس میں علی قاری نے: اس محفل کی عظمت یہ ہے کہ کوئی مشائخ وعلماء سے انکار نہیں کرتا اس میں شامل ہونے سے۔

(۴۶) علامہ عبدالرحمان صفوری شافعی، صاحبِ نزہۃ المجالس۔

(۴۷) علامہ نورالدین ابوسعید بورانی۔ انہوں نے بھی کُل ملکوں سے مولد شریف کا ہونا ثابت کیا ہے اور بادشاہِ مصر کے حال میں لکھا ہے کہ بادشاہِ مصر سائبانی ساختہ بود کہ دوازدہ ہزار کس در سایہ او می نشستند در غایت آراستگی از جہت آنکہ دریں شب روز آں را برافروزند در غیر آں پیچیدہ باشد (یعنی مصر کے بادشاہ نے ایک سائبان بنوایا تھا جس میں بارہ ہزار آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی اسے بہت ہی سجایا جاتا کیونکہ صرف ۱۲ ربیع الاول کو اسے کھولا جاتا اور باقی دنوں میں اسے لپیٹ کر رکھ لیا جاتا)

(۴۸) سید امام جعفر برزنجی۔ ان کا مولد شریف نثر عبارت مقفیٰ فصیح مشہور رہے، دیارِ عرب میں بہت پڑھا جاتا ہے۔

(۴۹) سید زین العابدین برزنجی۔ ان کا مولد شریف منظوم دیارِ عرب۔

(۵۰) شیخ احمد ابن علامہ ابوالقاسم بخاری۔ ان کا نسب محمد بن اسمٰعیل بخاری تک پہنچتا ہے۔

(۵۱) شیخ اسمٰعیل حقی آفندی مفسّر، واعظ، مصنف تفسیر روح البیان۔

(۵۲) احمد بن قشاشی مدنی۔

(۵۳) محمد بن عرب مدنی۔

(۵۴) شیخ عبدالملک کردی۔

(۵۵) فاضل ابراہیم باجوری۔

(۵۶) امیر محمد استاد ابراہیم باجوری۔

(۵۷) شیخ سقاط استاد الاستاد باجوری۔

(۵۸) شیخ عبدالباقی پدر واستاد علامہ زرقانی۔

(۵۹) شیخ محمد رملی۔

(۶۰) علامہ احمد بن حجر، مؤلف تحفۃ الاخیار بمولد المختار۔

(۶۱) حافظ ابن رجب حنبلی۔

(۶۲) ابی زکریا یحییٰ ابن عائذ حافظ کبیر اندلسی۔

(۶۳) سعید بن مسعود گازرونی۔ انہوں نے بھی بہت ملکوں کے علماء وصوفیہ سے مولد شریف ہونا ثابت کیا ہے۔

(۶۴) مولٰنا زین العابدین محمود نقشبندی۔

(۶۵) علامہ شہاب الدین احمد الخفاجی، شارح شفاوغیرہ۔ ان کا ایک رسالہ ہے عملِ مولد کے جواز میں۔

(۶۶) حضرت مولٰنا جمال الدین میرک۔

(۶۷) علامہ محمد رفاعی مدنی السائق فی رقاق البدور۔

(۶۸) قاضی ابن خلکان شافعی۔

(۶۹) مولٰنا معین الدین الواعظ الہروی المعروف بہ مُلّا مسکین۔ انہوں نے

کتاب معارج النبوة اسی واسطے تصنیف فرمائی کہ مجالسِ میلادیہ میں پڑھا کریں، دیباچۂ کتاب میں یہ حال لکھا ہے۔

(۷۰) علامہ ابو اسحٰق ابن جماعہ رحمۃ اللہ علیہ۔ ملّا علی قاری نے ان کا حال لکھا ہے کہ وہ مولد شریف میں کھانا کھلاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اگر مجھ کو مقدور ہوتا میں ربیع الاول میں مہینے بھر تک مولد شریف کیا کرتا۔

(۷۱) شیخ بن طاہر محدث مصنف مجمع البحار۔

(۷۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔

(۷۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فیوض الحرمین میں اپنا شریک ہونا محفل مولد شریف میں اور دیکھنا انوار کا اس میں بیان کرتے ہیں، اور اُن کے کلام سے یہ ظاہر ہے کہ جس جگہ ایسی مجلسیں ہوتی ہیں وہاں سب جگہ فرشتے انوارِ رحمت لاتے ہیں کما قال فتأملت تلك الانوار فوجدتها من قبل الملٰئكة المؤكلين بامثال هذه المشاهد و بامثال هذه المجالس ورایت یخالط انوار الملٰئكة انوار الرحمة۔

واضح ہو کہ ہم شروع رسالہ میں لکھ چکے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ جمیع مفتیان فتوٰی انکاری کے مستند اور مقتدا اور من ینتھی الیہ اسنادہم و اعتمادہم ہیں پس فاتحہ طعام بھی ہم نے اُن سے ثابت کر دی اور اب مبحث مولد شریف کے اثبات بھی ہم نے انہی کے نام پر ختم کئے اور خاص ان کی زبان سے اس مجلس کا محل نزول ملائکہ اور موردِ رحمت ہونا ثابت کر دیا وکفٰی بہ حجۃ۔

نقل مواہیر علماءِ عرب

حضرت مولٰنا احمد سعید فقیہ محدث دہلوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں جو مولوی محبوب علی

جعفری کے جواب میں لکھا ہے علمائے عرب کے مفتیانِ مذاہب اربعہ کا فتویٰ درباب قیام نقل فرماتے ہیں علاوہ اس کے غایۃ المرام مطبوعہ کلاں کوٹھی میں بھی وہ فتویٰ عرب کا منقول ہے اس کو بطور تلخیص و ترک تطویل لکھتا ہوں۔

(۱) قد اجمعت الامة المحمدية من اهل السنة والجماعة علىٰ استحسان القيام وهي بدعة مستحسنة لما فيه من اظهار الفرح والسرور والتعظيم قاله بفمه وامر برقمه عثمان حسن الدمياطي الشافعي المقيم بالمسجد الحرام۔

اہلسنت و جماعت میں سے امت محمدیہ کا قیام کے استحسان پر اجماع ہے اور وہ بدعتِ حسنہ ہے کیونکہ اس میں فرحت سرور اور تعظیم کا اظہار ہے عثمان حسن دمیاطی شافعی مقیم مسجد حرام نے یہ بات خود کہی ہے اور لکھنے کا حکم دیا ہے۔

(۲) نعم استحسنه كثيرون كتبه عبد الله ابن محمد الميرغني الحنفي مفتي المكة المكرمة۔

ہاں کثیر علماء نے اس قیام کو مستحسن قرار دیا ہے یہ بات عبداللہ بن محمد المیرغنی الحنفی مفتیِ مکہ مکرمہ نے لکھی ہے۔

(۳) القيام عند ذكر ولادة سيد الاولين و الأخرين صلى الله عليه و اٰله وسلم استحسنه كثير من العلماء، كتبه حسين بن ابراهيم مفتي المالكية بالمكة المحمية۔

سید الاولین والآخرین کے ذکرِ ولادت کے وقت قیام کرنے کو بہت علمائے نے مستحب قرار دیا ہے حسین بن ابراھیم مفتی مالکیہ مکہ مکرمہ نے یہ بات لکھی ہے۔

(۴) نعم القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم استحسنہ العلماء وھو حسن الفقیر لربہ محمد عمر بن ابی بکر الرئیس مفتی الشافعیۃ بالمکۃ المکرمۃ۔

ہاں ذکرِ ولادت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کو مستحسن قرار دیا ہے اور وہ بہت خوب ہے فقیر محمد عمر بن ابوبکر رئیس مفتی شافعیہ مکہ مکرمہ۔

(۵) نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لما استحسنہ العلماء الاعلام وقداۃ الدین والاسلام کتبہ الفقیر الی اللہ تعالیٰ محمد بن یحیی مفتی الحنابلۃ فی المکۃ المشرفۃ۔

ہاں ذکرِ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا ثابت ہے کیونکہ علمائنے اس کو مستحسن قرار دیا ہے فقیر الی اللہ تعالیٰ محمد بن یحییٰ مفتی حنابلہ مکہ مکرمہ نے یہ بات لکھی ہے۔

(۶) اما القیام اذا جاء ذکر ولادۃ عند قراءۃ المولد الشریف توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ الحکام من غیر نکیر منکر و ورد واللہ ولی التوفیق والھادی الی سواء الطریق حررہ خادم الشریعۃ و المنھاج عبد اللہ ابن المرحوم

باقی قیام جب ذکرِ ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آئے قرأت مولد شریف کے وقت اس کو بغیر کسی انکار کے جاری رکھا ہے علمائے اعلام اور ائمۂ حکام نے، اور اپنی تحریرات میں وارد کیا ہے۔ واللہ ولی التوفیق والھادی الی سواء الطریق اسے تحریر کیا ہے خادم الشریعۃ المنہاج عبد اللہ بن مرحوم عبد الرحمٰن

عبد الرحمٰن سراج المفسر سراج مفسر محدث مسجدِ حرام نے۔
والمحدث بالمسجد الحرام۔

واضح ہو کہ یہ عبداللہ سراج بڑے اکمل رجال میں تھے، اس عاجز نے مولنا احمد علی محدث سہارن پوری مرحوم سے بہت کچھ ان کی تعریف سنی ہے، اور حضرت مولنا احمد سعید نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں:

مولنا عبداللہ سراج حنفی مفسر و محدث حرم شریف یکتائے عہد خویش بود و رأس رئیس فرقہ محدثہ بزانوئے ادب در درس اوشان می نشست و اعتراف بجامعیت مولنا موصوف می نمود۔

مولانا عبداللہ سراج حنفی حرم پاک کے مفسر و محدث تھے کہ اپنے عہد کے یکتا عالم تھے بڑے بڑے محدثین آپ کی مجلسِ حدیث میں بزانوئے ادب بیٹھتے تھے اور مولنا موصوف کی جامعیت کا اعتراف کرتے تھے۔

الحاصل قیام جائز رکھنا ایسے علامہ انتخابِ روزگار کا جس کی جامعیت اور کاملیت کا ہر موافق و مخالف کو اقرار ہو واقعی سند کامل ہے پھر خوبی دوسری یہ کہ وہ اپنے سے پہلے بڑے بڑے علماء و ائمہ اعلام سے متوارث ہونا اور جاری ہونا (چلا آتا ہے) اس قیام کا تحریر فرماتے ہیں جیسا کہ ابھی عبارت ان کی منقول ہو چکی اور نیز عرب کے سیدامام برزنجی رحمۃ اللہ علیہ عقد الجواھر فی مولد النبی الازھر میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ و درایۃ۔

(اہلِ بصارت و بصیرت نے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے میلاد شریف کے ذکر کے وقت قیام مستحسن قرار دیا ہے)

افسوس ہے کہ جب سے اب تک کتنی صدیاں گزر چکیں اور مخبر صادق کا سچا وعدہ ہے کہ "ہر صدی میں ایک مجدّد جو بدعت کو اکھاڑ دے اور سنّت کو قائم کرے پیدا ہوا کرے گا" کیا سبب کہ بلاد متبرکہ ہندوستان میں تو جیسے بہتیرے مجدد ہو گئے اور وہاں یعنی مکّہ میں ایک بھی مجدد نہ ہوا جو اس بدعت اور ضلالت کا وہاں سے استیصال کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ قیام جو خیر البلاد میں سیکڑوں برس سے علماء اس کو مستحسن کہتے رہے اور عبداللہ سراج مفتی مکہ معظمہ لکھتے ہیں کہ کسی نے اس پر ذرا انکار نہیں کیا بیشک و شبہ جائز اور مستحسن ہے ہرگز ضلالت نہیں۔ مولوی قطب الدین خاں صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مسئلہ پر مکّہ اور مدینہ کے علماء متفق ہوں یہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے مظاہر الحق مطبوعہ میرٹھ کے صفحہ ۸۷ میں بدعتیوں کے بیان میں لکھتے ہیں کہ سُنّیوں کا مذہب سچا ہے مکہ مدینہ کہ دین وہیں سے پیدا ہوا وہاں کے لوگ بھی سُنّی ہیں۔ اگر ان کا مذہب یعنی بدعتیوں اور شیعوں کا اچھا ہوتا تو اول علماء عرب انکار کرتے کیونکہ پختہ اہلِ سنّت و جماعت وہی ہیں۔

نقل فتوای عرب مع مُہر مولانا رحمۃ اللہ صاحب بانئ حرمین شریفین

اب نقل کرتے ہیں ہم بطور اختصار

دُوسرا فتوی عُلماءِ عرب کا جس کو ۱۲۸۶ھ میں مولوی عبدالرحیم صاحب دہلوی لکھوا کر لائے تھے اور کتاب روضۃ النعیم کے آخر میں چھاپا تھا، عبارتِ سوال یہ ہے:

ما قولکم رحمکم اللہ فی ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقیام عند ذکر الولادۃ خاصۃ مع تعیین الیوم وتزیین المکان واستعمال الطیب

وقراءة سورة من القرآن واطعام الطعام للمسلمين
اهل يجوز ويثاب فاعله ام لا بينوا توجروا۔[1]

جواب علماء مکہ معظمہ تلخیصاً

اعلم ان عمل المولد الشریف بهذه الکیفیة المذکورة
مستحسن مستحب فالمنکر لهذا مبتدع لانکاره
علی شیٔ حسن عند الله والمسلمین کما جاء
فی حدیث ابن مسعود قال ما راٰه المسلمون حسناً
فهو عند الله حسنٌ والمراد من المسلمین الذین
کملوا الاسلام کالعلماء العالمین وعلماء العرب
والمصر والشام والروم والارض کلهم راوه حسنا من
زمان السلف الی الاٰن فصار علیه الاجماع والامر الذی ثبت
بالاجماع فهو حق لیس بضلال قال رسول الله صلی
الله علیه وسلم لا یجتمع امتی علی ضلالة
فعلی حاکم الشرع تعزیر منکره والله اعلم۔[2]

---

[1] سوال : کیا کہتے ہو تم ، اللہ تم پر رحم کرے ، کہ حضرت کا مولود پڑھنا اور قیام خاص ذکر ولادت کے وقت کرنا ، دن کا معین کرنا ، مکان سجانا ، خوشبو کا برتنا ، کچھ قرآن میں سے پڑھنا ، مسلمانوں کو کھانا کھلایا جائز ہے یا نہیں ، اس پر ثواب ملتا ہے یا نہیں ؟ ۱۲

[2] جواب : مولد شریف اس کیفیت مذکورہ سے اچھی مستحب بات ہے اس کا منکر بدعتی ہے کیونکہ اس نے انکار کیا ایسی چیز کا جو اللہ اور مسلمانوں کے نزدیک اچھا ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

عبدالرحمن سراج[1]	احمد دحلان	حسن	عبدالرحمن جمال	حسن طیب	محمد شرقی
مفتی حنفی	مفتی شافعی	مفتی حنبلی	حنفی	حنفی	مفتی مالکی
سلیمان علیے	عبدالقادر خوکیر	ابراہیم لفتن	محمد جاراللہ	احمد الداغستانی	عبدالقادر شمس
عبدالرحمن آفندی	احمد ابوالخیر	عبدالقادر سخینی	محمد سعید	عبدالمطلب	احمد کمال
محمد سعید الادیب	علی جودہ	سیند عبداللہ کوشک	حسین عرب	ابراہیم نوموسی	احمد امین
شیخ فردوس	عبدالرحمن عجمی	عبداللہ مشاط	عبداللہ قماشی	محمد بابصیل	محمد سیوتی
علی رمیتی	محمد صالح زواری	محمد حبیب اللہ	احمد النحراوی	عبداللہ زواری	سلیمان عقبہ
عمر سید شطی	عبدالحمید الداغستانی	مصطفےٰ عفیفی	منصور	منشاوی	محمد راضی

جواب[2] علمائے مدینہ منورہ تلخیصاً

اعلم ان مایصنع من الولائم فی المولد الشریف و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
جیسا کہ حدیث ابن مسعود میں آیا ہے جس چیز کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ اور مسلمانوں سے مراد کامل مسلمان ہیں جو عالم بھی ہوں۔ اور عرب اور مصر اور شام اور روم اور اندلس کے سب علماء نے مولد شریف کو اچھا جانا ہے، سلف سے اب تک یہ اجماع ہو گیا اور جو چیز اجماع سے ثابت ہو وہ حق ہوتی ہے حضرت نے فرمایا ہے: میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ سو حاکم شرع کو چاہیئے کہ منکر مولود شریف کو تعزیر دے، اور اللہ خوب جانتا ہے ۱۲

[1] یہ عبدالرحمن سراج بیٹے ہیں حنفی عبداللہ سراج کے جس کی علمیت کا شہرہ تھا۔

[2] جواب علماء مدینہ منورہ کا اسی سوال منقولۂ بالا پر ہے باعث رفع طول کے
(باقی اگلے صفحہ پر)

قراءته بحضرة المسلمين وانفاق المال والقيام
عند ذكر ولادة الرسول الامين ورش ماء الورد
وايقاد البخور وتزئين المكان وقراءة شئ من القرآن
والصلٰوة على النبی صلى الله عليه وسلم واظهار
الفرح والسرور فلا شبهة فی انه بدعة حسنة مستحبة
وفضيلة شريفة مستحسنة فلا ينكرها الا مبتدع
لا استماع بقوله بل علىٰ حاكم الاسلام ان يعزره
والله اعلم وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم۔

محمد امین	جعفر حسینی البرزنجی	عبد الجبار	جمال الدین سید	ابراہیم بن خیار
یوسف سید	السید محمد علی	السید عبداللہ بن سید احمد	محمد بن احمد فاعی	عمر ابن علی
علی حریری	مصطفےٰ سید	احمد سراج	حسن ادیب	ابوالبرکات
عبدالقادر مشاط	سید سالم	احمد الحبشی	محمد نور سلیمانی	عبدالرحیم البرعی
محمد عثمان کردی	قاسم	عبدالعزیز ہاشمی	یوسف رومی	محسن
مبارک ابن سعید	حامد	محمد ہاشم	عبداللہ ابن علی	عبدالرحمن صفوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
سوال دوبارہ نقل نہیں کیا معنی یہ ہوئے تو جان لے کہ جو کچھ کیا جاتا ہے مولد شریف
میں کھانا کھلانا اور خرچ کرنا پاک چیزوں کا اور کھڑا ہونا وقت ذکرِ ولادت شریف
اور خوشی کرنا اس میں شبہ نہیں کہ بدعت حسنہ مستحب ہے اور فضیلت
بزرگ و مستحسن ہے انکار وہی کریگا جو بدعتی ہوگا، نہ سُننا چاہیے اس کا قول بلکہ حاکم
اسلام اس کو تعزیر یعنی سزا دے اور اللہ خوب جانتا ہے اور رحمتِ کاملہ
بھیجے اللہ ہمارے سردار محمد پر اور ان کی اولاد پر اور اصحاب پر سلام بھیجے"

جواب علمائے جدہ ملخصاً

اعلم ان ذکر مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہذہ الصورۃ المجموعۃ المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعا لاینکرھا الامن فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق وکیف یسوغ لہ ذلک مع قولہ تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب واللہ تعالیٰ اعلم[1]

علی بن احمد باصبرین	عباس ابن جعفر ابن صدیق احمد عثمان	احمد فتاح احمد بن عجلان
محمد سلیمان محمد صدقہ	احمد حلیس عبدالرحیم بن محمد زبیدی	محمد صالح

---

[1] ترجمہ بطور خلاصہ لکھتا ہوں سوال مولد شریف اور قیام جائز ہے یا نہیں؟ جواب: دونوں جائز ہیں مسلمانوں کا تمام اسلامی شہروں میں اس پر عمل ہے اور اگر جاہل بدبخت منع کریں ان کا کچھ اعتبار نہیں (مفتی حنفی مکہ)۔ جمہور اگلوں پچھلوں نے اس عمل کو اچھا سمجھا۔ (دوسرا مفتی حنفی) جو مفتی حنفی نے لکھا بہت ٹھیک ہے (مفتی مالکی) جواب مولانا کا عین مذہب ہے کسی کو اس میں انکار نہیں ہے (دوسرا مفتی مالکی) عمل اچھا ہے کیونکہ اس میں احسان ہے اور قرارت قرآن و ذکر اللہ و فرحت و سرور محبت حضرت کی ہے اور ملحدوں اور کفار کو جلانا ہے وہ دیکھ کر رشک کرتے ہیں اور ہمیشہ مسلمان کرتے رہے ہیں۔ مولد شریف اور قیام کو بعضوں نے لفظ مستحب اور بعض نے بدعت حسنہ سے تعبیر کیا ہے (مفتی شافعی) ہاں عمل مولد ثابت ہے باجماع مسلمین اور کھڑا ہونا وقت ذکر ولادت شریف کے ۱۲۔

جواب علماء حدیدہ

قراءۃ المولد الشریف مع الاشیاء المذکورۃ جائز بل مستحبۃ یثاب فاعلہا فقد الف فی ذلک العلماء وحثوا علی فعلہ وقالوا لا ینکرہا الا مبتدع فعلی حاکم الشریعۃ یعزرہ۔

الفقیر الی اللہ یحیی ابن مکرم	علی شامی	علی بن عبد اللہ
محمد بن سالم عالیش	محمد بن ابراہیم خیشری	علی طحان
محمد بن عبد اللہ	محمد بن داؤد بن عبد الرحمن	علی بن ابراہیم الزبیدی
علی بن محمد حباب	احمد ابن محمد ابن الخلیل	عبد الرحمن ابن علی حضرمی

اب تازہ ان ایام میں تحریر علماءِ عرب راقم السطور کے پاس آئی ہے عبارت مفتیانِ مذاہب اربعہ ملخصاً نقل کرتا ہوں۔

سوال : ما قولکم دام فضلکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی عمل المولد النبوی والقیام فیہ ھل ھما جائز ام لا۔ بینوا توجروا۔

الجواب : الحمد لمن ھو بہ حقیق ومنہ استمد العون والتوفیق نعم ھما جائزان وعلیہ عمل المسلمین فی عامۃ بلاد الاسلام والاستدلال علی الجواز مبسوط فی کتب الائمۃ الاعلام ولا عبرۃ بمنع المانعین من الجہلۃ اللیام واللہ اعلم امر برقمہ خادم الشریعۃ راجی اللطف الخفی محمد صالح ابن المرحوم صدیق الکمال الحنفی مفتی المکۃ المکرمۃ حالاً عفا اللہ عنہما۔ محمد صالح

(۲) عمل المولد استحسنۃ جمہور السلف والخلف وقال العلامۃ

الشهاب الخفاجی محشی البیضاوی فی رسالة فی عمل المولد انه بدعة حسنة امر برقمه خادم الشریعة والمنهاج عبدالرحمٰن بن عبدالله سراج الحنفی ۔ عبدالرحمٰن سراج

(۳) ما حرره مفتی الاحناف هو عین الصواب والله سبحانه اعلم ۔ خادم الشریعة ببلدة الله المحمیة ابوبکر حجی بسیونی مفتی المالکیة ۔ ابوبکر حجی بسیونی

(۴) ما اجاب به مولٰنا هو المذهب الذی لا ینکره احد کتبه راجی العفو من واهب العطیة محمد ابن المرحوم الشیخ حسین مفتی المالکیة ببلد الله المحمیة ۔ محمد ابن الشیخ حسین

(۵) اللهم هدایة للصواب فی کتاب قصة المولد للعلامة الشهاب ابن حجران عمل المولد لکنها حسنة لما اشتملت علیه من الاحسان وقراءة القرآن و اکثار الذکر واظهار السرور و الفرح به صلی الله علیه وسلم و المحبة له و اغاذة اهل الزیغ والعناد من العناد والمخلد و الکفرة و المشرکین ولم یزل اهل الاقطار فی سائر المدن و الامصار یحتفلون بعمل المولد فی شهره الخ و اما القیام فی المولد فقیل انه مندوب شرعا وقیل انه بدعة حسنة امر برقمة المرتجی من ربه کمال النیل محمد سعید بن محمد بابصیل مفتی الشافعیة بالمکة المحمیة ۔ محمد سعید بابصیل

(۶) نعم عمل المولد جائز الاجماع المسلمین علیه والقیام عند ذکر مولد صلی الله علیه وسلم فهو بابصیل ادب حسن ولا یخالف مشروعا ویؤخذ من فعل الامام احمد الجواز و ذلك انه

ذکر عندہ ابراھیم بن طھمان وکان متکئاً فاستوٰی جالساً و قال لا ینبغی ان یذکر الصالحون فنتکی قال ابن عقیل فاخذت من ھذا احسن الادب فیما یفعلہ الناس عند ذکر امام العصر من النھوض لسماع توقیعاتہ قال فی الفروع ومعلوم ان مسئلتنا اولٰی فمن ترکہ مع قیام الناس علی اختلاف طبقاتھم فقد ذلك مسلك الجفاو ربما یحصل علیہ من الذم والتوبیخ مالاخیر فیہ استخفاف بالجناب الاعظم صلی اللّٰہ علیہ وسلم وذکر ابن الجوزی ان ترك القیام کان فی الاول ثم صار ترك القیام کالھوان بالشخص فاستحب لمن یصلح لہ القیام واللّٰہ سبحٰنہ اعلم امر برقمہ الحقیر خلف ابن ابراھیم خادم افتاء الحنابلۃ بالمکۃ المشرفۃ حالاً۔ [1]

راجی غفور الرحیم خلف بن ابراہیم

---

[1] ادب ہی اچھا ہے کسی امر مشروع کے خلاف نہیں اور امام احمد کے فعل سے اس جواز کا نکلتا ہے کہ ان کے سامنے ابراہیم بن طھمان کا ذکر ہوا تکیہ سے کمر جدا کر کے سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا کہ یہ نہ چاہئے صلحا کا ذکر ہو اور ہم تکیہ لگائے بیٹھے رہیں کہا ابن عقیل نے جب حکم آمد بادشاہی سنایا جاتا ہے لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں پھر مسئلۂ قیام مولد کا تو اس سے افضل ہی ہوا بس جس نے قیام نہ کیا جب لوگ اُٹھے مولد میں تو اس نے ظلم کیا وہ قابل جھڑکنے کے ہے (مفتی حنبلی) مذہب اربعہ کے علما کا اس پر اجماع ہے پھر جو ان سے بچھڑ کر اکیلا ہوا اس کا قول مردود ہے (خطیب و مدرس حرم) بہت

(باقی برصفحہ آئندہ)

(۷) قد اجمع علیہ العلماء الاعلام من المذاہب الاربعۃ فلا یجوز خرق الاجماع ومن انفرد بردہ فکلامہ باطل مردود علیہ و اللہ سبحٰنہ تعالی اعلم امر برقمہ الراجی من اللہ التوفیق عبدہ عباس بن جعفر ابن صدیق المدرس والخطیب للحرم المکی الشریف۔

عباس بن جعفر

(۸) نظرت فی ھذہ الاسئلۃ وما اجاب بہ مفاتی الاسلام وعلماء الانام فوجدتہا فی غایۃ الصواب لا یخالفہا الا من طمس الٰہہ بصرہ وبصیرتہ کتبہ راجی رضاء الخبیر عبد القادر بن محمد خوکیر المدرس والامام بالمسجد الحرام۔

عبد القادر بن محمد علی

(۹) ما اجاب بہ مفاتی الاسلام ببلد الحرام ھو الحق الذی یعول علیہ ویجب المرجع والمصیر الیہ کتبہ العمد الراجی رحمۃ بہ المنان محمد رحمۃ اللہ بن خلیل الرحمٰن عفا اللہ عنہما۔

محمد رحمۃ اللہ

یہ حضرت استاذنا ومولٰنا محمد رحمت اللہ مہاجر ہیں جن کا ذکر اوپر بھی فتوٰے جواز یارسول اللہ میں گزرا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ٹھیک جواب ہے اس کا مخالف وہی ہوگا جس کی بینائی حق تعالیٰ نے مٹا دی ہو (امام مسجد الحرام مکہ) مفتیوں نے جو کچھ جواب دیا ہے حق ہے اسی پر بھروسا ہے اور واجب ہے رجوع کرنا اسی طرف (مولٰنا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۱۲

(۱۰) ما کتب فی ھذا القرطاس صحیح لا ریب فیہ واللہ سبحٰنہ[1] اعلم ۔ حررہ محمد عبد الحق عفی عنہ ۔ محمد عبد الحق

یہ عالم (محمد عبد الحق) ہندوستان سے ہجرت کیے ہوئے عرب میں مقیم ہیں عالم عامل، صوفی، صاحبِ قلب سلیم ہیں اللہ تعالیٰ ان کے علم میں برکت کرے۔ **واضح ہو** کہ ہم نے یہ فتاویٰ قدیمہ وجدیدہ حرمین شریفین زاد اللہ شرفاً کے اس لیے نقل کیے کہ بعض علماءِ اہلسنت اس طرف ہیں کہ اجماعِ حرمین کو حجت جانتے ہیں حتیٰ کہ امام بخاری نے تو یہ قرار دیا کہ حجت ہے ما اجمع علیہ الحرمان المکۃ والمدینۃ ۔ لکھا شارح بخاری نے وہ عبارت[2] البخاری متعرۃ بان اتفاق اھل الحرمین کلیھما اجماع اور جن لوگوں نے وہاں کے اجماع کو احتجاج قطعی کے درجہ میں نہیں رکھا یہ ضرور کیا ہے کہ ترجیح مذہب مخالف کے لیے اس کو معتمد علیہ اور مفتیٰ بہ ٹھہرایا ہے مثلاً فاتحہ میں دو قرارت ہیں مالک یوم الدین اور مَلِك یوم الدین، اور ہر چند صحیح دونوں ہیں لیکن ترجیح علامہ بیضاوی نے قرارت ملك یوم الدین کو دی اور یہ لکھا:

ھو المختار لانہ قراءۃ اھل الحرمین۔

اور ہدایہ میں ہے:

والمستحب فی الجلوس بین الترویحتین مقدار الترویحۃ وکذا بین الخامسۃ والوتر لعادۃ اھل الحرمین ۔

اور فتاویٰ قاضی خاں کی کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے:

---

[1] جو کچھ اس کاغذ میں لکھا وہ صحیح ہے کچھ شک نہیں (محمد عبد الحق)

[2] عبارت بخاری کی یہ بات بتا رہی ہے کہ اتفاق اہلِ حرمین کا اجماع ہے!

لاباس بان ینقش المسجد بماء الذهب والفضۃ من مالہ فان الکعبۃ مزخرقۃ بماء الذہب والفضۃ مستورۃ بالوان الدیباج والحریر۔

اور جمعہ کے روز زیارتِ قبول اول روز کرنے کو جو بعض آدمی منع کرتے ہیں اس کو فقہا رد کرتے ہیں فعلِ حرمین سے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں،

و روزِ جمعہ فاضل تر است از روز دیگر خصوصاً در اول روز جمعہ و ہمیں ست در حرمین شریفین وانچہ مشہور شدہ است از منع زیارت روز جمعہ اصلے صحیح ندارد۔ انتہٰی۔

بطورِ تلخیص یہ چند نظیریں لکھی گئیں۔ علاوہ بریں اور بھی نظائر موجود ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہے کہ مفتیانِ دین نے اعمال مروجہ علماء حرمین پر اعتماد کیا ہے لیکن وائے برحال مخالفین کہ وہ اس طرح بے توقیری سے حرمین کا نام لیتے ہیں کہ اہلِ ایمان کے دل کانپتے ہیں۔

حرمین کی فضیلت اور ایک قصہ لطیفہ

لطیفہ:

ایک مقام پر دو عالموں میں گفتگو ہوئی ایک اس میں مولد شریف کے مثبت تھے اور ایک منکر۔ منکر نے کہا کہ قصبۂ دیوبند فتویٰ بھیجو۔ مولود شریف مثبت نے کہا: دیوبند تو کچھ دار الاسلام نہیں یوں کہئے کہ آؤ حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً کو فتویٰ بھیجیں یعنی اس لیے کہ وہ دین و ایمان کا گھر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "دین مکہ مدینہ میں سمٹ آویگا جیسے سمٹ آتا ہے سانپ اپنے بل

میں"۔ یعنی جیسے سانپ اپنے بل سے نکل کر سب[1] جگہ پھر کر پھر اسی میں قرار پاتا ہے اور سانپ جب بل میں گھس جاتا ہے تو ایسی قوت سے چمٹ جاتا ہے کہ کوئی اس کو نکالنا چاہے تو مشکل ہو جاتا ہے بس اسی طرح دین اول مکہ مدینہ سے نکلا آخر زمانہ میں بھی اگر کہیں دین نہ ہوگا تو یہاں ضرور ہوگا اور کوئی یہاں سے دین کو نکالنا چاہے گا تو نکل نہیں سکے گا۔ اور مشکوٰۃ کے باب ذکر الیمن والشام میں ہے :

الایمان فی اہل الحجاز (رواہ مسلم)

حجاز کا ملک شامل ہے مکہ اور مدینہ کو۔ یعنی ایمان حجاز والوں میں ہے۔ غرضکہ فتویٰ اگر لکھواؤ تو اس ملک کے علماء سے لکھواؤ جن کی شہادت اور تعریف احادیث میں ہے دیوبند کی شہادت کون سی حدیث میں آئی ہے۔ منکر صاحب بولے، مکہ میں تو چور آدمی ہیں رستہ لوٹتے ہیں۔ مثبت نے جواب دیا: رہزنی مال لوٹنا وہاں بدّو لوگ اطراف کے رہنے والے کرتے ہیں خاص مکہ کے آدمی نہیں کرتے، سو یہ حضرت

---

[1] اس معنے پر مؤلف 'براہین' نے اعتراض کیا کہ جب دین باہر جائیگا تو حرمین اس سے خالی ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ علم معانی و بیان میں ٹھہر چکا ہے کہ تشبیہ کل اجزاء شبہ میں ضرور نہیں ہوتی۔ علاوہ بریں اسلام کو ایسا طویل سانپ کیوں نہیں تجویز کرتے کہ وہ اپنا جسم نکال کر ہر طرف دیکھ بھی لے اور پھر بھی لے اور باینہمہ اس کا کچھ جسم اپنے بل میں بھی باقی رہے پھر جب باہر سے سمٹ آوے تو کل بل میں آجاوے۔ علاوہ اس کے بہت توجیہات ہیں معلوم نہیں ایسی گفتگو رکیک پیش کرنے سے ان کو کیا فائدہ ملا اور نکلنے کا لفظ خود مولوی خرم علی صاحب ان کے مسلّم پیشوا نے ترجمہ مشارق میں لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے: "جہاں سے ایمان نکلا تھا وہیں سمٹ کر آجائیگا"۔ اور شیخ عبدالحق لکھتے ہیں: "ایمان ہر آئینہ باز میگردد بسوئے مدینہ الخ"۔ افسوس اس قلت نظر پر یہ اعتراضات ۱۲

صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وقت سے ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے؛

اولم یروا انا جعلنا حرماً امناً ویتخطف الناس من حولھم۔
یعنی سورۂ عنکبوت میں ہے: کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے کر دیا مکہ کو پناہ اور امن کی جگہ اور لوگ اُچک لیے جاتے ہیں اس کے آس پاس سے۔ انتہی

سو یہ مار پیٹ اور اُچک لینے کی باتیں قدیم سے وہاں کے بدّو آدمی خارجی کر رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں لیکن کفر و شرک سے منزّہ ہیں وہاں کے بدوے گنوار آدمی بھی گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کریں لیکن کُفر اور شرک اُس ارضِ مقدسہ کے آس پاس تک کہیں نہیں ہوتا اور دیوبند میں تو کفر و شرک بھرا ہوا ہے جا بجا ستیلا پُوجی جاتی ہے مندر اور شوالے بنے ہوئے ہیں سنکھ بج رہے ہیں پھر دیوبند اچھا ہوا یا حرمین شریفین؛ منکر صاحب کی طرف سے جواب ہوا کہ ہم دیوبند کے جاہل مسلمان عامی سے اور مشرکان قوم ہندو سے سند نہیں پکڑتے ہم تو وہاں کے علماء اہلِ اسلام کی سند پکڑتے ہیں۔ مثبت نے کہا: بس ہمارا بھی یہی جواب ہے کہ ہم حرمین شریفین کے علماءِ دین اور مفتیانِ شرعِ متین کی سند لیتے ہیں وہ سب بالاتفاق محفل مولد شریف کو درست فرماتے ہیں پھر تم ناحق بدوؤں اور جنگلی لٹیروں کا ذکر کیوں کرتے ہو پہلے یہی حرمین شریفین کے خواص علما کا حکم اور فتویٰ لیا جاتا تھا علیٰ ہذا القیاس اب بھی پس علماءِ خیر البلاد کی سند منگاؤ لیکن منکر کو خوب معلوم تھا کہ اگر وہاں استفتاء بھیجا تو وہاں کے سب علماء حکم استحباب محفل میلاد لکھ دیں گے اس لیے اُس نے انکار کیا کہ ہم حرمین کو نہیں مانتے، معاذ اللہ منہا ہم تو دیوبند کو مانتے ہیں۔ تب مثبت نے جواب دیا کہ آپ کو دیوبند مبارک ہوئے اس پر ایمان رکھیے ہم کو حرمین شریفین مبارک ہوں ہمارا ایمان اُن لوگوں کے ساتھ ہے۔ اسی پر گفتگو ختم ہو گئی۔ اب دیکھیے ان لوگوں کی یہ حالت ہو گئی کہ دیوبند کے آگے حرمین شریفین کو حقیر جاننے لگے

اہلِ حرم کی حقارت تحقیرِ حرم کو نوبت پہنچاتی ہے شرف المکان بالمکین قضیہ مشہور ہے وہ ہے حرم پاک کہ ہم پانچوں وقت نمازوں میں اپنا منہ اُس کی طرف کریں فولّ وجهك شطر المسجد الحرام اور سوتے وقت بھی رُو بقبلہ سونا سنّت اور مرجاویں تو یہی حکم دیا جائے قبر میں دفناتے وقت کہ یوجه الی القبلة یعنی اس کا رُخ قبلہ کی طرف کیا جاوے اور وہاں کے باشندے وُہ ہیں جن کی بابت صحیفہ آدم علیہ السلام میں حق سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ "میں مکّہ کا خداوند ہُوں، وہاں کے رہنے والے میرے ہمسایہ ہیں"۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے: "جو کوئی ایمان رکھتا ہے اللہ اور قیامت پر وہ تعظیم کرے ہمسایہ بیت اللہ کی"۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ "جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب بن اُسید کو مکّہ پر امیر کیا تو یہ فرمایا جانتا ہے تجھ کو کس پر مقرر کیا تحقیق تُو مقرر کیا گیا ہے اہل اللہ پر، وہ اہل اللہ کون ہیں رہنے والے مکہ معظمہ کے، پس نیکی کیجیو اُن کے ساتھ"۔ اور کلام اللہ میں والیانِ کعبہ کی نسبت ارشاد ہے ان اولیاءہ الا المتقون پس کعبہ کے مسلمان اولیاء کو حق سبحانہٗ لفظ متّقون یعنی پرہیزگاروں سے تعبیر فرماتا ہے۔ افسوس یہ لوگ اُس حرم پاک اور اُس کے رہنے والوں کو جو اہل اللہ ہیں جو ہمسایۂ خدا ہیں جو پرہیزگار ہیں، کن کن حقیر لفظوں سے یاد کرتے ہیں کہ العظمة للہ، حق سبحانہٗ ہدایت فرماوے، یہ لوگ اپنے بزرگوں کا کلام بھی بھُول گئے تحفۃ العرب والعجم میں مولوی قطب الدین خاں صاحب لکھتے ہیں:

"عرب کے علماء پر جو بعضے احمق لوگ طعن کرتے ہیں بڑی خطا پر ہیں اس لیے کہ وُہ خیر البقاع کے رہنے والے ہیں"۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:

"خبردار خبردار اہلِ مدینہ سے ہرگز کدورت دل میں نہ لائیو ورنہ

فیضانِ انوارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم رہو گے" ہٰذا کلامہٖ ملخصاً

آمدم بر سرِ مطلب ہاں اے محمدیان دیندار حرمین کا اقتدار اور مفتیانِ حرم کا شرف و اعتبار دل میں جما کر ذرا دیکھو تو سہی وہ کن دلربا الفاظ و معانی سے مُدعا ثابت فرما رہے ہیں اور یہ نہیں لکھتے کہ بس فقط ہم اہل حرم اس عمل محترم کے مجوز ہیں بلکہ اپنے ساتھ میں سب کا ثبوت دے رہے ہیں کہ علمائِ عرب و روم و شام و مصر و اندلس سب اس کو مستحسن فرماتے ہیں اور ہم لکھ چکے اثنائ شمار اسمائ مجوزین میں کہ سعید ابن مسعود گازرونی و مُلّا علی قاری اور نُورالدین ابوسعید بورانی نے تمام ملکوں کے علمائِ کرام سے ثبوت پہنچایا ہے استحسان محفل میلاد شریف کا بس سمجھ لو کہ ہم نے یہ دعویٰ نہیں کیا فقط اہلِ حرمین اس عمل کے قائل و آمر ہیں بلکہ فتویٰ حرمین کا ادباً تعظیماً اوّل نقل کیا ہے اب لیجئے ماسوا حرمین کے اور بھی چند مقامات کے فتاوے ملاحظہ کیجئے۔

فتاویٰ بغداد و دیگر مقامات

فتویٰ بغداد شریف کا یہ شہر نہایت بابرکت ہے دُو وجہ سے: ایک یہ کہ وہاں حضرت امام اعظم کا مزار ہے۔ دُوسرے یہ کہ اس میں حضرت غوث اعظم کا روضہ پُرانوار ہے ماسوا ان کے اور بھی مقبولینِ خدا اس قدر کہ جن کی کچھ حد ہے نہ شمار ہے ان کے سبب وہ شہر مرجع صلحا و علمائ انام ہے بڑے بڑے فضلائ و محدثین کا وہاں مقام ہے، دیکھو کیا تحریر فرماتے ہیں وہاں کے مفتیانِ عالی جاہ و محققانِ ژرف نگاہ۔ لیکن حرفاً حرفاً عبارت، تحریر کرنا موجب طول ہے، بنائ علیہ اُن کے خاص فقرات چیدہ چیدہ مختصر نقل کرتا ہوں؛

(۱) مولانا محمد سعید آفندی دوری ادام اللہ برکاتہٗ، جو حضرت غوث الثقلین

کے دربارِ معلیٰ میں خطیب ہیں روزِ جمعہ کو وہاں خطبہ پڑھتے ہیں انہوں نے چار ورق کا رسالہ اثبات مولد و قیام میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

حمد المن من علینا باظہار انوار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم امابعد فقراءۃ المولد الشریف لہ اصل اخرجہ حجۃ الاسلام الشیخ ابو الفضل ابن حجر العسقلانی الی آخرہ وقد ذکر ابن تیمیۃ فی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم ان ثواب قراءۃ المولد المبارک غیر یسیر لما فی ذلک من محبۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وقد بسط الکلام فیہ وفی سائر البدع المقبولۃ وغیرھا وقال السیوطی ظھر لی تخریجہ علی اصل آخر الی آخرہ ورایت الامام ابن جزری قال فی عرف التعریف فما حال المسلم الموحد من امۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یبذل ما تصل الیہ قدرۃ فی محبتہ صلی اللہ علیہ وسلم لعمری انما یکون جزاءہ من اللہ الکریم ان یدخلہ بفضلہ الجنّت النعیم وقال الحافظ ناصر الدین الدمشقی مثلہ فی کتابہ فی مولد الہادی وقال الکمال الاوفی الطالع حکی لنا صاحبنا العدل ناصر الدین محمود ابن العماد ان ابا الخطیب محمد بن ابراھیم السبتی المالکی نزیل قوص احد العلماء العالمین کان یذھب الی المکتب فی الیوم الذی ولد فیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیقول یا فقیہ ھذا یوم السرور اصرفنا البیان فیصرفنا فھذا منہ دلیل علی تقریرہ وعدم انکارہ وھذا الرجل کان فقیہا مالکیا متفننا فی العلوم متورعا اخذ عنہ ابو حیان وغیرہ ومات سنۃ خمس وتسعین وستمائۃ والقیام حین ذکر ولادتہ صلی اللہ علیہ وسلم

بقصد التعظيم والفرح والسرور بقدوم سيد الاولين و الآخرين وجدته من العلماء الاعلام وقد افتى جماعة باستجابه عند ذكر ولادته صلى الله عليه وسلم وفي مولد المدابغي رحمة الله جرت العادة بقيام الناس اذا انتهى المداح الى ذكر مولده صلى الله تعالى عليه وسلم وهي بدعة مستحسنة مستجة انتهى وتعظيمه واجب على كل مسلم ولاء تك ان هذا القيام من باب التعظيم قال المؤلف والذى ارسله رحمة للعالمين بواستطعت القيام على راسى لفعلت ابتغى بذلك الزلفى عند الله عز وجل والله الموفق للصواب [1]

محمد سعید

---

[1] ترجمہ بطور خلاصہ: شکر ہے اس کا جس نے ہم پر احسان کیا کہ ظاہر کرتے انوارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پڑھنا مولود شریف کا درست ہے اس کی اصل ابن حجر عسقلانی نے بیان کی یہ تفصیل آخر تک ——— اور ابن تیمیہ نے لکھا ہے کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں کہ "ثواب مولود شریف کا کچھ کم نہیں ہے اس واسطے کہ اس میں محبت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی"۔ اور کہا سیوطی نے کہ مجھ کو ایک اور اصل مولد شریف کی ظاہر ہوئی ہے اور بیان کیا اس کو آخر تک۔ اور ابن جزری نے فرمایا: کیا اچھا حال اس مسلمان کا جو حضرت کی محبت میں خرچ حسب مقدور کرے پس وہ سیدھا جنت میں جائیگا۔ اور کہا ناصر الدین دمشقی نے بھی اسی طرح۔ اور کہا کمال اوفی نے کہ مجھ سے بیان کیا ابنِ عماد نے کہ ابو الطیب سبتی مکتب کو جاتے بارھویں تاریخ ربیع الاول اور فرماتے کہ اے معلم چھوڑ دے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(۲) اس تحریر مذکور کی تصدیق فرماتے ہیں جناب مولانا عبدالسلام جو حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کے مدرسہ میں مدرس اوّل ہیں اور بغداد میں لقب اُن کا شیخ العلمائ ہے اور حضرت نقیب صاحب سجادہ کے استاد ہیں عبارت یہ ہے: "اطلعت علی هذه العجالة فرايتها صحيحة غيران من شك فيها فهو مخذول حرره مدرس الحضرة القادرية عبد السلام"۔ عبد السلام

(۳) اور رقم فرماتے ہیں تصدیق اس فتویٰ کی جناب مولانا بہاء الحق صاحب جو سلطان روم کی طرف سے حضرت امام اعظم قدس سرہٗ کے مدرسہ میں مدرس اول ہیں:

تاملت فی هذه الرسالة فوجدتها مبنية على الايمان والحب بخاتم الرسالة فطوبى لمن اعطى هذه النعمة الفائقة حرره مدرس مدرسة حضرت امام الاعظم قدس سره عبده بهاء الحق القرشی و يحق الله الحق بكلماته ۔ بہاء الحق قرشی

(۴) بغداد کے مفتی سابق مرحوم جن کی تفسیر رُوح المعانی آٹھ جلد مصر میں چھپی ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
ہم سے بیان کو وہ ہم سب کو چھوڑ دیتے اور ابوالطیب بڑے پختہ عالم اور پرہیزگار تھے ابوحبان وغیرہ کاملین اُن کے شاگرد تھے ۶۹۵ھ میں ان کی وفات ہے۔ اور کھڑا ہونا وقت ذکر ولادت شریف کے فتویٰ اس کے استحباب پر جماعت علمائے قدیم نے دیا ہے اور مولد المدالغنی میں ہے کہ یہ بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ اور تعظیم رسول واجب ہے ہر مسلمان پر، اور کہا مؤلف نے اگر مجھ کو طاقت ہوتی تو سر کے بل کھڑا ہوتا ثواب اور قربت حاصل کرنے کو۔

ان کے خلف رشید جو اپنے باپ مرحوم کی طرح عالم بے نظیر ہیں سید محمود شکری رقم فرماتے ہیں:

لقد تشرفت بمطالعة هذه الرسالة فرأيتها مشتملة على نصوص العلماء الاجل شاهدة لمؤلفها بانه حافظ الفضل كلفقر الى الله تعالى الوسى راحه السيد محمود شكرى۔ السيد محمود شكرى

(۵) مفتی حال بغداد سخت بیمار تھے بنا براں علیہ اُن کے فرزند مولانا جمیل صدقی تصدیق فتویٰ ہذا میں رقم فرماتے ہیں:

قد نظرت الى هذه الرسالة الجليلة فرأيتها باحقاق الحق كفيلة وكيل المدرس فى المدرسة السليمانية دبا وى راحه جميل صدقى۔ جميل صدقى

(۶) مفتیٔ بغداد کی پیشی میں کام کرنے والے جو جمیع احکام شرعیہ میں فتویٰ دیتے ہیں، تحریر فرماتے ہیں:

ان هذه الرسالة لحرية بالقبول لاشك فيها الا مطرود ومخذول[1] حبى الوہاب

(۷) مدرسہ حضرت غوث الثقلین کے دوسرے مدرس کہ فی الحال کل شہزادے ان سے درس لیتے ہیں:

قد قلت[2] اذا لفيت هذه النقول صحيحة حرية بالقبول

---

[1] یہ رسالہ قابل قبول ہے اس میں کوئی شک نہ کریگا مگر جو حق کی طرف سے رانده وخوار ہوگا ۱۲
[2] میں نے جب پائیں یہ نقلیں صحیح قابل قبول تو یہ لکھا کہ اے منکر مہمل تُو نے چھوڑ دیا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اندھا ہو کر یا عقل بیمار ہو کر ۱۲

یا مہملات اہملت حق الرسول تعامیا او مرضا فی العقول المدرس الثانی فی حضرۃ القطب الگیلانی راوی راحہ عبد اللطیف۔ عبد اللطیف

(۸) علی افندی ترک جامع حسن پاشا کے مدرس رقم فرماتے ہیں:

وجدتہا[1] مشتملۃ علی نقول صحیحۃ لایرتاب فیہا الا معاند و مکابر مخذول حررہ مدرس جامع حسن پاشا علی۔ علی

یہ فتویٰ بغداد شریف کا ماہِ جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ میں آیا تھا تبرکاً نقل کیا گیا اور جس کو زیادہ تر تحقیق منظور ہو اجماع جمہور امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم شرقاً غرباً استحسان عمل مولد شریف پر معلوم کرے وہ فتویٰ مطبوعہ بہم پہنچاوے جس میں تمام علماء مصر و شام وغیرہ کی مُہریں ہیں اب نقل کی جاتی ہیں مُہریں علماء ہندوستان کی جو اپنے وقت میں فرد کامل تھے۔

از انجملہ علمائے فرنگی محل کہ سنہ یک ہزار دو صد ہفتاد و نہ ہجری میں محمد مصطفیٰ خاں صاحب کے مطبع مصطفائی میں فتویٰ اُن کا مطبوع ہوا تھا جس کو اُس کے مضامین بالتفصیل دیکھنے ہوں کتاب مذکور بہم پہنچا کر دیکھئے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مولد شریف کی تعین خاص ماہِ ربیع الاول کے ساتھ فرض اور واجب تو نہیں ہاں البتہ بہت علماء و محدثین نے مستحب اور مستحسن فرمایا ہے اور یہ بات کہ جو چیز قرونِ ثلثہ میں نہ ہو وہ بدعت سیئہ ہے صحیح نہیں، اور جب کہ آیت کریمہ وتعزّروہ وتوقروہ سے تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہوئی کھڑا ہونا محفل میلاد میں وقت ذکرِ ولادت شریف جو منجملہ افراد

---

[1] میں نے پایا اس کو شامل نقلوں صحیح پر اس میں شک نہ کرے گا مگر عناد والا جھگڑالو ذلیل ۱۲

تعظیم سے ہے اچھی طرح ثابت ہوگیا یہ بدعت سیئہ ہرگز نہیں۔

(۱) حررہٗ ابوالبرکات رکن الدین محمد المدعو بتراب علی عفی عنہ۔
(۲) محمد سعد اللہ عفی عنہ
(۳) محمد لطف اللہ عفا اللہ عنہ وحماہ۔
(۴) ابوالاحیار محمد المدعو بالنعیم۔
(۵) ابوالحسن محمد صالح۔
(۶) محمد عبدالوحید۔
(۷) ابوالبقار محمد عبدالحکیم ۱۲۳۰ھ۔
(۸) حفیظ اللہ ۱۲۳۲ھ۔
(۹) نعیم اللہ ۱۲۳۷ھ۔
(۱۰) علی محمد ۱۲۶۲ھ۔
(۱۱) محمد عبدالحلیم ۱۲۶۲ھ۔

ازانجملہ علمائے دہلی و بریلی و رام پور افغاناں واضح ہو کہ

محفل مولد شریف اور قیام کے جواز میں ایک کتاب غایۃ المرام مطبع علوی خاں فلاں کوٹھی میں واقع سنہ ایک ہزار و دو صد و ہفتاد و یک مطبوع ہوئی تھی اُس میں علماء وفضلاء دہلی و بریلی و رام پور وغیرہ چند مقامات کے علماء مستندین کے فتوے جمع کر کے چھاپے تھے اور چونکہ سراج الدین ابوظفر بہادر شاہ دہلی بھی استحباب محفل میلاد شریف کا اعتقاد رکھتے تھے اور رئیس مسلمان اسلام کے تجمل اور احتشام کا سبب ہوتا ہے رئیس المسلمین و زین المسلمان سمجھ کر ان کی مہر بھی علمائے دہلی کی مہروں کے ساتھ کرائی گئی تھی اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے مولوی مخصوص اللہ صاحب مرحوم بھی اُس وقت زندہ تھے ان کی مہر بھی استحسان مولد شریف پر کرائی گئی جس کو ہر عالم فاضل کی تحریر حرفاً حرفاً بالتفصیل دیکھنی منظور ہووے اصل کتاب بہم پہنچا کر ملاحظہ کرے اُس میں محفل مولد شریف کو مع جمیع تعینات مروجہ مثل قیام و تقسیم شیرینی وغیرہ جائز بلکہ مستحب لکھا ہے ایک سو بائیس [۱۲۲] صفحہ کی کتاب ہے اُس کے صفحات متفرقہ پر جو مُہریں اور دستخط مزین ہیں ان سب کو ایک مجمع جگہ نقل کرتا ہوں سٹرسٹھ (۶۷) علماء کے دستخط اور مُہریں ہیں ہر عالم کا نام ایک

شکل مربع میں مندرج کرتا ہوں۔

محمد بہادر بادشاہ غازی
ابوظفر سراج الدین سنہ احدی

حکیم احسن اللہ خاں صاحب وزیر ۞ مفتی صدر الصدور دہلی

مدرس اوّل مدرسہ دہلی عالم فاضل کہ بلفظ حکیم در دہلی معروف بود۔

قاضی احمد الدین خان صاحب

قاضی محمد علی صاحب

حضرت شاہ احمد سعید مجددی

خلف حضرت احمد سعید صاحب۔

حب محمد علی در دل دور جان مدان	فقیر احمد سعید احمدی	محمد عمر احمدی	محمد مظہر

فاضل جامع علوم
مولوی کریم اللہ صاحب

مولانا فرید الدین صاحب
واعظ جامع مسجد دہلی

یہ عالم[1] بڑے مفتی تھے

---

[1] عبارت ان کی یہ ہے واعظین بجلت وہابیہ بالیقین قدم از دائرہ سنت وجماعت بیرون نہادند وداد اعتزال وخروج ورفض دادند ونعم ماقیل۔

شفیع اللہ محمد خلف ...	دین محمدی درفرید آمدہ	دستخط مولانا حیدر علی[۱] صاحب مصنف منتہی الکلام	دستخط مولوی دادابخش صاحب	دستخط مولوی حسن الزمان محمد عفی عنہ	
محمد عزیز الدین	سید تفضل حسین	سید یعقوب علی[۲] رضوی	محمد رضا علی خان	محمد مخصوص اللہ[۳]	احمد حسین
میر محمود علی	غلام حسین	محمد عبدالواحد	محمد لطیف علیخان	درشہر علم محمد علی	جلال الدین محمد کامل
طالب المولیٰ مذکر	عمدة العلماء[۴] شرع متین مفتی محمد شرف الدین	محمد یعقوب علی عفا اللہ عنہ	یا حافظ	کرم نبی	واللہ یؤید بنصرہ من یشاء
عبدالکریم	عبید اللہ ولد محمد رفیع اللہ	فخر العلماء محمد عبدالجامع خاں	ان اللہ جمیل و یحب الجمال	محمد عبدالعلی	علی حسین
محمد لطف اللہ	نورالنبی	محمد عبداللہ	علی الدین	آل نبی	مقصود علی
حافظ شریف حسین	شد از ظہور حسن علم و عدل اشتہار	سبط محمد گلباغ جاوید	نظام الدین احمد	محمد علی خادم العلماء	وزیر علی

---

۱ واعظ شہر کہ مردم تلاش میخواہی وقول ما نیز ہمیں است کہ او آدم نیست، و بحمد اللہ کہ ہنوز در مذہب حق چنیں علماء ہستند کہ با حقاق حق مے پردازند۔

۲ یہ اور مولانا محمد رضا علی خان صاحب مقبولین بریلی سے ہیں۔

۳ مولوی مخصوص اللہ صاحب بیٹے مولوی رفیع الدین صاحب کے ہیں اور وہ بیٹے شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم دہلوی کے ۱۲

۴ مفتی شرف الدین صاحب والیٔ رام پور کی عدالت کے مفتی عظیم الشان تھے، مشہور و معروف فاضل تھے ۱۲

مولانا محبوب علی شاہ خلف سید	آمدہ سرتاج محمد عالم علی	محمد سلامت اللہ	دستخط فضل رسول فاضل بدایونی	سید شبیر علی امروہوی
مولوی داداربخش	حسن الزمان	محمد فضل حق	رفیع اللہ	وحید الدین
محمد فضل اللہ	فضل حسن	محمد عبدالحق	محمد حیات	محمد خلیل الرحمٰن

محمد حیات ولد مولوی سید احمد

اہل السنت والجماعت خیال فرمادیں کہ

ان دونوں فتویٰ متاخرہ میں ہندوستان کے کیسے کیسے علماء جلیل القدر مثل مفتی سعد اللہ صاحب ومولانا تراب علی ومولانا سید محمد مدرس اعلیٰ ومولانا فضل حق و مولانا محمد حیات ومولانا حیدر علی مصنف منتہی الکلام ومولانا سلامت اللہ صاحب و مفتی صدرالدین خاں صاحب ومفتی شرع متین مفتی شرف الدین صاحب استحسان محفل مولد شریف پر مہر فرما رہے ہیں اور ہم نے اس وقت کے علماء ہندوستان کی مہریں نہیں کرائیں علمائے سلف کی نقل مواہر پر اکتفار کیا اب یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس لمعۂ ثانیہ میں ہم نے جس قدر علماء عاملین اور فضلاء کاملین کے نام ذکر کئے اگرچہ یہ جمیع اقالیم مشرقی ومغربی وشمالی کے تمام علماء وفقہا کے نام نہیں اگر ان سب کو جمع کیجئے تو اللہ اکبر ایک دفتر بنتا ہے کما قال؛

؎

اگر آں جملہ را سعدی املا کند

مگر دفتری دیگر انشا کند

حکم اخیر بعد تنقیح مقدمات درباب مولد شریف

یہ تو چند مقامات کے چند علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن یہ بھی کیا کچھ کم ہے اللہ تعالیٰ کے عباد صالحین کا ایک جمہور کبیر اور جم غفیر ہے۔ پس بموجب فرمانے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کا اتباع اہل سنّت کو لازم ہے کہ فرمایا آپ نے :

اتبعوا السواد الاعظم من شذّ شذّ فی النار۔

اس کی تحقیق سابقاً محدثین سے ہم نقل کر چکے ہیں وہاں دیکھو۔ معنے یہ ہیں کہ "پیروی کرو بڑی جماعت کی جو بچھڑا ان سے وُہ پڑے گا آگ میں"۔ یعنی جب اختلاف واقع ہو علماء میں تو جس طرف اکثر مسلمین ہوں اس پر عمل کرو۔

یہ تو حدیث ہے اب فقہ کا مسئلہ سنو، علامہ شامی نے جلد ثانی شرح درمختار باب صدقۃ الفطر میں تصریح کی ہے :

فان المانعین جمع یسیر و المجوزین جم کثیر والاعتماد علی ما علیہ الجم الکثیر۔	منع کرنے والی جماعت تھوڑی ہے اور جائز کہنے والا اگروہ بڑا ہے اور اس پر اعتماد ہے کہ جس پر گروہ بڑا ہے۔

اور نیز جلد اوّل رسم المفتی میں لکھا ہے :

فان اختلفوا یؤخذ بقول الاکثرین۔	اگر اختلاف کریں علماء تو لیا جائے قول اکثر کا۔

اور مولوی محمد قاسم نانوتوی بھی اس دلیل کو حق جانتے ہیں چنانچہ مصباح التراویح مطبوعہ مطبع ضیائی کے صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں ؛

اتفاق اکابر و تسلیم اوشان یا جم غفیر	اتفاق اکابر اور ان کا تسلیم کرنا یا جم غفیر

ازو شان نیز دلیلی است الخ — کا مختار ہونا اس کے مختار ہونے کی دلیل ہے الخ

اور مولوی اسمٰعیل صاحب بھی تذکیر الاخوان کی فصل سادس میں کتاب و سنت و اجماع و قیاس مجتہدین کا ذکر کر کے اُس کے بعد لکھتے ہیں :

"پھر اور کوئی مولوی مشائخ جو اپنی عقل کو دخل دے کر کوئی بات نکالے تو اس کا کیا ٹھکانا مگر ہاں اگر اکثر دیندار مفتی پرہیزگار اُسی مسئلہ کو قبول کریں تو البتہ وہ بھی معتبر ہے" انتہی

اب دیکھئے اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی مولوی مشائخ کی نکالی ہوئی بات کو اگرچہ سارا جہان متفق ہو کر نہ مانے مگر اکثر دیندار متفق اُس کو مان لیں تو وُہ بھی حق اور معتبر ہے۔ پس اس مسئلہ میں مولوی اسمٰعیل صاحب اور نیز مولوی محمد قاسم صاحب تابع فقہا اور محدثین کے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہ میں متفق ہو جانا اکثر علمائے دین کا ایک جانب میں دلیل حقیقت کی ہے یہ مسئلہ خاص اُن کی زبان سے ہم نے سنوا دیا۔ اب اگر کوئی مورد استحسان مولد شریف میں ان کے تابعین اس دلیل سے باہر ہونے لگیں تو ہم ان لوگوں پر کچھ جابر ہو کر موکل نہیں ہوئے کہ اُن کے دل و زبان کو امر حق کی طرف جبراً پھیر دیں خود حضرت ہادیٔ انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہ نسبت یہ ارشاد ہے :

لست علیھم بمصیطر۔ — نہیں ہے تو ان پر داروغہ۔

یعنی اگر وُہ حق پر نہیں آتے تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تیرا کوئی ذمہ نہیں ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا :

انک لاتھدی من احببت۔ — بیشک تُو ہدایت کو نہیں پہنچا دیتا جس کو چاہے۔

ہمارا ذمہ توضیحِ امرِ حق تھا وہ کر چکے جس لفظ کی قید مولوی اسمٰعیل صاحب نے لگائی ہے یعنی دیندار متقی پرہیزگاروں سے جواز محفل مولد شریف ثابت کر چکے مثل امام ابوشامہ و ابوالخیر سخاوی و ابن جزری و سیوطی و قسطلانی وغیرہم جن کے نام پیچھے ہم نے لکھے ہیں اور جو شخص شاہ ولی اللہ صاحب کے سلاسل طریقت اور اسانید علم حدیث سے واقف ہوگا اس سے یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ ان مجوزینِ مولد شریف میں وہ علماء بھی بہت ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب کے مشائخ حدیث اور شیوخِ طریقت کے پیشوا ہیں پس خوب تحقیق کو پہنچا چکے ہم یہ بات کہ مولد شریف کرنا جمِ غفیر سے ثابت ہے اور یہ مضمون بھی حدیث اور فقہ سے اور اُن کے علماءِ مستندین سے ثابت کر چکے کہ جو چیز جمِ غفیر سے ثابت ہے وہ معتبر اور ماخوذ بہ اور معتمد علیہ لازم الاتباع ہے دونوں مقدمے صحیح ثابت ہو چکے تو یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ مولود شریف کرنا معتبر ماخوذ بہ معتمد لازم الاتباع ہے والسّلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مناجات بدرگاہِ مجیب الدعوات

یا اللہ! میں تیرا بندہ ہُوں تُو سمیع و علیم ہے سنتا ہے جمیع افعال کو جانتا ہے دلوں کے احوال کو، نہیں لکھی میں نے یہ کتاب مگر اس لیے کہ افراط و تفریط جانبین سے دُور ہو ہر فریق اپنے غلو و تعصب سے نفور رہو، اگر حضرت مانعین پر بباعثِ تکفیر و تفسیقِ اہلِ ایمان چند تنبیہات ہیں تو طرف ثانی کو بھی اصلاح نیت و تصحیحِ اعمال کے لیے ہدایات بتیات ہیں اور ملتجی کیا میں نے اپنے جمیع مسائل و دلائل کو اُن علماءِ مقبولین کے دلائل و اقوال پر کہ وُہ دنیا میں کالبدر المنیر مشہور ہیں اور کتابیں ان کی ان ملکوں میں جابجا موجود اور حوالہ دے چکا ہُوں میں ہر ایک مسئلہ

میں تصانیف سلف صالحین کا، پس میرا جو قول ہے وہ فی الحقیقت اُنہی مقبولین کا قول ہے، یا اللہ! اُن مقبولین کے توسل سے قبول کیجیو مجھ سے یہ کتاب اور کیجیو اس کو فریقین کے لیے فصل الخطاب۔ یا اللہ! اس کتاب کی ہر دلیل مظہر الحق اور شک میں پڑے ہوؤں کو دافع الاوہام ہو یہ کتاب تسکین بخشے براہینِ حقانی سے، راحت قلوب مستہامؔ ہو، یا اللہ! میرے کل رسائل مغفرت کے وسائل اور یہ انوار ساطعہ اندھیری گور کا چراغ ہو، میری قبر بہار جنت کا باغ ہو۔ اے ناظرینِ انوارِ ساطعہ! کہو تم میری اِس دُعا پر آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

---

[۱] مستہام یعنی سرگشتہ و حیران یعنی جو قلوب کہ عناد معاندین کے سبب حیران تھے ان کو تسلی حاصل ہو کر راحتِ قلوب نصیب ہو ۱۲

نُورِ چہارم

نورِ چہارم میں تقریظاتِ رشیق ہیں جو اس عصر کے فضلا رنامی ذی تحقیق اور بعض احباب شفیق نے رقم فرمائی ہیں۔

علیگڈھ صورۃ ماقرظہ ورضعہ الامام الھمام الصلھام المقدام رئیس الفضلاء عریف العلماء الذی ذاع صمت فضلہ فی بلاد الاسلام عجماً وعرباً وشاع شرقاً و غرباً المشتھر بالالسنۃ والافواہ مولانا **محمد لطف اللہ** مد اللہ ظلالہٗ وابقاہ ﷺ

الحمد للہ الذی تخضع لہ النواصی ویطمع رحمتہ کل مطیع وعاصی والصّلوٰۃ والسّلام علی من بعث داعیا الی الدانی و القاصی وعلی اٰلہٖ وصحبہٖ الذین زجر و الناس عن سلوك طریق الضلال و

ترجمہ **تقریظات** : جو تقریظیں فارسی یا اردو زبان میں ہیں ان کو چھوڑ کر عربی کا ترجمہ بطور تلخیص وترک بعض تطویلات لکھا جاتا ہے منظور اصل مدعا کی شرح ہے نہ پابندی طول عبارت۔

تقریظ جناب مولٰنا لطف اللہ صاحب دام فیضہٗ ، سب تعریف اللہ کو ہے جس کو سب سجدہ کرتے ہیں اور اس کی رحمت سب چاہتے ہیں اور درود

(باقی اگلے صفحہ پر)

ارتکاب المعاصی وبعد فیقول العبد المتبہل الی اللہ محمد لطف اللہ حشرہ اللہ تحت لواء نبیہ النبیہ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ قد تشرفت بمطالعۃ ہذہ الرسالۃ الشریفۃ والصحیفۃ اللطیفۃ فوجدتہا بحراً یخرج منہ اللؤلؤ والمرجان وجنۃ فیہا فاکہۃ ونخل ورمان وشمسًا انوارہا ساطعۃ ومرجا فیہ تحقیق الانیق راتعۃ کیف لا ومؤلفہا من ہو فرید عصرہ ووحید عصرہ الذی علمہ وسیع وشانہ رفیع اعنی مولانا محمد عبد السمیع حرس ذاتہ واُسعد اوقاتہ ومضمونہا ذکر ولادۃ سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین حبیب رب العلمین علیہ من التسلیمات افضلہا ومن التحیات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سلام ہو ان پر جو ہر اعلیٰ و ادنیٰ کی ہدایت کو آئے اور اُن کی آلؑ اصحاب پر جنہوں نے لوگوں کو گمراہی سے روکا اب کہتا ہے بندۂ عاجز محمد لطف اللہ کہ خدا اس کو قیامت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوائے حمد کے نیچے کھڑا کیجیو، میں اس رسالہ لطیف کے مطالعہ سے مشرف ہوا پایا اس کو ایسا دریا جس میں موتی اور مونگے نکلتے ہیں اور ایسا باغ جس میں میوے اور چھوہارے کے درخت اور انار ہیں اور ایسا سورج جس کے انوار بلند ہیں اور ایسی چراگاہ جس میں عمدہ تحقیق کی گائیں چرتی ہیں اور وہ ایسا کیوں نہ ہوتا مؤلف اس کا وہ شخص ہے جو اپنے وقت میں ایک ہے یعنی مولٰنا عبد السمیع، اللہ ان کا نگہبان ہو ان کی برکت اور مدد سے اور اس رسالہ میں لکھا ہے اثبات ذکر ولادت شریف حضرت حبیب رب العالمین اُن پر افضل اور اکمل سلام ہوں اور یہ ذکر ایسا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

اکملہا و ھذا ذکر لا یخفی علو شانہ و رفعۃ مکانہ تحیط رحمۃ ربنا
الاعلی بمکان یتشرف الناس فیہ بھذا الذکر الشریف و تحف
الملائکۃ مجلسا یتمجدون فیہ بھذا البیان المنیف و اما طریق
الفاتحۃ التی ھی من الرسالۃ لائحۃ فلیس فی استحسانہا ارتیاب
اذھی لایصال الثواب الی الاموات الذین یتوقعونہ من الاقرباء والاحباب
واما ما احدثہ السفہاء فیہا من الامور المنہیۃ فلا یحکم بجوازہ
احد من العلماء المتبعین الشریعۃ السنیۃ فللہ در مؤلف الرسالۃ
فانہ قد اختار ما ھو مختار و آثر ما ھو الماثور عن الجہابذۃ
الاخیار ھذا والحمد لمن منہ الابتداء والیہ الانتہاء والصلوٰۃ
والسلام الاتمان علی من اول المخلوقات نورہ و رحمۃ للعالمین ظہورہ۔

سہارن پور صورۃ مانمقہ وھذبہ مولانا المخدوم المطاع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کسی سے اس کی شان عالی مخفی نہیں اللہ کی رحمت اور اللہ کے فرشتے گھیر لیتے ہیں اس مکان کو جس میں یہ ذکر شریف ہوتا ہے اور طریق فاتحہ ایصالِ ثواب کے لیے ہے جس کی انتظاری کر رہے ہیں اموات اور جو منا ہی بعض نادان اس میں کرتے ہیں اس کو کوئی عالم جائز نہیں کہتا ۔ مؤلفِ انوارِ ساطعہ نے خوب کیا کہ وہی اختیار کیا جو اچھے لوگوں اور پرکھنے والے ذی علموں نے اختیار کیا، اللہ ہی کو تعریف ہے کہ اُسی سے ابتدا ہے اور اُسی پر انتہاء ۔ اور کامل درود وسلام اُن پر جن کا نور اوّل پیدا ہوا اور تمام عالم کے لیے رحمت ہُوا۔

امام الفضلاء بلا نزاع الغشمشم الاعظم والغطمطم الافخم المالك الازمة حقائق المعانی والبدیع والبیان سباق الغایات فی مضمار کشف المعضلات یوم البرهان مقدام الجهابذة استاذ الاساتذة الذی زان وجوه الزمن الحاج المولوی **فیض الحسن** خصہ تعالی بخزائن منحاته وجلائل المنن؛ لقد وردت علی رسالة کریمة فیها مشاعل انوار ولمعات فامعنت فیها امعانا بلیغا فوجدتها کافیة وافیة والة علی حسن الاجابة وجوده الاصابة وسعة النظر فی الکتب حیث تمسک فیها باقوال العلماء الاعلام وتحریرات عمائد الاسلام والزم المنکرین بما قال به مرشدھم وامن به معتقدوھم واللہ انها قرة لعیون المخلصین وسخنة لاعیان المنکرین والحق فی ھذہ المسئلة انه لاباس به وان تمسک بما قیل ما راہ المؤمنون حسناً فھو عند اللہ حسنٌ ومنیب ھذا

تقریظ جناب مولٰنا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ: پہنچا مجھ کو ایک رسالہ بزرگی والا جس میں انوار ولمعات ہیں میں نے اس کو گہری نظر سے خوب دیکھا تو یہ پایا کہ رسالہ کافی ہے اور پورا اثبات ہے منکرین کے خدشوں کا اچھا جواب دیا اور خوب حق کو پہنچا اور مؤلف کی نظر بہت وسیع ہے کتابوں پر جو سند پکڑی ہے بڑے بڑے علما کے قولوں اور اسلام کے مقبولین کی تحریروں سے اور الزام دیا منکروں کو اُن کے مرشدوں اور مانے ہوئے پیشواؤں کے اقوالِ مسلّمہ سے، واللہ یہ رسالہ مخلصین کی آنکھوں کی روشنی ہے اور منکرین کی آنکھوں کو گرم کرنے والا ہے اور حق الامر یہ ہے کہ مولود شریف میں کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر (باقی بر صفحہ آئندہ)

القول عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فهو مندوب مستحب
ومن جاء مجلسه فله ان يقوم ان قاموا والا فلا وهكذا
يقول المولوی احمدعلی المحدث المرحوم تبعاً لاستاذه مولٰنا
محمد اسحٰق المغفور وما قيل انه بدعة فهو بدعة حسنة وقد
ذكرت فی اثبات البدعة الحسنة وتخصيص كل بدعة ضلالة بحثا
طويلا فی شرحی للمشكوٰة ؛ كتبه فيض الحسن السهارنپوری **قصور ضلع**
لاہور صورة ما رسمه الصوفی المثبت النافی الاصولی المناظر المستدل
بقواطع الآيات وسواطع السنن المحقق المدقق المجادل بالتی هی
احسن الفاضل الكبير مولانا **ابو محمد عبدالرحمٰن غلام دستگیر**
سلمه القوی القدير مسلماً حامداً مصلیاً فقیر کے ایک دینی دوست
کرم فرمائے تحریک تقریظ لکھنے کتاب **انوار ساطعه فی بیان المولود الفاتحه**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سند پکڑی جائے اس قول سے کہ جس بات کو اہلِ اسلام پسند کریں
وہ اللہ کے نزدیک پسند ہوتی ہے اور یہ روایت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ
سے ہے تو مولود شریف مستحب ہے اور جو کوئی اس مجلس میں آوے جب سب
کھڑے ہوں وہ بھی کھڑا ہو اور اگر کوئی نہ اٹھے تو یہ بھی نہ اٹھے۔ مولوی احمد علی محدث
مرحوم بھی ایسا ہی کہتے تھے اور اُن کے استاد مولوی محمد اسحٰق مرحوم سے اُن کو
اسی طرح تعلیم ہوئی تھی اور یہ جو اس عمل کو بدعت کہتے ہیں مراد بدعت حسنہ ہے
اور بدعتِ حسنہ کا ثبوت میں نے شرح مشکوٰۃ میں بہت لمبے چوڑے دلائل
سے لکھا ہے۔ **تقریظ جناب مولوی غلام دستگیر صاحب سلمہ**
اُردو زبان میں ہے ترجمہ کی حاجت نہیں ۱۲

کی واقع ہوئی اور فقیر ایک پنڈت آریہ مقیم امرتسر کے رسالہ تکذیب براہین احمدیہ کے بہتانات و ہذیانات کا جواب لکھ رہا ہے طبیعت کو اس طرف بہت مصروفیت ہے اسی لیے اسی قدر لکھ سکتا ہوں کہ فقیر نے اخبار عربی شفاء الصدور مطبوعہ پانچویں دسمبر ۱۸۸۵ء میں جناب مولانا فیض الحسن صاحب مرحوم و مغفور سہارنپوری کی عبارت دیکھی ہے انہوں نے اس رسالہ کی عمدہ تعریف و توصیف لکھی ہے اور میرے گمان میں مولانا موصوف مرحوم اکابر علماء ہندوستان سے تھے اور بڑے بڑے بزرگوار صوفیہ کبار کے فیض سے فیضیاب تھے اُن کی تعریف سے اس رسالہ کا موصوف ہونا کافی ہے اور مغنی ہے فقیر جیسے بے بضاعت کی توصیف سے معہذا فقیر خود محفل مولد شریف کرتا ہے اور ایصال ثواب بارواح موتیٰ مکفر سیئات سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ ابناء زماں سے اختلاف کو رفع فرمائے آمین یارب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وعترتہٖ اجمعین فقیر غلام دستگیر قصوری کان اللہ لہٗ۔

واضح ہو کہ یہ مولوی غلام دستگیر صاحب وُہ ہیں جن کی تعریف میں خود مؤلف "براہین قاطعہ" نے وقتِ اقامت ریاست بہاولپور یہ عبارت لکھی تھی:

حامی دین متین قاطع اساس المبتدعۃ والضالین

مولانا مولوی محمد عبد الرحمٰن غلام دستگیر قصوری

ادام اللہ فیوضہ الیٰ یوم الدین۔

چنانچہ یہ عبارت ضمیمہ رسالہ تصریح ابحاث فرید کوٹ کے صفحہ ۱۵ میں موجود ہے کمال ناانصافی ہے کہ مؤلف "براہین قاطعہ" نے مضامین "انوار ساطعہ" سے منہ پھیرا اور اس کے تسلیم کئے ہوئے عالم ربانی نے جن کو وہ خود حامیِ دین لکھتا ہے کتاب انوار ساطعہ کو حرفاً حرفاً ایسا قبول کیا کہ اس کے مسائل کا طرفدار ہو کر

المحمدية ؛ فالفيتها مملوة من الفوائد الخريدة الشريدة والعوائد الفريدة العريدة ؛ مؤسسة براهينها على الحق الصراح مؤيدة مضامينها بالصدق القراح ؛ لم يالُ مؤلفه العلام جهداً في اصابة الحق المبين ؛ وابانة غوائل غواية المنكرين ؛ بها كشفتهم الكواشف ؛ وكسفت وجوههم الكواسف ؛ وضاقت عليهم الحيل ؛ وعيّت بهم العلل ؛ ولعمري لاوجه لاصرارهم على التنكير الا الداء العضال الذي عمهم فاعمى ابصارهم ؛ فاضاعوا في طمس اشعة الرحمة واشاعة مآثر معدن الرسالة اعمارهم ؛ ولم ياتوا بشئ يتعلق به الفهم السليم ؛ ويتسلى به المقلاق الفهيم ؛ ولا ياتون به ولو جاؤا به من حسبهم ونسبتهم ويكون بعضهم لبعضهم ظهيرا ؛

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نسل اُن کمینوں کی جو آنکھ اپنی بند کئے لیتے ہیں رتبہ محمدیہ سے علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسلام، پایا میں نے اس رسالہ کو ایسے فوائد سے بھرا ہوا جو لوگوں کی فہم سے چھپے ہوئے اور ذہن سے نکلے ہوئے ہیں اور ایسے منافع سے جو خوبی میں یکتا اور محکم ہیں اس کی دلیلوں کی بنیاد صریح حق پر ہے اور مضمون اس کے ٹھیک پہنچے ہیں مؤلف علام نے امرِ حق کو پہنچنے میں اور گمراہی منکرین کے فساد اُن کے کھول دینے میں کچھ باقی نہیں رکھی اس کتاب سے اُن کے عیب کُھل گئے رُسوا ہو گئے اور بگڑ گئے انکے چہرے بدحالیوں سے اور ہو چکے ان کے سب حیلے حوالے اور تھکا دیا ان کو دلی بیماریوں نے اور قسم ہے مجھ کو اُن کی شدتِ انکار کی کوئی وجہ نہیں سوا اس کے کہ ایک سخت بیماری نے ان کو دبا لیا پھر آنکھوں کو (باقی برصفحہ آئندہ)

مؤلفِ براہین قاطعہ مذکور کو مع اُس کے حمائتیان علمائے دیو بند وغیرہ واقع سن تیرہ سو چھ (۱۳۰۶ھ) ریاست بہاولپور میں شکست فاش دی جو تمام اخبارات میں چھپ کر مشہور ہو چکے۔

ریاست رامپور معروف ازاں افغاناں صورۃ مارقمہ

البحر القمقام والخر الهمهام تاج المحدثین سراج المتفقهین الادیب المصقع المتکلم النبیه العارف المحدث المفتی الفقیه جامع الشریعة والطریقة مجمع البحرین مولٰنا محمد ارشاد حسین صانه الله عن کل شین

الحمد لله سبحانه وتعالٰی حق حمده - والصلٰوة والسلام الاتمان علٰی خیر رسله وعبده ؛ وعلی الآل والاصحاب الهداة الٰی مناهج رشده ؛ وبعد فانی قد طالعت هذه العجالة النافعة والعلالة الرائعة ؛ التی یفوح منها روائح مسک الاخلاص النبوة ؛ ویطوح بها والبته اطفام الغاضین من الرتبة

تقریظ جناب مولٰنا محمد ارشاد حسین صاحب دام ارشادہٗ اللہ پاک اور بلند کو تعریف ہے اس کی شان کے لائق اور درود و سلام پوری پوری اُس کے خاص بندہ پر جو سب پیغمبروں میں بہتر ہیں اور اُن کی آل و اصحاب پر جو اس کی ہدایت کے رستے بتانے والے ہیں اُس کے بعد یہ کہتا ہوں کہ میں نے دیکھی یہ جلدی کی لکھی ہوئی نافع کتاب اور مختصر رسالہ تعجب دلانیوالا ، مہکتی ہیں اس میں خوشبوئیں مشک اخلاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ، اور ہلاک ہوتی ہے اس سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

ولا یجدون لانفسهم ولو القوا شراشرهم فی تشدید النکیر من اللہ سبحٰنہ معوانا ونصیرا ۞ الم یعلموا ان النکیر لهذا الامر البین رشدہ یؤل الی اساءت الادب ۞ والخوض فیہ یهلك ویخرب فللہ در مؤلفها النقاد ۞ حیث اطاب واجاد ۞ واتی بالحق الصریح ۞ ومیز الباطل عن الصحیح ۞ جزاہ اللہ سبحٰنہ عن طالبی الحق المبین ۞ واللہ سبحٰنہ الموفق و المعین وانا العبد الراقم المحتاج الی رب النشاتین ۞ محمد ارشاد حسین عفی عنہ وعن اسلافہ فی الدارین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اندھا کر دیا اور اسی سبب سے کھوئیں انہوں نے اپنی عمریں اس بات میں کہ مٹایا کئے شعائر رحمت کی اور بند کرتے رہے جا بجا ذکر ہونے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور نہ لا سکے کوئی دلیل جس سے سمجھ کو کچھ علاقہ ہو اور سمجھ دار حجت طلب آدمی کی تسلی ہو جائے اور آئندہ بھی نہ لا سکیں گے اگرچہ لاویں کہیں سے ڈھونڈ کر اور ہو جاوے ایک دوسرے کا مددگار، اور یہ کتنا ہی اپنی جان کو سختی انکار میں کھپائیں لیکن اللہ پاک کی طرف سے کوئی اپنی جانوں کا مددگار نہ پائیں گے، کیا نہیں جانا انہوں نے کہ اس کھلے راست اور درست امر میں انکار کرنا بے ادبی ہے اور باتیں اس میں بنانی ان کو ہلاک اور خراب کریں گی واہ کیا اچھا مؤلف پرکھنے والا ہے جو ایسا اچھا اور عمدہ رسالہ لکھا اور حق صریح لایا اور جھوٹی کو صحیح سے جدا کر دکھایا طالبین حق کی طرف سے اللہ پاک اس کو جزائے خیر دے اور وہی توفیق دینے والا ہے اور مدد کرنے والا۔ اور میں بندہ لکھنے والا اس تحریر کا محتاج پروردگارِ عالم کی طرف محمد ارشاد حسین ہوں۔ اللہ مجھ کو اور میرے بزرگوں کو دو جہان میں عفو فرما دے۔ آمین

رامپور ایضاً صورۃ ماھذا بہ وشذ یہ الفاضل الخبیر الفاضل البصیر الجلیل الشہیر الجمیل الجہیر کشاف دقائق المعقول **مولانا محمد اعجاز حسین** رفع اللہ درجاتہ فی الدارین احمدک یا من جلت قدرتہ وعظمت ھیبتہ و ظہرت صنعتہ الباھرۃ وھیبتہ وجلت جلالتہ القاھرۃ ارسل رسولہ بالحق بشیرا ونذیرا وداعیا الی الحسنات قمرا منیرا وجعل انعقاد مجلس میلادہ منطوقاً لنص ورفعنا لک ذکرک ورغم انف من ترک القیام عند ذکر میلادہ صلی اللہ علیہ وسلم المثبت بنص لتعزروہ وتوقروہ والصلوۃ والسلام علی خیر الانام الی یوم القیام وعلی صحبہ البررۃ الکرام واھل بیتہ العظام وبعد واضحرائے عقیدت انتمائے ذوی الافہام عاشقین سید الانام کے ہوکہ عالم باعمل فاضل اجل قامع بدعت جامع سنّت حبر محقق بحر مدقق حقائق آگاہ دقائق پناہ قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین زبدۃ علمار وکیع مولوی محمد عبد السمیع صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے ایک تقریر اور تحریر دلپذیر یعنی کتاب لاجواب اور صحیفہ لطیفہ انتخاب یادگار خلف وسلف مضمون فائقہ مسمی بہ انوار ساطعہ فی المولود والفاتحہ تصنیف کر کے ہر خاص وعام کو اس کے فیض سے شاد کام کیا چنانچہ ایک نسخہ اس کا پاس راقم الحروف کے پہنچا نحیف نے وہ کتاب من اولہ الی آخرہ بالتفصیل دیکھی واہ واسبحان اللہ! کیا عمدہ طرز جواب اور طریقہ آداب جاری رکھا ہے اور کلمات اکابر مقتدایان گروہ مخالفین سے جن کی مخالفت ان پر

تقریظ مولوی اعجاز حسین صاحب اردو ہے ترجمہ کی حاجت نہیں ۱۲

حرام ہے جواب میں تمسک کیا ہے مصنف نے حق جواب دندان شکن کا ادا
کرکے دریائے نورالانوار الساطعہ بہاکر نہر لمعات کی کھول دی اس پر بھی اگر
پیاس تشنگان میدان مخالفت کی باقی رہی تو خدا حافظ ! ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیات تشنہ می دارد سکندر را

ولله در المجیب فذاك جواب عجیب وآخر دعوانا ان الحمد لله
رب العالمین وصلی الله تعالیٰ علیٰ خاتم النبیین وآله واصحابه
اجمعین فقط وانا العبد ابو النعمان محی الدین محمد اعجاز حسین
مجددی عفی عنه وعن والدیه والمسلمین بحق خاتم النبیین ؛

بریلی صورة مارصعه الطمطام العزیز والصلهام الکبیر
مفحم المناظرین مسکت المجادلین مروج عقائد اهل الحق
والدین قالع اصول المبتدعین فرید العصر وحید الزمان
مولانا محمد احمد رضا خان سلمه الله العزیز
الرحمٰن وصان عن نوائب الزمان وخص بلطفه ما تعاقب الملوان
انوار ساطعه سطعت من ستابدر الایمان ؛ واقمار
لامعة لمعت من سینا صدر الایقان ؛ فدارت وسارت ؛
ونارت واثارت ؛ والی البر تدلت ؛ وعلی البحر تجلت ؛

تقریظ جناب مولنا احمد رضا خان صاحب ایمان کے
چاند کی چمک سے بلند روشنیاں اٹھیں اور سینا سینہ یقین کے پہاڑ سے
چمکتے ہوئے چاند روشن ہوئے پھر دورہ کیا انہوں نے اور سیر کی اور خود روشن ہوئیں
اور دوسروں کو روشن کیا اور جنگل کی طرف جھکیں اور دریا پر جلوہ کیا بہت پانی کا جوش

(باقی اگلے صفحہ پر)

فهیجت عیابا ﴿ فهیاءت سحابا ﴿ فهنأت بقاعا ﴿ جنات وفاعا ﴿
وارسلت عرفا ﴿ وعصفت عصفا فحملت وترا ﴿ فاجرت یسرا ﴿
فقسمت امرا ﴿ فاقطرت قطرا ﴿ فامطرت امطرا ﴿ ان الحمد
للّٰہ رب العالمین ﴿ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین ﴿
محمد و آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ﴿ رب صلاۃ وسلاما ﴿ یعقدان
دواما مجالس الانس فی حظائر القدس ﴿ لتجیل مکانہ ﴿ ویقومان
قیاما ﴿ لوعۃ وغراما ﴿ فی مجامع الاملاک ﴿ ومحافل الافلاک
بتعظیم شانہ ﴿ وسقی اللّٰہ ذوالجلال بزلال الافضال ﴿ تربۃ
من قال ؎

قلیل لمدح المصطفیٰ الخط بالذھب
علی فضۃ من خط احسن من کتب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابھارا اور تیار کیا ابر اور خوشخبری دی قطعاتِ زمین میں باغوں اور میدانوں کو اور
چلائیں ہوائیں پے در پے اور جھونکے دیے زور سے، پھر اٹھوایا اس نے بوجھ
اور چلایا اس کو نرمی سے، پھر تقسیم کیا جہاں کا امر تھا تو ٹپکائیں بوندیں، پھر
برسایا مینہ کہ سب تعریف اللہ کو ہے جو پالنے والا سب عالم کا ہے اور درود و
سلام حضرت سید المرسلین پر کہ جن کا نام پاک محمد ہے اور ان کی سب آل واصحاب
پر اے پروردگار درود وسلام نازل فرما جن سے منعقد ہوتی ہیں پاک مقامات
میں مجلسیں انس کی واسطے بزرگی رتبہ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہوا کریں
وہ درود وسلام سوز دلی وعشق سے مجمع ملائک اور آسمان کی محفلوں میں ساتھ
تعظیم شان صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کے سن اے نیک بخت کہ اللہ حکم

(باقی بر صفحہ آئندہ)

وان ينهض الاشراف عند سماعه ۞ قياما صفوفا اوجثيا على الركب وقلت مضمنا ۞ سواد عيون العين عين وسنا ذهب ۞ ولوح نحور الحور لاح كما يحب ۞ فان يمل جبريلُ لقال اولوا الادب قليل لمدح المصطفیٰ الخط بالذهب ۞ على فضة من خط احسن من كتب ؎

يقوم بحق المدح قومٌ فلانه	توله وقم بالوجد قومة واله
فحقٌ خضوع الوجه زعماً لكارهٍ	وان ينهض الاشراف عند سماعه

قياما صفوفا اوجثيا على الركب

وبعدهٗ فاستمع ياسعد ۞ ان الذی لاقبل له ولابعد ۞ قدقضی قبل خلق السماء وصوت الرعد ۞ ان الواجب على كل من عبد ۞ بعد ذكر الصمد ۞ العُمد والصُمد ۞ الى المدح والحمد ۞ لاعظم كرم ۞ واجل رحمة ۞ واجلی منة ۞ سيّد الرسل ۞ هادی السبل وامام الكل ۞ ومكثر النقل ۞ ورافع الغل ۞ ودافع الضل ۞ امجد مولود ۞ احمد محمود ۞ واسعد مسعود ۞

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دے چکا آسمان کے پیدا ہونے سے پہلے کہ واجب ہے ہر عبادت کرنیوالے پر کہ یاد خدائے پاک کے بعد مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا کرے وہ رسول جو بڑی بخشش اور بڑی نعمت اور بزرگ رحمت اور کھلی صفت ہیں پیغمبروں کے سردار نیک رستے بتانے والے ہیں سب کے پیشوا تھوڑی چیز میں بہت دینے والے قید کا بند اٹھا دینے والے گمراہی کو رفع کرنے والے بزرگ مولود احمد محمود بہت نیک سعادت دیئے گئے بخشش کے مہینہ وجود کی جڑ خدا کی نعمت

(باقی اگلے صفحہ پر)

وجود الجود ٭ واصل الوجود ٭ نعمة الجليل ٭ ودعوة الخليل ٭ وبشر المسيح ٭ وبشر الذبيح ٭ ولبغية الكليم ٭ بوادی التکلیم ٭ واکرم کریم ٭ علی ربه العظیم ٭ سیدنا ومولانا **محمد** النبی الامی الامین ٭ الامان الامان الضمان الضمین ٭ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ٭ واٰله وصحبه وبارك وعظم ٭ وقد قال عز من قائل الم تر الی الذین بدلوا نعمة اللہ کفرا نعمة اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ٭ قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما اخرجه البخاری فی الصحیح العلم ٭ وقال تعالیٰ واما بنعمة ربك فحدث فوجب التحدیث بما من اللہ به علی المؤمنین ٭ من وجود هذا الحبیب المکین علیه الصلٰوة واٰله الطیبین ٭ وقال تعالیٰ وذکرهم بایام اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابراہیم علیہ السلام کی دعا مسیح علیہ السلام کی بشارت اسمٰعیل علیہ السلام کی خوشی کا سبب موسیٰ علیہ السلام کی آرزو پروردگار کے نزدیک بڑے ذی عزت سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے الذین بدلوا نعمة اللہ کفرا صحیح بخاری میں ہے کہ اس آیۃ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نعمۃ اللہ محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے واما بنعمة ربك فحدث تو واجب ہوگیا ہم پر بیان کرنا اس کا کہ اللہ نے ہم پر احسان کیا جو ایسی نعمت بھیج دی ۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وذکرھم بایام اللہ پھر کون سا دن بڑا ہے حضرت کے یوم ولادت شریف صلی اللہ علیہ وسلم سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

وای ایام اللہ اعظم من یوم ولادۃ المصطفیٰ ؛ علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل الثناء ؛ وقال تعالیٰ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا ومن عقائد الایمان ان محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ المنان ؛ شہد بذلک الحدیث والقراٰن ؛ وکذلک فضل اللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً جلیلا ؛ حکاہ الماوردی فی قولہ تعالیٰ ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لاتبعتم الشیطٰن الا قلیلا ؛ فقد اوجب المولیٰ ؛ سبحنہ و تعالیٰ ؛ علیٰ اُمتہ ؛ الفرحۃ بولادتہ ؛ محقٌ لنا ان نتخذ مولدہ عیدا ؛ وان رغم انف من کان بعید ؛ اوعلی ھذا مضی جہابذۃ الائمۃ ؛ وسادۃ الامۃ ؛ وکاشفوا الغمّۃ ؛ علیھم من ربھم رضوان ورحمۃ ؛ حتی جاء قوم یقرءون

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا اور یہ حدیث وقرآن سے ثابت ہے کہ حضرت رحمت ہیں اور فضل بھی۔ جیسا کہ ماوردی نے لولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ فضل اللہ محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم، پس واجب کر دیا اللہ تعالیٰ نے فرحت ولادت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو چاہیئے ہم کو کہ مولد شریف کو ہم عید بنالیں، اس قول وفعل پر گزرے ہیں بڑے بڑے پرکھنے والے امام امت کے سردار اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو پھر ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو قرآن پڑھتے ہیں اور

(باقی برصفحہ آئندہ)

القرآن لایجاوز تراقیھم ویتحدثون بالحدیث فلایکون راقیھم ؛
اصلوا اصولا ضللت المسلمین قادۃً وتبعًا ؛ وفصلوا فصولا ففرقوا
دینھم وکانوا شیعًا ؛ وکان مخرجھم نجد ؛ کما جاء بہ الوعد ؛
من صاحب المجد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فھاجوا وماجوا
وثاروا وباروا ؛ وجاروا وحاروا ؛ وعلی الحرمین المحترمین
اغاروا ؛ فالدماء سفکوا ؛ والاموال ملکوا والمؤمنین فتکوا ؛
والحرمات ھتکوا ؛ فظنوا ان اھلکوا وماھم اھلکوا ولکن ھلکوا ؛
وعما قلیل یرون ما سلکوا ؛ وکان قصاری مرامھم وقصوی مرماھم ؛
وفی الشقاق والنفاق ھم ماھم ؛ ان یمحوا اذکر من رفع اللہ
ذکرہ ؛ ویضعوا قدر من عظم اللہ قدرہ ؛ ویطفئوا نور من
اتم اللہ نورہ ؛ ویؤذوا المؤمنین احیاء وامواتا ویخالفوا
الذین نقصا واثباتا ؛ فحاربوا جبارا ؛ ملکا قھارا ؛ سراو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
اُن کے گلے سے اُوپر نہیں چڑھتا۔ اور حدیث پڑھتے ہیں پھر کچھ نفع نہیں پاتے ایسے قائدے
گھڑتے ہیں جس سے سب اُن کے خادم و مخدوم گمراہ ہو گئے اور تفرقہ ڈال دیا۔ اور
اصل نکل ان کی نجد سے ہے ہوئی جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہاں سے
ایسے زلزلے اور فتنے اٹھیں گے سو وہ لوگ نجد سے موج مار کر نکلے اور ظلم کیا اور حرمین
شریفین کو لوٹ لیا، بہت خون کیے۔ مومنین کو ہلاک کیا۔ اور فی الواقع وہ خود ہلاک ہوتے۔
قیامت کو پائیں گے اپنا کیا اور اُن کا اصل مقصد یہ تھا کہ بجھا دیں اُن کے ذکر کو جس کو فرمایا
حق تعالیٰ نے ورفعنا لک ذکرک اور بے تعظیمی کریں اُن کی جن کو فرمایا وتعزروہ وتوقروہ
(باقی اگلے صفحہ پر)

جهاراً ۞ ولیلاً ونهاراً ۞ واصروا اصراراً ۞ واستکبروا استکباراً ۞
ومکروا بالاسلام مکراکباراً ۞ فالانبیاء ثلبوا ۞ والاولیاء
سلبوا ۞ والاسلام غلبوا ۞ والالحاد جلبوا ۞ وبالحملة کلبوا ۞
فالدین قلبوا ۞ فما ذا ایراد ۞ بمجلس المیلاد ۞ اوایصال الاجور
الی اوصال القبور ۞ حتی یعد انکارہ فی مفاسدھم ۞ ویذکر
یجنب مکاھم ۞ قاتلھم اللہ انّٰی یؤفکون ۞ وسیعلم الذین
ظلموا ای منقلب ینقلبون ۞ فلما اباد ھم اللہ تعالیٰ ابادۃ ۞ وامطر
علیھم مطر الھلاك وزیادۃ ۞ حتی زاعت ربوع نجد الدثور ۞
وتنادت بواکیھا بالویل والثبور ۞ الجأت بواقیھا الیٰ دیار
شاغرۃ ۞ عطاش الفتن بافواہ فاغرۃ ۞ ولم تدران اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور بجھا دیں اُن کا نور جن کو فرمایا واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون اور ایذا
پہنچائیں مسلمانوں کو خواہ وُہ زندہ ہوں یا قبر میں پڑے تو یہ لڑائی باندھی انہوں نے
اللہ تعالیٰ سے انبیاء کی بے ادبی اولیاء کا انکار اسلام کے خراش تراش الحاد کا
سمیٹنا گویا دین ہی لُٹ گیا پھر ایک انکار مولد شریف اور فاتحہ وایصالِ ثواب
کا کیا ذکر یہ تو ان کی ادنیٰ بات ہے خدا کھوئے ان کو، اور قریب جان لیں گے ظالم
کہ وُہ کس کروٹ گرتے ہیں، خلاصہ یہ کہ جب ان کو ہلاک کر دیا اور تمام نجد میں کُہرام
مچ گیا تب باقی بچے ہوئے کہیں کہیں شہروں میں پھیل گئے اور یہ نہ سمجھے کہ ہر وقت
اللہ کے بندے نیک ہوتے ہیں جو دین کی محافظت اور ایمان کی تقریب کرتے
ہیں سو اللہ کا شکر کہ ان کے واسطے بھی اللہ تعالیٰ نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

فی کل حین ۰ عباد اصالحین ۰ یذبون عن الدین ویؤکدون الیقین ۰
ویؤیدون الایمان ۰ ویشدون الایقان ۰ وللہ المنۃ ومنہ الاحسان ۰
فلم یرعہا الاجنود مجندۃ ۰ لبسیوف مہندۃ ۰ من اللہ مؤیدۃ ۰
فردوا المکائد فی نحور الکائدۃ ۰ وداعوا المفاسد الیٰ نار موقدۃ ۰
تطلع منہا علی الاکباد والافئدۃ حتی الجأت کبراہا فی الجدل و
المراء ۰ الی البھت والافتراء ۰ واختراق الکتب واختلاق العلماء ۰ و
خلع ربقۃ الحیاء ۰ عن رقبۃ الریاء ۰ فیتحیر الناظر ۰ فی
زیہم الظاہر ۰ وطیہم البائر ۰ وعتیہم الخاسر ۰ وغیہم
الخاسر ۰ وکیدھم العظیم وصیدھم العدیم ۰ فینشد الحکیم ۰
ہ ولا ادری وسوف اخال ادری اقوام آل نجد ام نساء ۰ فمن فی
کفہ منہم خضاب ۰ کمن فی کفہ منہم لواء ۰ تظن بداھۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جھٹ ایسی فوجیں تیار کردیں جنہوں نے اُن کے مفاسد اور مکائد سب کو آگ میں
جلا دیا تب اُن کے نیچے بچائے اس بات پر آئے کہ افتراء اور بُہتان باندھنے
لگے ان میں نئے نئے عالم بن گئے اور باتیں گھڑ گھڑ کے نئی باتیں خلاف جدال
اہل سنّت میں بنانے لگے ، شرم ذرہ بھر پاس نہیں ، دلیلوں سے بالکل بیچارے
اور تھکے ہُوئے لیکن بے وقوفوں کے بہکانے اور پھسلانے پر تیار مغالطہ دینے والے
بڑے مکار۔ میں نہیں جانتا کہ یہ نجدی مرد ہیں یا عورت ہیں جس کے ہاتھ میں
مہندی لگی ہوئی ہے اور جس کے ہاتھ میں نیزہ ہے دونوں برابر ہیں اگر تم کسی کو

(باقی اگلے صفحہ پر)

فیهم رشیدا ٭ وان تتأمل فرشدهم هباء ٭ فما فیهم رشید الصدق الا رضیع اوتبیع اوغذاء ٭ فما معنی تجادرهم ولکن عسی الحنان یهدی من یشاء ٭ مذاوان من اولٰئك الجنود ٭ مهلکی العنود ٭ فی الزمان الموجود ٭ اخانا فی اللّٰه ٭ ذو الفضل والجاه ٭ والقدر الرفیع ٭ والفجر البدیع ٭ والعلم الوسیع ٭ والحکم الوکیع والجد المنیع والمجد السنیع مولانا المولوی **محمد عبد السمیع** صین عن کل شنیع ٭ وفزع وفطیع ٭ کل مساء وسطیع ٭ فانی وقفت علی بعض ماله من اطالب الکلام ٭ فوجدت جُلّة **دافع الاوهام وراحت القلوب** بنهج محبوب وانوار ساطعة وحجج قاطعة فاللّٰه یجزیه الجزاء الحسن بمنح المغ الحسن ٭ والحمد للّٰه فی السر والعلن ٭ و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اُن میں بنظرِ ظاہر رشید خیال کرو تو بعد تامل معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رشد بالکل نیست و نابود ہے غرض کہ کوئی ان میں رشید سچا نہیں اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت کرے۔ الحاصل وہ فوجیں جنہوں نے منکرین کو ٹھکانے لگایا ان میں سے اس زمانہ میں ایک ہمارے دینی بھائی ہیں بزرگی اور مرتبہ والے، صاحبِ عقلِ محکم و علمِ وسیع مولوی محمد عبد السمیع، اللہ ان کو بچائیو ہر شنیع سے، میں نے دیکھے اُن کے پاکیزہ کلام مثل دافع الاوہام رحمۃ القلوب و انوار ساطعہ، اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے، اور شکر کرتا ہوں اللہ کا ظاہر اور باطن میں، اور درود و سلام ہوجیو

(باقی برصفحہ آئندہ)

الصلوٰة والسلام علی السید الامن ٭ وآلہٖ وصحبہ محاۃ الفتن ٭ و حماۃ السنن وھداۃ السنن ٭ ماطلع سھیل من الیمن ٭ قالہ بفمہ ٭ ورقمہ بقلمہ ٭ عبد الفقیر الذلیل الحقیر عبد المصطفٰی **احمد رضا** المحمدی السنی ٭ الحنفی القادری ٭ البرکاتی البریلوی ٭ غفر اللہ لہ وحقق واصلح عملہ ٭ وفی الصلحاء بعثہ ٭ اٰمین ٭

بدایوں صورۃ ما زینہ نبراس المؤمنین منور الاسلام والدین کاشف الظلام کالبدر التمام داعی الانام الی سبل السلام الزاھد المتورع العابد المتبرع جامع العلوم العقلیۃ والنقلیۃ کاشف المکنونات الخفیۃ الحاج المولوی **عبد القادر** لازال بالمعالی والمفاخر ٭ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رسائل راحت القلوب و دافع الاوہام وانوار ساطعہ وغیرہا مؤلفات حضرت بابرکت عاشق اذکار جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحامیِ دین قویم وصراطِ مستقیم حاجی الحرمین الشریفین فاضل نامی متورع گرامی مولانا محمد عبد السمیع صاحب زاد برکاتہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جمیع آل واصحاب پر جب تک سہیل تارہ یمن میں چمکتا رہے، یہ اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا اللہ کے بندہ فقیر ذلیل و حقیر عبد المصطفٰی احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی نے اللہ اس کو بخشے مراد کو پہنچاوے اور قیامت کو صلحائے امت میں اٹھاوے۔

آمین!

کہ ہم در فضائل و کمالات جناب حضرت خاتم الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تالیف فرمودہ اند وہم در دفع اوہام منکرین مجالس اذکار شریفہ و دیگر امور مثوبات لطیفہ تصنیف نمودہ مطابق و موافق تحقیقات جمہور محققین از فقہاء و محدثین اند منکران کہ براہ خدیعت وخیانت کہ شعار طوائف اہلِ ضلالت ست طعن تشنیع جاہلانہ می نمایند عوام اہل اسلام برآں گوش ننہند و سعادت اتباع جمہور ائمہ دین را از دست ندہند حق سبحانہ مؤلف ممدوح برکات دارین عطا فرماید و خاتمہ فقیر و جملہ اہلِ اسلام بخیر نماید آمین حررہ الفقیر احقر الطلبہ عبدالقادر عفی عنہ ۔

بمبئی صورۃ ما افادہ القلمہد الکبیر والغطمطم العزیز محقق العلوم العقلیۃ مدقق الفنون النقلیۃ الشیخ الاجل الاجل الحبر الاوحد الاکمل الصوفی ما لمضفی آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولانا الحاج المولوی **عبید اللہ** الحنفی القادری البدایونی المدرس الاعلیٰ للمدرسۃ المحمدیۃ الواقعۃ فی بلدۃ بمبئی خصہ اللہ دائما بفیضہ الجلی والخفی ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد لمنیر انار الحق لاھلہ فغدت انوارہ علی منار الھدی ساطعۃ ، ومنور نور الصدق بتنویر ابصار اولی الابصار فاصبحت مصابیحہ من مشکوٰۃ صدورھم

تقریظ جناب مولوی محمد عبید اللہ صاحب سب تعریف اس کو ہے جس نے حق والوں کے لیے حق روشن کیا تو بلند ہوگئیں اس کی روشنیاں ہدایت کے مینار پر اور روشن کیا صدق کو ساتھ روشن کرنے آنکھوں اہل بصیرت کے تو راستی کے

(باقی برصفحہ آئندہ)

لامعة ÷ والصلوٰة والسلام علیٰ سیّدنا محمد مفتاح خزائن العلوم
الذی اشاراته لکنوز الحقائق فاتحة ÷ ومصباح وفائن الفهوم
الذی تری الافهام بلمعاته دقائق المعانی علیٰ صفحات البیان
لائحة ÷ وعلیٰ اٰله واصحابه الذین بذلوا مهجهم الکریمة
لبهیج الدین فنبا هجت روضة منمنة بالغة ÷ دریت بمساعیهم
الجمیلة شقائق الحقائق فزاها تزهو علی ربا الاسلام انقمة
رائعة ÷ امابعد فانی قد تشرفت بمطالعة هذه الصحیفة
الشریفة ÷ وسرحت نظری فی مضامینها العجیبة اللطیفة ÷
فوجدتها بالله کاسمها انوار ساطعة ÷ ورأیت نجوم الهدیٰ
من بین اسطارها طالعة ÷ تهدی الی الحق لکل ضالة غویة ÷
وتهدی الصواب الی کل ذی فطرة سویة ÷ مامن مسئلة
الاوترکتها واضحة جلیلة ÷ ولامن معنی الاوکشته ببیانه

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
چراغ اُن کے سینوں میں چمکنے لگے اور درود و سلام ہمارے سردار محمد پر جو علموں کی کنجی ہیں ایسی کنجی جس کے اشاروں میں حقیقتوں کے خزانے کھلتے ہیں اور ایسے چراغ ہیں جن کی روشنی میں معانی کے دقائق صاف نظر آتے ہیں اور آپ کی آل واصحاب پر جنھوں نے اپنی جانیں کھپائیں دین کی رونق میں تو خوب رونق پر آیا اس کا نگارین باغ پھلا ہوا اور پھولا ان کی سعی سے گل حقائق کا۔ تو دیکھے اُن کو اسلام کے بلند مکانوں پر خوشنما پھول کھلے ہوئے اس کے بعد کہتا ہوں کہ میں مشرف ہوا اُس صحیفہ شریفہ کے مطالعہ سے، اور چھوڑ دیا میں نے اپنی نظر کو
(باقی بر صفحہ آئندہ)

الحلی حللا سندسیة ؛ جمعت من المطالب رعی الله منشها کواکب دریه ؛ ونظمت من المآرب حمی الله موشیها جواهر مضئیه تهدلت افنانها بفنون الفوائد وترنحت اغضانها بعیون العوائد ؛ تقر بهجتها النواظر ؛ وتسر نزهتها الخواطر کیف لا وهی روضة رضیة مزهرة بازهار التحقیق ؛ وحدیقة ندیة منورة بانوار التدقیق ؛ طوبی لواردها موردا هنیئا ؛ وبشری لناظرها منظرا سینا ؛ فما لهولاء القوم عنها راغبون ؛ ویمرون علیها وهم عنها معرضون ؛ وقد حق لها ان تترنم علی قصباتها بالقبول ؛ عنادل فهوم الفحول ؛ وبلابل العقول ؛ جزی الله ممهدها جزاء موفورا ؛ وجعل سعی منضدها سعیا مشکورا ؛ حررہ واملاہ ؛ العبد الاواہ ؛ الراجی رحمة مولاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اُس کے مضامین لطیفہ کی سیر میں اللہ کی قسم میں نے اس کو ویسا ہی پایا جیسا اس کا نام ہے انوار ساطعہ، میں نے اس کی سطروں میں ہدایت کے تارے چمکتے دیکھے، ہر بھٹکے کو اس سے راہ ملتی ہے، ہر اچھی سمجھ والا اس سے راہِ صواب پاتا ہے ہر مسئلہ کا شافی بیان ہے اور ہر معنی کو شیریں بیانی سے خلعت زیبا پہنایا، اس کتاب میں کیا چمکتے ستارے جمع ہیں اللہ اس کے مصنف کا نگہبان ہے اور کیا جواہر آبدار پروئے ہوئے ہیں اللہ اس کے سجانے والے کی حمایت کرے نیچے جُھک گئیں ٹہنیاں اُس کی گراں باری کثرت فوائد سے، اور لچکنے لگیں شاخیں اُس کی عمدہ منافع کے بوجھ سے، آنکھیں روشن ہوتی ہیں اس کی رونق جمال سے

(باقی برصفحہ آئندہ)

عبید الله ؛ عفا عنه ما جناه ؛ وحماه بحماه ؛ عما لا یرضاه ؛ وسلکه فیما یحبه ویرضاه ؛

بمبئی ایضاً صورة ما قرظه العابد الزاهد المرتاض العارف المرشد الفیاض هادی السالکین مرشد الناسکین المولوی الصوفی السید عماد الدین الرفاعی النزیل بمحلة بھنڈی بازار اجری الله فیوضه الباقیة الصالحة الی یوم القرار ؛ الحمد لله الذی بعث رسولا فی الامیین ؛ وفضله علی الانبیاء والمرسلین ؛ وجعل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور دل خوش ہوتے ہیں اس کی خُوبی سے اور کیوں نہ ہوں کہ وہ ایک باغ ہے جس میں تحقیق کی کلیاں لگی ہیں اور تدقیق کے پھُول کھلے ہیں خوشخبری ہے اس کو جو اس باغ میں آئے اور نظارہ کا مزہ پائے۔ نہیں معلوم کیا ہوا اس قوم کو جو اس سے بے رغبت ہیں اور چلتے ہُوئے اس سے کتراتے ہیں اور یہ اس قابل ہے کہ عقل کی بُلبلیں اس کی ٹہنیوں پر چہچہا کریں، اللہ اس کے آراستہ کرنے والے کو جزائے خیر دے اور سعی کو مشکور فرمائے لکھا اس تقریر کو امیدوار رحمت اور بندہ اواہ عبید اللہ نے اللہ اسکی خطا معاف فرمائے اور مرضیات سے بچائے اور اپنی پیاری مرضیات کے راستہ پر چلائے۔

تقریظ مولوی سیّد عماد الدین صاحب رفاعی، اللہ کا شکر ہے جس نے اَن پڑھوں میں رسول بھیجا اور اس کو سب پیغمبروں پر بندگی بخشی اور ان کے میلاد کو تمام عالم کے لیے رحمت کیا، اور نازل فرمائی اس نے فاتحہ شفا دینے والی مومنین کی اور درود وسلام پورے پورے ہمارے سردار محمد شفیع المذنبین پر

(باقی برصفحہ آئندہ)

میلادہ رحمۃ للعالمین ÷ وانزل الفاتحۃ شافیۃ للمؤمنین ÷ والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سیدنا محمد شفیع المذنبین ÷ وآلہ الطیبین ÷ واصحابہ المہتدین اجمعین ÷ امّا بعد فرایت الرسالۃ النافعۃ **الانوار الساطعۃ فی بیان المیلاد والفاتحۃ** التی الفہا الفاضل الاجل المنیع المولوی محمد عبد السمیع ÷ سلمہ اللہ تعالیٰ وجزاہ خیر الجزاء فوجدتہا مشتملۃ علی الادلۃ القویۃ والروایات الصحیحۃ الفقہیۃ جعل اللہ سعیہ مشکورا ÷ ونفع بہ المسلمین موفورا ÷ ومن انکر الفاتحۃ ومجلس المیلاد فہو من المتوہبین المضلین ÷ تاب علیہم خیر التوابین ÷ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ÷ کتبہ العبد المسکین السید عماد الدین الرفاعی کان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور سب آل پاک اور اصحاب ہدایت پائے ہوؤں پر، اس کے بعد کہتا ہوں کہ میں نے رسالہ نادر انوار ساطعہ دیکھا جس کو بڑے فاضل مولوی عبد السمیع نے تالیف کیا ہے اللہ تعالیٰ اس کو سلامت رکھے اور اچھی جزا عنایت کرے، پایا میں نے اس کو شامل قوی دلیلوں پر اور صحیح فقہ کی روایتوں پر، اللہ تعالیٰ اس سعی کو مشکور فرمائے اور مسلمانوں کو بہت نفع دے اور جو کوئی انکار کرے فاتحہ اور مجلس میلاد شریف کا وہ فرقہ وہابی اور گمراہوں میں سے ہے اللہ ان کو توبہ نصیب کرے۔ اب ہم آخر میں پڑھتے ہیں الحمد للہ رب العلمین۔ لکھا اس کو بندۂ مسکین سید عماد الدین رفاعی نے، خدا اس کا ہو جائیو جیسا کہ اس کے بزرگوں کا ہوا تھا

(باقی برصفحہ آئندہ)

اللہ لہ کما کان لاسلافہ ؛ وعفا عنہ وعن والدیہ واخلافہ

"حیدرآباد دکن" صورتہ ما رقمہ المنطیق الکتیس الخبیر النحریر الجھبیذۃ البصیر الناظم الناثر المنشئ الادیب الفلسفی الحکیم الطبیب کثیر التالیف جید التصنیف مولانا وکیل احمد نائب صوبہ شرقی دکن صانہ اللہ ذوالمنن عن نوائب الزمن وحوادث الفتن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ستائش مرشارعی راکہ شارع عام شریعت را از خاشاکِ بدعت وہوا پاک رفتہ ؛ تادر فضائے ایں گلستان ہمیشہ بہار ہزاران گلِ ہدایت در شگفتہ ؛ دنیایش مرمفتی راکہ قانونِ اسلام را در کشورستان قلوب اہلِ ایمان رائج فرمودہ ؛ واز میامن فیوض این معنی ابواب تحقیق کمالات بر خواطر آل واصحاب بر کشودہ ؛ امّا بعد بندۂ درگاہِ احد وکیل احمد سکندرپوری مولداً والحنفی مذہباً والنقشبندی مشرباً می گوید کہ بر ضمیر منیر اشراقات تنویر اربابِ فضل وہنر محتجب نخواہد بود کہ ارکام ظلام بدعت وہوائے آفتابِ ہدایت را آنقدر تاریک نساختہ کہ طیرانِ ذرات حقائق را ببال افشانی از پا درنیارد وخاشاک افشانی صرصرِ این وادی چندان بر طرق اسلام خس خاشاک نیفشاندہ کہ سالک مسالک شریعت را پا بسنگ درنیاید ؛ روز افزونی قدر ارج این سنگریزہا کساد بازاری متاع جوہر تحقیق ؛ ووسوسہ انگیزی خیالات این موسوسان برہمزنی خانمان تصدیق ؛ چہ روزگار عبرت انگیز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اور معاف کیجئو تقصیر اس کی اور اس کے ماں باپ اور پیچھے آنے والوں کی۔

تقریظ جناب مولوی وکیل احمد صاحب فارسی ہے ترجمہ کی حاجت نہیں۔

است کہ حکمت وراں درضلالت افتادہ اند ۔ وچہ زمانہ حسرت خیز است کہ جہالت
پروراں درابحاث متین حکمت آمادہ ۔ حرفے نخواندہ اند و بدعویٰ تحقیق رسیدہ اند ۔
معنی نذر نیافتہ اند و بدم کہنہ تلاشی مضمون آشنا گردیدہ ۔ معانی کہ بضابطہ
شریعت نبوی وفاق دارند ۔ بہ ابتداع آں قائل اند ۔ واموریکہ درتحت من سن
سنۃ حسنۃ داخل اند بتحریم آں مائل اند ۔ کوہمتی کہ در مسالک ایں وادی سلوک
ورزد کجا زہرہ کہ از پائے مخائل واوہام غابات ایں فیافی را درنورزد ۔ بحمد اللہ
وبمنہ مصنف ایں انوار ساطعہ چہ سحر بردہ ۔ وچہ اعجازومی بہ پایہ بیان درآوردہ ۔
کہ از سطوع انوارش بردیدہ بے بصراں حکم خفاش درست آمدہ ۔ واز لموع
لمعاتش آب درچشمہ آفتاب می لرزد ۔ الحق نوررا باظلمت تضادے تمام متحقق
بود کہ چوں تنویرات شعشعانی آفتاب از مشرق نہایت پرتوانگیزاں گردد ۔
زلف لیلائے لیل را چہ یارا کہ باختراق بازی جمر آتش بال کشاید مرغان اسولہ
معترضان درچنگال اجوبہ ایں رسالہ صید بازی شہباز وفروجگان نمودند ۔
وقامت اعتراض مانند خاروسرنکشیدہ کہ جلاداں توقیع از شمشیر اشارت
فرقش رانہ بریدند ۔ از گلچینیش خاروخاشاک بدعات بریدہ شد واز لضبارت
فرمایش گلشن کدہ ہدایت شگفتہ ۔ نخل فقاہت از ریشہ دوانی معانیش
درعسل جوشی اجتہاد ۔ وگلبن شریعت از بہار افروزی نسیم کلامش درعطر ریزی
ریاض اعتقاد ۔ از افتاح فاتحہ کلامش معنی فتوحات حاصل ۔ واز نورباری
یواقیت اسرارش دیدہ کورسواداں عاطل ۔ عیسے دمے مسائل باریکش
مستعد احیائے علوم ۔ وگنج کاوی سینہ الہام زائش کفل کشائے مجازن
فہوم اشعۃ لمعاتش سرمہ بزسواد دیدۂ انوار ۔ معارف فیوضاتش منور
قلوب اسرار ۔ توضیح عبارتش تنقیح فرمائے تلویح معانی ، ومنارات معانی

مطالبش نور الانوار مواطن روحانی ورمختار معاقد بے بہاست ؛ محیط و مدعا ست ؛ کشاف طینتی بیانش در مختصر بیانی الفاظ مطول فروشن دکان مضمون ؛ فتوح غیب عساکر معانیش در ملک گیر طبل نوید گوئی افواج معانی موزون ؛ چوں تمدیح نثاری ایں ستر گ در پاس مقام اطناب سر فرود دارد اولی آنکہ بدیں مدعا اختتام توصیف کنیم ؛ ع

قبولِ خاطرِ اہلِ ہدیٰ باد فقط

احمد آباد گجرات صورۃ ما سطرہ النحر الفہامۃ و البحر العلامۃ واقف اسرار المعقول والمنقول کاشف استار الفروع والاصول دامغ جیش الاباطیل مشقت شمل المخاذیل المدعو بمولوی **نذیر احمد خان** الرامپوری المدرس فی بلدۃ احمد آباد ابقاہ اللہ بالصدق والسداد والھدایۃ والرشاد۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للخالق الذی خلق نور نبیہ اول جمیع المخلوقات فجعل منہ الانبیاء والصدیقین و الشھداء وسائر المکنونات وارسلہ آخر کل النبیین رحمۃ للعٰلمین وسخر لہ الملک والملکوت والارضین والسمٰوٰت وافضل الصلوٰۃ

تقریظ جناب مولوی نذیر احمد خاں صاحب سب تعریف اس کو جس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا سب سے پہلے ، پھر بنائے اس سے انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور سب مکنونات ، اور بھیجا حضرت کو پیغمبروں سے پیچھے رحمت سب عالم کے واسطے ، اور ان کے تابع کر دیئے سب اجسام و ارواح اور زمین اور آسمان ، اور سب سے افضل (باقی بر صفحہ آئندہ)

والتحیات علیٰ خیر الانام الذی من علینا ببعثته العزیز العلام بقوله فی کتاب المنزل المکرم الذی ھو اقوم البینات و اروم المعجزات وامر فیہ بتحدیث النعمۃ و ایۃ نعمۃ تساوی ولادتہ فذکرھا انفراداً او اجتماعاً بھیئۃ الاحترام و الاکرام کیف لا یکون من الحسنات والعبادات و الٰہ و اصحابہ الذین عزروہ وقروہ بافئدتھم وجوارھم فبغلوا فی الدرجات الی اقصی الغایات و من بعدھم من محققی الفضلاء البطول و الکملۃ الفحول اتفقوا علی ممر الاعصار فی الامصار علی احتفال ذکر ولادتہ و استحسنوا القیام عندہ علی الاقدام فنالوا البرکات المتوالیات **اما بعد** فانی طالعت ھذا الکتاب اعنی الانوار ساطعۃ فی بیان المولود و الفاتحۃ للعالم الافضل والفاضل الابجل التحریر الرفیع و البحر المنیع المولوی عبد السمیع اطال اللہ بقاءہ ورزقنا و ایاہ لقاءہ ورضاءہ وجزاہ اللہ عنی وعن جمیع المؤمنین الصالحین خیرا وکفاہ اللہ اعداءہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) درود اور تحیت نازل ہو جو حضرت خیر الانام پر جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان ظاہر کیا کہ اور بھیجدیا ایسا رسول اور حکم دیا ہم کو کہ نعمت بیان کرو اور کون سی نعمت حضرت کی ولادت شریف کے برابر ہے تو ذکر کرنا اُس کا تنہا یا جماعت میں باادب کیونکر حسنات وعبادات میں نہ ہوگا اور درود وتحیت ہو آپ کے آل واصحاب پر بھی جنہوں نے آپ کی تعظیم وتوقیر اپنی جان جسم سے ادا کی تو پہنچے وہ بڑے درجوں کو اور ان سے پیچھے بڑے بڑے فضلاء کاملین سدا اتفاق کرتے رہے تمام شہروں میں استحسان محفل مولد وقیام پر تو پہنچے (باقی اگلے صفحہ پر)

وحساده ضيرا فوجدته منورا لقلوب المحبين سيد المرسلين ودليلا قاطعا لاثبات الفاتحة وميلاد خاتم النبيين وبرهانا ساطعا لاثباتهما على المنكرين المتبعين غير سبيل المؤمنين فلا يختفى ضياءه الا على العنيد الغوى الذى مقلته عمياء والاعمى الغبى الذى لا يرى شعاع الذكاء فى وسط السماء قال المتنبى فى الذى هو كذلك عاذرا له لما هنالك ؎

ولو خفيت على الغبى فعاذر

ان لا ترانى مقلة عمياء

فجدير للمؤلف اللوذعى فى مقابلة مثل هذا اهل العمى والغى النبى ان يسلك مسلك الشاعر الماهر المتنبى وارجو من الله

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہ برکات کو پے در پے اس کے بعد مطلب یہ ہے کہ میں نے دیکھی کتاب انوار ساطعہ تصنیف بڑے عالم وفاضل یعنی مولوی عبدالسمیع کی، اللہ اس کو قائم رکھے اور ہم کو اور اوروں کو اپنا دیدار اور اپنی رضا نصیب کرے اور میری طرف اور جمیع مومنین صالحین کی طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت فرماوے اور سب دشمنوں اور بدراہوں کے ضرر سے بچاوے، پایا میں نے اس کتاب کو ایسا کہ محبین رسول کے دلوں میں نور پیدا کراتی ہے اور فاتحہ و میلاد کے ثبوت پر دلیل قاطعہ اور برہان ساطعہ ہے اس کی روشنی کسی سے مخفی نہیں وہاں وہ دشمن کجرو جس کی آنکھ اندھی ہے آسمان میں سورج بھی اس کو نظر نہیں آتا۔ شاعر متنبی نے کہا ہے کہ اگر میں کسی کند ذہن کے ادراک میں آیا تو اس کو معذور سمجھنا چاہیے کیونکہ مجھ کو اندھی آنکھ دیکھ نہیں سکتی۔ پس مؤلف انوار ساطعہ کو بھی یہی چاہیے کہ اپنے وقت کے

(باقی برصفحہ آئندہ)

جل برهانه وعظم شانه ان لاينكر مضامين هذا الكتاب احد من
العاقلين المنصفين المتادبين وان كان من قبله لقلة التدبر والنظر
على الكتب من المنكرين لان المؤلف القمقام النحرير الفهام
اوضحها ايضا لا ياتيه الانكار واظهرها اظهار الشمس بل والشرق
والغرب فى نصف النهار واقام البينة عليها فصارت عند الازدحام
كالجبال الراسية ؛ وتصدى لدفع الاعتراضات التى تقولها اهل
البدعات السيئات فاجاب عنها باجوبة مرضية شافية فلا
يسع لمن له قلب سليم الا التسليم بالتكريم واما الذين اشرب
فى قلوبهم حب المكابرة والمعاندة وكان وابهم العداوة والمضادة
وويد نتهم عن الحق الاستكبار وعن الهداية الاستنكار فلا
عجب ان يتنفروا عن مثل هذا التحرير الازهر ويستد بروا
عن هذا التقرير الاظهر والاطهر الا ترى ان لايشم فاقد الشامة

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
اندھوں کو جو قدر نہیں پہچانتے معذور سمجھے اور امید یہ ہے کوئی عاقل با انصاف
اگرچہ وہ پہلے قلت اطلاع دلائل کے سبب منکر ہی ہو اب انکار نہ کرے گا اس
واسطے کہ مؤلف نے سورج کی طرح دلائل کو روشن کر دکھایا اور منکرین کے اعتراضات
کو جوابات شافیہ سے رد کیا اب کسی صاحبِ قلم کو گنجائش نہیں کہ انکار کر سکے
ہاں جن کے دلوں میں بس گیا جھگڑا اور عناد اور قبول حق سے غرور اور انکار کچھ
عجب نہیں جو نفرت کرنے لگیں اس روشن اور پاکیزہ تقریر سے کیا ہم نہیں دیکھتے کہ
جس کی قوتِ شامہ نہیں ہوتی وہ مشک ازفر کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

المسك الاذفر ولم یومن باعجاز انشقاق القمر معاندا لاکبر فمن ضاهاه وتشابه قلبه کیف یتخلف عنه وضوح هذا الاثر وانکان احدهما الاصغر من الاٰخر اللهم احفظنا بلطفك القدیم وفضلك العمیم عن مثل هذه الصنیعة الشنیعة واغفر لنا کل الخطایا والذنوب بذریعة حبیبك خیر البریة صلی اللّٰه علیه وسلم وارزقنا خلة خلیلك الکاملة وامتنا علی الخاتمة الحسنة وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین وصلی اللّٰه علیٰ خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین قرره باللسان وحرره بالبنان المفتقر الی ربه القدیر محمد نذیر المعروف بنذیر احمد خان عفا اللّٰه تعالیٰ عنه وعن والدیه جم الخطاء والعصیان۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خوشبو بھی نہیں پاتا اور اس بڑے منکر نے شق القمر کا معجزہ بھی نہ مانا ، یا اللہ! ہم کو اپنے فضل سے بچائیو منکرین کی ایسی حرکت بد سے ، اور بخشیو ہماری خطائیں اور گناہ صدقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ، اور ہم کو محبت ان کی نصیب کیجیو اور خاتمہ ہمارا بالخیر اور آخر پکار ہماری یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین اپنی زبان سے یہ تقریر کی اور انگلیوں سے لکھی محمد نذیر المعروف نذیر احمد خاں نے اللہ تعالےٰ سب خطا اور گناہ معاف کرے اس کے اور اس کے ماں باپ کے آمین !

غازی پور صورۃ ما حررہ شافح المکان باذخ الشان العالم الجلیل والفاضل النبیل الشریف النجیب زکی المنابت طاھر الاعراس اللطیف النظیف جمیل الشمائل طیب الانفاس کنز المکارم معدن الحسنات مولانا **محمد ابوالبرکات** لازال بالخیر والفیض والافادات۔ المنۃ للہ الفتاح المنان۔ الذی زین بالفاتحۃ القرآن ٭ وھو نور الانوار الساطعۃ ورب الاقمار الطالعۃ السمیع العلیم ٭ الخبیر المنعم القدیم ٭ والصلوٰۃ علی من ھو اکرم اولاد آدم ٭ وافصح مصافیح العالم ٭ انہ خاتم المرسلین ٭ مولدہ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ الاصفیاء الواصلین ٭ وعلی اصحابہ الاتقیاء الکاملین ٭ اما بعد فیقول العبد المفتقر الراجی رحمۃ رب البریات ٭ محمدن المدعو بابی البرکات ٭ غفر اللہ لہ ذنوبہ والسیئات ٭ ابن فخر العلماء صدر الفضلاء ٭ بدر الفقہاء قمر الکملاء ٭ سند الواعظین المحدثین ٭ ناصر المسلمین ٭ مولانا الاعظم ٭ مقتدانا الاکرم بحر المعانی ٭

تقریظ جناب مولوی ابوالبرکات صاحب غازی پوری خدائے فتاح منان کو احسان جس نے آراستہ کیا فاتحہ سے قرآن کو کہ اللہ ہی انوارِ ساطعہ کا نور ہے اور طلوع کرنے والی قمروں کا پروردگار سننے والا جاننے والا خبر رکھنے والا نعمت دینے والا ہمیشہ کا رہنے والا۔ اور درود ہو اُس پر جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں زیادہ بزرگ ہے اور جہاں کے لوگوں کے واسطے فصیحوں میں زیادہ فصیح بے شک وہ خاتم المرسلین ہے اور اس کا (باقی بر صفحہ آئندہ)

الملقب بالجنید الثانی؛ لقبہ فی اسانیدہ للاحادیث والتصوف الامام الھمام حضرت مولانا عبد الحق محدث کانفوری عم فیضہ ذوالمجد ذوالعز والجاہ مولانا الحاج محمد امانت اللہ؛ الحنفی الفصیحی لازال بابہ ملاذ الحنفاء الاشراف وجنابہ مرجعا للشرفاء الاحناف ان افضل السعادات الابدیۃ واکمل البرکات الصمدیۃ واقدم الفیوضات الرحمانیۃ واکرم الکرامات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

پیدا ہونا رحمت ہے جہان کے لوگوں کے واسطے، اور اس کی آل پر جو خاص دوست خدا رسیدہ ہیں، اور اس کے یاروں پر جو پرہیزگار کاملین ہیں۔ اس کے بعد کہتا ہے بندۂ محتاج، مخلوقات کے پروردگار کی رحمت کا امیدوار محمد ابوالبرکات، بخشے اللہ اس کے گناہ اور برائیاں، جو بیٹا ہے عالموں کے فخر فاضلوں کے صدر فقیہوں کے بدر کاملوں کے قمر، حدیث جاننے والے واعظوں کے سند، مسلمانوں کے مددگار، ہمارے بہت بڑے بزرگ، نہایت اچھے پیشوا، دریائے معانی جن کا لقب جنید ثانی ہے ان کا یہ لقب رکھا ہے ان کی حدیثوں کی سندوں میں اور تصوف میں بڑے پیشوا حضرت مولانا عبد الحق محدث کانپوری عم فیضہٗ نے بزرگی اور عزت اور مرتبہ والے مولانا امانت اللہ حنفی فصیحی غازیپوری ہمیشہ رہے ان کا دروازہ اشراف حنفاء کی جائے پناہ، بیشک ابدی سعادتوں میں افضل اور صمدی برکتوں میں اکمل اور رحمانی فیضوں میں اقدم اور سبحانی کرامتوں میں اکرم اس نبی کا ذکر ہے جو نبیوں میں بہتر ہے روشن شریعت والا واضح طریقہ کا مالک یعنی

(باقی اگلے صفحہ پر)

السبحانية ذکر افضل الانبیاء صاحب الشریعة الغراء مالك الطریقة الزهراء من فضائله الجلیلة و محاسنه النبیلة وظهور البرکات والکرامات عند ولادته الشریفة و معجزاته و آیاته اللطیفة و طوبیٰ لمن صنف فیه واجاد و هدی الناس طریق الحق و سُبل الرشاد وان هو الا المولیٰ الکامل فخر الاماثل فی الفروع والاصول وصدر الافاضل فی المعقول والمنقول علیم باسرار الاحادیث النبویة خبیرٌ بدقائق المواعظ المصطفیة ضابطة الاحکام الشرعیة جامع النکات الاصلیة والفرعیة فاتح المغلقات النقلیة کاشف المشکلات العقلیة مشکوٰة مصابیح البلاغة ضیاء مشارق الفصاحة والبراعة سند الاعالی مستند ارباب المعالی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
بیان کرنا اُس کے بڑے فضائل اور بزرگ خُوبیوں کا اور برکتوں اور کرامتوں کے ظاہر ہونے کا ولادت شریف کے وقت اور اس کے معجزوں اور اس کی پاک نشانیوں کا، تو آفرین ہو اس کو جس نے اس باب میں تصنیف کیا اور خوب بنایا اور لوگوں کو حق کے طریق اور سنّت روی کی راہ پر پہنچایا اور وہ نہیں مگر بزرگ کامل ہمسروں کا فخر، فروع اور اصول اور افضل لوگوں کا صدر معقول اور منقول میں احادیث نبویہ کے اسرار سے واقف، مصطفائی نصیحتوں کی باریکیوں سے خبردار، شرعی احکام کا ضبط کرنے والا، اصلی او رفرعی نکتوں کا جامع، نقلی پیچیدگیوں کا کھولنے والا، عقلی مشکلوں کا حل کرنے والا، بلاغت کے چراغوں کا طاق، فصاحت اور قابلیت کے شرقوں کی روشنی (باقی برصفحہ آئندہ)

ذوالمقام الرفیع المنیع المولوی محمد عبد السمیع فانہ قد اورد کلھا فی رسالتہ اللامعۃ المسماۃ بالانوار ساطعۃ للہ درہ حیث سعی فی اسعاف مرام المتصوفین المقلدین واھتم فی رد شبہات المنکرین الضالین واتی ما یناسبہ المقام باقوال العلماء الکرام وقدماء الاعلام بحیث لم یسمعھا الآذان ولم یرھا عیون الدھور والازمان فواللہ لقد انبطت القلوب بمطالعتہا و نورت العیون بمعانیتہا الفاظہا بدور بازغۃ جملہا شموس طالعۃ سطورھا انہار التحقیق جداولہا بحار التدقیق فیا جماعۃ الناظرین الطالبین الصادقین ان استطعتم ان تنفعوا بہا فشمروا عن ساق الجد واشتروھا فانہا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اعلیٰ لوگوں کے سند بزرگوں کا مستند بلند مضبوط مقام والا مولوی عبد السمیع اس لیے کہ وہ یہ سب مضامین اپنے روشن رسالہ میں جس کا نام انوارِ ساطعہ ہے لائے ہیں اللہ ہی کے واسطے ہے اس کی نیکی، اس لیے انہوں نے مقلدین صوفیوں کے مطلب پُورا کرنے میں کوشش کی ہے اور منکرین گمراہوں کے شُبہوں کے رَد میں اہتمام کیا اور جو کچھ مقام کے مناسب تھا علمائے کرام و قدمائے علام کے اقوال کے ساتھ لائے ہیں اس طور سے کہ نہ اس کو کانوں نے سُنا اور نہ قرنوں اور زمانوں کی آنکھوں نے دیکھا پس واللہ قلوب اس کے مطالعہ سے شگفتہ ہو گئے اور آنکھیں اس کے دیکھنے سے نورانی ہوگئیں، اس کے الفاظ روشن چاند ہیں اس کے جملے سُورج نکلے ہُوئے ہیں، اس کی سطریں تحقیق کی نہریں ہیں اسکی جدولیں تحقیق کے دریا ہیں، پس اے دیکھنے والے سچے طالبوں کی جماعت اگر تم اس سے نفع لے سکتے ہو تو آمادہ ہو جاؤ اور اس کو خرید لو اس لیے کہ وہ تمہارے لیے خیر ہے اگر تم سمجھدار ہو۔

چڑیاکوٹ صورة مارصعه الادیب اللوذعی والاریب الالمعی غواص بحارالتحقیق سیاق غایات التدقیق عالم صنائع الکلام عامل بدائع النظام التقی النقی الزکی الضابطة اثبت الصدوق مولانا **محمد فاروق** مدظله العالی مدی الایام واللیالی۔

الحمد للہ رب الانوار الساطعة ؛ ونورالاقمار اللامعة ؛ والصلوٰة والسلام علی من اوتی الاٰیات الصادقة ؛ والحجج القاطعة ؛ وبعد فان احسن مایقصد ویراد ؛ واطیب مایرومه العباد ؛ ویظمأ فی هواجر طلبه الاکباد ؛ ویساق فی منازله الرواحل اشد اساد ؛ ویوطا فی مراحل سعیه القتاد ؛ ویستوطن فی هواه غوارب الرسیم وظهور الجیاد ؛ ویجتاب لاجله البلاد ؛ الشاسعة النایة البعاد ؛

تقریظ جناب مولانا محمد فاروق صاحب چڑیاکوٹی

حمد خدا کو کہ رب انوار ساطعہ کا اور نورالاقمار لامعہ کا ہے اور درود و سلام اس پر جس کو کھول دینے والی نشانیاں اور کاٹ دینے والی دلیلیں ملی ہیں، اس کے بعد پس بیشک ان چیزوں میں خوبتر جو مقصود اور مراد ہیں اور اُن چیزوں میں خوشتر جن کو بندگانِ خدا چاہتے ہیں اور اُن کی طلب کی دوپہروں میں کلیجے بُھنے جاتے ہیں اور ان کی منزلوں میں سواریاں سخت دوڑائی جاتی ہیں اور ان کے لیے دوڑنے کی راہوں میں کانٹے دار درخت مسلے جاتے ہیں اور اس کی فرطِ محبت میں اُونٹوں کے کوہان اور عمدہ گھوڑوں کی کمریں وطن بنا لیے جاتے ہیں اور ان کے واسطے بڑی مسافت والے دور دراز شہر طے کئے جاتے ہیں، ذکر ہے بندگانِ خدا اور عابدوں کے سردار کا جو حضرت خلیل اللہ اور اُن کے باپ دادا کی اولاد میں بہتر ہے حضرت اسمٰعیل اور اُن کے راست رو بزرگ

(باقی اگلے صفحہ پر)

ذکر سید العباد و العُبّاد ٭ خیر سلاسل الخلیل و آبائہ و الاجداد ٭ و سلالۃ انجال اسمعیل و ابنائہ الحنفاء الامجاد ھذا ذکر نسبہ خیر الانساب ٭ و آیاتہ الحقۃ المدھشۃ للالباب ٭ و ارھاصاتہ التی جاءت عندہ مولدہ الشریف المستطاب ٭ فانہ اجل ما یدخر لیوم الحساب و اکرم ما یقتنی بحسن الثواب ٭ فطوبٰی لرجل ملاء طابہ وکمل بضاعتہ ٭ وان ھو الا المولی الکریم ٭ النبیہ الفخیم ٭ مولی البلاغۃ و الیراعہ ٭ مالک ازمۃ الطرس و الیراعۃ ٭ عالی الکعب کعبۃ المعالی ٭ والی المجد الشامخ و العز المصمد و المحل العالی صاحب المقام الرفیع ٭ و الجاہ المنیع المولوی محمد عبد السمیع فانہ قد اتی برسالۃ فی مجلس ذکر المیلاد ٭ وسعی وجد فیھا فاجاد وھدی الناس الی سُبل الرشاد وھاد ففاق اھل الآفاق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فرزندوں کا خلاصہ ہے اور ذکر ہے اس کی نسب کا جو بہترین انساب ہے اور اس کی سچی نشانیوں کا جو عقلوں کو دنگ کرنے والی ہیں اور اس کے معجزوں کا جو اس کی بزرگ اور پاکیزہ پیدائش کے وقت ظاہر ہوئے اس لیے کہ بیشک وُہ بڑا ذخیرہ ہے حساب کے دن کے واسطے اور بزرگ تر ہے ان چیزوں میں کہ جمع کی جاتی ہیں خوبی ثواب کے ساتھ، پس آفرین ہے اس شخص کو جس نے بھر دیا ہے اس کی مشکوں کو اور پُورا کر دیا ہے اس کے سرمایہ کو، اور نہیں وہ مگر مولائی بزرگ نامور عالی قدر بلاغت اور قابلیت والا کاغذ اور قلم کی باگوں کا مالک بلند کعب والا مرتبوں کا کعبہ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور رجوع کی جانے والی عزت اور بلند مقام والا صاحب مقام رفیع وجاہ المنیع مولوی محمد عبد السمیع (باقی بر صفحہ آئندہ)

وساد ٭ وسد موارد الغی والفساد ٭ اللھم بارك له فی رزقه وحسناته

وانشر للناس برہ وعوارفه وبرکاته -

لکھنؤ صورة ماجرہ زین العلماء سراج الادباء الذی هو

فی عصرہ وحید وفی دھرہ فرید مولانا ابو الغناء **محمد عبد المجید**

ابقاہ الولی الحمید وھو النجل السعید الکریم مولانا الحافظ شاہ

ابی الحیا محمد عبد الحلیم ابن مولانا ابی البقا محمد عبد الحکیم

ابن مولانا ابی العیش محمد عبد الرب ابن ملك العلماء ابی العیاش

مولانا عبد العلی بحر العلوم اللکھنوی الفرنجی محلی غفر اللہ لھم

اجمعین واعلی درجاتھم فی اعلی علیین - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر اللہ اکبر انا اذل والیه افقر ھو خالق العز والغناء وانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس لیے کہ بیشک اس نے ایک رسالہ تصنیف کیا میلاد شریف کی خوبیوں میں اور اس میں کمال سعی و کوشش کی ہے، پس خوب بنایا ہے اور لوگوں کو سیدھا چلنے کا راستہ دکھایا ہے اور حق کی طرف رجوع ہوا پس جہان کے لوگوں پر سردار فائق ہوگیا اور گمراہی و فساد کی گھاٹیوں کو بند کر دیا ہے، اللہ اس کی روزی اور نیکیوں میں برکت دے اور لوگوں کے واسطے ان کی خوبیوں اور نیکیوں کی چادروں کو پھیلا دے۔

حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے جناب مولوی عبد المجید صاحب اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے، میں ذلیل اور اس کا محتاج ہوں، وہ عزت اور تونگری کا پیدا کرنے والا ہے اور میں

(باقی برصفحہ آئندہ)

فی غایۃ الذل والعناء تعالی اللہ شانہ علوا کبیرا لا یستطیعون ثناء
علیہ ولوکان بعضھم بعض ظھیرا یتوالی مراحمہ علینا بلا وقف
فی اللیل والیوم یدبر الامور کلھا ولا تاخذہ سِنۃ ولا نوم وھشت
اللباب عن عد نعمائہ وطاشت الحلوم وبرد العقل عن حد الائہ
وتبددت الفھوم نحن ھممنا قاصرون حد القصر ومکارمہ فائقۃ
من الحد والحصر فکیف احمدہ علی شانہ واطرح الادب وکیف
لا احمد حال تواتر نعمہ فیا عجبا بعد العجب وان تعدوا نعمۃ
اللہ لا تحصوھا منھا انوار ساطعۃ وعجالۃ نافعۃ اعنی ھذہ الرسالۃ
العجیبۃ والرقیمۃ الغریبۃ فحادیھا لائقۃ ومعانیھا ذائقۃ مضامینھا
من الصدق والسداد مملوۃ والفاظھا سلیسۃ نفیسۃ حلوۃ تھدید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خواری اور رنج میں مبتلا ہوں، اُس کی شان بہت بڑی ہے
اس کی تعریف بندے نہیں کر سکتے اگرچہ آپس میں مل مل کر مدد اور ہمت لگا دیں اور
اس کی رحمتیں پے درپے ہوتی رہتی ہیں ہم پر رات دن ذرا وقفہ نہیں ہوتا، وہ
سب کاموں کو بناتا ہے، نہ اس کو اونگھ نہ نیند، اور اس کی نعمتوں کے شمار میں
عقلیں حیران اور خفیف ہیں، اور اس کی نعمتوں کی حد سے عقل تھک گئی اور سمجھ سست،
ہم اور ہماری ہمتیں انتہا درجہ پر کوتاہ ہیں اور اس کی بخششیں بیحد وشمار ہیں پھر
کس طرح اس کے شکر کا دعویٰ، یہ خلافِ ادب ہے، اس پے درپے نعمتوں پر کس
طرح شکر نہ کروں، یہ تعجب ہے، اور اگر شمار کرو گے خدا کی نعمتوں کو نہیں شمار کر سکو گے
اور اس کی نعمتوں میں سے یہ رسالہ عجیبہ انوار ساطعہ ہے، اس کے مضامین لائق اور معانی
فائق راستی اور درستی سے بھرے ہوئے الفاظ سلیس شیریں نفیس (باقی بر صفحہ آئندہ)

لمن غشی قلوبهم الکید والریب وهدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب طریق الاستدلال فیها احسن الاسلوب اثبات دعاویها قوت القلوب تمیل الیها النفوس کما ترغیب الی الماکل والملابس بل تجلبها جلب مقناطیس فللّٰہ درمن صنفها وله حسن من صرف فیها الاوقات والفها الماجاءت للمطالعة ورأیت منها اوراقا معدودة وجدتها مرغوبة الطبع ومحمودة فنظرت نظرة بالاجمال والاستعجال ومنعنی من الامعان العلل اللاحقة والهزال فعجزت فی المطالعة عن الاستیعاب واکتفیت علی عدة اوراق من الکتاب وعلیه حمدت اللّٰہ قاضی الحاجات ولیس حمدی الاحرکة الشفة واللهاة واعتذر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس میں تنبیہ ہے اُن لوگوں پر جن کے دلوں میں کاوش اور مکاری اور شک چھا گیا ہے اور ہدایت پرہیزگاروں کے لیے ہے جن کی صفت یؤمنون بالغیب ہے استدلال کا ڈھنگ بہت اچھا اور دعووں کی ثبوت دیتی ہی دلوں کو قوت ملتی ہے اس کتاب پر دل اس طرح آتا ہے جس طرح کھانے پینے کی چیزوں پر، بلکہ مقناطیس کی طرح دلوں کو کھینچتی ہے، سبحان اللہ! کیا اس کا مصنّف ہے اور کیا اچھے وقت اس کی تالیف میں صرف کئے، جب یہ کتاب میرے پاس آئی میں نے جتنے ورق اس کے دیکھے مرغوب خاطر اور عمدہ پایا پھر بنظر اجمال اس کو دیکھا اور تفصیل کی نظر سے حرفاً حرفاً سب کو اس واسطے نہ دیکھ سکا کہ مجھ کو بیماری اور ضعف و ناتوانی لاحق تھی پس چند اوراق کی نظر تفصیل پر اکتفا کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنی تقصیر کا عذر اس کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

الیٰ جنابہ من التقصیر اعتذار البائس العاجز علی باب الامیر وارجو منہ ان یعید علینا سوابق النعم ویزید فی لواحق الکرم واصلی واسلم علی رسولنا وشفیعنا محمد الہادی سُبل السلام وعلیٰ اٰلہ رعاۃ الانام واصحابہ حماۃ الاسلام وانا الراجی رحمۃ ربہ الوحید ابو الغنا محمد عبد المجید ابن مولانا المولوی الحافظ شاہ ابو الحیاء محمد عبد الحلیم علیہ رحمۃ اللہ الرحیم۔ محمد عبد المجید ابو الغناء

جناب مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی کا تصدیق فرمانا اس کتاب کو جیساکہ ان کے شاگرد مولوی سعید الدین صاحب لکھتے ہیں:

صُورۃ ما رقمہ التقی الزکی الفطین العالم العامل المتین الرزین المولوی سعید الدین احمد بن نجباء بلدۃ رامفور ضلع سہارنپور وھو من ارشد تلامذۃ مولانا عبد الحی لکھنوی المغفور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی انعم علی الناس بما بعث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب میں پیش کرتا ہوں اس کے انعامات کی امید رکھتا ہوں اور درود و سلام بھیجتا ہوں اپنے رسول اور شفیع حضرت محمد اور اُن کی آل و اصحاب پر جو خلقت کی نگہبان اور اسلام کی حامی ہیں اور میں اُمیدوار رحمت خدا کا ابو الغناء محمد عبد المجید ہوں بیٹا مولوی حافظ شاہ ابو الحیاء محمد عبد الحلیم کا اُن پر خدا کی رحمت ہو۔

جناب مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی مغفور کا تصدیق فرمانا اس کتاب کو اُن کے شاگرد مولوی سعید الدین رام پوری کے بیان سے سب تعریف اس اللہ کو ہے جس نے ہم پر انعام کیا حضرت محمد (باقی بر صفحہ آئندہ)

محمد اخیر العباد و جعل مقدمہ قرۃ للعیون و مسرۃ للفواد والصلوٰۃ والسلام علیہ و آلہ و اصحابہ صلواۃ و سلاما لا یحصیہا و لاعدا و صلواۃ تنفعنا یوم لا تجزی الآباء عن الاولاد و لا یحمل الابناء باعباء و آبائھم و الاجداد۔ امّا بعد فیقول احقر العباد محمد المدعو بسعید الدین غفر لہٗ ربہ یوم التناد ان من اطیب مایستلذہ الفواد ویلتاع الیہ الاکباد و ذکر سید العباد و مالہ من محاسن اخلاقہ و معجزاتہ و ارباصاتہ عند المیلاد ففاز من جری علیہ و والاہ و خاب من جحدہ و عاداہ فمن الذین احبوہ واکرموہ واستحسنوا و ابرموہ المولی الفاضل البارع الکامل ذوالکعب العالی و الباع الرحیب المصقع الادیب الاریب صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) خیر العباد کو بھیج کر اور ان کی تشریف آوری کو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور بنایا اور درود و سلام ہو جیوان پر اور ان کی آل و اصحاب پر اس قدر کہ نہ اس کی کچھ انتہا ہو اور نہ شمار، نفع پہنچائے ہم کو یہ درود اُس دن کہ باپ کام نہ آئیں گے اولاد کے اور نہ اولاد بوجھ اٹھائے گی اپنے باپ دادوں کا، اس کے بعد کہتا ہے احقر العباد محمد سعید الدین، بخشیو اللہ اس کو روزِ قیامت کہ وہ بہت اچھی چیز جس سے دل کو مزہ آئے اور جگر جلتے ہوں اُس کے ذوق و شوق میں وہ ذکر حضرت سید العباد کا ہے اور جو آپ کے حسن اخلاق اور معجزات اور کرامات وقت میلاد کے ہیں پس مراد کو پہنچا جو اس پر چلا اور اس کو پے در پے کرتا رہا اور محروم رہا جس نے انکار کیا اور دشمن بن گیا اُس کا پس جن لوگوں نے اس عمل کو دوست رکھا اور اس کا آداب کیا اور پسند کیا اور خوب استحکام کیا ان میں سے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

الشرف الرفیع المولوی محمد عبد السمیع قد اتی برسالۃ نافعۃ موسومہ بالانوار الساطعۃ فاکب العلماء علی مدحھا و تحسینھا و اثبتوا علی ما فیھا من الثناء من کل سینھا و شینھا منھم استاد نا المشھور المولوی محمد عبد الحی اللکھنوی المغفور فانی قد عرضت تلک الرسالۃ علیہ فاستحسنھا واستجادوا حلھا محل الارشاد قال ان ھذا الکتاب جامع جمیع الاقوال فی ھذا الباب و سلک فیہ مؤلفہ مسلک الصدق والسداد واجتنب عن سوء القول والعناد صلی اللہ علی النبی و آلہ الامجاد۔

بلندہ ضلع فتحپور ہسوہ صورۃ ماطرزہ رافع اعلام الدین امام العابدین مؤید اھل السنۃ والجماعۃ مبدّد اھل البدعۃ والشناعۃ مولانا القاضی **محمد عبد الغفور**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ایک سردار فاضل بڑے درجہ والا کامل یعنی مولوی عبد السمیع نے ایک رسالہ بنایا انوار ساطعہ جس کی مدح وتحسین کرنے میں مشغول ہو گئے تمام علمار اور اس کے حرف حرف کی تعریف کرنے لگے، ان علمار میں میرے استاد عالی درجہ مشہور مولوی عبد الحی صاحب لکھنوی مغفور بھی ہیں جب میں نے یہ رسالہ اُن کے سامنے کیا آپ نے پسند فرمایا اور جید کہا اس کو اور محلِ ہدایت وارشاد فرمایا اور یہ فرمایا کہ یہ کتاب جامع ہے اور مؤلف اس کا خُوب راہِ راست پر چلا ہے اور عناد وغیرہ خراب باتوں سے بچا ہے۔

مولانا قاضی عبد الغفور صاحب سب تعریف اللہ کو ہے جس نے حق کی مدد کرنے والوں کو قوت بخشی اور شکست دی باطلوں اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

ادام اللہ فیوضہ مرالدھور۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ الذی اید اھل الحق و انصارہ و بزم اھل البطلان و اشرارہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الذی قلع اطلال الفساد و بنیانہ وعلیٰ الہ واصحابہ الذین شیدوا قصور الرشاد وارکانہ امّا بعد فانی طالعت الکتاب المسمی بالانوار الساطعۃ فی بیان المیلاد والفاتحۃ الذی صنفہ العالم الجلیل والفاضل النبیل عدیم العدیل فقید المثیل مولانا القاری الحافظ المولوی محمد عبدالسمیع صانہ اللہ تعالیٰ عن شر کل غبی نزیع وغوی وجیع فوجدتہ ظھیرا لاھل السنۃ والجماعۃ ونصیرا لاصحابہ الدرایۃ والھدایۃ ھادما لدار الضلالۃ وھاتا لاسنان اھل الغوایۃ فجزاہ اللہ سبحانہ احسن الجزاء ووقاہ جمیع البلاء حیث مافھم الباغین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شریروں کو اور درود و سلام ہو جیو اس کے حبیب پر جس نے فساد کے نشان اور بنیاد کو اکھاڑ پھینکا اور اُن کی آل و اصحاب پر کہ جنہوں نے ہدایت کے محل اور اُس کے ارکان کو بلند کیا اُس کے بعد یہ ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ دیکھی جس کو بڑے عالم مولوی محمد عبدالسمیع نے بنائی ہے بچائیو اس کو اللہ کج فہم و کج رو و موذی کی ایذا سے پایا میں نے اس کتاب کو پشت و پناہ اہل السنت والجماعت کے اور مدد دینے والی اصحاب عقل و ہدایت کی گمراہی کا گھر گرا دینے والے سرکشوں کے دانت توڑ دینے والے، اللہ اس کے مصنف کو جزائے خیر دے اور سب بلاؤں سے بچائے اس لیے کہ اُس نے سمجھا دیا باغیوں کو پورا سمجھانا اور لاجواب کر دیا سرکشوں کو کامل طور پر اپنے نرم کلام اور دلائل کے حُسن ترکیب سے (باقی اگلے صفحہ پر)

اتم الافہام وافحم الطاغين اكمل الافحام ببلين الكلام وحسن النظام فمن انصف واقبل جل ومن اعتسف وادبر ذل فقط حررہ الفقير المشہور بمحمد عبد الغفور المتوطن بقصبہ بلندہ ضلع فتحپور۔

کانپور صورة ما قرظہ ونظمہ مجمع الفواضل العالم العارف الكامل الذاكر الشاغل المرتاض الفاضل مولانا شاہ **محمد عادل** عم اللہ فيضہ الشامل الى يوم الرجفۃ و الزلازل كان اخذ العلوم حين التعلم من عالم الحقائق والاكناہ مولانا شاہ سلامت اللہ وهو من شمس العلماء مولانا شاہ عبد العزيز الدهلوى رحمهما اللہ العزيز القوى۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحيم۔ حمداً لمن وفق محبىٔ حبيبہ الكريم الذى ولد فى خير البلاد وهو شفيع الخلائق فى الميلاد مجالس الميلاد وجعل لجحيم ماوٰى مبغضہ اللئيم الذى هو معدن الشر والفساد واعد لاعدائہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اب جس نے انصاف کیا اور پیش آیا اچھی طرح اس نے بزرگی پائی اور جس نے کجروی کی اور پشت پھیری وہ ذلیل ہوا، لکھا اس کو فقیر محمد عبد الغفور متوطن قصبہ بلندہ ضلع فتحپور نے۔

تقریظ مولانا شاہ محمد عادل صاحب تعریف ہے اس کو جس نے مجلسِ میلاد کرنے کی توفیق بخشی اپنے حبیب کریم کے دوستوں کو، ایسا حبیب کریم جو پیدا ہوا سب شہروں سے اچھے شہر میں اور وہ سب خلقت کا شفاعت کرنے والا ہوگا قیامت میں اور اس سے بغض رکھنے والے شریر فسادی کا

(باقی اگلے صفحہ پر)

سوء الاکیاد شر مآب جهنم یصلونها فبئس المهاد انه تعالیٰ عزیز ملک برؤف جواد الذی انعامه علی العباد غیر معلول بعلل طاعات العباد وصلوٰۃً وسلاماً علیٰ من هو باعث الایجاد ومبعوث لہدایۃ الثقلین الی سبیل السداد وامر انہما طریق الرشاد سیدنا محمد افصح من نطق بالضاد والذی ہو للانام ہاد وامرہ ثابت باتباعنا اعظم السواد وعلیٰ آلہ الاجیاد واصحابہ افضل الزہاد الی یوم التناد و اولٰئک الذین رحماء بینہم وعلی الکفار شداد ہم فی اشاعۃ دین الحق وصرفوا اموالہم وانفسہم فی الجہاد مع الکفرۃ الفجرۃ ذی النفاق والعناد وبعد فیقول العبد الخاطی الخامل محمد عادل عاملہ اللہ سبحانہ بفضلہ الشامل وجعلہ من الآمنین یوم الرجفۃ والزلازل واصلح حالہ بلطفہ الکامل فی العاجل و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ٹھکانا دوزخ بنایا اور اُس کے دشمنوں سیاہ کلیجے والوں کے لیے بُری جگہ جہنم بنائی اس میں جائیں گے وہ بُرا بچھونا ہے بے شک وہ خدا برتر عزت والا بادشاہ احسان کرنے والا مہربان بخشش والا ہے اس کا انعام موقوف بندوں کی عبادت پر نہیں اور درود اور سلام ہوجیو اس پر جو باعث ہُوا کل ایجاد کا اور بھیجا گیا سب کو راہِ راست پر لانے کے لیے، وہ ہمارے سردار محمد ہیں جس نے خوب فصاحت سے ضاد ادا کیا اور سب خلق کا رہنما ہُوا، اور ہم کو یہ حکم دیا کہ اختلاف اُمت کے وقت اُس کا اتباع کرو جس طرف بہت علماء ہوں اور درود و سلام اُن کے آل واصحاب پر قیامت تک ہوجیو جو بڑے زاہد تھے وہ آپس میں رحمدل تھے اور کافروں پر کڑی کوششیں کیں انھوں نے دین پھیلانے میں (باقی اگلے صفحہ پر)

الأجل انّی قد رایت مواضع شتی من ھذا الکتاب المترجم بالانوار الساطعة فوجدته اوفق لمعتقدات اھل الحق ما ذکر فیہ فھو بالمتابعة احری واليق لان الحق بالاتباع احق قرہرت مطالبہ بتقریر الطف وادق بُنیت مسائلہ ببیان شاف الی الذھن اسبق کیف لاو قد صنفہ من ھو جامع بین المنقول والمعقول حاو للفروع والاصول اسوۃ اصحاب النھی صاحب الدرجات العلی الذی قد خص بالعلم الوسیع وھو ذوالشان المنیع والمکان الرفیع اعنی مولٰنا عبدالسمیع سمع اللّٰہ لمسئولہ واستجاب بنعمة لمدعوۃ متع ارباب الاسلام بطول بقائہ ویسر متمنّنا بتیسیر لقائہ جزاہ اللّٰہ الولی الوھاب عنی وعن جمیع المستفیدین من ھذا الکتاب جزاءً وفی فجعل الجنة

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور جان و مال صرف کیا کفار معاندین کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اس کے بعد کہتا ہے بندہ محمد عادل اللہ اس پر فضل کرے اور قیامت کو امان سے اور حال اُس کا اچھا کرے اب اور آئندہ، میں نے اس کتاب انوار ساطعہ کے چند مقام دیکھے اعتقادات اہلِ حق سے بہت موافق پایا اس میں جو لکھا ہے اسکا اتباع چاہیئے اس کے مطالب و مسائل بہت عمدہ اور تقریر اور بیان شافی سے بیان کیے گئے ہیں اور ذہن کی طرف چلتے ہیں اور کیوں نہ ہو اس کا جامع وہ ہے جو جامع معقول و حاوی فروع و اصول ہے یعنی مولانا عبدالسمیع، اللہ سنیو اس کے ماں باپ کی مراد اور قبول کیجیو اپنی نعمت سے اس کی دُعا اور اس کو مدتوں زندہ رکھ کہ اربابِ اسلام کو فائدہ دیجیو اور اس کی ملاقات ہم کو میسر کیجیو، اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور جو لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں ان سب کی (باقی بر صفحہ آئندہ)

له المثوی وخیر مآب ثوابا من عند اللہ واللہ عندہ حسن الثواب ھذا
والحمد للہ اولا وآخرا والصلوٰۃ علی النبی وآلہ باطناً ظاھراً۔

اکبرآباد صورۃ ماکتبہ ذوالمجد الظاھر والفضل الباھر
غائص بحار التحقیق فارس مضمار التدقیق المشتھر المدعو
بالالسنۃ والافواہ بمولانا **محمد عبد اللہ** اوّل مدرسین فی مدرسۃ
اکبرآباد صانہ رب العباد عن شرور اھل الغنی والعناد۔ بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ العلی الاعلی الذی خلق الارض و
السمٰوٰت العلی والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی من
دنیٰ فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ وعلیٰ آلہ الابرار واصحابہ
الاخیار الی ماوار الدوار وسار السیار۔ امابعد فلقد رأیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طرف سے اس کے مصنف کو پوری جزا دیجیو اور بعد وفات
جنت میں ٹھکانا کیجیو اور شکر ہے اُس جناب میں اوّل و آخر اور درود ہے نبی
اور آل نبی پر باطن اور ظاہر۔

تقریظ جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب قندھاری مدرس مدرسہ
اکبرآباد، سب تعریف اس اللہ کو ہے جو بلند برتر ہے بنائی اس نے زمین اور
اونچے آسمان، اور درود و سلام تمام اور کامل اُن پر جن کی شان یہ ہے کہ دنیٰ
فتدلّٰی فکان قاب قوسین اَو ادنیٰ اور اُن کے آل و اصحاب پر جب تک پھرے
پھرنے والا اور چلے چلنے والا، اس کے بعد یہ ہے کہ میں نے کتاب انوار ساطعہ
دیکھی اس میں تحقیق دقیق دشوار فہم ہیں دلائل کے آفتاب اس کی افق تحقیق

(باقی بر صفحہ آئندہ)

كتاب الانوار الساطعة مشتملة على تحقيقات غامضة و تدقيقات فائضة شموس براهينه على افق التحقيق طالعة واقمار حججه على فلك التدقيق لامعة وانوار دلائله وآثاره على الاكناف والاطراف ساطعة ومؤلفه البحر الطمطام والبحر القمقام اجاد بما اراد وسلك مسلك السداد وازحق الباطل والزيغ والالحاد وهدى الناس الى سبيل الرشاد اذ هو هاد ولانه لكل قوم هاد والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب اذ عنده ام الكتاب رقمه وقرظه العبد الاواه محمد عبد الله عفا الله عنه ما جناه من الجناح فى المساء والصباح المدرس الاول للمدرسة الاسلامية الواقعة ببلدة اكبر آباد صانها الله عن الشر والفساد ۔ فقط

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے طلوع کیے ہوئے ہیں، حجتوں کے چاند اُس کے فلک تدقیق پر چمک رہے ہیں، دلائل کے انوار ہر طرف بلند ہیں اس کا مؤلف بڑا دانشمند اور دریا ہے، اچھی طرح ادا کیا جو ارادہ کیا اور خوب درست راہ پر چلا اور مٹا دیا باطل کو اور کجی اور الحاد کو، اور لوگوں کو نیک رستہ بتا دیا اس لیے کہ وہ راہ بتانے والا ہے اور ہر قوم کا ایک رہنما ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف پھر جانا ہے اسی کے پاس اُم الکتاب ہے۔ لکھا اس کو بندۂ نرم دل محمد عبد اللہ نے، بخشیو اس کی تقصیر جو کچھ ہوئی ہو صبح و شام، وہ مدرس اول ہے مدرسہ اسلامیہ اکبر آباد کا، اللہ بچائیو اس کو شر و فساد سے۔

فقط

دہلی صورۃ ما رقمہ الثقیف الجلادل والجلّال والحصیف البجال مروج عقائد الاسلام مفسر کلام الملک العلام مقدام فنون المناظرۃ والکلام والمعانی المولوی **ابو محمد عبد الحق** مؤلف عقائد الاسلام والتفسیر الحقانی لا زال فائزا بالمآرب والامانی ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی ۔ میں نے رسالہ انوار ساطعہ کو دیکھا ہے اور اس کے چند ابحاث کو پڑھا ہے حقیقت میں مصنف ممدوح نے کمال متانت اور بڑی لیاقت سے بحث کی ہے اگر مبالغہ نہ سمجھا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ اس مسئلہ میں یہ رسالہ بے نظیر ہے اور اس کی تحریر میں حق بجانب مصنّف ہے محفل میلاد خصوصاً اس پُر آشوب زمانہ میں نہایت نیک کام باعثِ ترویجِ اسلام بین العوام ہے اب جو لوگ اس محفل متبرک میں بعض بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں یہ اُن کا قصور ہے اس الزام سے یہ کام بُرا نہیں ہو سکتا بناءِ مساجد و مدارس جو بالاتفاق امر مستحسن ہے اگر اس میں کوئی بدعات کا ارتکاب کرے تو کیا اس سے کوئی اس نفس فعل کو بُرا کہہ سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں ۔ میرے نزدیک جس فریق نے بدعت سیئہ کے معنے یہ لئے ہیں کہ "قرونِ ثلٰثہ کے بعد جو بات پیدا ہوئی ہے وہ بدعت سیئہ ہے" اُس نے بڑی غلطی کی پھر جس نے اس بناءِ فاسد پر تفریعات کی ہیں اور اُس کے پیروؤں نے ان کو کالوحی من السماء سمجھ لیا ہے وہ اور بھی غلطی میں پڑ گئے ہیں واللہ الہادی و بیدہ ازمۃ المقاصد والمبادی ۔

ابو محمد عبد الحق

تقریظ مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب زبانِ اردو میں ہے ترجمہ کی حاجت نہیں ۱۲

ایضاً دہلی صورۃ ماوشاہ ونمقہ الفاضل الخبیر والناقد البصیر قدوۃ ارباب التدریس والتذکیر اسوۃ اصحاب التحریر والتقریر الکریم ابن الکریم الحافظ لحدود اللہ والمتبع لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مولانا **محمد یعقوب** ابن خازن العلوم مولانا محمد کریم اللہ الدھلوی التلمیذ الرشید لمولانا شاہ عبدالعزیز الدھلوی خصہم اللہ بالفیض البہی والاجر السنی ھوالعزیز الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ علیٰ ما انعم علینا ببعثۃ سید الانبیاء محمد المصطفیٰ والصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ المجتبیٰ وآلہ المرتضیٰ واصحاب المھتدی وعلی مقتدی الائمۃ الکرام وبعد فیقول العبد الراجی رحمۃ اللہ علام الغیوب محمد یعقوب حفظ اللہ عن الکروب فقد اطلعت علی الرسالۃ الرشیقۃ والعجالۃ الکریمۃ المسماۃ بالانوار الساطعۃ فی بیان المولود والفاتحۃ التی الفہا العلامۃ ذوالمحامد و المناقب والرای صاحب المقام المنیع مولانا محمد عبدالسمیع صانہ اللہ عن کل خصم شنیع فوجدتہا صحیحۃ و

تقریظ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب سب تعریف اللہ کو ہے اس انعام پر کہ بھیج دیا ہمارے لیے سید الانبیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور درود وسلام اس کے رسول مجتبیٰ اور آل مرتضےٰ اور اصحاب مہتدی اور اماموں کے پیشوا پر۔ اس کے بعد یوں کہتا ہے بندہ رحمتِ خدا کا امیدوار محمد یعقوب، خدا اس کو سختیوں سے بچا تیو، میں نے عمدہ رسالہ انوار ساطعہ دیکھا جسے تالیف کیا اسکو علامہ فہامہ مولوی محمد عبدالسمیع نے، اللہ اسکو

(باقی اگلے صفحہ پر)

موافقة لمذهب اهل السنة و الجماعة و مملوة بالروايات المقبولة المرضية فمن وافقها فهو منا و من خالفها ورد ها فليس امره برشيد وما قوله لبيد وكيف فانها مشحونة بالدلائل الساطعة والبراهين القاطعة والمطالب النفيسة والمآرب المنيفة المروية عن الفضلاء والكبراء نسئل الله تعالى ان يرزقنا اتباعهم و آخر كلامنا و ختم مرامنا الحمد لله رب العلمين وصلى الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد خاتم النبیین و آله الطاهرین واصحابه الطاهرین۔

ر ڑکی صورة ما زبرد البحر السامی والبحر الطامی الفاضل الوقاد والکامل النقاد الثقیف الشریف الحصیف اللطیف مولانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بچائیو ہر دشمن بڑے سے، پایا میں نے اس رسالہ کو صحیح موافق اہلِ سنّت وجماعت کے اور بھرا ہوا مقبول روایتوں سے پھر جو آدمی اس کے موافق ہوا وہ ہم میں ہے اور جو اس کے مخالف ہُوا اس کا حال کچھ ٹھیک نہیں اور قول اس کا درست نہیں، اور کیوں ایسا نہ ہو وہ رسالہ بھرا ہوا ہے دلائل روشن بلند اور دلائل قاطعہ اور مطالب نفیس اور مقاصد بلند سے جو روایت کیے گئے ہیں فاضلوں بڑے عالموں سے، ہم سوال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے کہ ہم کو ان بزرگوں کا اتباع نصیب کرے اور انتہا کلام پر ہم پڑھتے ہیں الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد خاتم النبیین وآلہ الطاہرین۔

محمد عبد الحق السہارن پوری المقیم فی رُڑکی للتدریس ونشر العلوم سلمہ القادر القیوم - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - الحمد للہ علیٰ نوالہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد و آلہ -

اما بعد احقر الخلائق عبد الحق عفی عنہ ملتمس خدمت اہل اسلام ابقاہ اللہ الیٰ یوم القیام ہے کہ کتاب لاجواب سراپا تحقیق وصواب مسمیٰ بہ انوار ساطعہ مولفہ فاضل اجل عالم باعمل مولوی محمد عبد السمیع صاحب رام پوری دام فیضہ نظر احقر سے گزری - الحق مؤلف موصوف نے جزاہ اللہ خیرا بتوفیق اللہ بطور سعی فی الدین یہ کتاب ایسی تحریر فرمائی ہے کہ جس کے مطالعہ سے ایمان والوں کی آنکھوں میں نُور اور دلوں میں ترقی ایمان کا سرور ہے ہاں جو معاندین حق اور پیروان باطل سے ہے وہ بلاشک اس سے متوحش اور نفور ہے سو ایسے شپرہ چشموں کی خواہش سے آفتاب کا سیاہ ہونا ممکن نہیں اگرچہ سطوعِ انوار سے ان کی آنکھوں میں خیرگی ہو اور خاصۂ طبعی سے دلوں میں تیرگی آئے ؎

نور گیتی فروز چشمۂ ہور
زشت باشد بچشم موشک کور

پس اگرچند فضول گو ہفوات وخرافات بکیں اور فضول باتوں سے اوراق سیاہ کرنے کو تحریر جواب نام رکھیں تو ان کی ناکامی اور عالم میں بدنامی خود ظاہر باہر ہے اہلِ نظر اور اربابِ بصیرت کو ایسے بے صبروں سے شکایت نہیں کہ وہ نور کو ظلمت اور سنّت کو بدعت اپنی کجی باطن اور جہالت سے قرار دیتے ہیں اور نور اسلام کو باطل اور حق کو باطل کرنا چاہتے ہیں واللہ متم نورہ ولو

تقریظ مولوی عبد الحق صاحب سہارنپوری مدرس رُڑکی اردو زبان ہے اور اسی طرح

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کرہ الکافرون۔ صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

میرٹھ صورۃ ما قرظہ الشیخ النجیب الحسیب الشاعر اللبیب الادیب المتمسک بعقائد اھل الفوز والفلاح المثبت باعمال اھل الخیر والصلاح المشہور بالمولوی **ابو محمد صادق علی** مداح سلمہ الخالق الاشباح والارواح۔

اے بہار آرائے چمنستان کون و مکان تیرا ہزار شکر اور لاکھ لاکھ احسان انوار ساطعہ کی تجلی ریزی کی گلہائے تر و تازہ سے مشام آرزوئے مشتاقان دوبارہ معطر ہوا اور اس تجلی راز کے جلوات خورشید اثر سے ایوان مراد عاشقان کا در و دیوار منور ہوا۔ اللہ اللہ کتاب ہے جس کی ہر ادا لاجواب ہے ہر لفظ کی بھبن جلوہ ریز نور، ہر معنی کی تجلی تماشائی طور، ہر سطر اس کی سفہائے بے ادب کے لیے تازیانہ، ہدایت ہے ہر صفحہ اس کا صلحاء صافی مشرب کے واسطے، آئینہ رونمائے سعادت ہے، یہ کتاب تعلیم غیبی کا وہ نادر سبق ہے جس کی فیوضات سلک جوش آئینہ اسرار نہ طبق ہے۔ یہ اس شہسوار میدان دین و ایمان کا عالی نشان ہے جس کی یکہ تازی سمند تحقیق سے کشور وہابیت پامال و ویران ہے وہ خضر وادی تحقیق ہادی منازل تدقیق بالانشین صدر رفیع جناب مولانا عبدالسمیع ہیں سبحان اللہ دلائل سے وہ مدلل کہ جائے گفتار نہیں براہین سے وہ مبرہن کہ مقام انکار نہیں، عاشقان رسول مقبول (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے اسے آنکھوں سے لگایا، عالمان معقول و منقول نے مستند ٹھہرایا۔ سنیوں کا یہ مذہب صوفیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تقریظ مولوی صادق علی صاحب کی اردو ہے اس میں اشعار مفتی مکہ معظمہ عربی میں جس سے انوار ساطعہ کی خوبی اور براہین قاطعہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

کا یہ مشرب علمائے ہند سے تا مفتیانِ حرمین الشریفین سب اس کے قائل، ہر خانوادہ کا صوفی اس پر جان و دل سے مائل علی الخصوص وہ بلبل بستانِ حجاز یعنی مکہ معظمہ کا مفتی حنفی بلاغت طراز دیکھو کس خوش آہنگی سے زمزمہ پرداز ہے:

انزہ ربی عن مقالة کاذب

کفور بما سمی براھین قاطعة

وما حکمه فی ذی سوی ضربة امرأ

بسیف له فی الحق انوار ساطعة

یباعد منها راسه عن مکانة

وتبقی لاهل الزیغ والجهل قامعة

یہ اشعار ملیح بطرز تلمیح حضرت مفتی حرم محترم اُن فتاوی کے ذیل میں رقم فرماتے ہیں جو مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری درباب رد مسائل کتاب براہین قاطعہ مواہیر علمائے حرمین شریفین سے ۱۳۰۷ھ میں مستند کرائے ہیں اور یہ بات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جو مؤلفہ مخالفین ہے اس کی بداسلوبی ظاہر ہے اور ان کا ترجمہ لکھا جاتا ہے:

پاک کرتا ہوں اپنے پروردگار کو اس جھوٹے آدمی کے کلام سے جو کفرانِ نعمت کرنے والا ہے نام کیا اپنی جھوٹی باتوں کا براہینِ قاطعہ۔ اس کے لیے اور کوئی حکم نہیں سوا ضربِ شمشیر کے جو راہِ حق میں ایک مرد نے لگائی ہے۔ وہ شمشیر کتاب انوار ساطعہ ہے اس کتاب کی استعانت سے معتبر بسیف جُدا کرتا ہے اُس جُھوٹے کے سر کو گردن سے، اور سدا رہے گی وہ کتاب صاحبانِ کجی و جہالت کو توڑتے مارتے۔

ان اشعار آبدار سے آشکارا ہے کہ مؤلف براہین قاطعہ بالکل کاذب و کفور اور اس کا گروہ اہلِ جہالت و اہل زیغ ہے اور کتاب انوار ساطعہ راہِ حق میں مخالفین حق کا سر کاٹنے کے لیے تیغ بے دریغ ہے۔ الٰہی! اس کتاب مستطاب کی شہرت و مقبولیت جلوہ آرائے اوجِ کمال ہو اور اس کے ناظرین و سامعین کا دل لذت یاب کیفِ جلال و جمال ہو آمین یا رب العالمین!

مؤلف کہتا ہے کہ تقاریظ نقل کرتے کرتے بہت طول ہوا اور ابھی علمائے عصر کی بہت تحریریں آئی ہوئی باقی ہیں جناب مولوی عبدالخالق صاحب اور عبدالمجید صاحب جو دونوں حضرت بحرالعلوم قدس سرہ کی اولاد امجاد سے ہیں اور مولوی عبدالوہاب صاحب خلف الصدق حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولوی محمد ابراہیم صاحب اور مولوی محمد عبدالباقی صاحب اور مولوی محمد عبدالعزیز صاحب یہ سب حضرات عالی درجات بلدہ لکھنؤ محلہ فرنگی محل کے علماء باوقار ہیں رفع اللہ درجاتہم ونفع المسلمین بحسناتہم اور میرے مشفق کرم فرمائے مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی دام فیضہ اور مولانا شاہ محمد سکندر علی صاحب خلیفہ حضرت شاہ عبدالسلام ہسوی رحمۃ اللہ علیہ ماسوا ان کے اور بھی مراد آباد، دہلی اور بمبئی وغیرہ کے علماء جزاہم اللہ عنا خیر الجزا سبھوں نے ارسالِ تقاریظ سے اس ذرہ بے مقدار کو مشرف فرمایا لیکن مجھ کو بعض عقلاء دور اندیش نے یہ سمجھایا کہ ان سب کے مطبوع ہونے میں بہت طول ہوگا اور لمبی تحریروں کے دیکھنے سے ہر ناظر برداشتہ خاطر اور ملول ہوگا بناء علیہ میں اُن حضرات کی خدمت والا درجت میں نہ مطبوع ہونے تقاریظ کا یہ عذر اور اُن کی توجہ اور بذل عنایت تقریظ نگاری کا صمیم قلب سے شکر ادا کرتا ہوں مگر ایک تقریظ جس کو خاتم التقاریظ کہنا بجا ہے اگرچہ اس کا پہنچنا میرے پاس آخر میں ہوا ہے لیکن اُس کو شرف

تقدم ذاتی کا حصہ ہے وہ ہر ایک بشر کو مطبوع ہے اور سب کا دل اس کے مطبوع ہونے پر رجوع ہے اور کیوں نہ ہو تمام عرب وعجم و ہندوستان و قسطنطنیہ و مصر و شام وغیرہ میں وہ حضرت مشہور ہیں اور آوازے آپ کے فضائل کے دُور ہیں، حضرت سلطانِ روم نے بکمال اشتیاق و آرزو آپ کو مکہ معظمہ زاد اللہ شرفاً سے دو بار بلایا اور آپ کا اجلال واعزاز اعلیٰ درجہ پر ظاہر فرمایا چنانچہ تمام اخبار نگاروں نے ممالک ہندوستان وغیرہ میں جا بجا اس خبر کو شائع کیا اور پھیلایا اور نیز حضرت سلطان نے جناب شیخ الاسلام مفتی الانام مولانا احمد اسعد افندی کی تجویز سے پایۂ حرمین شریفین آپ کا خطاب مقرر فرمایا اور فرمانِ شاہی میں آپ کو الفاظ اقضی قضاۃ المسلمین اولی ولاۃ الموحدین وغیرہ القابِ عالیہ سے یاد کیا جاتا ہے آپ میرے اساتذہ میں اوّل استاذ ہیں کہ درس علم عربی شروع آپ سے کیا اور تصحیح عقائد اہلسنت کا حصہ بھی آپ سے لیا طُرفہ تر یہ کہ اُس دیس کے رہنے والوں میں جو صاحب میرے مجادل ہو کر میلادِ مقدس حضرت محبوب رب العالمین کی توہین کرتے ہیں وُہ بھی حضرت مولانا کو مانتے ہیں ازانجملہ کتاب براہین قاطعہ گنگوہی کے صفحہ ۱۸ سطر ۴ میں حضرت کا نام اس ادب سے لیا ہے کہ "ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ" پھر صفحہ دو سو چھہتر ۲۷۶ کی دوسری سطر میں لکھا "اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علماءِ مکہ پر فائق اور باقرارِ علماءِ مکہ اعلم ہیں" بھلا یہ صاحب بھی جب حضرت کو اپنا شیخ الہند تسلیم کر چکے اور ہر عرب کے جمیع علماء پر ترجیح ترقیم کر چکے اب حضرت کی تصدیق کمال درجہ کو پہنچ گئی اور آپ کی فضیلت کیا ہندوستان اور کیا عرب سب جگہ کے علماء پر خود ہمارے معاصرین کے اقرار سے ثابت ہو چکی بناءً علیہ اُن کی تقریظ کا

آخر تقاریظ میں چھاپ دینا مجادلین کے اوپر آخر وانتہا درجہ کی حجت سمجھتا ہوں۔ علاوہ
بریں حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مکّہ معظّمہ زادہا اللہ شرفاً و
تکریماً سے اس کو روانہ فرما کر مجھ کو مشرف فرمایا اور مخدومی مولوی منور علی صاحب
مہاجر مقیم مکہ معظمہ کا یہ نوشتہ آیا کہ حضرت مولانا ارشاد فرماتے ہیں چونکہ کتاب
دُرِ منظم اور کتاب انوارِ ساطعہ کا اصل مدعا اثباتِ مولد وقیام میں ایک ہے اس لیے میری
طرف سے تقریظ دونوں کتاب کی ایک ہے وہ تقریظ یہ ہے:

تقریظ مجدّدِ زماں پایۂ حرمین شریفین شیخ العلماء حضرت مولانا رحمت اللہ
مہاجر مکّی مداللہ ظلہ العالی مدی الایام واللیالی اس رسالہ کو میں نے
اوّل سے آخر تک اچھی طرح سُنا اسلوب عجیب اور طرز غریب بہت ہی پسند
آیا اگر اس کے وصف میں کچھ لکھوں تو لوگ اسے مبالغہ پر حمل کریں گے اس لیے اسے
چھوڑ کر دُعا پر اکتفا کرتا ہُوں کہ خدا تعالیٰ اس کے مصنّف کو اجرِ جمیل اور ثواب جزیل
عطا فرمائے اور اس رسالہ سے منکروں کے تعصب بیجا کو توڑ کے ان کو راہِ راست

حضرت مجدّدِ زماں شیخ العلماء جناب مولوی محمد رحمت اللہ مہاجر مکّی
صاحب کی تقریظ اردو زبان ہے اگرچہ تقریظیں اور بھی آئی ہوئی موجود ہیں
لیکن ان کے درج کرنے میں نہایت طول ہے اور طول سے ہر کوئی ملول ہے
بلکہ اکثر عنایت فرما تادمِ تحریر حروف . . . .
. . . . وآخر دعونا ان الحمد للہ رب
العٰلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ
واولیاء امتہ اجمعین ۱۲

(نوٹ: جہاں نقطے لگائے گئے ہیں وہ عبارت پڑھی نہیں جاسکی)

پر لائے اور مصنف کے علم اور فیض اور تندرستی میں برکت بخشے اور میرے اساتذہ کرام کا اور میرا عقیدہ مولد شریف کے باب میں قدیم سے یُن تھا اور یہی ہے ملکہ بحلف سچ سچ ظاہر کرتا ہوں کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ ؎

بریں زیستم ہم بریں بگذرم

اور عقیدہ یہ ہے کہ انعقاد مجلس میلاد بشرطیکہ منکرات سے خالی ہو جیسے تغنی اور باجا اور کثرت سے روشنی بیہودہ نہ ہو بلکہ روایاتِ صحیحہ کے موافق ذکر معجزات اور ذکر ولادت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جائے اور بعد اس کے اگر طعام پختہ یا شیرینی بھی تقسیم کی جائے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس زمانہ میں جو ہر طرف سے پادریوں کا شور اور بازاروں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے دین کی مذمت کرتے ہیں اور دُوسری طرف سے آریہ لوگ جو خدا اُن کو ہدایت کرے پادریوں کی طرح بلکہ اُن سے زیادہ شور مچا رہے ہیں ایسی محفل کا انعقاد اُن شروط کے ساتھ جو میں نے اوپر ذکر کیں اس وقت میں فرض کفایہ ہے میں مسلمان کو بطور نصیحت کے کہتا ہوں کہ ایسی مجلس کرنے سے نہ رُکیں اور اقوال بیجا منکروں کی طرف جو تعصب سے کہتے ہیں ہرگز نہ التفات کریں اور تعیین یوم میں اگر یہ عقیدہ نہ ہو کہ اس دن کے سوا اور دن جائز نہیں تو کچھ بھی حرج نہیں اور جواز اس کا بخوبی ثابت ہے اور قیام وقت ذکر میلاد کے چھ سو برس سے جمہور علمائ صالحین نے متکلمین اور صافیہ اور علماءِ محدثین نے جائز رکھا ہے اور صاحب رسالہ نے اچھی طرح ان امور کو ظاہر کیا ہے اور تعجب ہے اُن منکروں سے ایسے بڑھے کہ فاکہانی مغربی کے مقلد ہو کر جمہور سلف صالح کو متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے ایک ہی لڑی میں پرو دیا اور اُن کو ضال مضل بتایا اور خدا سے نہ ڈرے کہ اس میں اُن لوگوں کے استاد اور پیر بھی تھے مثل حضرت شاہ عبدالرحیم

دہلوی اور اُن کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ دہلوی اور اُن کے صاحبزادے
شاہ رفیع الدین دہلوی اور اُن کے بھائی شاہ عبدالعزیز دہلوی اور اُن کے
نواسے حضرت مولانا محمد اسحٰق دہلوی قدس اللہ اسرارہم سب کے سب انہی
ضال ومضل میں داخل ہوئے جاتے ہیں اُف ایسی تیزی پر کہ جس کے موافق جمہور
متکلمین اور محدثین اور صوفیہ سے حرمین اور مصر اور شام اور یمن اور دیار عجیبہ میں
لاکھوں گمراہی میں ہوں اور یہ حضرات چند ہدایت پر۔ یا اللہ! ہمیں اور ان کو ہدایت
کر اور سیدھے رستہ پر چلا، آمین ثم آمین! اور وہ جو بعضے میری طرف نسبت کرتے
ہیں کہ عرب کے خوف سے تقیہ کے طور پر سکوت کرتا ہوں اور ظاہر نہیں کرتا بالکل
جھوٹ ہے اور اُن کا قول مغالطہ دہی ہے میں بحلف کہتا ہوں کہ میں نے کبھی
حضرت سلطان کے سامنے جو میرے نزدیک خلاف واقع ہو اُن کی رعایت یا
اُن کے وزراء وامراء کی رعایت سے کبھی نہیں کہا بلکہ صاف صاف دونوں دفعہ
میں جو میں بلایا گیا ہوں کہتا رہا ہوں اور کبھی خیال نہیں کیا کہ حضرت سلطان المعظم
یا اُن کے وزراء ناراض ہوں گے اور میرا جھگڑا اور گفتگو جو عثمان نوری پادشاہ کہ
بڑے بادشاہ مہیب اور زبردست تھے اور اپنے حکم کی مخالفت کو بدترین امور کا
سمجھتے تھے میری گفتگو سخت جو مجلس عام میں آئی تمام حجاز دالے خاص کر سرمین
کے بڑے چھوٹے سب کے سب بخوبی جانتے ہیں بلکہ اگر میں تقیہ کرتا تو ان حضرات
منکرین کے خوف سے تقیہ کرتا مجھے یقین ہے کہ جب اُن کے ہاتھ سے امام سُبکی اور
جلال الدین سیوطی اور ابن حجر اور ہزارہا علماء تقویٰ شعار خاص کر اُن کے اُستادوں
اور پیروں میں شاہ ولی اللہ وغیرہ قدس اللہ اسرارہم نہ چھوٹے تو میں غریب اُن کے
سلسلہ اُستادوں میں شامل ہوں اور نہ سلسلہ پیروں میں، کس طرح چھوٹوں گا، یہ
تو ہر طرح سے تفسیق اور بلکہ تکفیر میں قصور نہ کریں گے پر میں اُن کی ان حرکات سے

نہیں ڈرتا اور جو میرے ان اقوال کی تائید اور سند مؤلفِ رسالہ نے جابجا تحریر فرمائی ہے اسی پر اکتفار کرتا ہوں واللہ اعلم وعلمہ اتم فقط امر برقمہ وقال بفمہ الراجی رحمۃ ربہ المنان محمد رحمت اللہ ابن خلیل الرحمٰن غفر لہما اللہ المنان **محمد رحمت اللہ ۱۲۵۲**

اختتامِ کتاب

بکلماتِ طیّباتِ مرشدِ زماں ہادیِ دَوراں حضور مرشدی مولائی ثقتی ورجائی المشتہر بالالسنۃ والافواہ الحافظ الحاج المہاجر مولانا شاہ امداد اللہ متع اللہ المسلمین بامدادہ وارشادہ وتقواہ

بعد حمد وصلوٰۃ فقیر حقیر امداد اللہ عرض می نماید کہ دریں ولا چیزے کیفیت اعتقاد مذہب ومشرب خود کہ جامع شریعت وطریقت میدانم بقلم آوردن مناسب افتاد باید دانست وبغور باید شنید کہ فقیر مدعی مذہب حنفی و مشرب صوفی است اگرچہ در دعوی خود کامل نباشد مگر خود را حنفی مذہب صوفی مشرب میگویاند و میشمارد زیرا کہ فقیر را از راہ عقل ونقل محقق ومعلوم شد کہ ہر قدر کہ فہم معانی قرآنی وادراک حقائق ومعارف کلامِ الٰہی جل شانہٗ و فہم وادراک حدیث مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایں دو گروہ یعنی علمائے مجتہدین احناف ومحققان ومشائخ صوفیہ را حاصل ونصیب است دیگراں ایں درجہ ندارند کہ از یک مسئلہ مسائل کثیرہ استخراج کردہ اند وپشت وپناہ دین محمدی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم گشتہ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین ، لہذا فقیر بدل مقلد ہر دو فریق موصوف گشتہ مذہب ومشرب ایشاں اختیار

کردہ است و فوائد بسیار ظاہری و باطنی حاصل کردہ است و میکند و ہو الموفق و بہ نستعین پس معتقد و مختار فقیر آنست کہ دراں مسئلہ کہ ایں ہر دو فریق متفق اند یعنی احناف و صوفیہ فقیر بے تکرار و بحث بدل نمودہ براں کاربند می شود دراں مسئلہ کہ فریقین موصوفین را اختلاف واقع شدہ در آں مسئلہ دریدہ خواہد شد زیرا کہ ایں گروہ محقق و اہل کشف ہستند و فریق ثانی نظر و فکر عقلی را دخل می دہند و اگر اختلاف در مسائل عبادات و معاملات است دراں نیز غور کردہ خواہد شد پس اگر آں اختلاف در مسائل اعمال جوارح تعلق دارد باہل مذہب حنفی رجوع کردہ آید و اگر اختلاف و اعمال قلبی ست رجوع بصوفیہ خواہد شد (دستور العمل حضور مرقومہ ۱۳۰۶ھ) و قال دام ارشادہ و امدادہ از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت بابرکت جناب مولوی نذا احمد خاں سلمہ اللہ تعالےٰ، بعد و علیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ، آپ کا نامہ مورخہ ۲۰ رجب ۱۳۰۷ھ مع ایک پرچہ مطبوعہ مطبع محبوب المطابع شہر میرٹھ جو فقیر کے خط سے منسوب ہے جناب مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری کے ہاتھ پہنچا فقیر کا یہ مسلک ضرور ہے کہ اہل اسلام کی تکفیر پر جرأت نہیں کرتا بلکہ اُس سے تنفر قلبی رکھتا ہے اور اس میں صرف اوقات کو حماقت بلکہ خسران و خذلان کا موجب سمجھتا ہے جہاں تک ممکن ہو تاویل کو محبوب سمجھتا ہے بشرطیکہ سوادِ اعظم کے خلاف نہ ہو اور فقیر صلح بین المومنین کا بدل خواہاں ہے اور اپنے احباب کو بھی فقیر کی یہی نصیحت ہے کہ نزاع سے کنارہ کش رہیں اور مسائل مختلف فیہا میں سوادِ اعظم کا اتباع کریں اگرچہ وہ مسئلہ اپنی تحقیق کے مخالف ہو کیونکہ سوادِ اعظم علماء و مشائخ کا خلاف تنزلِ مرتبۂ ایمانیہ کا موجب اور انحطاط و کمالات کا مثمر ہے۔

اُس خط میں یعنی خط مطبوعہ محبوب المطابع میں جو فقیر کے خلاف ہے اُس کی تصریح کرتا ہُوں۔ جواب اول میں امکان و وقوع کا فرق بتایا گیا ہے فقیر کو اس سے اتنا معلوم ہُوا کہ کذب کا نقائص میں ہونا متفق علیہ ہے، پھر ذاتِ مقدس باری تعالیٰ کی طرف نقص کا استناد کس طرح جائز ہوسکتا ہے گو بر سبیلِ امکان ہی سہی جواب ثانی میں آیۂ انما انا بشرٌ مثلکم الخ کا منکر کوئی اہلِ اسلام نہیں سب کا یہی اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر ہیں حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوۃ و السلام کی اولاد میں ہیں، انکار اس بات کا ہے کہ کوئی بشر سمجھ کر بڑا بھائی کہنے لگے یا مثل اس کے اور کلمۂ گستاخی زبان سے نکالے یہ البتہ موجبِ خذلان ہے، فقیر کے اعتقاد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشرف المخلوقات ہیں اور باعثِ ایجادِ کائنات ؏

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جواب ثالث کی تصریح یہ ہے کہ فقیر مجلس شریف میلاد مبارک کا مع ہیئتِ کذائیہ معمولہ علمائے ثقات صلحاء ومشائخ کرام بارہا اقرار کرچکا ہے اور اکثر اس کا عامل ہے جیسا کہ فقیر کی دیگر تقریرات و تحریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے، فقیر کو اِس مجلس شریف کے باعث حسنات و برکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین الیقین ہے کہ اس مجلس مبارک میں فیوض و انوار و برکاتِ رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔

جوابِ رابع میں فقیر کا یہ عقیدہ ہے کہ علماءِ حرمین شریفین کی توہین شمہ بھر جائز نہیں اور اُن کا اتفاق کسی مسئلہ شرعی میں حجت سمجھتا ہُوں جیسا کہ بزرگانِ سلف لکھتے آئے ہیں۔

جواب خامس، فقیر ہمیشہ سے حنفی المذہب وصوفی المشرب ہونے کا مدعی ہے اگرچہ اپنے دعوے میں کامل نہ ہو فقیر تقلید کو واجب جانتا ہے اور اس بات کو اچھا نہیں جانتا کہ کوئی حنفی المذہب ہو کر ایسے مسئلہ کی تائید کرے جس میں حمایت لامذہبی پائی جائے اور عوام ضلالت میں پڑیں۔

(فقرات مندرجہ کرامت نامہ) حضور مرشدی اسمی مولوی نذیر احمد خاں صاحب مدرس مدرسہ احمد آباد گجرات مرقومہ رمضان ۱۳۰۷ھ

وقال دام ارشادہ وامدادہ از امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت عزیزم پیرجی مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی وعزیزم مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی سلمہا اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، تمام بلاد ممالک ہند مثلاً بنگال وبہار ومدراس ودکن وگجرات وبمبئی وپنجاب وراجپوتانہ ورام پور وبہاولپور وغیرہ سے متواتر اخبار حیرت انگیز حسرت خیز اس قدر آتی ہیں کہ جن کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے۔ اس کی علت یہی "براہین قاطعہ" ودیگر ایسی ہی تحریرات ہیں، یہ آتش فتنہ "انوار ساطعہ" کی تردید سے مشتعل ہوئی کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو کچھ ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ تمام ممالک کے علماء ومفاتی نے ساری کتاب کو تہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا۔ دیکھو ہندوستان میں سیکڑوں مذاہب کفریہ وعقائد باطلہ مخالف دین وبیخ کن اسلام ظاہر ہوتے جاتے ہیں اور کیسے کیسے شبہات، الزام واعتراض، شہادت وشبہات وشکوک مذہب اسلام پر وارد کرتے جاتے ہیں پس ایسے وقت میں آپس کی مجادلہ کی جگہ اس کی تردید کرنی چاہیئے اور قرآن شریف کی خوبیاں وفضائل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد ومکارم، اخلاق ومحاسن، اوصاف کو ہر مقام وہر شہر وقریہ

میں نہایت زور شور سے مشتہر کرنا چاہئے، ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محامد، اوصاف و مکارمِ اخلاق کو مشتہر اشاعت عام کرنے کے لئے ہر مقام میں مجلس مولود شریف کا چرچا بڑا عمدہ ذریعہ و مستحسن وسیلہ ہے۔ فقرات مندرجہ کرامت نامہ حضور مرشدی اسمی پیرجی خلیل احمد صاحب و مولوی محمود حسن صاحب مرقومہ ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ وقال دام ارشادہٗ و امدادہٗ "انوار ساطعہ" کے اکثر مسائل میں فقیروں سے متفق ہوا تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت التجا و دُعا کی : یا اللہ ! اگر میں ان مسائل میں صراطِ مستقیم پر ہوں اور حق بجانب ہوں تو اس کتاب کو مقبولِ علماء دیار و امصار و اہلِ اسلام کر۔ چنانچہ ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو قبول فرمایا کہ تمام علماء حرمین شریفین و بلادِ اسلام اس کے مسائل میں متفق ہیں اور خود کتاب کو بھی پسند کرتے ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء (مرقومہ دہم رمضان روز سہ شنبہ ۱۳۰۷ھ اسمی راقم الحروف) وقال دام ارشادہٗ وامدادہٗ میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں اور قیام کرتا ہوں اور ایک روز میرا یہ حال ہوا کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا بعد دیر کے مجھ کو ہوش آیا تب بیٹھا (مرقومہ ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۰۴ھ اسمی راقم الحروف) وقال دام ارشادہٗ وامدادہٗ انوار ساطعہ را از اوّل تا آخر شنیدم و بغور و تدبر نظر کردم ہمہ تحقیق را موافق مذہب و مشربِ خود بزرگان خود یافتم (مرقومہ یازدہم رجب ۱۳۰۴ھ اسمی راقم الحروف) وقال دام ارشادہٗ وامدادہٗ فی الحقیقت نفس مطلب کتاب "انوار ساطعہ" موافق مذہب و مشرب فقیر و بزرگان فقیر است خوب نوشتید جزاکم اللہ خیر الجزا، اللہ تعالےٰ ما و شما و جمیع مومنان را در ذوق و شوق و محبت خود داشتہ حسن خاتمہ نصیب کناد آمین (مرقومہ بست و دوم

شوال ۱۳۰۴ھ اسمی راقم الحروف)

واضح ہو کہ اول "انوار ساطعہ" ۱۳۰۲ھ میں مطبوعہ ہوا تھا رفتہ رفتہ کچھ مدت کے بعد مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت مرشدی و مولائی نے بتدریج اس کو ملاحظہ فرمایا، بعدازاں حضور نے جس قدر کرامت نامجات مکہ معظمہ سے رقم فرمائے سب میں یہ مضمون تھا کہ اس کتاب کے مسائل میرے مشرب اور اور میرے مشائخ کے مشرب سے بالکل موافق و مطابق ہیں پھر حضرت کے قبول فرمانے کی یہ برکت ہوئی کہ یہ کتاب مقبول عام ہوگئی سب اس کو ہاتھوں ہاتھ لے گئے ایک نسخہ باقی نہ رہا اور لوگوں کا اشتیاق یہ کہ دور دور سے خطوط اس کی طلب میں آرہے ہیں گلوگیری تمنائے مشتاقین نے مجبور کر دیا کہ چھپوایئے۔ تب حسب الارشاد حضرت مرشدی و مولائی "انوار ساطعہ" کی نظر ثانی ۱۳۰۶ھ میں شروع کی لیکن اس قدر موانع اور حرج پیش آئے کہ العیاذ باللہ دو روز کام ہوا تو دو مہینے ناغہ گئے باری شکر اس مولیٰ عز اسمہٗ کا کہ انجام کار ۱۳۰۷ھ میں اس کام سے فراغ حاصل ہوا والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ علیٰ شفیعنا خاتم النبیین اللھم اجعلنا بذکرك وذکر حبیبك متلذذین و بآلائك ونعمائك فی الدنیا و الاٰخرۃ متنعمین توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین وارزقنا شفاعۃ سید المرسلین وادخلنا الجنۃ بسلام فرحین وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ محمد والہ واصحابہ واولیاء امتہ اجمعین اللھم ارحمنا معھم برحمتك یا ارحم الراحمین ۞ فقط تمت

حضرت مولانا شاہ عبدالسمیع بیدل رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

از مولانا محمود احمد قادری استاد مدرسہ احسن المدارس قدیم کانپور

نسبی علاقہ شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری کے واسطے سے حضرت ابوایوب انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے ہے، اپنے وطن رامپور منہاران ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ علمائے دہلی حضرت مفتی صدرالدین وغیرہ سے اخذ علوم کیا۔ دورِ طالب علمی میں ۱۲۷۰ھ میں مرزا غالب کے شاعری میں شاگرد ہوئے اور بیدل تخلص اختیار کیا، فکرِ معاش میں میرٹھ پہنچے، مشہور مخیر رئیس حافظ عبدالکریم رئیس لال کرتی (میرٹھ) نے اپنے لڑکوں کی تعلیم کے لئے آپ کو بارہ ۱۲ روپے اور روٹی پر مدرس رکھ لیا، آپ بڑے سادہ دل اور محتاط تھے، مدرس ہونے کے بعد دونوں وقت انواع و اقسام کے کھانے پہنچنے لگے مگر آپ صرف روٹی کھا کر پانی پی لیتے، حافظ صاحب کو خبر ہوئی بلا کر دریافت حال کیا کہ کیا کھانا پسند نہیں آتا کہ آپ ایسا کرتے ہیں، آپ نے سادگی سے جواب دیا کوئی شکایت نہیں معاملہ طے کرتے وقت صرف روٹی طے ہوئی تھی اس لئے باقی چیزوں کے کھانے کا مجھے حق نہ تھا۔

آپ محبوب الٰہ حضرت شاہ امداد اللہ (مہاجر مکی) قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ اور کامل الاحوال تھے، اسی نوے کے درمیان عمر پائی اور میرٹھ میں ۱۹۰۰ھ میں انتقال ہوا، مرقد قبرستان حضرت شاہ ولایت قدس سرہٗ میں ہے۔ آپ کے فرزند مولانا حکیم میاں نے ۱۹۴۰ء میں سفرِ آخرت اختیار کیا، حکیم صاحب کے دو ۲ لڑکیاں تھیں اولادِ نرینہ کوئی نہ تھی۔

مولانا عبدالسمیع قدس سرہٗ کی تصانیف میں نورِ ایمان (منظوم)، سلسبیل (نظم)، راحتِ قلوب، بہارِ جنت، مظہرِ حق چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ "انوارِ ساطعہ" آپ کی مشہور کتاب ہے جو آپ نے "براہینِ قاطعہ" کے رد میں لکھی۔

یا اللہ جل جلالہٗ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکتبہ رضائے مصطفیٰ کی تازہ پیشکش

اعلیٰحضرت کی سو سالہ تصنیف

الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ

۱۲ھ ۱۳

سل السیوف الہندیہ علیٰ کفریات بابا النجدیہ

۱۲ھ ۱۳

معروف بہ

کفریاتِ بابائے وہابیہ

۱۲/-

ملنے کا پتہ

مکتبہ رضائے مصطفیٰ دار السلام گوجرانوالہ